

دُ عائے مغفرت

ا قبال کاظمی (مرحوم) جواس وقت ہمارے درمیان نہیں ہیں، قلم کے دھنی تھے۔جس موضوع پر قلم اُٹھایا اُسے تشنہ نہیں چھوڑا۔ رومان ،سسپنس ، جرائم ، معاشر تی وساجی جبر و استبداد، کون سا موضع ایسا تھا جے اُنہوں نے نہ چھیڑا ہو اور پھر کون سا پہلو ان موضوعات کا ایسا تھا، جسے اُنہوں نے چھوڑا نہ ہو۔لکھنا اُن کی زندگی تھا

> لکھتے رہے جنون کی حکایاتِ خوں چکاں , ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے وہ لکھتے تھےاورخوب لکھتے تھے۔۔۔۔ پھر بہت ہی خوب لکھتے تھے۔

دن کو لکھتے تھے، رات کو لکھتے تھے، لکھتے لکھتے بیار پڑ جاتے ، پھر بیاری میں بھی لکھتے ۔۔۔۔ بیس اُن سے کہتا۔'' بیاری میں تو آپ آرام کرلیں، صحت یاب ہوکر لکھئے گا۔''

فرماتے۔'' لکھنا تو زندگی ہے، لکھوں نہیں تو زندگی کا سامان کہاں سے فراہم کروں گا۔'' زندگی کے محاذیر وہ اپنے گھر سے اکیلے مجاہد تھے۔اصل میں اُن کی قلم کاری افلاس کے سے مسان سے تقد

دیوے ایک مسلسل جنگ تھیدل کے مریفن تھے،لیکن دل کے ہاتھوں مجبور تھے۔ دل تو ای محبوبہ قلم کے عشوہ و ناز وادا کا اسپر تھا۔

ڈ اکٹر انہیں کلمل علاج کے لئے ہیپتال میں داخل ہونے کامشورہ دیتے۔ ''

اِ قبال کاظمی کہتے۔ ''میں تو قلم کے زیدان میں محبوں ہوں۔''

کراچی سے شائع ہونے والے ڈائجسٹوں میں اُن کی طویل سلسلہ وار کہانیاں چیپتی تھیں جواُن سے محبت کرنے والے قارئین میں بے پناہ مقبول تھیں۔

عار نمین!وہ ہمارے لئے حرف محبت لکھتے لکھتے گئے ہیں۔

یں۔ آئے! ہم اپنے خالق و مالک سے دُعا کریں کہ وہ اُن کے لئے مغفرت لکھ دے۔آمین!

محمعلى قريثي

انگارنے

دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ایک نوجوان کی داستانِ شجاعت، جس کے لئے ناموسِ وطن کی حفاظت نقد جال سے بڑھ کرعز برتھی۔

آگ جلتی رہی ،خون اُبلتار ہا۔۔۔۔اور وہ اپنی مجاہدانہ شان ہے آگے بڑھتار ہا۔ جو ہاتھ اُس کی جانب بڑھا، کٹ کے رہا۔ دشمنوں کی ہر چال خود اُنہی کے لئے شہ مات بن۔۔۔۔۔ محترم اقبال کاظمی کے قلم کی روانی اپنے جو بن پر ہے۔قلم کیا ہے۔۔۔۔۔ایک تلوار ہے جو ہندوؤں کی سازشوں کے تانے بانے کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

محبت کی داستانوں کورقم کرنے والے ہمارے محبوب مصنف کاقلم اس کہانی میں بھی تشنه بیں رہا۔

(اداره)

طیارے نے سنٹرل ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاست تا جکستان کے ایک چھوٹے سے سرحدی ا شہر مرغاب سے فیک آف کیا تھا۔ مرغاب کے ایک طرف چندمیل کے فاصلے پرچین کی سرحد تھی اور جنوب میں پچیس ہزارفٹ بلند پامیر کا پہاڑی سلسلہ تھا جو پاکستان کی سرحد میں داخل ہوکر عظیم قراقرم کے سلسلہ کوہ سے جاملتا تھا۔

یہ را رہے سیدہ وہ سے بہت ہوں۔ مرغاب چاروں طرف سے برف پوش بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، یہاں کوئی ہوائی اڈہ نہیں تھااس لئے جہاز نے شہر سے گئی میل دُورایک چھر لیے میدان سے ٹیک آف کیا تھا۔ آدھی رات کے وقت گھمبیر تامیکی میں کسی الیمی جگہ سے جہاز اُڑانے کی کوشش کرنا ہی خودکشی کے مترادف تھا مگر جہاز کے پائلٹ کی مہارت کی دادد بی پڑتی ہے جس نے نہ صرف کا میا بی سے تیک آف کیا تھا بلکہ دونوں طرف بلند پہاڑوں کے درمیان بری کا میا بی اور مہارت سے اسے اُڑا بھی رہا تھا۔

مرغائ ہے نیک آف کرنے والے اس جہاز کی منزل ہندوستان کے زیر تسلط تشمیر کا سونا مارگ نامی وہ قصبہ تھا جوسطح سمندر سے تقریباً سولہ ہزارفٹ کی بلندی پر واقع وور تجھیل کے مشرق میں تقریباً سومیل کے فاصلے پر واقع تھا۔ دوسری طرف سرینگر سے اس قصبے کا فاصلہ صرف باون میل تھا۔

ڈکوٹا ہے ملتے جلتے طاقتور جیٹ انجن والے جہاز میں صرف دو مسافروں کے بیٹھنے کی گرٹا ہے ملتے جلتے طاقتور جیٹ انجن والے جہاز میں صرف مقب میں تھیں۔ جبکہ جہاز کے عین عقب میں تھیں۔ جبکہ جہاز کا چھلا حصہ کارگو کی اسلحہ اور گولہ بارود کی پیٹیاں بھری ہوئی تھیں۔

جباز کے ان دومیافروں میں ایک میں تھا، شمروز اور دوسرا میرا ساتھی ترمیز۔ ہم دونوں کا جباز کے ان دومیافروں میں ایک میں تھا، شمروز اور دوسرا میرا ساتھی ترمیز۔ ہم دونوں کا تعلق ای جنت نظیر خطے نسے تھا جو پچھلے بچاس برسوں سے بھارتی سامراج کے ظلم کی چکی میں پس بہاز کا پائلٹ مسٹرسلوانو ا تالین تھا۔ اُس کی عمراگر چہتیں سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن اُس کی مہارت کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اُسے خطرناک روٹس پر جہاز اُٹرانے کا خاصا تجربہ تھا۔

مربہ عاد طیارہ تقریباً تمیں ہزارف کی بلندی پر پرواز کرتا ہوا پامیر کا سلسلہ کوہ پارکر کے پاکستان کی فضائی صدود میں داخل ہوگیا۔ بائیں طرف قراقرم کا برف پوش سلسلہ تھا۔ رات کی تاریکی کے

باوجود سفید برف کسی اُ جلی چا در کی طرح چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ پامیر کی برف پوش چوٹیاں پار کرتے ہی طیارہ بتدریج اپنی بلندی کم کرنے لگا۔

پاکستانی فضائی حدود میں داخل ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہمارے طیارے کو غالبًا کسی پاکستانی ریڈار پر دیکھ لیا گیا تھا۔ سکنل بھی موصول ہونے لگے۔ طیارے کی شناخت طلب کی جا رہی تھی لیکن مسٹرسلوانو نے کوئی جواب دینے کی بجائے وائر کیس سسٹم ہی آف کر دیا۔

ر واز سے پہلے ہمیں بریفنگ دی گئ تھی اور نہ بتا دیا گیا تھا کہ ہم کسی راڈ ارکی زد میں تو آ سے ہیں لیکن ہمیں کسی قسم کے ہوائی یا زمینی حملے کا خطر ونہیں ہوگا۔ سیاچن کی طرف اگر چہا بنٹی ایئر کرافٹ گئیں نصب تھیں لیکن اُنہیں استعال کرنے کی بھی نویت نہیں آئی تھی۔ اور پھر سیاچن سے ہم میننگڑوں میل دُور تھے۔

مقیوضہ تشمیر میں بھارتی فوجی دستوں ہے بجاہدین کی جنگ اگر چہ برسوں ہے جاری تھی مگروہ زمینی اور چھا پہ مار جنگ تھی۔ بھارت نے مجاہدین کے خلاف ابھی تک فضائیہ استعال نہیں کی تھی۔ بھارت نے مجاہدین کے خلاف ابھی تک فضائیہ استعال نہیں کی تھی۔ بھارت کی طرف ہے تو کسی فضائی در اندازی کا خطرہ نہیں تھا۔ اس طرف تا جکستان اور پیر خین جیسے دوست ممالک کی سرحدیں ملتی تھیں اس لئے سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ کوئی جنگی جہاز اس طرف ہے پاکستانی فضائی حدود میں داخل ہوسکتا ہے۔ البتہ اس طرف آنے والا کوئی جہاز رائداری آئے ہے۔ البتہ اس طرف آنے والا کوئی جہاز رائداری آئے ہے۔ البتہ اس طرف آنے والا کوئی جہاز رائداری آئے ہے۔ البتہ اس طرف آنے والا کوئی جہاز رائداری رد کھرلیا گیا تھا مگر یا کلٹ نے ریڈیو

بھارت کے زیر تسلط تشمیر کی فضائی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔ ہمارا جہاز چیمیں ہزار چیسونٹ بلند نا نگا پر بت کی برف پوش چوٹیوں کے پہلومیں پرواز کرتا ہوا بتدریج اپنی بلندی کم کر رہا تھا۔ اور پھر دفعتاً جہاز کو زور دار جھکے لگنے لگے۔ ہمارا جہاز ایئر باکٹ میں آگیا تھا۔

کا رابطہ ہی حتم کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ ہم تھوڑی دیر میں پاکستان کی فضائی حدود سے نکل کر

جهاز خزان رسیده پتے کی طرح فضا میں لڑ کھڑار ہاتھا۔ ہوا کا زبردست دباؤ اُسے بھی ایک طرف دھکیل دیتااور بھی دوسری طرف۔

سلوانو اُسے سنجا گنے کی گوری کوشش کر رہا تھالیکن جہاز اُس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ہمارے دونوں طرف برف پوش چٹانیں تھیں اورخطرہ تھا کہ جہاز کسی بھی وقت کسی چٹان سے نکرا کرتاہ ہوجائے گا۔

نسلوانو جینے چیخ کر جمیس مختلف ہدایات دے رہاتھا۔ اُس کا ایک تھم یہ بھی تھا کہ ہم جہاز سے کود نے کے لئے تیار رہیں۔ پیرا شوٹ ہمارے کندھوں پر بندھے ہوئے تھے لیکن میں یہ بھی جانا تھا کہ جہاز سے چھلانگ لگانے کے بعد بھی ہم زندہ نہیں نئے سکیں گے۔ یا تو کسی چٹان سے مگر اگر ہمارے نکڑے موجائیں گے یا برف میں ونن ہوجائیں گے۔

مجھے کئی سال پہلے اس علاقے پر پرواز کرنے والے پی آئی اے کے ایک مسافر بردار جہاز کو پیش آنے والا حادثہ یاد آگیا۔ وہ جہاز انہی برف پوش پہاڑوں میں گر کراییالا پتہ ہوا تھا کہ آج تک اُس کا کچھ پتہ چلاتھا اور نہ ہی اُس کے مسافروں کا کوئی سراغ مِلاتھا۔

میں نے ترمیز کی طرف دیکھا۔ اُس کے چبرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ زیر لب کچھے بردوار ہاتھا۔ بردوار ہاتھا۔ بردوار ہاتھا۔ میں نے بھی دل ہی دل میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے موت کا خوف نہیں تھا۔ میں مرنے ہے نہیں ڈرتا تھا لیکن بیسوچ کرافسوں ضرور ہور ہاتھا کہ اگر طیارے کوکوئی حادثہ پیش آگیا تو نہ صرف ہماری قربانی رائیگاں جائے گی بلکہ وہ مقصد بھی پورانہیں ہوگا جس کے لئے ہم نے اپنی جانیں خطرے میں ڈائی تھیں۔

میں اُٹھ کر پائٹ کی سیٹ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھوں سے سیٹ کو مضبوطی سے پکڑ

ایا۔ ہمارے نیچے دائیں بائیں اور سامنے برف کی سفید چا درتھی جس میں جگہ جگہ کو ہاں اُ بھر سے

ہوئے نظر آ رہے تھے۔ جہاز بھی ایک طرف جھکتا اور بھی دوسری طرف سلوانو اب بھی اُسے

سنجالنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ زور دار جھکئے لگنے سے جہاز کے مختلف حصوں سے بڑی

خوفاک ہی آوازیں بھی اُ بھر رہی تھیں جنہیں سن کردل دہل رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے ہوا کے شدید دہاؤ

سے جہاز کی بھی وقت ککڑے کھڑے ہو کرفضا میں بھر جائے گا۔

تقریباً بیں منٹ بعد جہاز ہوا کے اس طوفان سے نکل آیا۔ قدرت کی مہر بانی اور کچھ پائلٹ کی مہر بانی اور کچھ پائلٹ کی مہارت کا کمال تھا کہ جہاز کسی حادثے سے محفوظ رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کاشکر ادا کیا کہ مہاز کیا کہ جہاز ادا کیا کہ موت کے جبڑوں سے نکل آئے تھے۔ لیکن سلوانو نے بیخوفناک انکشاف کیا کہ جہاز این اس کا رُخ ایٹ اصل رائے سے بھٹک کراپنی منزل سے سینکڑوں میل دُورنکل گیا تھا اور اب اُس کا رُخ سیاجن کی طرف تھا۔

سلوانونے فورا ہی جہاز کوسنجال لیا اور بتدریج اُس کا راستہ تبدیل کرتا رہا۔ لیکن اس سے پہلے کہ جہاز کی پرواز ہموار ہوتی جہاز کے بچھلے جھے ہے ایک خوفناک آواز من کر میں چونک گیا۔ وہ الی ہی آواز تھی جیسے کی ورخت کی بہت بڑی شاخ ٹوٹ رہی ہو۔۔۔۔۔ اس خوفناک آواز کے ساتھ ہی جہاز ایک بار پھر کسی ایئر پاکٹ آواز کے ساتھ ہی جہاز ایک بار پھر کسی ایئر پاکٹ میں کیسن گئے ہیں۔سلوانو جہاز کوسنجوالنے کی کوشش کرتے ہوئے جیخ رہا تھا۔

'' پیچھے جا کر دیکھو وہاں کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے۔''

میں آپنے آپ کوسنجالاً ہوا تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑا اور پھر میرا دل اُ چھل کرحلق میں آپنے آپ کوسنجالاً ہوا تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑا اور پھر میرا دل اُ چھا کہ ہم ہوا کے اس طوفان سے چھ نکلے میں مگر وہ طوفان اپنا کام کر گیا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ اُن کی اُن کے جھا دروازہ ٹوٹ کر لئگ رہا تھا اور کسی ہوئے جہاز کو لگنے دروازے سے اندرآنے والے طوفانی ہوا کے جھکڑ جہاز کا توازن بگاڑ رہے تھے اور جہاز کو لگنے والے جھٹوں کے ساتھ اسلحہ کی بھاری پیٹمیاں بھی اِدھراُدھرلڑ ھک رہی تھیں۔

جہاز تیزی ہے ایک طرف جھک رہا تھا۔ گڑک کی وہ خوفناک آواز ایک بار بھر سائی دی اور الکا ہوا دروازہ جہاز ہے الگ ہو کر تاریکی میں غائب ہو گیا اور پھر وہ خوفناک منظر دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رُکتا ہوامحسوں ہونے لگا اسلح کی بھاری پیٹیاں جہاز کے پچھلے جھے کی طرف پھسل رہی تھیں

عرف کی رہی ہے۔۔۔۔۔۔ جہاز کا توازن کچھاور گبڑ گیا۔ سارا بوجھ پچھلے ھے کی طرف آ رہا تھا جس سے پچھلا حصہ آ ہتہ آ ہتہ جھک رہا تھااور کاک بٹ والا حصہ بتدریج اُوپر کی طرف اُٹھور ہا تھا۔۔۔۔۔ میں کسی نہ کسی طرح دوڑتا ہوا کاک بٹ میں پہنچ گیا۔

'' جَهاز کا دروازہ ٹوٹ کر گر گیا ہے اور اسلح کی پیٹیاں پھسلتی ہوئی چیچے جارہی ہیں۔'' میں نے چیخ کر ہائلٹ کو بتایا۔

" (اب جہاز کو بچانا ممکن نہیں۔'' سلوانو نے بھی چیخ کر کہا۔'' چھلا نگ لگا دو ….. ہری اپ! ورنہ جہاز کے ساتھ ہم سب کے بھی کلڑے ہو جائیں گے۔''

ہم جہاز کی سائیڈ میں گئے ہوئے راڈ کو پکڑے آ ہتہ آ ہتہ دروازے کی طرف بڑھتے رہے۔ جہاز کوایک اور جھٹکا لگا۔ وہ دونوں پیٹیاں دروازے سے نکل کر تاریک خلامیں غائب ہوگئیں.....

ہوں اسس میں درواز ہے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جمعے چھلا نگ لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جیسے ہی راڈکو چھوڑا خود بخو د پھساتا ہوا درواز ہے ہا ہر گرااور ہوا میں قلا بازیاں کھانے لگا ۔۔۔۔۔
اُس وقت جہاز تقریباً دی ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ دو اڑھائی ہزار فٹ تک تو میں قلا بازیاں کھا تا رہا، میں بڑی تیزی ہے نیچ آ رہا تھا اور یسوچ کر ہی رُوح فنا ہوئی جارہی تھی کہ اگر پیراشوٹ نہ کھلا تو کسی چٹان ہے کرانے کے بعد میرے جسم کے کتے کئر ہے ہوں گے؟ میں نے دونوں ٹائلیں سمیٹ کر گھٹے پیٹ سے لگا لئے اور ٹائلوں کوزور اُر بھٹا ویا۔ اس طرح میں جیسے ہی سیدھا ہوا جمجھے ایک زور دار جھٹا لگا اور میرے گرنے کی رفتار ایک دم کم ہوگئی۔ پیرا شوٹ کی رسیوں کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس وقت میری بری حالت تھی۔ د ماغ میں وہا کے سے ہور ہے تھے۔ میں اپنے آپ کو سنجا لئے کی کوشش کرتے ہوں خاود فضا میں گوئی رہی کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس وقت میری ہوئے ادھراُدھر د کھنے لگا۔ چہاز بہت دُورایک پہاڑی کے پیچھے غائب ہوگیا۔ چند سینڈ اُس کی ہوئے اور فضا میں گوئی رہی گوالک زوردار دھا کہ بیاڑی کی دوسری ہوئے اور فضا میں گوئی رہی گوالک زوردار دھا کہ بیاڑی دیا اور اس کے ساتھ ہی بیاڑی کی دوسری ہوئے اور فضا میں گوئی رہی کو ایک زوردار دھا کہ بیائی دیا اور اس کے ساتھ ہی بیاڑی کی دوسری ہوئے اور فضا میں گوئی رہی گوالک زوردار دھا کہ بیائی دیا اور اس کے ساتھ ہی بیاڑی کی دوسری ہوئے اور فضا میں گوئی رہی گوالک زوردار دھا کہ بیائی دیا اور اس کے ساتھ ہی بیاڑی کی دوسری ہونے اور فضا میں گوئی رہی گورایک زوردار دھا کہ بیائی دیا اور اس کے ساتھ ہی بیاڑی کی دوسری

۔ طرف ہے آگ کا ایک گولہ سا اُٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں بھی دھاکے ہونے لگے۔ میں نے آئکھیں بند کرلیں۔

چندسینڈ بعد میں نے آئیمیں کھول دیں اور إدھراُدھرد کیفنے لگا۔ ہرسوتاریکی تھی اور میں اس
تاریک خلا میں معلق ادھراُدھر جھول رہا تھا۔ تیز ہوا کے جھو تکے مجھے بھی ایک طرف دھکیل دیتے
اور بھی دوسری طرف۔ ہیرا شوٹ ہونے کے باوجود میری زندگی کی کوئی ضانت نہیں تھی۔ میں
مکن تھا کہ میں تاریکی میں کی چٹان سے مکرا کر پاش پاش ہوجا تا۔ میں نے گردن جھکا کر پنجے
دیکھا تو نیچ بھی تاریکی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ یہ برفانی علاقہ نہیں تھا۔ پنچ کہیں برف ہوتی تو
ویکھا تو نیچ بھی تاریکی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ یہ برفانی علاقہ نہیں تھا۔ پنچ کہیں برف ہوتی تو

تیز ہوا کے تھیٹر نے مجھے ادھراُ دھر جھلا رہے تھے۔ میراجہم پینے میں شرابور ہور ہا تھا۔ میں
نے ایک بار پھرآ تکھیں بند کر لیں اوراپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ اور پھر دوسرے ہی
لیمے میرے ذہن میں ترمیز کا خیال اُ بھرآیا۔ اُس نے میرے پیچھے ہی جہاز سے چھلا مگ لگائی
تھی۔ ترمیز کا خیال آتے ہی میں نے آئکھیں کھول دیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میر نے
خیال میں ترمیز کو میرے قرب و جوار ہی میں کہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیکن تھمبیر تاریکی میں پچھ
خیال میں ترمیز کو میرے قرب و جوار ہی میں کہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیکن تھمبیر تاریکی میں پچھ
میل میں ترمیز کو میرے قرب و جوار ہی میں کہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیکن ہویا اُس کا پیراشوٹ
میں نہ کھلا ہو۔ اس خوفاک تصور سے میں کا نب اُٹھا اور اپنے آپ کو تیل دینے لگا کہ ترمیز کا پیرا
شوٹ بھی کھل گیا ہوگیا۔ وہ بھی میری طرح فضا میں تیرر ہا ہوگا۔ وہ مجھے دکھائی اس لئے نہیں
دے رہا تھا کہ ہوا اُسے اُڑا کر مجھ سے دُور لے گئی ہوگی۔ اس تاریکی میں تو ہاتھ کو ہاتھ بھائی
نہیں دے رہا تھا کہ ہوا اُسے اُڑا کر مجھ سے دُور لے گئی ہوگی۔ اس تاریکی میں تو ہاتھ کو ہاتھ بھائی

میں نے پائلٹ سلوانو کے بارے میں بھی سوچا۔ وہ تجربہ کار آ دمی تھا۔ جہاز کی صورتحال جان کرائس نے ہمیں چھلا تگ لگانے کا مشورہ دیا تھا، وہ خود کیسے جہاز میں رہ سکتا تھا؟ عین ممکن ہے جب ہم جہاز کے پچھلے جھے کی طرف آ رہے تھے تو اُس نے ہم سے پہلے ہی کاک پٹ والے دروازے سے چھلا تگ لگادی ہو۔

تاریکی میں ادھراُدھر دیکھتے ہوئے میں ایک دم چونک ساگیا دائیں طرف نیجے بہت وُور پکھ دیئے مُٹماتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ پہلے تو میں اسے اپنا واہم سمجھا، کیکن نہیں وہ میرا وہم نہیں تھا۔ وہ کوئی بستی تھی جہاں بکھری ہوئی کچھ ردشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ فاصلہ بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ردشنیاں بہت مدھم دکھائی دے رہی تھیں۔

میں پھے دیر تک اُن مٹماتی ہوئی روشنیوں کود کھار ہا پھر نیچے اپنے اطراف میں دیکھنے لگا۔ میں زمین کے قریب پہنچ رہا تھا۔ تاریک چٹانوں کے ہیو لے چھے واضح ہور ہے تھے جو بڑی تیزی سے قریب آ رہے تھے پایاالفاظ دیگر میں اُن کے قریب پہنچ رہا تھا۔

میں زندگی میں پہلی باراس فٹم کے تجربے سے دو چار ہوا تھا۔ مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ

.

10

پیراشوٹ سے چھلانگ لگانے کے بعد زمین پر کس طرح اُتراجاتا ہے؟ ایک مرتبہ ایک انگریزی فلم میں ایک جنگی جہاز کے پائلٹ کو اُتر تے دیکھا تھا۔ وہ ہوا کے رُخ پر اُترا تھا۔ اُس کا پیراشوٹ اُس سے آگے تھا، زمین پر قدم تکتے ہی وہ اپناتوازن برقرار رکھتے ہوئے ای طرف ور اُل تھا جس طرف پیراشوٹ زمین پر قسٹ رہا تھا۔ لیکن وہ ایک تجربہ کارپائلٹ تھا اُسے اس طرح اُتر نے کی فرینگ دی گئی تھی۔ اور پھر وہ ہموار میدان میں اُترا تھا جہاں اُسے منبطئے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن بہاں صورتحال مختلف تھی۔ جمھے نہ تو کوئی تجربہ تھا اور نہ ہی میں کسی ہموار میدان میں اُتر رہا تھا۔ نیچ سنگلاخ چٹا نیں تھیں جن سے مکرا کر زندہ ہے جانے کا سوال ہی پیدائییں ہوتا تھا۔ میر سے جسم نے مسام تیزی سے نہیں تھی۔ ساتھ بیری سے قریب آرہی تھی۔ اور پھر وفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔ ساتھ بیری دفعتا وہ ہوا جس کی مجھے تو تع نہیں تھی۔

بدل گیا۔ پیرا شوٹ اب جٹانوں کی بجائے دائیں طرف جا رہا تھا۔ اُس طرف ٹیلوں کی نسبتا ہموار اور ڈھلوان پہاڑیاں تھیں۔ وہ روشنیاں بھی کی پہاڑی کے پیچھے نگاہوں سے اوجھل ہو رہی تھیں۔

ربی یں۔ میں بڑی تیزی سے زمین کے قریب پہنچ رہا تھا۔ میں نے سر کے اُوپر پیرا شوٹ کی دونوں رسیوں کومضبوطی سے پکڑلیا اور دونوں پیرآ گے کو زکال لئے ۔لیکن ایک اورخوفناک تھیقت نے مجھے دہلا کرر کھ دیا۔میرا پیرا شوٹ جس طرف جارہا تھا وہاں درختوں کے بیو لے نظر آ رہے تھے۔

درخت بڑی تیزی سے قریب آرہے تھے۔ میں ایک درخت کی شاخوں سے نگرا تا ہوا آگے نکل گیا اور پھر مجھے ایک زور دار جھٹکا لگا پیرا شوٹ درختوں میں اُلجھ گیا تھا اور میں ایک جھٹکے سے فضا میں معلق ہو گیا۔

کئی سینٹر بعد میرے حواس بحال ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ صورتحال زیادہ علین نہیں تھی۔ پیرا شوٹ درخت کی اُوپر والی شاخوں میں اُلجھا ہوا تھا جبکہ میں نیچے والی شاخوں میں پھنس گیا تھا اور زمین سے دیں بارہ فٹ کی بلندی پر تھا۔

میں چندسیکنڈ فضا میں معلق رہا، پھر میں نے ایک ہاتھ رہی سے ہٹالیا اور جیکٹ کی جیب سے چاقو نکال لیا۔ پیرا شوٹ کی ایک رسی کا شخے سے میں پچھ نیچ کھسک گیا۔ میں نے ٹانگوں سے شول کر پیرنستا ایک موٹی شاخ پر جماد سے اور پیرا شوٹ کی دوسری رسی بھی کاٹ دی۔ اس کے بعد درخت ہے اُتر نامیر سے لئے کوئی زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔

میں زمین پر پڑا گئی منٹ تک گہرے گہرے سانس لیتار ہا۔ یہ میری زندگی کا خوفناک ترین تج بہ تھا جس نے مجھے اندر سے ہلا کرر کھ دیا تھا۔ میں ترمیز اور سلوانو کے بارے میں سوپنے لگا کہا گروہ پیراشوٹ کے ذریعے نیچے اُتر گئے ہوں گے تو کس طرف ہوں گے؟ لیکن کوئی اندازہ لگا نا بالکل میکن نہیں تھا۔ ہوا اُنہیں کہیں کا کہیں لے گئی ہوگی۔

. مجھے کچھانداز ہنہیں تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ یہاں سے نئے کرکسی محفوظ جگہ تک پہنچ

بھی سکتا ہوں یا ان پہاڑوں میں بھٹکتا ہوا زندگی ہے ہاتھ دھو بیٹھوں گا؟ پیرا شوٹ کے ذریعے اُتر تے ہوئے میں نے دُور کی بہتی کی روشنیاں دیکھی تھیں۔ ان بہتی والوں نے جہازی آواز من ہوگی اور جہاز کو گر کر تباہ ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا۔ اگر وہ کوئی عام بہتی تھی تو ممکن ہے کی نے توجہ نہ دی ہو۔ لیکن اگر وہ کوئی فوجی کیمپ تھا تو اُنہیں ضرور تتویش ہوئی ہوئی ہوگی۔ رات کے وقت وادی تشمیر کے کی بھی حصے میں کسی ہوائی جہاز کے آنے کی تو قع نہیں کی جا سمتی تھی۔ وہ بلی پواز کون سے سری نگر کے لئے ایڈین ایئر لائن کی پرواز دن کے وقت آئی تھی۔ اور یہی پرواز کی اور لیہ کا چہاز کی تراش ہوتا ہونے والے جہاز کی تلاش میں روانہ بھی ہو چی ہویا روانہ ہونے والے جہاز کی تلاش میں روانہ بھی ہو چی ہویا روانہ ہونے والے جہاز کی تلاش میں روانہ بھی ہو چی ہویا روانہ ہونے والے ہو۔

میں کچھ در وہاں بیٹھارہا اور پھر اُٹھ کر پہاڑی پر چڑھتا چلا گیا۔ ایک جگہ ڈک کر میں نشیب میں دیکھنے لگا لیکن ظاہر ہے تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں ترمیز کا نام لے کر پکارنے لگا۔ میری آواز پہاڑوں میں ہازگشت پیدا کرتی رہی لیکن جواب میں کوئی آواز سائی نہیں

پھلنے کا انظار مناسب سمجھا اور ایک پھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اپنے اس مشن کی ناکامی کا تھا۔ ہمیں اسلحہ کی وہ پیٹیاں سونا مارگ کے قریب ایک خاص مقام پر گرا کر واپس چلے جانا تھا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے

سونا مارک کے قریب ایک خاص مقام پر کرا کر واپس چلے جانا تھا۔ پہلے سے طے شدہ مضوبے کے مطابق مقررہ مقام پرز مین سے ہمیں روشی کے خصوص سکنل ملتے۔ ہم اسلحہ کی وہ پٹیاں جن کے ساتھ پیرا شوٹ بھی تھے، جہاز سے گرا دیتے اور چکر کا شتے ہوئے واپس چلے جاتے لیکن ہمارا جہاز ایئر پاکٹ میں پھنس گیا۔ اس سے نگی کر نکلے تو انکشاف ہوا کہ ہم اپنی منزل سے بہت وُرنگل گئے تھے اور واپس آتے ہوئے وہ حادثہ پیش آیا جس سے نہ صرف اسلحہ کی پٹیاں نیج گرکس بلکہ ہمیں بھی اپنی جانے نے کے لئے جہاز سے چھا لگ لگائی پڑی اور جہاز بھی کسی گرکس بلکہ ہمیں بھی اپنی جانے نے کے لئے جہاز سے چھا لگ لگائی پڑی اور جہاز بھی کسی جہاز کر کر تباہ ہوگیا تھا۔ جھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اسلحہ کی پٹییاں کس علاقے میں گری تھیں؟ ترمیز کہاں تھا اور کروڑوں ڈالر مالیت کا وہ اسلحہ بھارتی درندہ صفت فو جیوں سے برسر پیکار مجاہدین ہوگیا تھا اور کروڑوں ڈالر مالیت کا وہ اسلحہ بھارتی درندہ صفت فو جیوں سے برسر پیکار مجاہدین تک بہنچنے کی بجائے ضائع ہوگیا تھا۔ اس مشن کی ناکامی سے جہاں ایک طرف بھاری مالی تھا۔ اس مشن کی ناکامی سے جہاں ایک طرف بھاری مالی تھا۔ اس مشن کی ناکامی سے جہاں ایک طرف بھاری مالی تھا۔ سے بہن کی سرگر میاں بھی متاثر ہونے کا اندیشہ تھا۔

بات کوآ گے بڑھانے سے پہلے میں اپنے بارے میں مخضرطور پر بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ آپ اس داستان میں میرے کر دار کا صحح تعین کرسکیں۔

میں 1966ء میں سوپور میں پیدا ہوا تھا۔ سرینگر سے تقریباً پچاس میل وُ وراور وور جھیل کے قریب بیدا کی بہت ہی خوبصورت قصبہ ہے، خدانے اس قصبہ کے لوگوں کو زندگی کی ہر نعت سے نوازا ہے۔ زر خیز زمینیں، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشنے، مرغز اراور گنگناتی ہوئی شفاف پانی کی ندیاں۔ قدرتی حسن سے مالا مال بی علاقہ ہر قسم کی پیداوار کے لئے بھی پوری وادی میں مشہور ہے۔ پاول اور زعفران کے علاوہ یہاں دنیا کی ہر نعمت موجود ہے۔ لیکن وادی کے دوسر سے باشندوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی آزادی کی نعمت سے محروم ہیں۔ میں نے جب سے ہوش باشندوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی آزادی کی نعمت سے محروم ہیں۔ میں ارق وادی کے سنجالا ہے اپنے لوگوں کوظلم کی بچلی میں پستے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ بھارتی سامراج وادی کے باشندوں کو بچھلے بچاس برسوں سے جس طرح ظلم و بر بریت کا نشانہ بنا رہا ہے وہ کسی سے ڈھکی بات نہیں ہے۔

مجھ ہے بردی دو بہنیں تھیں۔ زینت دوسال اور رابعہ مجھ سے چارسال بری تھی۔ انہیں صرف پرائمری سکول تک تعلیم ولائی گئی تھی البتہ دین تعلیم میں کوئی کی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ دونوں حافظ قرآن تھیں۔ والد صاحب نے انہیں فقہہ وحدیت کے علم سے بھی آ راستہ کیا تھا۔ والد صاحب مجھے اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن بھارت کے متعصب ہندو حکمرانوں نے مشمیر کے مسلمانوں پر تو عرصہ حیات تھ کررکھا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کا حصول ایک خواب بن کررہ گیا تھا۔ میں قصبے کے ہائی سکول سے صرف میٹرک تک تعلیم عاصل کر سکا اور اس کے بعد کھیتی باڑی سنجال لی۔ میں جانا تھا کہ زمین کی آمدنی کا ایک ایک بیسہ مجاہدین کودے دیا جاتا تھا اس کئے میں نے دیت سے بھی جی نہیں جرانی تھا۔

یں سے سف سے مل بھی ہیں ہوتی وہتی دستے سے جھڑپ کے بعد پناہ لینے کے لئے ہمارے بعض اوقات مجاہدین کسی بھارتی فوجی دستے سے جھڑپ کے بعد پناہ لینے کے لئے ہمارے قصبے کی طرف بھی آ جاتے۔گاؤں والوں نے اُنہیں بھی مایوس نہیں کیا تھا۔ گئی گئی روز تک اُنہیں بنصر نہ صرف چھپائے رکھا جاتا۔ ایسے معاملات میں میرے والدصاحب ہمیشہ پیش پیش پیش رہتے کوئی بھی مسلہ ہوتا اُن سے مشورہ ضرور لیا جاتا۔

مشرور لیا جاتا۔

مجاہدین جب ہمارے قصبے میں چھپے ہوتے تو میں اُن سے ملتا اور اُن کی باتیں سنتا۔ اُن کی ولاد انگیز باتوں سے میرے اندرایک تحریک پیدا ہوتیخون جوش مارنے لگا اور میرا بھی دل چاہتا کہ میں بھی ان کے ساتھ جہاد میں حصہ لوں۔ اپنی سرزمین سے ہندو بھیڑیوں کے

ناپاک وجود کومٹانے کے لئے اُن پر گولیاں برساؤں۔ میں نے ایک دومر تبہاس خواہش کا اظہار بھی کیا تھالیکن مجامدین کے خیال میں، میں ابھی بہت چھوٹا تھا۔

بہ ای تا 198ء کی بات تھی۔ کشمیر کی تحریک زور پکڑ گئی تھی۔ جوش و ولو لے کی ایک نی اہر اُٹھی تھی جس نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بھارتی فوج کا کوئی بھی دستہ مجاہدین کے حملوں نے تعفوظ نہیں تھا۔ فوجی قافلوں پر حملے ہورہے تھے۔ بھارتی فوجیوں کا کوئی بھی کیپ جاہدین کے حملول سے محفوظ نہیں تھا۔ وادی کے مختلف علاقول میں روز انہ بیبیوں فوجی مجاہدین کے ہاتھوں جہنم واصل ہورہے تھے۔ اُن کی لاشیں جب دِ تی پہنچتیں تو کہرام ساچے جاتا تھا۔ صف ماتم بچھے جاتی۔

بھارتی ہور ما مجاہدین سے تو مار کھا جاتے گراس کا انقام لینے کے لئے نہتے اور بے گناہ و کمزورلوگوں کواپنی بربریت کا نشانہ بناتے۔ وہ چھوٹی چھوٹی بستیوں پرٹوٹ پڑتے۔ بوڑھوں اور معصوم بچوں تک کو بے رحمی ہے موت کے گھاٹ اُ تار دیتے ، بھوکے اور خونٹو اربھیڑیوں کی

طرح عورتوں پر نوٹ پڑتے۔ ابتماعی آبروریزی کے داقعات عام ہو چکے تھے۔ درندہ صفت بھارتی فوجیوں کے ان مظالم ادراہ چھے ہتھکنڈوں سے دادی کے مسلمانوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ مجاہدین نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ اپنی عورتوں کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لئے دہ قہرین کر بھارتی فوجیوں پر ٹوٹ پڑتے ،کی فوجی قافلے کو گھیرے میں لیتے تو ایک بھی فوجی نے کرندنکل یا تا۔ کی کیمپ پر ہملہ آور ہوتے تو اُسے را کھ کا ڈھیر بنادیتے۔

میں پندرہ سال کا ہو چکا تھا۔ رائفل کا بوجھ اُٹھا سکتا تھا۔ میں بھی چاہتا تھا کہ مجاہدین کے شانہ بشانہ بھارتی سامراجیوں کے خلاف لڑوں گر قصبے کے لوگوں نے مجھے اور چندلڑکوں کو رہے رکھا تھا۔ اُن کے خیال میں فی الحال ہم قصبے میں رہ کر ہی مجاہدین کے لئے بہتر خدمات انجام دے سکتے ہیں اور جب وقت آئے گا تو وہ اپنے ہاتھوں ہے ہمیں رائفلیں دے کر رخصت کریں گے۔

چھوٹی سے چھوٹی لہتی میں بھی پوری وادی کی خبریں بہنچ جاتی تھیں۔ سوپور تو ایک قصبہ تھا۔ سرینگر اور مختلف شہروں میں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ انہی لوگوں سے وادی کے حالات من سن کر میں کڑھتار ہتا میراخون کھولتا۔

آزادی ہرانسان کا بنیادی حق ہے اور ہمارا یہ حق بھارت کے متعصب ہندو حکمرانوں نے خصب کررکھا ہے۔ وہ طاقت کے بل بوتے پرہمیں اپنا غلام بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔لیکن دنیا نے بھی دیکھ لیا تھا کہ ہم غلام بن کرنہیں آزاد اور خود مختار انسانوں کی طرح جینا چاہتے ہیں اور وادی کے غیور مسلمان اپنا بیحق حصینے کے لئے ہی طویل عرصے سے جدو جہد کررہے ہیں۔ اس میں شرنہیں کہ کشمیر کے مسئلے کو الجھانے میں سیاسی عوامل کارفر ماہیں۔ میں سیاست میں نہیں جاؤں گالیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ وادی کے بعض بااثر مسلمان رہنما تشمیر کاز سے غداری نہ

کرتے تو آج یہ مسئلہ بڑی حد تک سلجھ چکا ہوتا۔ لیکن المیہ تو یہی ہے کہ شیر کشمیر کہلوانے والوں نے اپنوں کو دھوکہ دیا اور اپنی سرزمین سے غداری کی۔ ذاتی اقتدار کے لائج میں اُنہوں نے معصوم کشمیریوں کی پشت میں چھرے گھونپ دیئے اور اُن کی قسمت کی ڈور متعصب ہندو حکر انوں کے ہاتھوں میں دے دی۔ لیکن بھارتی حکمرانوں کو بھی بخو بی یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ کشمیرا تنا تر نوالہ نہیں جے آسانی ہے تضم کیا جاسکے۔

جمارتی حکمرانوں کی توسیع پندی بھی گئی ہے وہ کی چھپی بات نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ لئکا ہے جو بھی نکلا باون گزکا ہی نکلا۔ بھارت میں جو بھی برسرافتدارآ یا رہنا بجاری ہی نکلا۔ زبان ہے امن اور بھائی چارے کا درس دینے والے جنگی جنون میں بہتلا ہی یائے گئے۔ پچھلے بچاس برسوں میں اُنہوں نے حالات کے بل بوتے پر آس پاس کی جھوٹی جھوٹی آزادریا ستوں پر جس طرح قبضہ کیا اس کے بارے میں دنیا جانتی ہے۔ گورکو پر تگال ہے آزادی دلانے کے بہانے بغاوت کرائی اور بالآخر طاقت کے بل بوتے پر خودگور پر قبضہ کرلیا۔ برماکی ریاست آسام پر بھی طاقت کے زور پر تبلط جمایا۔ ناگا قابل بچاس سال گزرنے کے بعد آج بھی بھارتیوں کے لئے لوے کا چنا ہے ہوئے ہیں۔ سکم اور بھوٹان پر طاقت کے ذریعے قبضہ کیا۔ 1971ء میں پاکتان کا ایک باز و کاٹ دیا۔ اندرا کا خیال تھا کہ مشرقی پاکتان کو بھی طاقت کے زور پر بھارت میں خم کیا۔ اندرا کا خیال تھا کہ مشرقی پاکتان کو بھی طاقت کے زور پر میں جھی خودر بنا ہوا ہے اور بھارتی حکمران جان چکے ہیں کہ وادی میں بعض غداروں کی موجودگی میں جھی غداروں کی موجودگی میں بعض غداروں کی موجودگی میں بھی خود کشمیر برکمل قبضے کا خواب بھی پورانہیں ہو سکے گا۔

نیں یہ سب می بھی سونچا رہتا اور کڑھتا رہتا۔ میں اپنی سر زمین کو ان بھارتی بھیڑیوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا چاہتا تھالیکن بچہ بچھ کرمیری بات کونظر انداز کر دیا جاتا۔لیکن ہالآخر ایک روزقسمت مجھ پرمہر بان ہوگئ۔

ایک رور سف سف پر بر بی اردی ہے ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں کو زمین کی آمدنی بھیجا کرتے تھے وہ کچھ ہوا یوں کہ میر بے والد صاحب جن مجاہدین کو زمین کی آمدنی بھیجا کرتے تھے وہ کچھ مصروفیات کی وجہ ہے نہیں آسکے تھے۔ مجاہدین کی اُسی جماعت کے لیڈر عبدالرشید عباس نے پیام بھیج دیا کہ رقم سرینگر بھیج دی جائے۔ اُس نے بیا پیغام ایک عورت کے ہاتھ بھیجا تھا۔ والد صاحب کوگل ناز نامی اُس عورت پر کوئی شبہبیں تھا۔ وہ پہلے بھی دو تین مرتبہ یہاں آ بھی تھی لیکن ہر مرتبہ اُس کے ساتھ کوئی نہ کوئی آدمی ضرور ہوتا تھا۔ گراس مرتبہ وہ اکمیلی آئی تھی اور سلطان والد صاحب اُس اکمیلی کو آتی بڑی رقم دے کر نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ اس لئے مجھے اور سلطان والد صاحب اُس اگیلی کو آتی بڑی رقم دے کر نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ اس لئے مجھے اور سلطان

نامی ایک لڑکے کو اُس کے ساتھ جانے کو تیار کیا گیا۔ گل ناز ایک ادھیڑ عمر اور صحت مندعورت تھی۔ بس میں وہ میرے ساتھ بیٹھی تھی جبکہ سلطان ہم سے چھپلی سیٹ پر ببیٹھا تھا۔ راستے میں ہم نے کوئی بات نہیں گی۔ سرینگر میرے لئے اجنی نہیں تھا۔ میں پہلے بھی کئی مرتبہ یہاں آچکا تھا۔ لیکن آج کچھاور بات

تھی میں ایک اہم مثن پر تھا اور اپنے آپ میں ایک عجیب سنسنی کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

سرینگر میں اڈے پر لا ری ہے اُتر تے ہی میں نے شہر میں گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا۔ بس
اڈے کے آس پاس کی دُکا نیس ہند تھیں اور فضا میں آنسو گیس کی بور چی ہوئی تھی۔ ہم بس سے
اُتر کر چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک آ دمی کسی طرف ہے آ کر ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں
نے اور سلطان نے باؤی گارڈز کی طرح گل ناز کو اپنے درمیان لے رکھا تھا۔ وہ آ دمی چند قدم
تھی۔ ہمارے ساتھ ساتھ چلتا رہا، پھر شاید اُس نے ہمارے بارے میں کوئی رائے قائم کر لی
تھی۔ پھر اُس نے جیسے ہی مجھے ایک طرف ہٹا کرگل ناز کے قریب آنے کی کوشش کی میں چو نکے
بغیر نہ رہ سکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں پچھ بھے سکتا اُس خفص نے گل ناز کی طرف جھکتے ہوے
سے میں

ی کی ہے۔ ''لاہوری محلے کی طرف گڑ بڑ ہے۔ بند کی طرف چلی جاؤ! کمانڈر پوسٹ نمبر تین پرتمہارا

وہ خض ہم سے الگ ہٹ گیا، میں نے اُسے تیزی سے بائیں طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ ادر پھر گل ناز کی طرف دیکھنے لگا۔ گل ناز کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئ۔ اُس نے سرگوشی کے۔'' پریشان مت ہو۔۔۔۔۔اپنا ہی آ دمی تھا۔''

ُ لا ہوری محکمہ شہر کے اندرو نی علاقے میں تھا۔ مگر اُس شخص سے یہ پیغام ملنے کے بعد گل ناز نے اپنا راستہ بدل دیا۔ میں اور سلطان اب بھی اُس کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔

ہم ایک طویل چکر کاٹ کر زیرو برج پہنچ گئے۔ یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ دریائے جہلم سرینگر شہر کو دوحصول میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک طرف پرانا شہر ہے جس کی آبادی گنجان ہے۔ آڑھی ترچھی گلیاں کسی قدیم شہر کا منظر پیش کرتی ہیں۔ دریا کے دوسری طرف ماڈرن آبادی ہیں ہے۔ سیکر یٹریٹ ، سینٹرل پوسٹ آفس ، ریزیڈنی اور زیادہ تر سرکاری عمارتیں اُسی علاقے میں ہیں۔ سیاستدان اور وزراء کے بنگلے بھی اُسی طرف ہیں۔ انگریزوں کے زمانے میں تو یہ سب سے جدید اور بارونق علاقہ ہوا کرتا تھا۔ بڑے بڑے ہیر اسٹور اور ہینڈی کرافٹس کی بے شار بوئی بڑی کرنیس اس علاقے میں ہیں۔ یہ بند کا علاقہ کہلاتا ہے۔شہر کے دونوں حصوں کو ملانے برسی بڑی کرنے جہلم پرئی بل بنے ہوئے ہیں جنہیں نمبروں یا ناموں سے بہچانا جاتا ہے۔ ہم برسی کی طرف آئے تھے وہ زیرو برج کہلاتا تھا۔

راستے میں ہمیں ایک تانگہ مل گیا۔ دوآ دمی پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ایک آگے ایک پیچھے۔ پچپل سیٹ پر بیٹھے ہوئے محض کی عمر پچپن کے لگ بھگ رہی ہوگی۔مشت بھر سفید داڑھی، سر پر کھڑے کی سفیدٹو کی اور ہاتھ میں تسبع ، اُس کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔خوف و دہشت تشمیم کی وادی کے ہاسیوں کا مقدر بن چکا تھا۔اگر مقابلہ انسانوں سے ہوتا تو اس خوف سے نجات حاصل کی جائتی تھی گر وہ تو بھیڑئے تھے۔ درندے جو رحم کرنا تو جانتے ہی نہیں

تھے۔ بچپہ، بوڑ ھا جوبھی اُن کے ہاتھ لگ جاتا اُسے بیدردی سے مار ڈالتے۔عورتوں پربھی ہے پناہ تشد دکیا جاتا۔ پناہ تشد دکیا جاتا۔

کل ناز تا نگے کی بھیلی سیٹ برسفید داڑھی والے اُس بوڑھے کے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں اور سال ناز تا نگے کی بھیلی سیٹ برنگ گئے میں جما ہوا گھوڑا بھی مریل ساتھا جو بڑی مشکل سے ہمارا لو جمھینی یا تھا۔

جر بھ ج رہ سا۔
زیرو برج پر پولیس کے ساتھ درندہ صفت فوجی بھی راکفلیں تانے کھڑے تھے جوخونخوار
نظروں ہے آنے جانے والوں کو دیکھر ہے تھے۔ کئی لوگوں کو پوچھ کچھ کے لئے روک رکھا تھا۔
ہمارے تانگے کو بھی روک لیا گیا۔ ایک پولیس والا اور دو فوجی تھے۔ اُنہوں نے پہلے گہری
نظروں ہے ہم سب کا جائزہ لیا پھر ایک فوجی نے ہمیں نیچے اُنز نے کا حکم دیا۔ بوڑ ھے کا چہرہ
خوف کی شدت سے سفید بڑگیا تھا۔

ہے۔ پہلے اُس بوڑھے ہے ہی تیجھ سوال کئے گئے۔ پولیس والے نے اُس کی جامہ تلاثی لی اور اُسے اس طرح ایک طرف دھکا دے دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا تھا۔ پھر وہی فوجی گل ناز کی

طرف متوجہ ہو گیا۔ گل ناز کی عمر جالیس اکتالیس سال رہی ہو گی۔ اُس کی خصرف شکل صورت بہت اچھی تھی بلکہ جسمانی طور پر بھی اُس میں بڑی کشش تھی۔ بھارتی فوجی اُس سے سوالات کرتے ہوئے اُسے اُوپر سے بنیج تک گھور رہا تھا۔ اُس کی نظروں میں ہوس جھلک رہی تھی۔ گل ناز بڑے مطمئن لیجے میں اُس کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

ر اس تھلے میں کیا ہے؟ "فوجی نے اُس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھلے کی طرف

· ریب ہیںاسلحنہیں ہے۔''گل ناز نے تصلیا اُس کے سامنے کر دیا۔

" دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھاؤا" ، فوجی نے گل ناز کو تھم دیا۔

رود می به طاوی اور میل اور تلاش کے دوران برتمیزی کرنا روز کا معمول بن چکا تھا۔ احتجاج کی پرواہ کے جامہ تلاش کینا اور تلاش کے دوران برتمیزی کرنا روز کا معمول بن چکا تھا۔ احتجاج کی پرواہ کے تھی جس پر رُوہال بندھا ہوا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا دیے۔ میراخیال تھا کہ گل ناز نے میرے والد سے لی ہوئی رقم قمیض کے اندر کہیں چھپارتھی تھی اور اب وہ رقم اُس فوجی کے ہاتھ لگ جائے گی۔ اُس فوجی کوشاید شبہ تھا کہ گل ناز نے ڈھیلے ڈھالے لباس کے اندر کوئی اسلحہ چھپارکھا ہوگا اور وہ لباس کومش تھپتھپا کر اپنا اطمینان کر لےگا۔ لیکن وہ ایک ہاتھ سے گل ناز کے چھپارکھا ہوگا اور وہ لباس کومش تھپتھپا کر اپنا اطمینان کر لےگا۔ لیکن وہ ایک ہاتھ سےگل ناز کے

سینے کو ٹنو لنے لگا تو میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ میں نے لیک کر اُس کا ہاتھ بکڑ لیا اور ٹھیک اُس لحدگل ناز نے بھی ایپ دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے تھے۔

یبی ای سے گانہ ہے ہاتھ دُ وررکھو!'' میں چیخا۔''آگراس کی تلاثی لینی ہے تو کسی لیڈی کانشیبل کو ''اپنے گندے ہاتھ دُ وررکھو!'' میں چیخا۔''آگراس کی تلاثی لینی ہے تو کسی لیڈی کانشیبل کو برا''

گل ناز نے بھی چیختے ہوئے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔گل ناز کی مزاحت اور میراطر زِممل اُس فرجی کے لئے نا قابل برداشت ثابت ہوا۔ اُس نے بھیڑئے کی طرح غراتے ہوئے میرے منہ پتھیٹر سید کردیا۔ بیس لڑکھڑا گیا۔میرے منہ سے باختیار ہلکی ہی چیخ نکل گئ تھی۔اس سے پہلے کہ بیس سنجل پاتا اُس نے میرے کندھے پر رائفل کا بٹ رسید کر دیا۔ جھے یوں لگا جیسے ہڈی ٹوٹ گئ ہو۔ میں چیخ کر نینچ گرا تو اُس نے میرے جسم پر تھوکروں کی بارش کردی۔ میں سڑک پرلوٹ رہا تھا۔ اُس کے بوٹ کی ٹھوکریں میرے جسم کے ہر جھے پرلگ رہی تھیں۔ ہر

تھوکر کے ساتھ میں بلبلا اُٹھتا۔ پُل پرٹر نفک رُک گیا۔ لوگ جمع ہور ہے تھے لیکن آگے کوئی نہیں آرہا تھا۔ گل ناز چیخ چیخ کر مجھے بچانے کی کوشش کررہی تھی۔ دوسر نے فوجی نے گل ناز کو بازو سے پکڑ کر زوردار دھکا دیا۔ وہ بھی چیتی ہوئی ایک طرف گری۔ اُس وقت چند آ دمیوں نے جرات سے کام لیتے ہوئے مداخلت کی۔ اُن بھارٹی درندہ صفت فوجیوں کے کام میں مداخلت کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اتفاق سے ایک پولیس آفیسر بھی جیپ پر اُس طرف نکل آیا تھا۔ لوگوں نے اُس پولیس آفیسر کو گھیر لیا۔

پی مقل نازاب بھی چیخ چیخ کران فوجیوں کو برا بھلا کہدر ہی تھی۔ وہ پولیس آفیسر بھی اگر چہ ہندو ہی تھالین صور تحال کی نزائت کو تاڑگیا تھا۔ وہ مجھے فوجی کے چنگل سے چیٹرا کر ایک طرف لے گیا۔ میر سے منداور ناک سے خون بہدر ہاتھا۔ میں قمیض کے دامن سے خون صاف کرنے لگا۔ گل ناز بھی ہمارے قریب آگی۔ اُس نے سر پر بندھا ہوا رُو مال کھول لیا اور میر اہاتھ ہٹا کر ناک ادر ہونٹوں سے خون پو چیخے گئی۔ اُس نے سر پر بندھا ہوا رُو مال کھول لیا اور میر اہاتھ ہٹا کر ناک اور ہونٹوں سے خون پو چیخے گئی۔ ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر اُن فوجیوں کو گالیاں بھی دے رہی تھی۔ اُدر ہونٹوں سے خون پو چیخے گئی۔ ساتھ ہی وہ جی کہا۔ ''میں اُس کے خلاف یونٹ میں رپورٹ کروں گا۔ اُسے اس کی سز اضرور ملے گی۔''

''کیا سزاطے گی؟''گل نازغرائی۔''اس کا تبادلہ کردیا جائے گاکسی اور جگہ بھیج دیا جائے گا جہاں اسے مزید کھل کر کھیلنے کا موقع ملے گا۔ ان بھیٹریوں کو دادی سے نکلنا ہوگا۔ ہم جب تک وادی کو ان کے ناپاک وجود سے پاک نہیں کر دیں گے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ آئی اس کے ناپاک وجود سے پاک نہیں کر دیں گے اس وقت تک چین سے نہیں رائفل ہوگ گے۔ آئی اس کے ہاتھ میں رائفل ہوگ ادریدانقام کے گا۔ انتقام سے انتقا

پولیس آفیسر کا خیال تھا کہ گل ناز ای طرح چیخی رہی تو آس پاس کھڑے ہوئے لوگ گڑ

جائیں گے اورصورتحال قابو ہے باہر ہو جائے گی۔اُس نے مجھے باز و سے پکڑ کر جیپ میں بٹھایا اورگل ناز کوبھی ہاتھ ہے پکڑ کر تھنچنے لگا۔ یہ:

'' چلو جب میں بیٹھو! اس لڑ کے کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ضروری ہے۔ ورنہ تکلیف بڑھ جائے گی۔''

برہ جائے ں۔ گل ناز اب بھی فوجیوں کو گالیاں بک رہی تھی۔ میں نے اس طرف دیکھا۔ برج پرموجود تمام پولیس والے اور فوجی رائفلیں سنجالے الرٹ کھڑے تھے۔گل ناز جیپ پر پیٹھی تو اُس نے سلطان کو بھی پکڑ کراُ و پر چینچ لیا۔ سلطان اب تک ایک طرف کھڑا رہا تھا۔اُس کا چہرہ خوف سے کوہواں ہورہا تھا۔ وہ تو مجھ سے زیادہ جوشیلا تھالیکن میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ اب تک خاموش کیوں رہا تھا اور بزدلوں کی طرح ایک طرف کیوں دُ بکا کھڑا رہا تھا؟ مجھے اُس پر غصہ تو آیا تھا لیکن پھر سوچا کہ اس نے الگ رہ کر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔اگر وہ مداخلت کرتا تو اُس کا حشر بھی مجھ سے مختلف نہ ہوتا۔

سر میں بھے سف مدہ وہا۔ جب بند کے علاقے میں ایک شاپنگ سنٹر کے قریب رُک گئی۔ پرانے شہر میں ہنگا ہے کا اثر یہاں بھی ہوا تھا اور بہت ساری وُ کا نیں بند تھیں۔ پولیس اور فوجیوں کا گشت یہاں بھی جاری تھا۔ وہ پولیس آفیسر ہمیں جیپ ہے اُ تارکرایک کلینک میں لے گیا جس کے دروازے کے اُوپر میں کو ندر مذتی کرنا مرکا بورڈ اگا ہوا تھا۔

ڈاکٹر غلام نبی کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ پولیس آفیسر مجھے ڈاکٹر کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اُس نے ڈاکٹر کو ہدایت کر دی تھی کہ ہم ہے کوئی فیس نہ کی جائے۔کلینک میں اس وقت دو تین مریض اور بھی تھے کیکن ڈاکٹر فورا ہی میری طرف متوجہ ہوگیا۔

یرں رہے جب کے بیٹ گیا تھا۔ ناک سے خون بہدر ہاتھا۔جسم کے ہر جھے پڑیسیں اُٹھ رہی میرانجلا ہونٹ بھٹ گیا تھا۔ ناک سے خون بہدر ہاتھا۔جسم کے ہر جھے پڑیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ بائیں کندھے میں زیادہ تکلیف تھی۔

یں۔ بایں املائے بین اور اور اللہ ہے گاہ ہے گاہ ہے۔ آ و ھے گھنے بعد ہم کلینک سے باہر نکلے تو میرے پورے جسم میں دردکی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے اگر چہ مجھے درد رفع کرنے کی دوگولیاں کھلا دی تھیں کیکن فوری طور پر درد میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا بلکہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی۔

ہم تقریبا ایک گھنے تک مختلف سڑکوں اور گلیوں میں چلتے رہے۔ اس علاقے میں بڑے بوے عالیشان بنگلوں اور چیجماتی کاروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ تشمیر یوں کی تحریک آزادی نے ان دولت مندوں کی زندگی کو کسی پہلو ہے بھی متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ پہلے بھی عیش کر رہے تھے اور آج بھی سکون واطمینان کی زندگی گزاررہے ہیں۔ آگ اورخون کا تھیل تو غریبوں کا مقدر بن چکا ہے۔ آزادی کی لگن تو انہی لوگوں کو ہے جو ایک وقت کی روثی ہے بھی محروم ہیں۔ جو ایک وقت کی روثی ہے بھی محروم ہیں۔ جو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے ہندو سامراج کو وادی ہے نکالنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ میارتی درندوں کے ظلم و سروں پر کفن باندھ کر اور جان تھیلی پر رکھ کر پھررہے ہیں۔ یہی لوگ بھارتی درندوں کے ظلم و

تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ یہی دیوانے گولیوں کی باڑھ اپنے سینوں پر روکتے ہیں۔ انہی کے گھر وں کوجلا کر را کھ کردیا جاتا ہے۔ انہی کے معصوم بچوں کو چیر کر پھینک دیا جاتا ہے اور انہی کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ کوئی دولت مند مجاہدین کی کئی تحریک میں شامل نہیں۔ ان کے نرم اور گداز ہاتھوں میں بھی رائفل نہیں دیکھی گئی۔ بیلوگ گھروں سے نکلتے ہیں تو درجنوں گارڈ

ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیصرف دولت سمیٹے ہیں اور بیانات جاری کرتے ہیں۔
ہمسرینگر کلب کے چیچے ہے ہوتے ہیک اور سڑک پر مُڑ گئے اور تقریباً ہیں منٹ کی عقلف گلیوں میں چلتے رہنے کے بعدایک بنگلے کے گیٹ میں داخل ہو گئے۔ گیٹ کی دوسری طرف تقریباً پانچ ہزار مربع گز کھلی جگہ تھی جس میں سیب اور اخروٹ کے لا تعداد درخت تھے۔
خود روجھاڑیوں اور بے ترتیب گھائی ہے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس جگہ کی دیکھ بھال پر توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ ایک طرف بنگلے کی عمارت تھی۔ ممارت کی حالت دیکھ کرا ہے بڑی آسانی ہے آ عارِ قدیمہ میں شار کیا جا سکتا تھا۔ برسوں پہلے شاید رنگ و روغن کیا گیا ہوگا۔ اب تو دیواروں کا بلستر بھی جگہ جا گھڑا ہوا تھا۔ برآ مدے کے سامنے آخروٹ کے دو بہت اُو پنچ درخت تھے جن کی گھنی شاخوں نے بنگلے کی جھت پر سایہ کر رکھا تھا۔ برآ مدے کے سامنے تین درخت تھے جن کی گھنی شاخوں اور برآ مدے کے سامنے تین کشادہ سٹرھیاں تھیں۔ سٹرھیوں اور برآ مدے کے سامنے تین کشادہ سٹرھیاں تھیں۔ سٹرھیوں اور برآ مدے کے سامنے تین کشادہ سٹرھیاں تھیں۔ سٹرھیوں اور برآ مدے کے سامنے تین کشادہ سٹرھیاں تھیں۔ سٹرھیاں تھیں۔ برآ مدے کے سامنے تین کشادہ سٹرھیاں تھیں۔ برآ مدے کے سامنے تین کو تو بہت کی کھی تھیں۔ برآ مدے کے سامنے تین کے سامنے تین کھی تھیں۔ برآ مدے کے سامنے تین کھیں۔ برآ مدے کے سامنے تین کھی کھی تھیں۔ برآ مدے کے سامنے تین کے سامنے تین کھی تھیں۔ برق مدے کے سامنے تین کھی تھیں۔ برق مدے کے سامنے تین کے سامنے تین کھی تین کھیں۔ برق مدے کے سامنے تین کھی تین کھی تھیں۔ برق مدی کے سامنے تین کھی تھیں۔ برق مدی کے سامنے تین کی تو برق تین کھی تھیں۔ برق کی تین کے تین کھی تھیں۔ برق کھی تھیں کھیں کے تین کھیں۔ برق کھی تین کے تین کی تو برق کھیں کے تین کے تو برق کے تین کی کھیں۔ برق کی کھی کے تین کے تین کے تین کے تین کی کھی کے تین کے

برآ مدے میں ہمارااستقبال ایک بوڑھی عورت نے کیا۔گل ناز کے ساتھ مجھے اور سلطان کو د کھے کروہ چو نکے بغیر نہیں رہ کی تھی۔ میرے ہونٹ اور ناک پر بینڈ تنج دیکھے کر اُس کی آنکھوں میں تشویش اُ بھرآئی۔ وہ ہمیں ایک کمرے میں لے گئی جہاں بچھی ہوئی دری پر دوآ دمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

سنونوں کا بلستر بھی اُ کھڑ ا ہوا تھا۔

اُن میں سے ایک کی داڑھی، ہیر کے بال بھی بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ سر پر چتر الی ٹو پی تھی۔ اُس کے سے مرکز چتر الی ٹو پی تھی۔ اُس کے تھی۔ اُس کے قریب ہی فرش پرسب مشین گن اور گولیوں سے بھرا ہوا بیلٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے مجاہدین کی تعظیم کا کمانڈر عبدالرشید عمامی تھا۔ اُس کی عمر بھی سال سے زیادہ نہیں تھی۔ دوسرے کی عمر بھی تجیس چھیں کے لگ بھگ تھی۔ وہ کلین شیوتھا۔ کمانڈررشید کئی مرتب سوپور آچکا تھا، اُس نے فورا بی مجھے بہچان لیا۔ میری حالت دکھے کر اُس کی آنکھوں میں تشویش اُ ہُمر آئی۔

'' کیا ہوااے ۔۔۔۔اس کی پاچالت کیسے ہوئی ؟'' اُس نے پوچھا۔' در

''بتاتی ہوں۔''گل ناز دری پر بیٹھتے ہوئے بولی۔وہ چند کمھے خاموش رہی پھر زیرو برج پر بیش آنے والے واقعہ کے بارے میں بتانے گلی۔ آخر میں وہ کہدر ہی تھی۔''میرے پاس پستول ہوتا تو اُس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیتی ،کین افسوں تو یہی ہوا کہ اُس وقت میں خاتی تھی۔ ''گھبراؤنہیں شمروز!'' کمانڈ ررشید میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔'' تم پر بھارتی بھیٹریوں

کا یہ پہلا حملہ ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے اس کا بدلہ تو میں لول گا۔لیکن تم اس مار کو نہیں بھولو گے۔ایک ایک چوٹ کو یا در کھو گے۔اب وہ وقت آگیا ہے کہ تم بھی ہاتھ میں رائفل اُٹھالو!''

''ہاںاب مجھ ہے بھی زیادہ برداشت نہیں ہوتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ہم باتیں کر رہے تھے اور گل ناز نے اپنی چونہ نما قمیض کے اندر ہاتھ ڈال کر نوٹوں کے بنڈل کمانڈ ررشید کے سامنے رکھ دیئے۔ مجھے چرت ہوئی کہ اُس نے نوٹ کہاں چھپائے تھے حالانکہ میرے سامنے اُس فوجی نے تلاشی لی تھی۔گل ناز نے مسکرا کرمیری طرف دیکھالیکن سے نہیں تا ای اُس زنوں نہ لیاس میں کہاں جھائے تھے؟

نہیں بتایا کہ اُس نے نوٹ لباس میں کہاں چھپائے تھے؟ ''صبح جب میں گئی تھی تو شہر کے حالات بالکل پڑسکون تھے۔'' گل ناز نے کما تڈررشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' کیا گر بڑ ہوگئ؟ پرانے شہر میں ہنگاہے ہور ہے ہیں۔''

''ان ہنگاموں کی وجہ ہے ہی مجھے یہاں آنا پڑااور اپنا ایک آدی بھی لاری اؤے پر بھی دیا اسلام نے آج تھا تا کہ تہمیں اُس طرف جانے ہے منع کر دیا جائے۔'' کمانڈررشید نے کہا۔''پولیس نے آج صبح سورے اسٹوڈنٹ لیڈر عبدالشکور کو اُس کے گھر ہے گر فتار کر لیا تھا۔ دس بج کے قریب یہ خبر پھیل گئی کہ اُسے فوجی کیمپ میں تشد دکر کے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اسٹوڈنٹس نے احتجاجی جلوس نکالا تو پولیس نے پہلے لاٹھی چارج کیا اور پھر گولی چلا دی جس سے دولڑ کے اور شہید ہو گئے۔ پر انے شہر میں ابھی ہنگاہے ہورہے ہیں لیکن کل کے لئے پوری وادی میں ہڑتال کی کال وے دی گئی ہے۔ بیلڑ کے سنن' اُس نے میری اور سلطان کی طرف دیکھا۔'' یہ دونوں بھی تین عین چار دن تک واپس نہیں جاسکیں گے۔ انہیں سہیں رہنا ہوگا۔ میں آج ہی مولوی رسول بخش کو چیا م بھواد یتا ہوں کہ وہ پریشان نہ ہو۔''

پیغام بروادینا ہوں کہ وہ پر بیان ہے ہو۔ اس دوران اُس بوڑھی عورت نے ہمارے سامنے چائے لا کرر کھ دی۔ کشمیری چائے کا پچھ اپناہ ہی مزہ ہوتا ہے لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ ایسی خوش ذا نقہ اورلذیذ چائے میں نے اس ہے پہلے بھی نہیں نی تھی۔

۔ یہ ماری کا صفحہ! یعقوب کہاں ہے ۔۔۔۔؟'' کمانڈر رشید نے بوڑھی عورت کی طرف و کیھتے ۔ مرید ہوا

> ت پاہر گیا ہوا ہےابھی آ جائے گاتھوڑی دیر میں۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔ ''وہ آ جائے تو میرے پاس بھنج دینا۔'' کمانڈررشید نے کہا۔

بوڑھی فاطمہ کے جانے کے تھوڑی دیر بعدگل نازجھی خالی پیالیاں لے کر کمرے سے چلی گئی۔ کمانڈررشید ہم سے باتیں کرنے لگا۔ وہ وادی کے مختلف علاقوں میں درندہ صفت بھارتی فوجیوں کے ظلم وتشدد کی باتیں سنار ہاتھا۔ یہ کوئی فرضی یامن گھڑت کہانیاں نہیں تھیں۔سب چھھ اس طرح ہور ہاتھا جس طرح کمانڈررشید بتار ہاتھا۔ اس کی ایک مثال تو میں خود تھا جے اُس

بھیڑیا صفت نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ میرا جرم کیا تھا؟ میں نے اُسے ایک عورت کو چھونے سے منع کیا تھا۔ اور آج صبح پرانے شہر میں ہونے والے ہنگا ہے، فو جیوں نے ایک اسٹوڈنٹ کوتشد د کر کے ہلاک کردیا تھا۔ احتجاج کرنے پر دواورلڑکوں کو گولیوں سے اُڑا دیا گیا تھا۔

یہ بات اب میری سمجھ میں بھی آئی تھی کے طلم مظلوم کوسراُ تھانے پر مجبور کیوں کر دیتا ہے۔اور یہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ آزادی کی تڑپ تھی۔ میں نے جب سے ہوش سنجالا تھا یہی سب کچھ دیکھتا ہوا آرہا تھا۔ میرے اندر بحیین سے جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ اب شعلہ بن کر بھڑ کنے والی تھی۔میری ناک اور ہونٹوں پر بینڈتئ جہم کے ہر جھے میں اُٹھنے والی فیسیس میرے جوش اور جذبے کومہمیز کر رہی تھیں۔ کمانڈ ررشید نے ٹھیک کہا تھا جھھے یہ چوٹیس یا در کھنی ہوں گ اوران کا دردمحسوں کرنا ہوگا۔اب وقت آگیا ہے کہ میں بھی ہاتھوں میں رائفل اُٹھالوں۔

آ دھے گھنے بعدایک ادھر عمر آ دمی اندر داخل ہوا۔ وہ فاطمہ کا شوہر لیعقوب تھا۔ کمانڈ ررشید نے اُسے یہ پیغام دے کرسوپور بھیج دیا کہ میں اور سلطان تین چار دن تک یہیں رہیں گے۔ ہمارے گھر والوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یعقوب اسی وقت روانہ ہوگیا۔

ا اور ان در ان ان الله کے بارے میں سوچ رہا تھا اور جب میں نے کمانڈ ررشید سے بو جھا تو اس نے بتایا کہ بیدوسیج وعریض بنگلہ دو دولت مندوں کے درمیان جھڑے کی بنیاد بنا ہوا ہے۔
ان میں ایک ہندوسیجھ ہے اور دوسرا مسلمان۔ اُن میں پچھلے دس سال سے بنگلے کی ملکیت کا مقدمہ چل رہا ہے۔ عدالت نے بیہ بنگلہ اپن تحویل میں لے رکھا ہے۔ یعقوب اس بنگلے کا چوکیدار ہے جو دس سال سے بہاں رہ رہا ہے۔ وہ مجاہدین کی بعض تظیموں کے لئے انفارمر کا چوکیدار ہے جو دس سال سے بہاں رہ رہا ہے۔ وہ مجاہدین کی بعض تظیموں کے لئے انفارمر کا کام بھی کرتا ہے۔ مجاہدین اُس سے ملنے کے لئے یہاں بھی آتے رہتے ہیں۔ کسی کوآج تک لیتھوب یا اُس کے مہانوں پر شبہیں ہوسکا۔ اس طرح یہ دیران بنگلہ مجاہدین خصوصاً کمانڈر رشید کی تنظیم کی خفیہ سرگرمیوں کامرکز بھی بنا ہوا ہے۔

کمانڈررشید کے اس خفیہ ٹھکانے کے بارے میں اُس کے دو چار آ دمی ہی جانتے تھے۔اور پھر یہ کوئی ایک خفیہ ٹھکانا نہیں تھا۔شہر کے اندر ورنواح میں کئی ایسی جگہیں تھیں جنہیں وہ ضرورت کے وقت استعال کرتے تھے۔

کمانڈررشیداُ کن وقت بنگلے سے چلا گیا تھا۔ میرے اور سلطان کے علاوہ اس بنگلے میں گل ناز، فاطمہ رہ گئے تھے۔ یعقوب سو پور چلا گیا تھا اور کل دو پہر سے پہلے اُس کی واپسی کی تو قع نہیں تھی۔

وہ رات میں نے بڑی اذیت میں گزاری۔ میرےجسم پر جگہ جگہ نیل پڑو ہے ہوئے تھے اور درد کی فیسیں اُٹھر رہی تھیں۔ گل ناز نے مفروب جگہوں پر مائش بھی کر دی تھی اور ڈاکٹر کی دی ہوئی کولیاں بھی کھلا دی تھیں گر تکلیف کم نہیں ہوتی تھی۔ گل ناز اور فاطمہ رات بھر میرے پاس بیشی رہی تھیں۔ سلطان بھی خاصا پریشان تھا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔۔'' وہ کچھ دریر بعد بولا۔'' تمہاری بھٹ بھٹی کہاں ہے؟'' ''وہ اُدھر۔۔۔۔۔ اُس چٹان کے پیچھے درختوں کے پنچے کھڑا ہے۔'' بالے نے ایک طرف مکا

ہمارہ بیاب کہ اور ہم کہ اور ہم کہ ایات دے کر وہاں سے زخصت کر دیا اور ہم کہ نظر رشید نے دوسرے جوان کو کچھ ہدایات دے کر وہاں سے زخصت کر دیا اور ہم بالے کے ساتھ اُس چنان کی طرف چل پڑے۔ میں چلتے ہوئے بار بارکن انکھیوں سے بالے کی طرف دیکھی رہا تھا۔ اُس کی عمر میں اکیس سال رہی ہوگی۔ سرکے بال اور شیو بڑھا ہوا تھا، قد میں وہ مجھے تھوڑا ہی نکلتا ہوا تھا کیکن صحت قابل رشک تھی۔

میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شمیر کے یہ بیٹے وادی کے سپوت جو وادی میں بھارتی عاصبوں میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شمیر کے یہ بیٹے وادی کے سپوت جو وادی میں بھارتی میں گزار دیتے تھے۔ اپنے گھروں کو تو شاید وہ بھول ہی گئے تھے۔ ان کے دن بھارتی بھیٹریوں کے خلاف جھائی مار کارروائیوں میں اور راتیں کھلے آسان کے گزرتی تھیں۔ وادی میں بھیلی ہوئی چھوٹی بستیوں میں رہنے والے لوگ اُن کی مدد کرتے تھے۔ لیکن وہ بھی کسی جگہ تک کرنہیں رہے تھے۔ آج یہاں کل وہاں وہ بھارتیوں کے لئے چھلوہ تھے جوا چا تک ہی کسی جگہ نمودار ہوتے اور کسی فوجی کیمپ یا قافلے پر بھارتیوں کے لئے چھلاوہ تھے جوا چا تک ہی کسی جگہ نمودار ہوتے اور کسی فوجی کیمپ یا قافلے پر بھارتیاں کر کے آنا فانا غائب ہوجاتے۔

بہن اول کے ایک بھومتے ہوئے چنار کے اوپر سے گھومتے ہوئے چنار کے درختوں کے اوپر سے گھومتے ہوئے چنار کے درختوں کے ایک جہنڈ میں بہنچ گئے جہاں ایک پرانی می موٹر سائیکل کھڑی تھی۔

رر ول سے بیت بسدین فی سے بہاں ہیں ہوئی کا روع میں سروں کا ۔ ''ہم تیوں اس پر بیٹھ جائیں گے نا؟'' کمانڈر رشید نے قریب بنتی کر سوالیہ نگاہوں سے بالے کی طرف دیکھا۔

''اس نے مجھے بھی دھو کہ نہیں دیا کمانڈر!'' بالے نے موٹر سائکل کی سیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔اُس کے ہونٹوں پر خفیف می مسکراہٹ آگی تھی۔اُس نے موٹر سائکل کو اسٹینڈ سے اُ تارکر کک لگائی۔موٹر سائکل پہلی ہی کک پر شارے ہوگئی۔وہ موٹر سائکل پر آگے کو ہوکراس طرح بیٹھ گیا کہ پٹرول والی ٹینکی آ دھی سے زیادہ اس طرح جھپ گئی۔

'' چُل بھی شُمروز بیٹھ جا!'' کمانڈررشید نے جُمِّھے اشارہ کیا۔ آج اس پھٹ پھٹی کا بھی امتحان ہےاور تیرا بھی۔''

، '' میر کی ہیں۔ کا کہ ایک لہری دوڑ گئی۔ د ماغ میں سنسناہٹ میں ہونے لگی۔ اُن میرے پورے جہم میں سنسنی کی ایک لہری دوڑ گئی۔ د ماغ میں سنسناہٹ میں ہونے لگی۔ اُن کی باتوں سے تو میں سمجھ گیا تھا کہ کمیں جھی اس معرکے میں حصہ لینے والا تھا۔ میں عجیب میں بالے کے بیچھے بیٹھ گیا اور کمانڈررشید میرے بیچھے۔ بالے کے گلے میں آ ٹو مینک رائفل لئے میں بالے کے بیچھے بیٹھ گیا اور کمانڈررشید میرے بیچھے۔ بالے کے گلے میں آ ٹو مینک رائفل

یں ہائے کے لیے بیٹھ کیا اور کمانڈررشید ممیرے بیٹھے۔ بائے کے لیے بیٹ اس کو مینگ رانفل لککی ہوئی تھی جس کی نال میرے چہرے کے عین سامنے تھی۔ میں اُس فولا دی نال کو دیکھتے ہوئے سوخ رہا تھا کہ اس سے نکلنے والی گولیوں نے اب تک کتنے بھارتی سور ماؤں کو ڈھیر کیا ہوگا۔ یعقوب اگلے روز دو پہر کے بعد واپس آیا تھا۔ اُس سے باہر کے حالات بھی معلوم ہوئے۔
پوری وادی میں ہڑتال تھی۔ سرینگر شہر میں جگہ جگہ پولیس اور سٹو ڈنٹس میں جھڑ پیں ہور ہی تھیں۔
عجامہ بن بھی اس لڑائی میں شامل ہو گئے تھے۔ سرینگر سے بتیں میل دُور بارہ مولا شہر میں وولیس والے اور تین فوجی مجامد بن کے ہاتھوں مارے گئے تھے جس پر فوجی مزید شتعل ہو گئے تھے۔ وہ مجامد بن کی تلاش میں گھروں میں گھس کرعورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ وہ مجامد بن کی تلاش میں گھروں میں گسس کرعورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔

ی دیا تیا سے سیسے سیس اور بیست کی بیسی دوران کمانڈر ریشید دومر تبہ تھوڑی دیر کے لئے میں مزید ایک ہفتہ اُس بنگلے میں رہا۔ اس دوران کمانڈر ریشید دومر تبہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں آیا تھا۔ گل ناز ہر کھاظ سے میرا خیال رکھے ہوئے تھی۔ وہ دن میں دو تین مرتبہ ہلدی تیل سے میری مائش کرتی رہی جس سے میری اندر کی چوٹیس ٹھیک ہور ہی تھیں اور تکلیف بھی بتدر تک کے موتی جارہی تھی۔

اور پھرا کیے روز کمانڈررشید مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس روز سرینگرشمر کے حالات کسی قدر پڑسکون متھے۔ دُور تک دریا کے ساتھ ساتھ کھیتوں میں چلتے رہے اور بالآخرا یک جگدرک گئے۔ ایک تھنٹے بعد ایک اور آ دمی وہاں پہنچ گیا۔ وہ کچھ دیر تک سرگوشیوں میں کمانڈررشید سے باتیں کرتا رہا پھر ہم اُس کے ساتھ چل پڑے۔ اُونچے نیچے پہاڑی راستوں پر دو تھنٹے چلتے باتیں کرتا رہا پھر ہم اُس کے ساتھ چل پڑے۔ اُونچے نیچے پہاڑی راستوں پر دو تھنٹے چلتے

رہنے کے بعد ہم پھرایک جگہ پررُک گئے۔ یہاں دوآ دمی ہمارے منتظر تھے۔ ''کیار پورٹ ہے بالے؟'' کمانڈررشید نے علیک سلیک کے بعد اُن میں سے ایک کے

کند ھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ '' خبر ہے کہ بھارتی فوجیوں کا ایک کا نوائے آج رات گلمرگ کی طرف جانے والا ہے۔ کمانڈر فیض علی نے اُس فوجی قافلے پر حملے کی تیاری ممل کر لی ہے۔ اُس نے، پیغام بھیجا تھا کہ آپ کواطلاع دے دی جائے۔'' بالے نے جواب دیا۔

و دمان کا سات کی بات ہے۔۔۔۔۔اُس کے ساتھ کتنے آ دمی ہیں؟'' کمانڈ ررشید نے پوچھا۔ ''وہ آٹھ مجاہدوں کے ساتھ پوائٹ تھری پر آپ کا منتظر ہے۔'' بالے نے کہا۔

'' فوجی کا نوائے کے بارے میں کوئی اطلاع '''''گاڑیوں اور فوجیوں کی تعداد کیا ہے؟' کمانڈ ررشید نے یوجھا۔

'' پیساری تفضیل آپ کو کمانڈ رفیض علی ہے ہی معلوم ہوگی۔''بالے نے جواب دیا۔'' ویسے میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ نوجی قافلہ رات آٹھ ہجے وہاں ہے گزرنے والا ہے۔''

یں ، باب ماروں مردہ وری طور پر جواب دینے کی بجائے چند سیکنڈ تک کچھ سوچتا رہا۔ اُس کمانڈررشید اس مرتبہ فوری طور پر جواب دینے کی بجائے چند سیکنڈ تک کچھ سوچتا رہا۔ اُس کی بیشانی پر سوچ کی لکیسریں اُ بھرآئی تھیں۔

موٹر سائکل حرکت میں آگئی اور پھر لیے راستوں پر اُچھاتی ہوئی آگے بڑھنے گئی۔ پچھ دیر تک ہم دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور پھرموٹر سائکل کا رُخ چٹانوں کی طرف مُڑ گیا۔ ایک تو راستہ غیر ہموار اور پھر یلاتھا اور ستم یہ کہ موٹر سائکل پر ہم تین آ دمی سوار تھے اس لئے رفتار بھی نادہ تیز ہمیں تھی۔

موٹر سائنگل کی آواز چٹانوں میں بازگشت ہی پیدا کر رہی تھی اور میں دُور بلند پہاڑوں پر قطار در قطار ایستادہ چنار کے فلک بوس درختوں کو دیکھر ہاتھا۔ ان درختوں کو دیکھ کرگٹ تھا جیسے وادی کے محافظ چاق وچو بند اورمستعد کھڑے ہوں میں بھی چشم تصور ہے اپنے آپ کوایک ایسے مجاہد کے رُوپ میں دیکھر ہاتھا جو دونوں ہاتھوں میں رائفل تھا ہے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر گولیاں برساتے ہوئے دشن کی صفوں میں گھتا چلا جارہا ہو۔

یہ سوچ ہی سننی خزھی کہ آج میں بھی ایک مجاہد کی طرح وادی کے دشمنوں پر موت برسانے جارہا تھا۔ رائفل میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھی۔ مجاہدین سی کارروائی کے بعد پناہ لینے کے لئے ہمارے گاؤں میں آتے رہتے تھے۔ میں نے اُن سے رائفل چلانا سکھ کی تھی۔ کمانڈ ررشید بھی کئی مرتبہ ہمارے گاؤں آچکا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے جھے رائفل اُٹھانا سکھائی تھی۔ اُس نے بتایا تھا میگزین کس طرح لوڈ کیا جاتا ہے، نشانہ کس طرح لیا جاتا ہے اورٹرائیگر کیسے دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے؟ دبایا جاتا ہے دبایا ہے دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے دبایا جاتا ہے دبایا ہے

ہے ؟ اور جن و بی ماہد رار پیدھے، بیک فار پہلے ہوئی جاتی رہی اور میں تصورات میں وثمن پر بحلی بن موٹر سائکیل چھر لیلے راستوں پر اُچھاتی ہوئی جاتی رہی اور میں تصورات میں وثمن پر بحلی بن کرٹو فنار ہا۔۔۔۔۔کشتوں کے پشتے لگا ِ تا دشمن کی صفوں کوروند تا آ گے بڑھتار ہا۔

000

یہاں میں آپ کو تھوڑا ساگلمرگ کے بارے میں بتاتا چلوں۔ سرینگر سے بتیں میل دُور شال مغرب میں سطح سمندر سے آٹھ سوساٹھ نٹ کی بلندی پر یہ نہایت خوبصورت وادی ہے۔ میلوں دُور تک تھیلے ہوئے مرغز ار، صنوبر اور چنار کے درختوں کے جھنڈ، پھل دار درختوں کے باغات اوراُن کے پس منظر میں سپید برف سے ڈھکے ہوئے سربہ فلک پہاڑ۔

بی کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔کوئی میارتی فلم انڈسٹریز کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔کوئی ہمارتی فلم انڈسٹری فلم انڈسٹری میں شوننگ کے بغیر کمل نہیں بھی جاتی تھی۔ کین جبتر کی آزادی نے زور کیڑا تو ہندوستانی سیاحوں اورفلم انڈسٹری والول نے کشمیر کا خیال ذہن سے نکال دیا۔

" پر ابو ہمدوسمان سیا توں اور م انگر سر کی واٹول کے سیرہ کیاں د بن سے نقال دیا۔ گامرگ میں ہمارتی فوج کی ایک جھاؤنی بھی تھی۔ پہلے یہ چھاؤنی بہت محدود ہوا کرتی تھی لیکن جیسے جیسے مجاہدین کی سرگر میاں بڑھتی گئیں یہ چھاؤنی جھی چھیلتی گئی۔

سرینگرادرگلرگ کے درمیان نوجی قافلوں کی آمدور دنت جاری رہتی تھی۔ یہ قافلے کام طور پر دن کے وقت ہوارتی جاری رہتی تھی۔ یہ قافلے کام طور پر دن کے وقت ہوارتی نوج کاکوئی قافلہ ایک جگہ ہے دوسری جگہ سنز نہیں کرتا تھا۔ لیکن پچھلے دو اڑھائی مہینوں سے اس علاقے میں مجاہدین کی کوئی کارروائی درکھنے میں نہیں آئی تھی اور شایدیمی وجہ تھی کہ اب تھیم میں ہائی کمان نے رات کے وقت بھی اس طرح کوئی قافلہ تھیجنے کا پروگرام بنایا تھا جس کی اطلاع مجاہدین کوئل گئی تھی۔

تقریباً آد مے تھنے تک مزید سفر کرنے کے بعد بالے نے موٹر سائنگل ایک چٹان کے پیچھے لے جاکر درختوں میں روک لی۔ یہال شفاف یانی کی ایک ندی بھی بہدرہی تھی۔

بعدوس کی برور کے نوران کا معدوس کی موٹر سائنگل سے اُتر گیا۔ میں اس قسم کے سفر کا عادی نہیں تھا۔ مسلسل جنکوں اور سیدھا بیٹھے رہنے سے میری کمراکڑ گئی تھی۔ کمانڈررشید نے مُورکر میری طرف دیکھااور میری بیٹے تعبیتیانے لگا۔

''الی باتو ل کا عادی ہو جاؤں گا پھر کوئی تکلیف محسوں نہیں ہوگی۔'' میں نے اپنے کند ھے پاکلی ہوئی سب مشین کن درست کرتے ہوئے کہا۔

بالے نے موٹر سائیگل اسٹینڈ پر کھڑی کر دی اور ہم اُس کی رہنمائی میں چلتے ہوئے ایک تک سے راستے میں داخل ہو گئے ۔ راستہ بتدرتج بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔ میں انہی وادیوں میں پلاتھا..... پہاڑی راستوں کی اُو پنچ نیچ میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ میں بے تکان چلتا رہا۔ عامي

'' ماشاءاللہ.....'' کما نڈرفیض علی بولا۔ اپنے بارے میں کمانڈررشید کی رائے جان کر جوخوثی ہوئی اس کا انداز ہ صرف میں ہی لگا اسمال

ہے ہیں۔ وہری ہیں ہیں گئے۔ یہ مجاہدوں کی زندگی تھی۔ یہاں نہ کوئی بستر تھا نہ کوئی دوسری ہم اوگ چٹائیوں پر بیٹھ گئے۔ یہ مجاہدوں کی زندگی تھی۔ یہاں نہ کوئی بستر تھا۔ کما نڈر فیض علی نے ایک لڑ کے کواشارہ کیا اُس نے اُٹھ کرنٹی کے تین والا چولہا جلایا اور کیتلی میں چائے کا پانی رکھ دیا۔ کیتلی دُھویں سے بالکل سیاہ ہو ۔ یہ تھی۔

کہ انڈررشید، فیض علی کوسرینگر کے حالات سے آگاہ کررہا تھا۔ اور میں اُن کی باتوں سے اندازہ لگارہا تھا کہ فیض علی نہ صرف سرینگر کے حالات سے بھی اندازہ لگارہا تھا کہ فیض علی نہ صرف سرینگر بلکہ وادی کے دوسرے علاقوں کے حالات سے بھی بخوبی واقت تھا۔ اُن دنوں اننت ناگ اور پہل گام کی طرف بھارتی فوجیوں اور مجاہدین میں کے جھڑ پیں بورہی تھیں۔ ان کے بارے میں اُسے پوری معلومات حاصل تھیں۔ کس جھڑ پ میں بھارتیوں کا کتنا نقصان ہوا، کتنے فوجی مجاہدین کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے اور کتنے مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔

میں بڑے غور سے اُن کی با تیں سنتار ہا۔ اس دوران چائے بھی تیار ہوگئ۔ بغیر دودھ کا قہوہ بڑے ناپ تول سے بنایا گیا تھا اور بے صدخوش ذا نَقہ تھا۔

''ہاںاب بتاؤ! کیا صورتحال ہے؟ وہ نو جی کانوائے کس وقت پہنچ رہا ہے اوراس میں کیا کچھشامل ہے؟'' کمانڈررشیدنے قہوے کی چسکی لیتے ہوئے یو چھا۔

ی برسل می بارد سے بھرے ہوئے جارٹرک جن کی حفاظت کے لئے دوٹرکوں پرسلے فو جی بھی ہوں گے۔ ایکٹرک آ گے اور ایک پیچھے۔ اُن دونوںٹرکوں پر لائٹ مشین گنیں فٹ ہوں گی۔ '' کمانڈر فیض علی نے جواب دیا اور چند کھوں کی خاموثی کے بعد بولا۔ ''پہلے اطلاع یہ تھی کہ یہ قافلہ آٹھ بجے یہاں سے گزرے گالیکن اب تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ وہ قافلہ رات کوٹھیک بارہ بجے سرینگر جھاؤنی سے روانہ ہوگا اور ایک بجے کے قریب اس جگہ سے گزرے گا۔مصدقہ اطلاع ہے۔'' فیض علی نے جواب دیا۔'' قافلے کے آگے پیچھے دوٹرکوں پر چوہیں فوجی ہوں گے۔ بارہ آگے والےٹرک پر اور بارہ پیچھے والےٹرک پر۔''

''تم نے حملے کے لئے کون ٹی جگہ نتخب کی ہے؟'' کما نڈررشید نے پوچھا۔ ''یہال سے حیارمیل آ گےتقریبا ڈیڑھ سوگز طویل ایک ننگ ساراستہ ہے جس کے اختیا م

یبال سے عاری الے علم یبا دیر همور طوی ایک علاما راسته ہے ، س سے اصام پر برسانی نالے کا بل ہے۔' فیض علی نے جواب دیا۔''ہم اُس قافلے کو اُس راستے ہی میں گھیر لیس گے۔اس طرح اُنہیں آگے یا پیچھے جانے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''اچھا آئیڈیا ہے۔'' کمانڈررشید نے سر ہلایا۔''لیکن کیا تمہارے پاس آ دمی کم نہیں ہیں؟''

تقریباً آ دھے گھنٹے بعد ہم ایک ایسے غار کے دہانے پر پہنچ گئے جو بہت بڑے پھروں اور درختوں سے ذھکا ہوا تھا اور اِردگر داُونچی جھاڑیاں تھیں۔ غار کا دہانداس طرح چھپا ہوا تھا کہ اُسے نہ تو فضا سے دیکھا جاسکتا تھا اور نہ ہی وادی سے۔

ہے یہ و تھا ہے ایک بات ہوں ہے ہوا ہی ہے جار نج رہے تھے۔ چٹانوں پر وُھوپ میرے اندازے کے مطابق اس وقت سہ پہر کے جار نج رہے تھے۔ چٹانوں پر وُھوپ کک ربی تھی۔

پہم جسے ہی غار کے قریب پنچ دوآ دمی کہیں سے نکل کرسا منے آگئے۔ اُن دونوں کے پاس
ہم جسے ہی غار کے قریب پنچ دوآ دمی کہیں سے نکل کرسا منے آگئے۔ اُن دونوں کے جاس
سبہ مثین گنیں تھیں اور اُن دونوں کے جلیے بھی بالے سے مختلف نہیں تھے۔ بڑھے ہوئے شیو،
لمبے اور بے ترتیب بال اور لباس بھی خاصے میلے اور مسلے ہوئے تھے۔ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ
گئی دنوں سے یہ کپڑے اُن کے جسموں سے جدا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اُنہیں نہ تو کیڑوں کی
برواہ تھی اور نہ اپنے حلیوں کی۔ اُنہیں اپنے آپ سے نہیں اپنے کاز سے محبت تھی۔ کشمیر کی
آزادی، اس وادی جنت نظیر کو غاصب اور درندہ فطرت ہندوؤں کے ناپاک وجود سے پاک
کرنا۔ اُن کی آنکھوں کی چمک بتارہی تھی کہ وہ اپنی جانیں تو قربان کردیں گے لیکن اس کاز سے
کرنا۔ اُن کی آنکھوں کی چمک بتارہی تھی کہ وہ اپنی جانیں تو قربان کردیں گے لیکن اس کاز سے

ان دونوں نے بڑی گرمجوثی ہے ہم تینوں ہے ہاتھ ملایا پھرایک تو وہیں کھڑا رہا اور دوسرا ہمیں اشارہ کرتا ہواغار میں داخل ہو گیا۔ یہ تنگ ساغارتھا جو کئی فٹ تک سیدھا چلا گیا تھا۔ آگے کسی جگہ مدھم می روشنی ہور ہی تھی اور اُس جگہ ہے یہ غار دائیں طرف مُر گیا تھا۔اس طرف سے منار خاصا کشادہ تھا۔

اُس غارکود کیوکر میں جیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔فرش پر دو تین چٹا کیاں بچھی ہوئی تھیں۔ا ایک طرف بڑے سے بچھر پر رکھا ہوا سپرٹ لیپ مسلسل جل رہا تھا۔اُس کے قریب ہی مٹی کے تیل کا ایک چولہا اور پچھ برتن وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ تین کنستر اور پچھ ڈبچھ رکھے ہوئے تھے جن میں غالباراش تھا۔ایک کونے میں لکڑی کی تین پٹیمیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سات آ دمی تھے جو چٹا ئیوں پر نیم دراز تھے یا بیٹھے ہوئے تھے۔اُن کا اسلح بھی اُن کے قریب پڑا ہوا تھا۔ وہ سب ہمیں دکھے کر اُٹھ گئے اور بڑی گر مجوثی سے ہم تیون سے ہا تھ ملایا۔ میں نے کما نڈرفیض علی کو بہچان لیا۔وہ صحت منداور دراز قامت آ دمی تھا۔ بال ورشیو بڑھا ہوا

آنکھوں میں سرخی تھی جیسے کئی راتوں سے نہ سویا ہو۔
کمانٹر رفیض علی بھی کئی مرتبہ ہمارے گاؤں آ چکا تھا۔ مجھے ہاتھ ملاتے ہوئے اُس نے مجھے
تھینچ کراینے ساتھ لگالیا۔''تو مولوی رسول بخش لون کا بیٹا بھی ہماری صف میں شامل ہو گیا۔''
''ہاں بھئی ۔۔۔۔۔اب بیاس قابل ہو گیا ہے کہ دھرتی کے دشنوں پر کاری ضرب لگا سکے۔' کمانٹر ررشید نے جواب دیا۔''ہمیں ایسے نو جوانوں کی ضرورت ہے جن میں دہمن کی آنکھول میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ ہو۔ اور اس میں وہ تمام صفات موجود ہیں جواکی مجاہد میں ہوئی

"آئے ہم لوگ ہیں اور تین آپلوگ۔" فیض علی نے جواب دیا۔" ہمارا ہرمجاہد دی دی استان ہو جاہد دی دی استان ہو جواب دیا۔ "ہمارا ہرمجاہد دی دی استان فوجیوں پر بھاری ہے۔ ہم جانتے ہو ہم نفری کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ جنگ کے لئے نفری سے زیادہ جذیا ورشوق شہادت کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمارا ہر مجاہدای جذی ہے سے سرشار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس وادی میں مضی بحر مجاہدوں نے اپنے سے تی گناہ طاقتور دخمن کوخاک وخون میں لوٹایا ہے۔"

''جانتا ہوں میرے بھائی۔'' کمانڈر رشید نے کہا۔'' بیہ جذبہ جہاد اور آزادی کی لگن ہی تو ہمیں آگے بڑھار ہی ہے۔اگر بیگن اور جذبہ نہ ہوتا تو تحریک بہت عرصہ پہلے دم تو ڑچکی ہوتی۔ لیکن اب و ہوقت دُورنہیں جب ہم ان غاصبوں کواپنے سامنے گھنٹے ٹیکنے پرمجبور کردیں گے۔''

کے حوالے سے ہمارا اُن کا کوئی مقابلہ نہیں لیکن ہمارے پاس جہاد کا جذبہ ہے۔ شوقی شہادت اُ ہے اور آزادی کی گئن ہے۔ یہی ہمارے وہ ہتھیار ہیں جن کا دشن مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی جذبہ اُ نہمیں پہلے بھی کامیا بیاں بخشی ہیں اور آج بھی ہم کامیاب و کامران ہوں گے۔ انشاء اللہ۔'' ''انشاء اللہ!'' میرے منہ سے بھی بے اختیار لکلا۔ ''انساء اللہ ''' میرے منہ سے بھی بے اختیار لکلا۔

جائے گا۔ ماؤں اور بہنوں کے دوپٹوں کی طرف اُٹھنے والا ہر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ ہمارے

نو جوان اینے سے کئی گناہ زیادہ طاقتور دھمن کے سامنے سینہ سپر ہور ہے ہیں۔نفری اور سامان

''ایک بات اور۔'' کما نڈرفیض علی بولا۔''اس کارروائی کے بعد کم از کم ایک ہفتے تک کوئی اس طرف کا رُخ نہیں کرے گا۔ بیغار ہمارے چند محفوظ ترین ٹھکانوں میں سے ایک ہے۔ میں نہیں جا ہتا کہ یہ دشنوں کی نظروں میں آجائے۔کارروائی کی تحمیل کے بعد سب لوگ مختلف

علاقوں میں نکل جائیں گے اور آج سے ٹھیک آٹھویں دن ہم یہاں جمع ہوں گے۔''
سبے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ غار کے کونے میں رکھی ہوئی وہ تینوں پیٹیاں کھول لی
سکئیں ان میں ایمونیشن مجرا ہوا تھا۔ فیض علی مجاہدین میں ایمونیشن اور دئی بم تقسیم کمرنے لگا۔

کمانڈ ررشید نے ایک بیلٹ میری کمر پر باندھ دیا۔ اُس نے پہلے ایک سب مشین کن اُٹھائی
اور مجھے اُس کے استعال کا طریقہ سمجھانے لگا۔ سب مشین گن میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔
اور مجھے اُس کے استعال کا طریقہ سمجھانے لگا۔ سب مشین گن میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔
پھروہ ایک دِیْ بم اُٹھا کر مجھے سمجھانے لگا۔

پروہ بیت کی اہم ما معالی کے اور ہونا جائے۔'' اُس نے ہینڈ گرنیڈ پر اُوپر سے نیچے کی طرف
کی ہوئی ایک نولادی پتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''گرفت بہت مضبوط ہوئی
جائے۔ یہ بن کھینچنے کے بعد گرفت ڈھیلی ہوئی تو بم تمہارے ہاتھ میں ہی بھٹ جائے گا اور
تہارے پر نیچے اُڑ جائیں گے۔''وہ تیج پن کھینچنے اور بم پھیننے کا طریقہ سمجھانے لگا۔

جمعے دو ہینڈ گرنیڈ دیے گئے تھے جو میں نے بیک کے ہوں میں اڈس لئے۔سبہشین گن لوڈھی، چار فاصل میکزین بھی جمعے دے دیئے گئے۔ مجاہدین روائلی کے لئے تیار ہو لگئے۔سب آخر میں غاری نظنے والے مجاہد نے اسپرٹ لیمپ بجھا دیا تھا۔ میں جتنی دیر تک غار میں بیشار ہا اُن مجاہدین کی شکلیں و کھار ہا تھا۔ کما غرفیض علی کی عرتمیں بیتیں کے لگ بھگ رہی ہوگی جبکہ دوسروں میں سے کسی کی عربھی چوہیں بچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ایک لاکا میرا تقریباً ہما۔وہ میر سے ساتھ ساتھ جل رہا تھا۔وہ میں بھی اُس سے بچھ بے تکلف ہوگیا تھا۔وہ دو ساتھ جو کیا تھا۔وہ دو سیار بھے ایپ بچھلے کارنا موں کے بارے میں تاریباتیا

راستہ بہت ہی کھن اور دُشوار تھا۔ ہم تقریباً تین گھنٹے تک چلتے رہے۔ فاصلہ اگر چہ زیادہ نہیں تھالیکن ہم پہاڑیوں میں طویل چکر کا شتے ہوئے چل رہے تھے اور بالآخر اُس جگہ بننج گئے جو کمایڈ رفیض علی نے نوجی قافلے پر حملے کے لئے منتخب کی تھی۔

کسی قافلے کو گھیرنے کے لئے ہے واقعی بہت آئیڈیل اور لا جواب جگہتھی۔ وہ تنگ سا راستہ تقریباً ڈیڑھ سوگز طویل تھا۔

کمانڈررشیداورفیق علی بچھ پر تک اُس رائے ،اُس کے گردونواح کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر کمانڈررشید مجاہدین کومختلف جگہوں پر تعینات کرنے لگا۔ بچھ مجاہدین کومڑک کے دوسری طرف بھیج دیا گیا تھا۔ دولڑکوں کورائے کے اختتام پر برساتی نالے کے بل کے دونوں طرف تعینات کردیا گیا تھا۔ جبکہ دومجاہدین نے رائے کے دوسری طرف پوزیشنیں سنجال لیس تا کہ واپسی کا راستہ بھی مسدود کیا جاسکے۔

رات کو پوری طرح گیرے میں لے لیا گیا تھا۔ قافلے کے اس راستے میں داخل ہونے کے بعد کی کئی کے زندہ نیج نظنے کا سوال ہی پیدائبیں ہوتا تھا۔ تمام مجاہدین کو تختی سے یہ ہدایت کر دی گئی

تھی کہ جب تک کما غرر شید تکنل نہ دے کوئی بھی فائز نہ کھو لے۔ میں کما غذر رشید کے ساتھ تھا۔ ہم نے میٹھنے کے لئے سڑک سے تقریبا آٹھ نٹ اُدیر پھروں میں ایس جگہ منتخب کی تھی کہ اگر سرک پر ہے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ کی روشی بھی پڑ جاتی تو ہم نظروں میں ہیں آسکتے تھے۔ ہمارے چاروں طرف گہری تاریکی اور سناٹا تھا۔ کما نڈر رشیدتھوڑی تھوڑی دیر بعد اُ چک کر

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا اور بل پر کسی گاڑی کے انجن کی مدھم می آواز من کر میں چونک گیا۔ کما غررشید نے بھی یہ آوازین لی تھی۔وہ ایک بار پھراُ جیک کرسڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ایک سے زیادہ گاڑیوں کی آوازیں تھیں جو بھی تو قریب ہے آتی ہوئی محسوں ہوتیں اور بھی ہوا کے دوش پر بہت دُور چلی جاتیں۔ اور پھر بہت دُور متحرک روشنیاں دکھائی دیے لکیںاس طرف سڑک غالبًا بل کھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے روشنیوں کے زاویتے بھی بار بار بدل رہے تھے۔ میں پوزیشن لے کر بیٹھ گیا اور سب مشین کن کاسیفٹی بیچے ہٹا دیا۔ وہ روشنیاں بتدریج قریب آتی جارہی تھی۔ اُس وقت مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ سنسنی کی لہریں پورے بدن پر برتی رو کی طرح دوڑ رہی تھیں۔رائفل پر میری گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی کما نڈررشید نے میری طرف دیکھا،میرا کندھا تقبیتھیایا اور مجھ سے چند گز

روشنیاں قریب آتی جارہی تھیں۔اور پھریة قافلے کا پہلاٹرک رائے میں داخل ہو گیا۔ پچھلے رک کے بیڑیمیس کی روٹنی میں ایک ٹرک پرسوار بھارتی فوجی صاف نظر آ رہے تھے۔ایک لائٹ مشین کن ٹرک کے سامنے کے رُخ پرنصیب تھی ، ایک دائیں اور ایک بائیں طرف ۔ کن مین مستعد کھرے تھے۔ ہاتی فوجی بھی سب متین نئیں سنجالے چاق و چوہندنظر آ رہے تھے۔

مچھلے حار ٹرکوں پر تریالیں پڑی ہوئی تھیں۔سب سے آخر والے ٹرک پر بھی أس طرح جاروں طرف لائٹ مثنین کنیں فٹ تھیں۔ پہلاٹرک راستے کے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا کہ آخری ٹرک بھی رائے میں داخل ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی کمانڈر رشید کی چنگھاڑتی ہوئی آواز

بيزك كي طرف ديكيم ليتاتھا۔

فضاایک دم فائرنگ اور دھاکوں کی آواز ہے گوئج اُتھیکانوائے کے ٹرکوں پر چاروں طرف ہےآگ بر نے تی۔ برساتی نالے کے بل کے ساتھ تعینات مجاہدین کی فائرنگ سے قا فلے کے ا گلے ٹرک کے ٹائر دھاکوں سے بھٹ گئے۔وہٹرک لڑ کھڑایا اور چیچے آنے والے ٹرک ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے

ہماری طرف سے اچا تک فائرنگ شروع ہوتے ہی ٹرکوں کے ڈرائیور گر بڑا گئے تھے۔ٹرک بے قابو ہوکرایک دوسرے سے مکرانے لگے تو ٹرکول پر سوار نوجی بھی اس اچا تک افتاد پر بدھوا اس

ہو گئے۔ مجاہدین کی طرف سے اس قتم کی کوئی کارروائی اُن کے لئے غیر متو قع نہیں رہی ہوگ۔ وه يقينا بب مخاط تنه مگر جارا بيهمله اس قدر احيا نك تفا كه أنهيں نوري طور پرسنصلنے كاموقع نهيں مل کے تھااور جب وہ سنبھلے تو اُن کے بئی ساتھی جہنم رسید ہو چکے تھے۔

میں سنے کے بل لیٹا ہوا تھا۔ راکفل پرمیری گرفت بہت مضبوط تھی۔ میں نے ٹرائیگر دبا دیا بزنز تزاہت کی آواز میرے کا نوں کے قریب گوجی چلی گئی۔میری رائفل سے نکلنے والے الگارے زکوں کی طرف لیک رہے تھے۔ایک ٹرک کا ڈرائیور نیچے اُتر نے کی کوشش کررہا تھا۔

میں نے رائفل کا زُخ اُس طرف موڑ دیا کئی گولیاں اُس کے جسم میں پیوست ہو گئی تھیںوہ رک کے کھلے ہوئے دروازے سے قلا بازی کھا تا ہوانچے گرااور خاک وخون میں لوشنے لگا۔ وہ میرایہلا شکارتھا۔ اِس پہلی کامیابی پرمیرادل خوش سے بلیوں اُچھلنے لگا۔

ٹرکوں پر نصب مشین کنیں بھی اب لؤ کھڑا رہی تھیں۔ کئی گولیاں میرے سر کے اُوپر سے گزرتی ہوئی چٹان میں لگ رہی تھیں۔ پھر کے مکڑے اُڑ اُڑ کرمیرے اُو پر گررہے تھے۔ کمایڈر رشید فائرنگ کرتا ہوا مجھ سے کئ گز ؤورنکل گیا تھا۔ میں اپنی جگه پر جما ہوا تھا۔ بھارتی فوجی اندھا دھند فائرنگ کررہے تھے۔ایک گنرنے میری بوزیش کا انداز ہ لگا کراپی کن كارُخ إس طرِف موڑ ديا اور لا تعداد گوليال ميرے پاس بڑے پھروں پر لينے لکيس - پھر كاِ ايك اُڑنا ہوا کھڑا بائیں کندھے ہے ذرا نیچے میرے بازو پر لگا۔میرے منہ سے ہلکی تی چیخ نکل کی۔ رانقل میرے ہاتھ سے چھوٹ کئی۔ میں نے اُس ہاتھ سے اپنا زخمی باز وتھام لیا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید گولی گئی ہے لیکن اگر یگولی لگتی تو میرا بازوحرکت کے قابل نہ رہتا۔ گولیاں اب بھی میرے چاروں طرف برس رہی تھیں ۔میراجہم کیپنے سے شرابور ہو گیا۔ دل کی دھڑ کن قابو سے باہر ہورہی تھی۔میرا دل جاہ رہاتھا کہ اُٹھ کریہاں سے بھاگ جاؤں۔نیکن میں پیھی جانتا تھا

کہ اگراُٹھ کر بھا گنے کی کوشش کی تو میراجسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے گا۔ میں نے جاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف فضا میں انگارے سے ناچتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دونوں طرف سے زبر دست فائر نگ ہور ہی تھی۔ میں نے کمانڈررشید کوآ واز دی کیکن کوئی جواب ہیں ملا۔ میں نے ایک بار پھرقد رے زور سے پکارا۔میری آواز طلق میں انکی ہوئی سی تھی۔

سینِ اس مرتبہ مجھے مایوی نہیں ہوئی تھی۔ کمانڈر رشید کی چینی ہوئی آواز چند گز کے فاصلے سے سنالی دی۔''کھبرو.....ری ٹریٹ ''وہ چینتے ہوئے کہدر ہاتھا۔'' پیچھے بٹتے جاؤ! اُوپر جانے کی ۔ کوشش کرو!''

میں نے رائفل سنبھال کی اور رینگنا ہوا آہتہ آہتہ بیجھے مٹنے لگا۔اب مجھے پیۃ چلا تھا کہ جنگ کا محاذ کیا ہوتا ہے اور ہمارے مجاہدین کس طرح اپنی زند گیاں داؤپر لگا کر آزادی کی جنگ لر رہے ہیں؟ اب مجھے یہ بھی احساس ہور ہاتھا کہ آزادی *مس طرح حاصل* کی جاتی ہے۔اس کے لئے خون بہانا پڑتا ہے۔ نسلیں قربان کرنی پڑنی ہیں۔

میں سننے کے بل رینگتا ہوا پھروں کی آڑ میں تقریباً دس گزیجھے چلا گیا۔اب آ گے اسی جگہ تھی کہ کھڑ ہے ہونا ضروری تھا۔ اور جیسے ہی میں نے اپنی جگہ سے اُنھنے کی کوشش کی ایک گولی سنناتی ہوئی میرے کان کے قریب سے گزرگئی۔ میں ایک دم نیجے گر گیا۔میرا دل خزاں رسیدہ نے کی طرح کا پنے لگا تھا۔موت مجھ سے چندائج کے فاصلے سے گزرگئی تھی کیکن میں اب بھی اُ محفوظ نہیں تھا۔

دفعت ایک کان پھاڑ دینے والا دھا کہ ہوا است ہمارے کی مجاہد نے ہینڈ گرنیڈ بھینکا جوایک بڑک کے قریب سڑک پر گرکر بھٹالکین وہ ہم ٹرک کوزیادہ نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ جھے بھی دی برک خیال آگیا۔ میرے پاس دو دی ہم شھے۔ میں نے ایک ہم بیلٹ سے نکال لیا، رائفل کو زمین پر رکھ دیا۔ سید سے ہاتھ میں ہم کو مضوطی سے گرفت میں لیا۔ اُلئے ہاتھ کی اُنگلی بن کے ربک میں ڈال کر اُسے ایک جھٹکے سے باہر کھینچا۔ ہم پر میری گرفت اور مضبوط ہوگی تھی۔ میرے ربک میں ڈال کر اُسے ایک جھٹکے سے باہر کھینچا۔ ہم پر میری گرفت اور مضبوط ہوگی تھی۔ میرے جسم کے مسام بری تیزی سے پیدنہ اگل رہے تھے۔ پھر میں نے ہم کو پوری قوت سے ایک ٹرک کی طرف اُچھال دیا ۔۔۔۔۔ نولادی پڑی کے ہم سے الگ ہونے سے ایک آواز اُبھری۔ میں دونوں ہاتھ کا نوں پر رکھ کر نیچ جھک گیا اور پھر چند سکینڈ بعد ہی ایک زور دار دھا کہ ہوا۔۔۔۔۔ اس

دھا کے میں کی انسانی چینی بھی شامل تھیں۔ میرا پھینکا ہوا ہنڈ گرنیڈ اُس ٹرک پر گرا تھا جس پر مشین گنیں فٹ تھیں۔ میرے بم نے نہ صرف اُن کی مشین گنیں خاموش کرا دیں بلکہ اُس ٹرک میں موجود نو جیوں کے بھی چیتھڑے اُڑا دیئے۔ میں نے اپنی رائفل اُٹھائی اور پہاڑی پر اُوپر کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ اور پھر ایک اور زور دار دھا کہ ہوا۔۔۔۔۔ اور پھر یوں لگا جیسے اُس جگہ پر قیامت ٹوٹ بڑی ہو۔۔۔۔ پے در پے دھا کے ہونے گئے۔۔۔۔۔دھرتی کانپ اُٹھی۔

میں اوکھڑا کر گرا، کین دوسرے ہی لحت منجل کر چٹانوں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ گولہ بارود سے لدے ہوئے چاروں ٹرک دھاکوں سے پھٹ پڑے تھے۔ ٹرکوں پرلدے ہوئے گولہ بارود آتش بازی کی طرح بھٹ کر چاروں طرف کھیل رہے تھے۔ راکٹ چل رہے تھے۔۔۔۔۔آگ کے شعلے چاروں طرف اُترتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔۔

میں ایک چنان نما پھر کی آڑ میں رُک کرنیچے دیکھنے لگا۔ بہت دُور کی روشنیاں متحرک نظر آئیں۔گولہ بارود سے لدے ہوئے بیٹرک اُس طرف سے آئے تھے۔

ں ورہ ہور است مناسب ہوتا ہے۔ ''شمروز! کہاں ہوتم ؟'' چندقدم کے فاصلہ بر کما غرررشید کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''میں یہاں ہوں کما غرر!'' میں نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ چند سینٹر بعد ہی کما غرر رشید دوڑتا ہوا میرے قریب بھی گیا۔ ''بھا گوشمروز!'' وہ چیخا۔''اس طرف.....''

بھا کو مروزہ وہ چیا۔ اس سرے ہیں۔ پے در پے دھاکے بدستور ہور ہے تھے۔ آسان پر بھی شعلے پھیلتے جارہے تھے پہاڑیوں لرن

رہی تھیںمیرے اُوپر بچھالی دہشت می طاری ہوئی تھی کہ مجھ سے دوڑا بھی نہیں جارہا تھا۔
اور پھر کما غذر رشید نے میراہا تھ پکڑلیا اور میں اپنے آپ کوسنجالتا ہوا اُس کے ساتھ دوڑتا رہا۔
''بھارتی نو جیوں کا ایک اور کا نوائے سرینگر کی طرف سے آرہا ہے۔'' کما غذر رشید دوڑتے
ہوئے کہہ رہا تھا۔''اُس کا نوائے میں گولہ بارود کا کوئی ٹرک نہیں ہوگا۔صرف نوجی ہوں گے۔
رات کو تو وہ بچھ نہیں کر عمیں گے گرضیج کی روشنی ہوتے ہی چاروں طرف پھیل جا میں گے۔ اُس
وقت تک ہمیں یہاں سے بہت دُورنکل جاتا ہوگا۔''

''اور ہمارے دوسرے ساتھی کماغر!''میں نے ہانیتے ہوئے کہا۔ ''اور ہمارے دوسرے ساتھی کماغر!'' میں نے ہانیتے ہوئے کہا۔

''وہ لوگ نکل جائیں گے ہتم اُن کی فکرمت کرو!'' نمانڈ ررشید نے کہا۔ رھاکے بدستور ہو رہے تھے۔ چارٹرکول میں بھرا ہوا گولہ بارود بھٹ رہا تھا۔ آسان پر کمہریں سے جھر میں تھیں ماہ بھرا کی فائر کی آواز بنائی دی جو اُن دھاکوں سے مختلف

تھلجھ یاں تی چیوٹ رہی تھیں۔ اور پھر ایک فائر کی آواز سائی دی جو اُن دھا کُوں سے مختلف تھی۔ میں نے مُرد کر دیکھا ایک گولی روشی کی کلیری چھوڑتی ہوئی بلندیوں کی طرف جارہی تھی۔ اور پھر وہ گولی بہت اُوپر جا کر پھٹ گئے۔ میرا خیال تھا کہ چنگاریاں می پھوٹیس گی اور پھر تاریکی حجا جائے گی۔ گراییانہیں ہوا۔

وہ لائٹ فائر تھا۔ زردروشن کا ایک پنڈولد ساجوآ سان پر تیرنے لگا تھا۔ روشن کافی تیزشی۔
آس پاس کی پہاڑیاں روشن ہو گئیں اور پھر فائر نگ کی آوازیں سائی دینے لگیں۔ بعد میں آنے
والے بھارتی فوجی لائٹ فائر کی روشن میں آٹو میٹک ہتھیاروں سے فائر نگ کرتے ہوئے
پہاڑیوں پر چڑھ رہے تھے۔

۔ مرکما غررشد کا بی خیال درست ثابت ہوا کہ بھارتی نوجی رات کے وقت کچھ نہیں کرسکیں گے۔ فائر نگ ایک ہی جگھ نہیں کرسکیں گے۔ فائر نگ ایک ہی جگھ پرمحدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں کمانڈ ررشید کے ساتھ دوڑتا رہا۔اباُس نے میراہاتھ چھوڑ دیاادر میں اُس سے چندگز پیچے رہ گیا تھا۔ایک گھٹے تک مسلسل دوڑتے رہنے سے میرا سانس پھول گیا اور قدم لڑ کھڑانے گئے۔ میں کمانڈ ررشید کا ساتھ دینے کی پوری کوشش کر رہا تھالیکن مجھے ایک پھر سے ٹھوکر گئی۔ میں نے سنجھلے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو۔ کااور دھڑام سے پھروں پرگرا۔۔۔۔۔

سے میں وہ میں کو مان پی ہے میں دور کر ہائے۔ میرے گرنے کی آواز من کر کما غرر رشید رُک گیا۔ اُس نے پہلے مُو کر دیکھا اور تیز تیز قدم اُٹھا تا ہوا میرے قریب آگیا۔

"كيا بواشروز؟" وه تجھے أخمانے كى كوشش كرتے ہوئے بولا۔

''اب مجھ سے بالکل نہیں چلا جاتا کما غرر!'' میں نے ہانیتے ہوئے جواب دیا۔''چند منٹ سسطرف چندمنٹ یہاں رک جاؤ!''

"كيال أبيل" كما غرر رشيد في جواب ديا-"يهال سي بحق آ كاك چشمه ب- مم

''اس پہاڑی کے چیچے ایک مکان ہے۔اور وہ مکان ہی ہماری منزل ہے۔'' کما غرر شید

جواب دیا۔ جواب دیا۔ میں سند سند سے ارجمع سے مما برن اساکی طری سال داری

بوب رہیں۔ اُس منزل تک پہنچنے کے لئے ہمیں مزیدا یک میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ وہ پہاڑی ایک ٹیلے اُن وقتر جدید کی برید بروں اور اون ھاکر کر کورنا گیا ہو۔ ایس کردوسری طرف ڈھلان

ی طرح تھی جیسے کوئی بہت بڑا بیالہ اوندھا کر کے رکھ دیا گیا ہو۔اس نے دوسری طرف ڈھلان رِلکڑی کا ایک میکان بنا ہوا تھا۔ اُس سے ذرا ہٹ کر بہت بڑی جگہ کا نیٹے دِار جھاڑیوں کی باڑ

رِ لَكُوْ یَ كَا ایک مِكَان بنا ہوا تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر بہت بڑی جلہ کا نئے دار جھاڑیوں کی باز سے گھری ہو کی تھی، جس کے ایک حصے میں دو فچر اور ایک گائے بندھی ہو کی تھی۔ جبکہ دوسر سے سے گھر ی ہو کی تھی، جس کے ایک حصے میں دو فچر اور ایک گائے بندھی ہو کی تھی۔ جبکہ دوسر سے

جیے ٹیں لا لائداد بھیریں اور چند بکریال نظر آ رہی تھیں۔ مکان کے آس پاس اخروٹ اور خوبانی کے چند درخت تھے۔اخروٹ کے درخت کے نیجے

ایک گدھا بھی بندھا ہوا تھا۔ مکان دوخصوں پر مشمل تھا۔ ایک حصہ سنگل تھا اور دوسرا ذیل سنوری _ سنگل جھے کی جھت پر ایک جگہ چنی سے دُھواں خارج ہور ہا تھا۔

ری۔ مس سے ی چھت پراہیں ہمیں، ن سے در رون عارن براہ ہاں۔ ہم جیسے ہی آ گے بڑھے پیۃ نہیں کہاں سے ایک کتا نکل کرخونخوارا نداز میں بھونکتا ہوا ہماری نے د کا۔ میں ایک دم گھبرا سا گیا۔ وہ خاصا قد آور کتا تھا اور دیکھنے میں بھی بڑا خوفناک اور

طرف لیکا میں ایک دم گھبرا ساگیا۔ وہ خاصا قد آور کتا تھا اور دیکھنے میں بھی بڑا خوفناک اور خونخوارلگ رہاتھا۔ کیڈ شیشر کتا ہے الکا خوف نہیں ہوا۔ اس نے طائلگر کے کتا کہ بچکاراں کتا نے

کما غررشید کتے سے بالکل خوفز دہ نہیں ہوا، اُس نے ٹائیگر کہہ کر کتے کو پچکارا، کتے نے بھونکنا بند کر دیا اور کما غررشید کے قریب پہنچ کر اُس کے آگے چیچے وُم ہلانے لگا۔ البتہ میری طرف دکھے کروہ ابھی ہولے ہولے خوانے لگنا تھا۔

طرف دیلچے کروہ اب بھی ہو لے ہو لے عرائے لگیا تھا۔ مکان کا درواز ہ دوسری طرف تھا۔ اُس طرف عقبی کھڑ کیاں تھیں ۔ کتے کے بھو نکنے کی آ واز سن کراندر ہے کئی نے کھڑ کی کھول کر جھا نکا اور پھر کھڑ کی بند ہوگئی۔

ہم مکان کے دوسری طُرف آگئے۔ایک طرف مکان سے پچھ فاصلے پر بہت بڑاشیڈ بنا ہوا تھا جس میں بھوسے کی بوریاں اور کھتی باڑی میں استعال ہونے والے آلات رکھے ہوئے تھے۔ میں اُس شیڈ کی طرف و کیورہا تھا کہ بوڑھا مکان نے نکل کر باہرآ گیا۔اُس کی عمر ساٹھ

سے کچھاُوپر ہی ہوگی۔سفیدنوک وار داڑھی،سر کے بال بھی برف کی طرح سفید تھے جوسیاہ کپڑے کی ٹوپی سے جھا نک رہے تھے۔

اُس بوڑنھےنے بڑی گرمجوثی ہے ہمارااستقبال کیا اور ہمیں اندر لے گیا۔اندرایک ادھیر عمرعورت نے ہمارااستقبال کیا۔اُس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ڈھیلا ڈھالا بِمالباس پہن رکھاتھا، سریر ساہ رنگ کا ایک تکونا اسکارف بندھا ہوا تھا۔عمر سے قطع نظر

جسمانی طور پروہ خاصی پڑکشش تھی۔ وہ جمیں اُس مکان کے ایک ایسے کمرے میں لے آئے جہاں فرش پر بھیڑ کے بالوں سے سئے گدے بچھے ہوئے تھے۔ایک طرف سات آٹھ سال کا ایک بچیسور ہا تھا۔اُس کے چبرے پر بڑی معصومت تھی۔ وہاں تھوڑی دیر کے لئے زک جامیں گے۔'' گرمیری ٹائلوں میں تو کھڑے رہنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔ چلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔میری بیہ حالت دیکھ کر کما نڈررشید کو چند منٹ وہاں زکنا پڑا اور وہ بھی ایک پھر پر بیٹے کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔مسلسل بھا گئے رہنے سے میرے پھیپھڑے جیئے جا رہے تھے۔ سینے میں درد ہونے لگا تھا۔منہ سے کف بہدرہا تھا۔۔۔۔۔ میں تقریباً پانچ منٹ تک

بے سدھ ساپڑا گہرے گہرے سالس لیتارہا۔ میری حالت کسی قدر سنبھلی تو میں نے آستین کے ساتھ منہ سے بہنے والا کف صاف کیا اور رائفل سنبھالتے ہوئے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کما غدر رشید نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم ایک بار پھر چلنے لگے۔

و ، چشمہ تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ دُور دُور تک چنار کے درخت تھے۔ چشمہ کے آس پاس کچھ پھل دار درخت بھی تھے لیکن رات کی تاریکی میں اُن درختوں کی شناخت ممکن نہیں تھی۔ چشمے کے کنارے پر بیٹھ کرمیں نے پہلے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر جی بھر کے پانی پیا اور ایک پھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

کمانڈررشید چشمہ کے کنارے پر بیٹھامنہ پر پانی کے چھینٹے ماررہا تھا۔رات کا آخری پہر تھا۔سبزے کی وجہ سے خنگی بڑھ گئ تھی۔ مجھے پچھ ٹھنٹدی لگنے گئی۔ ''بیٹھے رہو گے تو سردی لگے گی۔۔۔۔ چلتے رہو گے تو خون میں پچھ گرمی پیدا ہو گی۔'' کمانڈر

رشید نے کہا۔ میں اُس کا مطلب بمھ گیا اور اُٹھ کر اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ دو گھنٹوں تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد ہم نشیب میں پھیلی ہوئی ایک وادی میں نکل آئے۔

تھوڑی دریے لئے ایک جگہ پررُ کے اور پھر چلنے لگے۔ ایک بڑی خوشگواری مہک میرے نتھنوں نے کراری تھی۔ جھے سجھنے میں درینہ لگی کہ ہمارے آس یاس دھان کے کھیت ہیں۔جس کا مطلب تھا کہ کوئی آبادی بھی قریب ہی تھی۔

مُّمْر ڈیڑھ گھنٹے تک مزید عَلِتے رہے کے بعد بھی کسی آبادی کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ہم رُکے بغیر چلتے رہے۔ صبح کا اُجالا تھیلنے لگا۔اب بچھ فاصلے کی چیزیں دکھائی دینے لگیس۔روشی نمایاں ہوتی گئی۔

جمارے چاروں طرف دھان کے کھیت تھے اور اُن کھیتوں میں کہیں کہیں درخت بھی کھڑے دکھائی دےرہے تھے۔

سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ بہت دُورایک جگہ سے دُھویں کی سرمُکی ککیری اُٹھتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ میں نے کما غررشید کوائس کی طرف متوجہ کیا تو وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''وہی ہماری منزل ہے۔۔۔۔۔''

'' میں سمجھانہیں؟'' میں نے اُلجھی ہوئی نظروں سے کما نڈررشید کی طرف دیکھا۔

- 3

36

ا کیے طرف آتش دان میں آگ روٹن تھی۔قریب ہی جائے کی ایک کیتلی رکھی ہوئی تھی اور پیالوں میں جائے بھی موجود تھی۔میرا خیال ہے وہ دونوں ہمارے آنے سے پہلے جائے پی رہے تھے۔ہم اُن کے ساتھ آتش دان کے سامنے گدے پر بیٹھ گئے۔عورت نے ہمارے سامنے پیالیاں رکھ کراُن میں جائے اُٹھ یل دی۔

ہمارا یہاں جس طرح استقبال ہوا تھا اس سے مجھے انداز ہ لگانے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہ کما نڈررشید اُن لوگوں کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ کما نڈررشید نے میرا بھی اُن سے تعارف کرا دیا اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہوہ بوڑھا میرے والدمولوی رسول بخش کو بہت اچھی طرح جانیا تھا۔

''بہت عرصہ ہو گیا رسول بخش سے ملے ہوئے۔'' اُس ''نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اپ تو بوڑ ھاہو گیا ہو گامیر ی طرح۔''

آب نو بوڑھا ہو کیا ہو کا میر فی طرن۔ ''جی ہاںآپ نے ٹھیک کہا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہم نے نویں اور دسویں جماعتیں سرینگر کے مسلم ہائی سکول میں اکٹھے ہی پڑھی تھیں۔''
بوڑھے نے کہا۔''اس کے بعد میں دِتی چلا گیا اور وہ سوپور کا ہو کر رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں
دِتی میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا کیکن یہاں ایک حادثے میں میرے والد کا انقال ہو گیا
اور مجھے واپس آنا پڑا۔ اس کے بعد بھی رسول بخش سے چند ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ مگر اب تو کئی

برسوں ہے ہم نے ایک دوسر ہے کوہیں دیکھا۔'' وہ عبدافنی تھا۔ دیر تک برانے وقتوں کی یادیں تاز ہ کرتار ہا۔ ''جہ بہندوستان اور پاکستان کا ہٹوار ہ ہواتو چیں تمہاری عمر کا تھا۔'' وہ میری طرف دیکھ

''جب ہندوستان اور پاکستان کا بٹوارہ ہوا تو میں تمہاری عمر کا تھا۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے کہدرہا تھا۔'' کشمیری مسلمانِ پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے تھے۔ گرمہاراجہ گلابِ شکھ تو

ہوئے کہدرہا تھا۔ '' میری سلمان یا شان سے اعال کرنا جا ہے تھے۔ سرمہاراجہ قاب منھو '' شمیر کا سودا پہلے ہی کر چکا تھا۔اگر کشمیر کے مسلمانوں میں اُس وقت اتحاد ہوتا تو آج کشمیراور جموں بھی یا کستان کا حصہ ہوتا۔ گربعض کشمیری لیڈر ہی غدار نکلے۔اینے ذاتی مفاداورا قتدار کے

لئے وہ ہندومسلم بھائی بھائی کے نعرے لگاتے اور ہندولیڈروں کی چاپلوی کرتے رہے۔ اُن تشمیری مسلمان لیڈروں کی غداری کی وجہ ہے آج یہ وادی جل رہی ہے۔ یہ تونسل درنسل غدار ہیں۔ان کی اولا د آج بھی اپنے اقتدار کے لئے ہندوؤں کی غلامی کررہی ہے۔ وہ تشمیر کے سادہ

۔ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ مگر کشمیری اب بیدار ہو چکے ہیں۔اب وہ کسی فریب میں نہیں آئیں گے۔اب تو آزادی ہے کم کسی بات پر سجھو تہ نہیں ہو گا۔ مجھے خوشی ہے کہتم جیسے

نو جوان آ زادی کی اس تحریک میں شامل ہیں۔جذبہ زندہ ہوتو منزل تک پہنچنا مشکل نہیں ہوتا۔'' عبدالغنی کے بارے میں انکشاف ہوا کہ وہ خود بھی ماضی میں تحریک آ زادی کا سرگرم کارکن میں سے جسے خصصہ خصصہ کے نہیں تاہم سے کا ساتھ کے ساتھ

رہ چکا ہے۔اُس کے جسم پر زخموں کے کئی نشان تھے۔تحریک کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے 'ہوئے' وہ کئی مرتبہ پکڑا گیا تھا۔ بے پناہ تشد دبر داشت کیا تھا مگراپنے کا زیسے غداری نہیں کی تھی۔

عبد الغنی میں بھاگ دوڑ کی سکت نہ رہی تو اُس نے اپنے دو جوان بیٹے تحریک کے سپر دکر رہے۔ دونوں کئی برسوں تک بھارتی جھیڑیوں کے خلاف برسر پیکارر ہے۔ چند سال پہلے بڑا میٹا _{ایک} چھاپہ مار کارروائی میں شہادت کے رہے پر فائز ہوا اور تین سال پہلے چھوٹا میٹا بھی ایمی ہی ایک کارروائی میں وطن کی آن پر قربان ہو گیا۔

ا ہیں ہارروان میں ہر س کے چر ہو گئی ہیں۔ سینہ عبدالغنی کی بہوتھی۔اور بستر پر گہری نیندسویا ہوا چھسات سال کی عمر کا وہ بچہ اُس کا پوتا ہما۔عبدالغنی ہوی بے چینی ہے اس وقت کا انتظار کر رہاتھا جب اپنے پوتے کے ہاتھ میں بندوق جماع میں تی خاصوں کے گند ہے وجود ہے اس دھرتی کو ماک کرنے کے لئے ائی دُعاوُں

تھا کر بھارتی غاصبوں کے گندے وجود سے اس دھرتی کو پاک کرنے کے لئے اپنی دُعاوُں کے سائے میں رخصت کر سکے۔ ریم بینر کر تھوڈی دریا ہو سکن نہ ٹاشتہ بنادیا۔ اس دوران وہ یک بھی جاگ گیا تھا۔

چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد سکینہ نے ناشتہ بنا دیا۔اس دوران وہ بچیبھی جاگ گیا تھا۔ سکینہ اُسے اُٹھا کر باہر لے گئی،وہ پندرہ منٹ بعد اُسے منہ دُھلا کروا پس لے آئی۔عبدالغفور نام کادہ بچہ کمانڈررشید ہے بھی خاصا بے تکلف تھا۔وہ اُس کے پاس بیٹھ کرنا شتہ کرنے لگا۔

رات بھر جا گئے اور بھاگ دوڑ میں بری طرح تھک گیا تھا۔ نیند کے جھو نکے آ رہے تیم مگر میں بری مشکل ہے آنکھیں کھولے بیٹھا تھا۔

ں ہوی منس سے اسے ان سوحے . چھا ھا۔ یہ میری زندگی کا خوفنا ک ترین تجربہ تھا۔مجاہدین اور بھارتی فوجیوں کی جھڑ پول کے بارے ں تو آئے دن سنتا ہی رہتا تھا۔ یہ بھی پیۃ چلتا رہتا تھا کہ مس جھڑ ہے میں کتنے بھارتی فوجی

میں تو آئے دن سنتا ہی رہتا تھا۔ یہ بھی پینہ چاتا رہتا تھا کہ کس جھڑپ میں کُتنے بھارتی فوجی عجامدین کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے اور کتنے مجاہدین شہید ہوئے اور کرشتہ رات میں خود ایک ایسی چھاپیہ مار کارروائی میں شریک تھا جس کے بارے میں خبروادی میں پھیل گئی ہوگی۔

ہم نے بھارتی نوج کے اُس قافلے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ گولہ بارود کے لدے ہوئے حیارٹرک تباہ ہوئے تھے اور کم از کم چوہیں فوجی تھے جوسب کے سب ختم ہو گئے تھے۔ ممکن ہے ایک دونوجی زیج بھی گئے ہوں۔

میں اپنی سے ہوں۔ میں اپنے آپ میں نخر وانمساط کی ایک عجیب می کیفیت محسوں کرر ہاتھا۔ اس قتم کی کمی چھاپہ مار کارروائی میں حصہ لینے کا بہ میرا پہلاموقع تھا۔ میرے چاروں طرف موت برس رہی تھی اور میں نے کمی بزد لی کا مظاہر ہنمیں کیا تھا۔ٹرک ڈرائیور پہلا بھارتی فوجی تھا جومیری گولیوں کا نشانہ بنا تھا اور پھرمیرے تھینکے ہوئے ہنڈگرنیڈ نے ٹرک سے مجاہدین پر فائرنگ کرنے والے

گئی فوجیول کوموت کی نیندسلا دیا تھا۔ ''تهہیں نیندآ رہی ہے۔'' سکینہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔''میرے ساتھ اُوپر آؤ! اُدر کمین ا

آوپر کمرہ خالی ہے۔آرام سے سوجانا۔'' میں نے کمانڈررشید کی طرف دیکھا اور اُٹھ کرسکینہ کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے اپنی رائفل بھی اُٹھا لی تھی۔ اُوپر جانے کے لئے مٹرھیاں مکان کے اندر ہی سے تھیں۔ سکینہ مجھے جس کمرے میں لےکرآئی اُس کی کھڑکیاں مشرق کی طرف تھیں جو کھلی ہوئی تھیں اور باہر دُھوپ

چیک رہی تھی۔ میں بہت تھکا ہوا تھا۔ بستر پر گرتے ہی سو گیا۔

تخة آہتہ آہتہ آہتہ اپنی جگہ ہے حرکت کرنے لگا اور پھرسکینہ کی آواز سنائی دی۔ ''باباتم چھوڑ دو ۔۔۔۔ بیس اُٹھارہی ہوں۔''

اُسْ کی اُواز پرُ سکون تھی جس کا مطلب تھا کہ اُو پر صور تحال نار ل تھی اور خطرے کی کوئی بات نہیں تھی تختہ اُوپر سے پوری طرح ہٹ گیا اور روثنی اندر تک آئی۔

'' ہرآ جاؤوہ لوگ چلے گئے ۔'' سکینہ کی آواز سنائی دی۔ '' ہرآ جاؤوہ لوگ چلے گئے ۔'' سکینہ کی آواز سنائی دی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور رائفل پر گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ کما غذر رشید نے مجھے اشارہ کیا۔ میں دوڑ کر لائٹین اُٹھا لایا اور اُسے سٹرھیوں کے قریب رکھ دیاہم دونوں باہر آ گئے ۔ تختہ برابر کر کے اُس پرایک بار پھر بھوسے کی بوریاں رکھ دی گئیں۔

عدالتی اورسکیند کی حالت دیکیو کر میں چو نکے بغیرتہیں رہ سکا تھا۔عبدالغنی کی دائیں آنکھ کے عبدالغنی اور اُس آنکھ کے غیرائین اور اُس کا ایک جبڑا نئچ ساہ نظر آرہا تھا۔ سکیند کی میض دائیں کندھے سے پھٹی ہوئی تھی اور اُس کا ایک جبڑا بھی سوجا ہوا تھا۔ جمعے سمجھنے میں دیرینہ گئی کہ ہمارے بارے میں پوچھنے کے لئے اُنہیں تشدد کا

''عبدلغفور کہاں ہے؟'' میں نے بےاختیار پوچھااور اِدھراُدھر دیکھنے لگا۔ ''وہ محفوظ ہے بیٹا!تم اُس کی فکرمت کرو۔'' عبدالغیٰ نے جواب دیا۔

ہم مکان کے اندر داخل ہو گئے۔عبدالغنی ہمیں اُن فوجیوں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔اُن فوجیوں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔اُن فوجیوں کوایسے اگروادیوں (دہشت گرد) کی تلاش تھی جنہوں نے گزشتہ رات سرینگر گھرگ ہائی وے پرایک کا نوائے پر حملہ کر کے ایک میجر سمیت اُنتیس فوجیوں کو ہلاک اور گور ہارود کے طار ٹرکوں کو تباہ کردیا تھا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔اس قافلے میں چوہیں فوجی شامل تھے اور پانچ ڈرائیوروں کو ملاکراُن کی تعداد اُنتیس ہو جاتی تھی جوسب کےسب جہنم واصل ہو چکے تھے۔

ہمارا کوئی مجاہد نہ تو زخمی ہوا تھا نہ شہید۔ کما غررشد نے قافلہ پر تملہ کی پائنگ اس طرح کی تھی کہ ہمارے کی آدمی کوکوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ سب کے سب محفوظ تھی کہ ہمارے کئی آدمی کوکوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ سب کے سب محفوظ تھی ہوں گے۔ لیکن سے بھارتی درندے جس طرح ہماری تلاش میں بستیوں میں گھوم رہ ہے تھے اس سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ کئی ہے گناہ اُن کے ہاتھوں مارے جائیں گئے۔ یہ بوڑھوں، بچوں اورعورتوں کو بھی نہیں بشتیں گے۔ اُنہیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا۔ عبدالغنی اور سکینہ کی مثال تو میرے سامنے تھی۔ اُنہیں مارا بیٹا گیا تھا۔ سکینہ کی زبان پر حرف شکایت تک نہیں آیا تھا۔

تقریباً آ دھے گھنٹے بعد عبدالغفور بھی آگیا۔وہ ذہین بچے تھا۔ بھارتی فوجیوں کی آمد پرسکینہ نے اُسے کھیتوں کی طرف بھگا دیا تھا اوروہ اپنے کتے کے ساتھ اڑھائی تین گھنٹوں تک کھیتوں میں چھیار ہاتھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر تک سویا ہوں گا کہ سکینہ نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا۔ ''اُٹھو جلدی کرو!'' وہ جھے بازو سے پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے چینی۔''وہ درندے اِس طرف آرہے ہیں۔'' میں ایک جھٹکے سے اُٹھے گیا۔ کھڑکی کے باہر دیکھا تو بہت وُور ایک ملکے کی ڈھلان سے

میں ایک بھٹلے سے اتھ کیا۔ گھڑی کے باہر دیکھا تو بہت دور ایک بیبے فی و طلاق سے رور ایک میں و طلاق سے وطور ایک می وھول اُڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ دوجیبیں تھیں جو دُھول اُڑاتی ہوئی ٹیلے کی ڈھلان سے اُتر رہی تھیں میرے خیال میں فاصلہ نصف میل سے کچھزیادہ ہی تھا۔

میں نے جلدی سے اپنے جوتے پیروں میں پھنسائے ربیکٹ اُٹھا کر کمر سے باندھا اور رائفل اُٹھا تے ہوئے سکینہ کے ساتھ درواز ہے کی طرف لچکا اور تیزی سے سٹرھیاں اُٹر نے لگا۔ جب ہم مکان سے باہر نکلے تو کما نڈررشید اور بوڑھا عبدالغنی سامنے والے شیڈ میں ایک جگہ رکھی ہوئی بھوسے کی بوریاں ہٹار ہے تھے۔ سکینہ بھی اُن کی مدد کرنے گئی۔ میں اِدھر اُدھر دکھی رہاتھا۔

جوسے کی بوریوں کے نیچے ایک تخت تھا جے عبدالغی اور کما غذررشید نے ہٹا دیا۔ اُس شختے کے نیچے تنگ می سیرھیاں تھیں۔ پہلے میں نیچے اُتر ااور پھر کما غذر رشید اندر آگیا۔ عبدالنی نے تختہ اُو پر رکھ دیا اور پھر شاید وہ اور سکینہ بھوسے کی بوریاں شختے کے اُو پر رکھنے گئے۔ تہہ خانہ بہت بڑا تھا اور یہ جگہ بھی کما غذر رشید کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ کیونکہ سیرھیوں سے اُتر تے ہی اُس نے ایک طرف رکھی ہوئی اللین جلالی تھی۔ ہم دونوں تہہ خانے کے آخری جھے اُتر تے ہی اُس نے ایک طرف رکھی ہوئی اللین جلالی تھی۔ ہم دونوں تہہ خانے کے آخری جھے میں جے اُتھے۔ یہاں اسلیم سے جھری ہوئی سات آٹھ بیٹیاں دیکھے کرمیری آٹکھیں جیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہم دونوں ایک بار پھر سیرھیوں کے قریب آ کر کھڑے ہوئے۔ رائفلیں

ہمارے ہاتھوں میں تیار کھیں۔ کمانڈ ررشید کے کہنے کے مطابق بہتہہ خانداگر چہ محفوظ تھالیکن میں سجھتا تھا کہ اگر بھارتی فوجیوں کواس کا پیتہ چل گیا تو یہ ہمارے لئے چوہے دان ٹابت ہوگا۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ باہر کی کوئی آواز ہمیں سائی نہیں دے رہی تھی۔ پچھ پیتنہیں تھا کہ اُو پر کیا ہور ہا ہے؟ اور پھراپنے سروں پر آہٹ بن کر ہم چونک گئے۔ ہم دونوں نے سٹرھیوں کے دونوں طرف پوزیشن سنجال لی۔ میں دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا۔ میری رائفل کا زُخ اُورِ کی طرف تھا۔

آ ہے کی آوازیں بڑھتی جارہی تھیں۔اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑ کن بھی تیز ہورہی تھی _ رائفل ہرِ میری گردنت بخت ہوگئی _ اُنگلی ٹریگر پر جمی ہوئی تھی اور نظریں اُوپر تختے پڑھیں -

عبدالغنی کی این زندگی جہاد کرتے ہوئے گزری تھی۔ اُس نے اپنے دو بیٹے بھی وطن کی

حید نے مجھے مبع آ گے نہیں جانے دیا۔ سید سے میں میں اسانے دیا۔

‹‹آ کے پچھ گزیز ہے۔'' اُس نے بتایا۔'' قدم قدم پرنو جی دندنا تے پھرر ہے ہیں۔تم آج کا ۔ یہ ساکا طبیع جلہ ماما''

دن یہاں زُک جاؤ! کل منبح چلے جانا۔'' جمھے وہ دن اور وہ ِرات بھی گلمرگ میں گزار نی پڑی اور پھر اگلی صبح میں بس کے ذریعے

سو پور کی طرف روانه ہو گیا۔

ت بیرے گھر اور قصبے والوں کو پتہ چل چکا تھا کہ ایک ہفتہ پہلے مجاہدین کی جس پارٹی نے برینگر گلرگ روڈ پر فوجی قافلے کو تباہ کیا تھا اُس میں، میں بھی شامل تھا۔ میرے گھر والے تو خوتی ہے چھولے نہیں سا رہے تھے۔ قصبے کے لوگ بھی چوری چھپے میرے گھر آ کرمیرے

ولا ین کومبار کباد دیے رہے۔

ر مارین و اسکون سے گزر گئے۔ میں بھی معمولات میں مصروف ہو گیا۔ چوتھے روز تین عجابدین ہارے قصبے میں داخل ہوئے۔ وہ بارہ مولا کی طرف کوئی کارروائی کر کے فرار ہوئے

تھے۔اُن کی اس کارروائی میں جار بھارتی فوجی مارے گئے تھے جبکہاُن کا ایک ساتھی بھی شہید موا تھا

ہوا ھا۔ عباہدین کونور آبی مختلف گھروں میں پہنچا دیا گیا۔ میں نے بھی اُن سے جاکر ملا قات کی تھی۔ اور پھراُس روزعصر سے ذرا پہلے پورے قصبے میں سیسنٹی خیز خبر پھیل گئی کہ تین فوجی ٹرک بڑی تیز رفتاری سے قصبے کی طرف آ رہے ہیں ہمارے قصبے میں بھارتی فوجیوں کا آنا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ مجاہدین کی تلاش کے بہانے یہاں آتے رہتے تھے اور لوٹ مارکر

کے چلے جاتے تھے۔لین آج بات کچھ اور تھی۔ تین مجاہدین قصبے میں پناہ گئے ہوئے تھے۔ چوتھا میں خود تھا۔ تین ٹرکوں پر فوجیوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔لہذا اُن سے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں سے تبدیل کے سام سے میں انہوں تا ہے۔

نہیں ہوتا تھا۔ گاؤں والوں کے پاس اسلح نہیں تھا۔ وہ مجاہدین ہمارے قصبے میں پناہ لئے ہوئے تھےاُن کے پاس اگر چہرائفلیں موجودتھیں گر نین رائفلیں کیا کرسکتی تھیں؟ نیمیر نیمیر تیرین

دونو بی ٹرک قصبے کے باہر مختلف جگہوں پراورایک قصبے کے مرکزی چوک پر پہنچ کر رُک گیا۔ اُس ٹرک سے ڈیڑھ درجن نو جی اُٹر کر إدھر اُدھر پھیل گئے۔ایک لیفٹینٹ نے میگا نون پر بیہ اعلان کیا کہ قصبے میں چھپے ہوئے مجاہدین کو اُن کے حوالے کر دیا جائے ورنہ قصبے کو جلا کر را کھ کر دیا جائے گا۔

تیسری مرتبہ دہرایا جانے والایہ اعلان ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ کسی مکان کی حجبت سے فائرنگ شروع ہوگئی ۔۔۔ اور پھر فائرنگ شروع ہوگئی ۔۔۔۔۔ایک نوجی ڈھیر ہوگیا، تین چارزخی ہوکر گرے۔ بھگدڑ کچ گئی۔اور پھر بھارٹی نوجیوں نے بھی فائر کھول دیا۔ وہ اندھا دُھند چاروں طرف گولیاں برسا رہے تھے۔ فائرنگ کے ساتھ چاروں طرف چیخوں اور آ ہو فغاں کی آ وازیں گونجے لگیں۔ آزادی کے لئے قربان کر دیئے تھے۔اُس کا جذبہ جہاداب بھی کم نہیں ہوا تھا۔وہ مجاہدین کو پناہ دیتار ہتا تھا اور ہرممکن طور براُن کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا اور اپنے شیڈوالے تہہ خانے میں اسلح بھی جمع کرتا رہتا تھا جو وقتا نوقتا مجاہدین تک پہنچا دیا جاتا تھا۔

ہمیں تین دن تک وہاں رہنا پڑا۔اس دوران اُس طرف آنے والے مختف لوگوں سے ہمیں تین دن تک وہاں رہنا پڑا۔اس حصہ لینے والا کوئی بھی مجاہرتو بھارتیوں کے ہاتھ نہیں آیا۔ البتہ بھارتی درندے بے گنا ہوں کوظلم وتشد د کا نشانہ بناتے رہے۔

اور پھر چو تھےروز ہمیں یہ انسوں ٹاک اطلاع ملی کہ سرینگر سے پانچ میل دُورایک چھوٹی ی بہتی میں کمانڈر فیض علی اور اُس کے دوساتھی بھارتی فو جیوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں شہید ہو گئے تھے.....شہادت سے پہلے اُنہوں نے مقابلہ کرتے ہوئے آٹھ بھارتی فو جیوں کوجہنم رسید کر دیا تھا۔

بھارتی نوجی وہ بھیڑئے تھے جن کے منہ کوانسان کا خون لگ چکا تھاادروہ وادگ کشمیر میں انسانوں کا شکار کھیل رہے تھے۔لیکن میرے خیال میں اب وہ وقت زیادہ دُورنہیں رہا جب وادی کو اُن کے گندے وجود سے یاک کر دیا جائے گا۔

اس دوران دو دن اورگزر گئے۔اب فو جیوں سے مجاہدین کی جھڑ پیں انت ناگ اور پہلگا م کی طرف ہو رہی تھیں۔ وہ علاقے سرینگر کے دوسری طرف تھے۔گھرگ کی طرف قدرے سکون ہو گیا تھا۔

جھے گھر سے نکلے ہوئے دو ہفتے ہو چکے تھے اور اب مجھے گھر کی یاد ستانے گئی تھی۔ کمانڈر رشد نے بھی میری اس کیفیت کو بھانپ لیا۔

میں ''اب اس طرف کے حالات قدرے پڑسکون ہیں۔''ایک روز کما نڈررشید نے مجھ سے کہا۔''تم سوپور چلے جاوً! تہماری ضرورت ہوگی تو تمہیں پیغام بھیج دیا جائے گا۔''

اور پھرا گلے روز میں ضبح سویرے ہی خچر پر سوار ہو کروہاں سے روانہ ہو گیا۔ میں نے راکفل اور ہر چیز و ہیں چھوڑ دی تھی جس سے میرا مجاہدین سے کوئی تعلق ثابت ہوسا گا۔ میں نے عبدالغنی کے دیئے ہوئے ڈھلے ڈھالے سے کپڑے بہن رکھے تھے اور حلیے سے میں کوئی کاشڈکار ہی لگتا تھا۔ وہاں سے تقریباً آٹھ میل دُور ایک بہتی میں بہنچ کر میں نے سلمان احمد نامی اُس آ دمی کو

وہاں سے نقریبا آتھ میں دورایک ہنی میں بی کر میں نے سلمان احمہ نا کی اس ادی تو تلاش کیا جس کے بارے میں عبدالغی نے بتایا تھا۔ میں نے خچراس کے حوالے کر دیا اور تقریباً ایک گھنٹے بعد گلمرگ کی طرف جانے والی بس پرسوار ہو گیا۔

دو گھنٹے بعد میں گلمرگ پہنچ گیا۔لیکن اُس روز میں آگے نہ جاسکا۔عبدالغیٰ نے جمھے گلمرگ کے ایک ؤ کا ندار کا پیتہ بتایا تھا۔شہر کی آ دھی سے زیادہ وُ کا نیں ہند تھیں۔حمید ٹا می اُس تخص کی ؤ کان بھی بندتھی مگرایک آ دمی نے مجھے اُس کے گھر پہنچادیا۔

قصبے کے باہر سے بھی فائر نگ کی آوازیں سنائی دنے لگیں۔میرے والداس سے چند منٹ پہلے ہی عصر کی اذان دینے کے لئے محبد کی طرف گئے تھے۔ میں نے بھی گھر سے نکل کر محبد کی طرف دوڑ لگا دی۔ابھی میں محبد کے پہلو والے دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ فضا اللّٰدا کبر کی صدا سے گونج اُٹھی۔میرے والدازان شروع کر چکے تھے۔

اُس وفت مسجد کے مرکزی گیٹ کی طرف فائرنگ ہونے لگی۔ادھر سے میں پہلو والے دروازے سے مسجد میں داخل ہوا اور ادھرتین بھارتی فوجی جوتوں سمیت دندنا تے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور اندھاؤھند فائر کھول دیا۔

اُس وقت معجد میں پانچ چونمازی تھے۔ وہ گولیوں سے چھٹی ہوکر گرے۔ ایک نوجی نے راکفل کا رُخ میرے والد کی طرف کر دیا۔ کئ گولیاں اُن کے جسم میں پیوست ہو گئیں وہ تیورا کر گرے۔ اُن کے جسم سے خون کے کئی نوارے پھوٹ پڑے تھے.....اُن کے منہ سے نکلنے والی آخری آواز' اللہ اکبر' تھی۔

میں اپنی جگہ سے اُچھلا اور ہوا میں اُڑتا ہوا ایک فوجی پر جا گرا اور اُسے سنبطنے کا موقع دیے بغیر اُس کے ہاتھ سے رائفل چھین کی اور نتیوں بھارتی فوجیوں کوڈ ھیر کر دیا۔

ورس ہے ہی کہتے میں متجد کے دروازے کی طرف لیکا۔ پہلو والی گلی سے نکلتے ہی میں مشخصک گیا۔ دوعمارتوں سے آگ کے شعلے بلند ہور ہے تھے۔ فضا میں پٹرول کی بوبھی پھیلی ہو کی تھی۔ مجھے یہ انداز ہ لگانے میں دُشواری پیش نہیں آئی کہ آگ اتفاقیہ نہیں گئی تھی بلکہ جان ہو جھر کر لگائی ہے گئی تھی۔ سب چاروں طرف فائرنگ اور چینوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں اپنے گھر کی اطرف دوڑا اور گلی کے موڑ پر پہنچ کر زُک گیا۔ میرے مکان اور اُس کے ساتھ دوسرے دو مکانوں سے آگ کے شعہ کے ساتھ دوسرے دو مکانوں سے آگ کے شعلے اُٹھور ہے تھے۔

میں را مفل کی زو پر تھا اور ہمارے درمیان فاصلہ بھی چند منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ را تفل کسی بھی لیجے شعلے اُگل سکتی تھی۔ اور یہ شعلے میرے دل میں پیوست ہو کرمیری زندگی کا چراغ گل کر سکتے تھے۔ میں نے مجد میں چھنی ہوئی بھارتی فوجی کی را تفل کو نال کی طرف سے پکڑلیا اور دائیں پیر پرزور دیے کر پوری قوت سے اُچھلا۔

اوردایں پیر پر دورو ہے دیورں وقت ہے۔ پیدی اور دایس کے دیاری کا کہ کہ کہ اس کا رہے اور کا کھاتے دیکھ کرائس کی سانے دالے نو جی کی رائفل کا رُخ میری طرف تھا۔ مجھے اس طرح اُچھلتے دیکھ کرائس کی ہندے کی اس کھوں میں وحشت میں بھر گئی چہرے پر خوف کے سائے بھیل گئے۔ میں کسی پرندے کی طرح ہوا میں اُڑتا ہوا اُس کے قریب بہتی رہا تھا۔ اور پھر میں نے دھاڑتے ہوئے اپنے ہاتھوں کے سامی کا میں اُٹھا۔

میں پکڑی ہوئی را تفل کو لٹھ کی طرح تھما دیا را تفل کا بٹ اُس فوجی کے سر پر لگا۔ اُس کے منہ سے عجیب می آواز خارج ہوئی۔ وہ اُس کی آخری آواز تھی۔ را تفل کے بٹ کی ضرب سے اُس کی تھو پڑی کے پر نچے اُڑیگے تھے۔ را تفل ابھی تک اُس کے ہاتھوں میں تھی اور بیشا ید اُس کے جسم میں پیدا ہونے والے تشنج کا نتیجہ تھا کہ ٹرائیگر دب گیارا تفل کا رُخ اُس وقت اُوپر کی طرف تھا۔ نال سے نگلنے والی گولیاں آسان کو چھونے کی کوشش کرنے لگیں۔ وہ فوجی کٹے ہوئے درخت کی طرح لہرایا اور ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی کھوپڑی سے خون فوارے کی طرح اُچھلنے لگا۔ بھیجہ بھی یانی کی طرح کھوپڑی سے

بہت اور را نو جی میری بہن رابعہ کو گھیٹا ہوا چندگرز دُور جا چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں راکفل تھی۔
اپنے ساتھی کی چیخ من کر اُس نے مُو کر دیکھا اور پھر اُس کا چبرہ بھی خوف کی شدت سے دُھواں ہوگیا۔ اُس نے رابعہ کو چھوڑ دیا اور راکفل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر میری طرف سیدھی کرنے لگا کین میں نے اُسے سنجلنے کا موقع نہیں دیا اور ایک بار پھر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہوا پوری قوت سے اینے بار پھر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہوا پوری قوت سے اینے جگہ سے اُنچھا۔

یہ اُس نعرۂ تنکبیر کا اثر تھا کہ وہ بھارتی فوجی دہشت زدہ ہوگیا۔ وہ اگر جا ہتا تو بڑی آسائی سے مجھے پھلنی کرسکتا تھا۔ لیکن وہ ہز دل تھا۔ بری طرح بدعواس ہو کرچیختا ہوا ایک طرف بھاگ نکا۔ وہ اس قدر خوفز دہ ہوا تھا کہ رائفل بھی ایک بوجھ بچھ کر پھینک دی تھی۔

میں چھلانگ لگا کر رابعہ کے قریب گرا۔ رابعہ اب بھی بری طرح چیخ رہی تھی۔ اُس کی تمین ایک کندھے سے بھٹ گئی تھی اور وہ وحشت زدہ ہی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک کندھے سے بھٹ گئی تھی اور وہ وحشت زدہ ہی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ - تکھوں میں خون اُتر آیا۔

وہ دو فوجی تھے۔جن میں ایک نے رابعہ کو بالوں سے پکڑ رکھا تھا۔ رائفل اُس کے بائیں ماتھ میں تھی۔ دوسرے نے رائفل کندھے پراٹکا رکھی تھی اور رابعہ کو قابو میں کرنے کی کوشش کررہا تھا جوانے آپ کو چیٹرانے کے لئے بری طرح مجل رہی تھی۔اس کھینچا تانی میں اُس کی قمیض تار

تار ہو چکی تھی اور اُس کا بالا نی جسم بر ہند ہور ہاتھا۔

میں چھاڑتا ہوا اُن کی طرف لیکا۔ رائفل کواس مرتبہ بھی میں نے نال کی طرف سے لھے ک طرح بیزر کھاتھا۔وہ دونو ل فوجی میری چنگھاڑی کرمیری طرف مُڑے۔ ا کی نوجی نے رابعہ کے بال جھوڑ دیجے اور رائفل کو دونوں ہاتھوں میں سنجالنے کی کوشش

كرنے لگاليكن اس سے پہلے ہى میں اُس سے فكرا گيا اور اُسے تھيٹنا ہوا دُور تک لے گيا۔ رائفل اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی اور ا تفاق سے میری رائفل بھی میرے ہاتھ سے گر گئی۔ دوسرانو جی اب رابعہ کو ہالوں ہے پکڑ کر تھیٹنے لگا تھا۔ وہ شایدموقع سے فائدہ اُٹھا کر رابعہ کو

دہاں سے نکال کے جانا جا ہتا تھا۔

ت میرے ریف فوجی نے سنجل کر مجھ پرحملہ کر دیا۔ اُس کے وزنی بوٹ کی ٹھوکر میری پنڈلی پر لگی۔ میں بےاختیار جیخ اُٹھااورلؤ کھڑ اگر پشت کے بل گرا.....میری سنجھنے کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔اُس کے بوٹ کی تھوکریں میرے جہم کے مختلف حصوں پر پڑتی رہیں۔ ہر تھوکر کے ساتھ

میں چیخ اُٹھتا۔لیکن ہالآخر مجھے سنجھلنے کا موقع مل گیا۔ · نوجی نے اُس وقت میرے منہ برِ زور دار گھونسہ جما دیامیرا جبڑا ہل کر رہ گیا۔ دانتوں ے خون بہد نکا اینے منہ میں ہی خون کاذا کقہ محسوں کر کے مجھ پر جنون ما طاری ہو گیا۔

یم میں تو ابھی نوعمر ہی تھا۔اس میں شبہ نہیں جسمانی لحاظ سے میں اپنی عمر سے بچھے زیادہ ہی لگتا تھا۔ عمروہ بھے سے زیادہ قد آور اور کہیں طاقتورتھا۔ اگروہ میری گردن پکڑ لیتا تو شاید ہڈی ٹوٹ

جِالی۔ میرا اور اُس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔لیکن میرے اندر نجانے اتنی طاقت کہاں ہے آئی ص- ایک جذبه تها، جنون تها جومیرے اندر چیبی ہوئی قوت کو تقویت دے رہا تھا

میں نے نتائج کی برواہ کئے بغیراس مٹے کئے بھارتی سور ماہر چھلانگ لگا دی اوراُ سے رگیدتا بوا دُور تک لے گیا۔ یہ کلی تنگ ی تھی۔ وہ ایک دیوار سے مکرا گیا۔ میں نے دوقدم چیچے ہٹ کر اس کے بیٹ میں سر سے زور دار مکر مار دی۔وہ چیختا ہوا دو ہرا ہو گیا۔ اُس نے سیدھا ہونے کی کوشش کی تو میں نے سر کی دوسری مکراُس کے چہرے پر ماری۔وہ ایک بار پھر بلبلا اُٹھا۔اُس کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ میں نے تبیری فکر مارنا جابی تو وہ بی تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا

میں اپنی جھونک میں دیوار ہے فکراہا مگر فورانسلیجل گیا۔ چر لی مورتیوں کو بھٹوان مان کر اُن کی بوجا کرنے والے اُس سور ما کی بانہوں میں شاید دم میں رہا تھا۔ اُس نے مجھ بر حملہ کرنے کی بجائے زمین پر بڑی ہوئی اپنی راتفل کی طرف

رابعہ باجی! بھاگ جاؤ أس كلي ميں جا جي زليخا كھركى طرف 'ميں نے جيج کر کہا مگر رُ کانہیں اور اُس فوجی کے پیچھے دوڑ لگا دی جواپی جان بچانے کے لئے وہاں سے قرار ہونے کی کوشش کرر ہاتھا۔ و ہ فوجی دوسری گلی میں مُر چکا تھا۔ گر میں نے اُسے زیادہ دُور نہیں جانے دیا۔ میں نے چنا

ف ذور ہی سے چھلا تک لگا دی اور نیچ گرتے ہوئے اپنی ایک ٹائگ اُس کی ٹائگوں میں اُلجھا دی۔ بھارتی فوجی چیختا ہوالڑ کھڑا کر منہ کے بل گرا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگرلڑ کھڑا کر پھر گرا۔اس دوران میں سنجل چکا تھا۔وہ رائفل ابھی تک میرے ہاتھ میں تھی جے میں نے اَیک

بار پھراٹھ کی طرح نال کی طرف سے بکڑ لیا اور نوجی کے جسم پرضر میں لگانے لگا۔ میلی ضرب اُس کے بائیں کندھے پر آئی۔ وہ بری طرح بلبلا اُٹھا۔ دوسری ضرب اُس کی

پسلیوں پر گئی تو تف کئے بغیر تیسری ضرب اُس کے دائیں گھٹے پر لگائی۔ وہ چیخنا ہوا زمین پر لو منے لگا۔لیکن اُس کی چیخوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔میرے ہاتھ نہیں رُ کے۔ مجھے پر جنون سا طاری تھا۔اس وادی میں روز انہ ہماری معصوم خوا تین اور بچوں کی چینیں گونجا کرتی تھیں میہ بےرحم درندے جب ان بے گینا ہوں پر طلم کے پہاڑتو ڑتے تھے تو اُن کی چیخوں سے آسان تھرا

اُٹھتے تھے۔ زبین کانپ اُٹھتی تھی۔ لیکن اُن خونخوار بھیٹریوں پر ان معصوموں کی چیخوں اور آہ و فغال کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا تو میں اس درندے کی چیخوں سے کیسے متاثر ہوسکتا تھا؟

مجھ پر جنون ساطاری تھا۔ نجانے میرے اندراتی طاقت کہاں ہے آگی تھی۔میرے ہاتھ مشینی انداز سے چل رہے تھے۔ رائفل کے بٹ کی ہرضرب سے وہ بھیٹریا پہلے سے بھی زیادہ

شدت سے بلبلا أمھتار

وہ اُس ونت اُٹھنے کی کوشش کرر ہا تھا مگر میرے ہاتھ بھی ایک بار پھر حرکت میں آگئے تھے۔ اس مرتبه ضرب اُس کے جبڑے پر لکی۔ اُس کا جبڑا ٹوٹ گیا منہ سے خون بہہ لکلا اور وہ زمین پراس برے کی طرح روپے لگاجس کے مطلے پرچھری پھیر کرچھوڑ دیا گیا ہو۔

میں نے ایک بار پھر رائفل اُوپر اُٹھائی لیکن اُس وقت ایک نسوانی چیخ کی آوازس کر چونک گیا۔ وہ رابعہ کی لیخ تھی میں نے ہاتھ روک لیا۔ چنگاریاں برساتی ہوئی نظروں سے خاک میں تڑیتے ہوئے بھارتی فوجی کی طرف دیکھا۔وہ خون میں لت بت تھا اور اُشخفے کے تابل نہیں

ر ہا تھا۔ میں نے اُسے اُٹھنے کے قابل جھوڑا ہی نہیں تھا۔ دونوں گھٹنے توڑ دیے تھے۔ دو جار بلیاں بھی ٹوٹ گئی ہوں گی۔ بنطی کی ایک ہڈی بھی رائفل کی ضرب کا شکار ہوئی تھی اور جبرا ٹوٹ جانے سے وہ منہ بھر کرخون اُگل رہا تھا۔الی صورت میں تو اُس کا زندہ نج جانا بھی ایک معجز ہ ہی کہلا تا۔

رابعہ کی چیخ دوبارہ بنائی دی تو میں مُور کرأس طرف دوڑا۔ یہ چیخ أس كلی كی طرف سے آئی

تھی جہاں چاچی زلیخا کا گھرتھا۔ میں اُس طرف مُزتے ہی رُک گیا۔سامنے کا منظر دیکھے کرمیری

میرے مقابلے پرتین چارفو جی تھے جو پوزیشن لے کر فائزنگ کررہے تھے۔ میں جس ، بوار کے سہارے کھڑا تھا اُس کا ایک حصہ آگے کو اُکلا ہوا تھا جس سے مجھے کچھآ ڑ مل گئ تھی۔ گولیاں میرے آس پاس سے گزررہی تھیں۔ اس دوران میرے قریب والا دروازہ بردی آ ہنگی سے کھلا اورایک نسوانی آواز سنائی دی۔''شمروز! اندرآ جاؤ۔۔۔۔۔جلدی کرو۔''

بری آ بھی سے کھلا اور ایک صوافی اواز شاق دی۔ سمرور بہ معرر ہ جار مستہ بدوں کو روٹ میں نے گر دن گھما کر دیکھا۔ وہ چاچی زینب تھی۔میرا گھر اسی محلے میں تھا۔سب ایک دوسرے کے شناسا تھے۔گھروں میں آنا جانا تھا۔ میں ادھیڑ عمر مردوں کو جا چا اور عورتوں کو جاچی

ہ ہا رہاں۔ '' دنہیں چا چیتم اندر جاؤ اور دروازہ بند کر لو!'' میں نے جواب دیا اور مُر کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

رے رہے۔ ایک آٹھ نوسال کی عمر کا بچہ اور ایک ادھیز عمر عورت بھی بھارتی سور ماؤں کی بربریت کا شکار ہو چکی تھی۔ اُس معصوم بچے کو دو و کولیاں گئی تھیں۔خون بہدر ہاتھا اور وہ مرغ کہل کی طرح خاک معراب بیات

اور پھر میرا دل اچھل کرحلق میں آگیامیری بہن رابعہ نے اُٹھ کر ایک مکان کے دروازے کی طرف بھا گئے کی کوشش کی مگر چیتی ہوئی ڈھیر ہوگئی اور خاک میں لوٹے لگیاس کا جہم گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا

میں سائے میں آگیا۔ آیک لمحہ کوسو چنے سمجھنے کی تو تیں جیسے سل ہو گئیں۔ دماغ پر برنسے می میں سائے میں آگیا۔ آیک لمحہ کوسو چنے سمجھنے کی تو تیں جیسے سل ہوگئیں۔ دماغ پر برنسے می جم گئی۔ میں پھٹی پھٹی میں نظریں بھی ترزیج ہوئے اُس معصوم بچے کی طرف اُٹھ جا تیں اور بھی رابعہ کی طرف ۔ اور پھر جیسے میں ہوش میں آگیا۔ میں نے رائفل کو آگے نکال کرٹرائیگر دبا دیا۔ گولیوں کی تر ترزا ہمت میں ایک فوجی کی جمج بھی سائی دی تھی۔ میں نے ٹرائیگر سے اُس وقت تک اُنگلی نہیں ہٹائی جب تک میگزین خالی نہیں ہوگ

دوسری طرف ہے بھی گولیاں برسائی جارہی تھیں میں نے خالی رائفل ایک طرف پھینک دی اور نتائج ہے ہے نیاز ہوکر آڑ سے نکل کر رابعہ کی لاش کی طرف دوڑ تا چاہتا تھا کہ چیچے کھڑی ہوئی چاچی زینت نے مجھے قمیض کے کالر سے پکڑ کر دروازے میں کھینچ لیا۔ "چیچے کھڑی ہوئی چاچی زینت نے مجھے قمیض کے کالر سے پکڑ کر دروازے میں کھینچ لیا۔ " پاگل ہوگئے ہو؟" وہ چینی۔" تم دوقد م بھی آ گے نہیں جا سکو گے۔ وہ تمہیں چھلنی کر چھلانگ لگا دی۔لیکن میں نے اُسے رائفل تک پہنچنے نہیں دیا۔ میں نے اپنی جگہ سے اُمچھل کر اُس کے کو لیج پر زور دار تھوکر لگا دی۔وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ میں رائفل کی طرف لیکا۔اُس فوجی نے بھی بڑی پھرتی سے منتجل کر رائفل پر قبضہ کرنے کی ایک اور کوشش کی تھی۔لیکن میں اس سے پہلے رائفل پر ہاتھے ڈال چکا تھا۔

اس سے پہلے راتفال بر ہا کھ ڈال چکا تھا۔ رائفال کے آگے شکین لگی ہوئی تھی۔ وہ بھارتی سور ما جیسے ہی میری طرف جھپٹا میں نے رائفال کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوری قوت سے شکین اُس کے پیٹ میں گھونپ دیاُس بھارتی سور ما کے منہ سے نکلنے والی جیج بڑی خوفناک تھی۔ میں نے ایک جھکے سے رائفال پیچیے کھینے لی۔ وہ پیٹ پکڑ کر دو ہرا ہو گیا تکایف اور خوف کی شدت سے اُس کی آ تکھیں حلقوں سے

رابعہ کی چیوں کی آوازیں اب دوسری گلی سے آ رہی تھیں۔ دوسرا فوجی رابعہ کو گھینتا ہوا دوسری گلی میں مُرد گیا تھا۔ مجھے پہلی مرتبہا حساس ہوا کہ اس طرف سے پچھاورلوگوں کے جیننے گا آوازیں بھی سائی دے رہی تھیں۔ میں دوڑتا ہوا گلی کے موڑ پر بہنچ گیا۔

اُس طرف کی صورتحال بہت علین تھی۔تقریباً بچاس گز آگے ایک مکان کو آگ گی ہوئی ۔ تھی۔عورتیں ، بچے اور مرد چیختے ہوئے باہر آ رہے تھے۔اُس جلتے ہوئے مکان سے فائرنگ کی آواز بھی سائی دے رہی تھی۔

تین بھارتی فوجی فائرنگ کرتے ہوئے اُس مکان سے باہرآ گئے۔اُن میں سے ایک نوعمرہ اُ لڑکی کو ہالوں سے پکڑ کر گھیٹتا ہوا ہاہرلا رہا تھا۔

ر ابعہ بھی اُن بھیٹر یوں کے چنگل میں تھی۔ میں نے را تفل سیدھی کر لی اور اُس فوجی کا نشانہ لیے کرٹرائیگر دیا دیا جس نے شموکو بالوں سے جکڑ رکھا تھا۔

مجھے مایوی نہیں ہوئی۔ گولی اُس فوجی کے سرمیں لگی اور اُس کی کھوپڑی کے پر نچے اُڑ گئے۔ اُس کی گرفت سے نجات ملتے ہی شمودروازے کے اندر کی طرف گری۔

تجھیڑیا صفت فوجیوں نے اندھاؤھند فائر کھول دیا۔ بستی کے لوگ اپنے آپ کو بچانے کی جدو جبد تو کر رہے تھے مگر وہ نہتے تھے اور بھارتی فوجیوں کواس تیم کی جوائی کارروائی کی تو تع نہیں تھی کہ رائفل کی گولی ہے اُن کے ایک ساتھی کی کھوپڑی اُڑ ادی جائے گی۔

دیں گے۔''

''اُنہوں نے رابعہ کو مار دیا جا چیمعصوم خالد کو خاک وخون میں لوٹا دیا جا چی زلیجا کو مار ڈالاشمو کو گولی سے اُڑا دیا مجھے چھوڑ دو جا چی! میں اُن وحشیوں کو زندہ نہیں چھوڑ وں گا۔'' میں جیختے ہوئے اپنے آپ کوچھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

''پاکل مت بنوشمروز!'' چاچی زینب نے پیچ کر کہا۔''تم رابعہ اور دوسروں کی اب کوئی مدد نہیں کر سکتے ۔ وہ تمہیں بھی مار ڈالیس گے۔لیکن یاد رکھو! تمہیں زندہ رہنا ہے۔ اس خون کا حساب لینا ہے جو تمہاری آ تکھوں کے سامنے اس خاک میں جذب ہور ہا ہے۔ وادی کی سرزمین کوان خونو اربھیٹریوں کے گندے وجود سے پاک کرنا ہے۔ اور بیسب کچھتم زندہ رہ کر ہی کر سکتے ہواس طرف سے جھت پر چڑھ کر دوسری طرف نکل خاوُ! بیسوچنے کا وقت نہیں ہے۔ دیر مت کرو!'' چاچی زینب نے مجھے اندر کھنچ کر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ میرے دماغ میں آندھیاں ہی چل رہی تھیں۔ گرچاچی زینب کی بات میری سمجھ میں آگئی ۔

تھی۔ میں اپنے آپ کوسنجا کے کوشش کرتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاپی نیبنب نے ٹھی۔ کہا تھا۔ میں رابعہ، خالد، چاپی کوشش کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاپی نیبنب نے ٹھیک کہا تھا۔ میں رابعہ، خالد، چاپی اُن لوگوں کی کوئی مد نہیں کرسکتا تھا جو بھارتی فوجیوں کی گولیوں سے چھلنی ہوگئے تھے۔ میں زندہ رہ کر بی اُن کے خون کا بدلہ لے سکتا تھا اور اس سرز مین کو بھارتیوں کے گندے وجود سے پاک کرنے کے لئے ان مجاہدین کے لئے مددگار بابت ہوسکتا تھا جنہوں نے اس مقصد کے لئے اپنی زندگیاں داؤ پر لگا رکھی تھیں۔ میں فرار کا ماستہ تاش کرنے لگا۔

''اُس طرف'' چاچی زینب چیخی۔''سیرھیوں پر چڑھ کرعباسی بھائی کی حجت پر کود حاؤ۔اُس طرف سے تنہیں بھا گنے کاراسة مل جائے گا۔''

پورے، من مرک سے میں بولائے ہوئے ہوئے گلی میں فائر نگ کے ساتھ اب دوڑتے ہوئے بھاری قید موں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی ۔ میں محن میں سٹرھیوں کی طرف دوڑا۔

سٹر ھیاں لکڑی کے تختوں کی تھیںابھی میں نے پہلی سٹرھی پر قدم رکھا تھا کہ باہر سے درواز سے پرضر بیں لگائی جانے لگیں ۔وہ لوگ شاید رائفلوں کے بٹ مار مارکر درواز ہتو ڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں زُک کر پیچھے دیکھنے لگا۔

''بھاگ جاؤ۔۔۔۔۔جلدی کرو!'' جا چی زینب چینی ۔اُس نے دونوں ہاتھوں سے درواز ے پر دباؤ ڈال رکھاتھا تا کہ بھارتی فوجیوں کوزیادہ سے زیادہ دیر تک رد کا جا سکے۔

دروازے پر زور دارضر میں لگائی جا رہی تھیں۔ میں سٹر ھیوں پر دوڑنے لگا۔اور پھر جا چی زینب کی چیخ سائی دی۔درواز ہ ٹوٹِ گیا تھا اور وہ پشت کے بل گری تھی

'' کہاں چھپایا ہےتم نے اُس اگروادی کو؟ بتاؤجلدی کرو!''

ہوں چیچ ہے ہے ہوں سرونوں کا بات ہوں ہوں۔ میرے سامنے اُس وقت تین جارسٹر صیاں رہ گئی تھیں۔ بیگر جدار آ واز من کر میں نے پیچھے

ئر، کر دیکھا۔ چا جی زینب پشت کے بل زمین پر پڑی تھی۔ایک فو جی نے اپنا پیراُس کے پیٹ پر رکھا ہوا تھا اور دونوں ہاتھوں میں پکڑی ہوئی را نفل کی علین اُس کے سینے سے لگار تھی تھی۔ ''دنہیں ،۔۔۔۔نہیں بتاؤں گی کچھ بھی۔'' چا چی زینب نے جواب دیا۔ اُس کے لہجے میں تھے تھر اہے تھی لیکن اُس میں خوف کا عضر شامل نہیں تھا۔

ایک لمحہ کو میرا دل جاہا کہ میں سٹر ھیوں پر سے اُن در ندوں پر چھلا مگ لگاؤوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ طرح میں پاچی زینب کی کوئی مدونہیں کرسکتا تھا بلکہ خودا پی جان ہے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔ سٹیر ھیوں کے ایک طرف مکان کی دیوارتھی اور دوسری طرف پٹی سی دیوار ہی کی طرح

و هائی تین نٹ اُو کِی ریلنگ هی۔ میں اُس کی آڑ میں آہتہ آہتہ اُوپر چڑھنے لگا۔ ابھی آخری سے پہلے والی سٹرهی پر قدم رکھا ہی تھا کہ فائر کے ساتھ چاچی زینب کی جیخ سائی دی..... میں اے اختیار اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اُس کے رحم بھارتی فوجی نے چاچی نینب کے سینے پر گولی چلا دی تھی چاچی نینب کے سینے سے ہٹالیا۔ چاچی ترینب کے سینے سے ہٹالیا۔ چاچی ترین گی۔ ''دوہ رہا جیعت پر۔'' ایک فوجی کی چینی ہوئی آوازین کر میں جیسے ہوش میں آگیا۔ اُس فوجی نے مجھے دکھولیا تھا اور چینتے ہوئے رائفل سیدھی کر لی۔ میں نے آخری سیڑھی پر قدم رکھ کر حیبت پر چھلانگ لگا دی۔ ایک فائر ہوا اور ایک دہمتا ہوا انگارہ میری پیڈلی میں اُتر تا چلاگیا.....

میری با میں ٹانگ پہلے ہی زخی تھی۔اوراب بھی وہی ٹانگ زومیں آنی تھی۔ کولی پیڈلی کا کوشت چرتی ہوئی نکل گئی تھی میں منہ کے بل گرالیکن دوسرے ہی لمحے اُٹھ کر کنگڑ اتا ہوا حبیت کے دوسرے کنارے کی

حیت پر دوڑتے ہوئے میں نے ایک طائرانہ نظراپنے اطراف میں بھی ڈالی تھی۔ چاپی زلیخا کے گھرسے آگ کے شعلے بلند ہور ہے تھے.....میرا گھر بھی اب مکمل طور پر آگ کی لپیٹ میں تھا۔ بتی کے دوسرے کی گھروں سے اُٹھنے والے شعلے اور سیاہ دُھویں کے بادل آسان سے باتیں کرتے ہوئے محسوں ہورہے تھے۔

طرف دوڑا کے

لکڑی کے تختوں کی سٹر ھیوں پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سائی دی میں جھت کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ اُس طرف ایک ننگ می گل تھی۔ میں نے گردن گھما کردیکھا، بھارتی فوجی کا سر سٹر ھیوں پر نمودار ہور ہا تھا.... میں نے مُرد کر جھت سے چھلا نگ لگا دی۔ جھسے تقریباً نبدرہ فٹ اُونچی اور نیچ گلی کچی تھی۔ میں بھدکی آواز کے ساتھ گرا گر اپنا

توازن برقرار ندر کھ سکااورا کی طرف کڑھکتا چاہ گیا میں نے اپنے آپ کوسنجالنے کی کوشش کرتے ہوئے اُدھر دیکھا.....گل سنسان پڑی تھی۔ چند گز آگے بائیں طرف ایک تنگ ہی گل تھی۔ میں نے اُٹھ کر اُس طرف دوڑنے کی کوشش کی گر

کراہ کر رہ گیا۔ میری پائیں ٹانگ ہے خون بہدر ہا تھا۔ تکلیف بڑھ رہی تھی اور ٹانگ ہر ہو ہو

کروہ کورہ عیافہ میرن ہوئی کا ملک کے دوں جہدرہ طاقہ کیف برطاروں کا دورہ ملک پر ہو گا نہیں بڑ رہا تھا۔ لیکن یہال رُ کنا موت کودعوت دینے کے مترادف تھا۔ وہ جھیزیا صفت فوجی کی بھی کھے جیت کے اُس کنارے پر پہنچ سکتے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی فائر کھول دیتے۔

میں اُٹھ کرکنٹڑا تا ہواا گلے موڑ کی طرف دوڑا..... میں اپنی انہی چچ وخم کھاتی ہوئی تنگ ی گلیوں میں بل کر جوان ہواتھا۔ان گلیوں سے میں اپنے ہاتھ کی ککیروں کی طرح واقف تھا۔ میں جانتا تھا کہا گر میں اگلی گلی میں داخل ہو جاؤں تو میرا تعاقب کرنے والے نوجی مجھے تلاش نہیں کرا شکیں گے۔

گلی کاوہ موڑ تقریباً میں گز کے فاصلے پر تھا۔ میں کنگڑ ایا ہوا اُسی طرف دوڑ تا رہا۔بستی میں ا ہرطرف فائر نگ اور جنج و یکار ، آہ و فغاں کی آ وازیں سائی د ّے رہی تھیں۔

موڑ کے قریب پہنچ کر میں نے پیھے مُوکر دیکھا۔ چاچی زینب والے مکان کی حبیت پر اب دونو جی نظر آر ہے تھے۔ وہ راتفلیں سنجالے گلی میں اِدھراُدھر دیکھ رہے تھے۔اور پھر اُن میں ہے ایک نے جمھے دیکھ کیولیا اور رائفل سیدھی کرتے ہوئے فائر کھول دیا

میں نے دوسری گلی میں چھلانگ لگا دی۔ لا تعداد گولیاں میر ہے پیروں کے آس پاس زمین پرلگیں۔ وُھول اُڑنے گلی میں نے پیچھے مُڑ کرنہیں دیکھا بنگڑ اتا ہواایک طرف دوڑتا رہااور چند گز آگے ایک اور گلی میں داخل ہو گیاآگے بھی فائر نگ اور چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں ان چی وخم کھاتی ہوئی گلیوں میں دوڑتا رہا۔

میری ٹانگ کی آنکایف بڑھتی جارہی تھی۔لیکن میں رُ کانہیں۔کہیں رُ کنے کا مطلب موت صدنہ مدید

ایک اُور گلی میں مُڑتے ہی میں شھنھک کر رُک گیا آگے کشادہ بازار تھا۔ سڑک کے دوسری طرف ایک نو جی جیپ کھڑے تھے۔ دوسری طرف ایک نو جی جیپ کھڑے تھے۔ دونوں نو جی آٹو مینک رائفلوں سے مکانوں کی چھتوں کی طرف فائرنگ کر رہے تھے۔ میجر کے ہاتھ میں جھی کے دونوں تھے۔ میں آئی تھی۔

' تصبے میں ہر طرف نو جی دندناتے پھر رہے نتھ۔ اُن کے بھاری بوٹوں کی دھمک اور گون چاروں طرف سائی دے رہی تھی۔آگ اورخون کا یہ شیطانی کھیل اپنے عروج پر پہنچ رہا تھا۔۔۔۔ یہ وحتی بھیٹر ئے اس قصبے کو پوری طرح تباہ کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔

یہ وسی جیئر ئے اس نقیبے کو پوری طرح تاہ کر دینے پر سلے ہوئے تھے۔ ''ارے وہ اُس کڑکے کو پکڑ واُس گل میں۔'' میجر کی چینی ہوئی آوازین کر میں چونک گیا۔اُس نے مجھے دکھے لیا تھا۔ میں مُو کر گل میں دوڑ نے لگا۔ دونو بی میرے چیھے آرہے تھے۔ ٹانگ سے بہت زیادہ خون بہدرہا تھا جس سے میں نقابت می محسوں کرنے لگا تھا..... ہا پیربھی پوری طرح زمین پڑئیں پڑرہا تھا۔لیکن میں میں نگرک کی طرح بھد کتا ہوا دوڑنے کی کوششا کرتا رہا اور بھرا کیے موڑ گھومتے ہی میں تھٹھک کرڑک گیا

سامنے والی گلی سے بھی دونو جی دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ میرے دہاغ میں دھاکے سے ہونے گلے۔۔۔۔۔میرے دہاغ میں دھاکے سے ہونے گلے۔۔۔۔۔میرے سامنے بھی موت تھی اور چھپے بھی فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ گلی میں تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ کہیں پناہ ملنے کی تو قع نہیں تھی۔ میرا پھپا کرنے والے فوجی بھی اُس گلی میں آگئے۔ اُن سب کے پاس رائفلیں تھیں۔وہ بڑی آسانی سے جھپے چھائی کر سے تھے۔ ایک فوجی نے رائفل سیدھی بھی کی تھی لیکن جھے خالی ہاتھ دکھ کرائس نے فائر کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور چنگھاڑتا ہوا میری طرف لیکا۔

میں دونوں طرف سے گھر چگا تھا۔ میں یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ لوگ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے تھے۔ میں نے بھی اُن سے بھڑ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ زندہ پکڑے جانے کا مطلب میں انچھی طرح مجھتا تھا۔ جومجاہدین یا نو جوان لڑکے شبے میں پکڑے جاتے تھے، انہیں اس طرح تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا کہ وہ مرنے کی دُ عالمیں مانگتے تھے گر اُنہیں مرنے بھی نہیں دیا جاتا تھا۔

سامنے سے آنے والا ایک نو جی جیسے ہی قریب پہنچا میں نے اُس پر چھلانگ لگا دی اور اُسے ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔ میں نے گرتے ہی دونوں ہاتھ اُس کے گلے پر رکھ کر پوری قوت سے اُس کا زخرہ دبانے لگا۔ کین دوسرے ہی لمجے مجھ پر ٹھوکروں کی بارش ہوگئی

تینوں فوجی میرے جسم پر ٹھوکریں برسارہ تھے۔اس کے ساتھ ہی اُن کے منہ سے غلیظ گالیاں بھی نکل رہی تھیں۔ایک فوجی نے رائفل کا بٹ میرے کندھے پر مارا۔میرا یہ کندھا پہلے ہی زخمی تھا۔ میں نکلیفِ سے چیخ اُٹھالیکن اپنے پنچ د بے ہوئے فوجی کا گانہیں چھوڑا۔

میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ جھے صرف اتنایاد ہے کہ جھے پیروں سے پکڑ کر مُر دہ کتے کی طرح گھسیٹا جا رہا تھا۔اس کے بعد جھے ہوش نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔تاریکی نے میرے ذہن کومکمل طور پر لپیٹ میں لے لیا تھا۔

آ نکھ کھلی تو میں پھر ملی زمین پر پڑا ہوا تھا ہوش میں آنے کے بعد بھی کچھ دیر تک میری آئے گئے اور تک میری آنکھول کے سامنے دبیز وُ هندی چھائی رہی۔ میں نے سرکوا یک دوجھکے دیئے۔ د ماغ میں ٹیسیں آٹھنے گلیں لیکن آنکھول کے سامنے چھائی ہوئی وُ هند بندر ہے چھتی چلی گئی۔

میں نے اپنے آپ کو حرکت دینے کی کوشش کی تو ہے اختیار بلبلا اُٹھا۔ میرا پوراجہم پھوڑے کی طرح وُ کھ رہا تھا۔ پورے بدن بیں درد کی لیریں بجلی کے کوندے کی طرح لیک رہی تھیں۔ بائیں ٹانگ ککڑی کے تختے کی طرح کڑی ہوئی تھی اور شدیدٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

و پھٹی بھٹی سی نظروں سے آسان کود کیچر ہی ہو۔ وہ قصبے کے ایک وُ کا نِداراحمہ علی کی بیٹی نیلم تھی.....اُس کی عمر ستر ہ کے لگ بھگ رہی ہوگی ۔ د مینے پہلے ہی اُس کی منگنی ہوئی تھی اور اگلے مبینے تو اُس کی شادی ہونے والی تھی۔ بھارتی بھیڑیوں نے اُسے بربریت کا نشانہ بنا کراُس کی زندگی کا چراغ ہی گل کر دیا تھا..... . دوسری لاش اوندهی پیر می تھی۔ اُس کا چېره مجھےنظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اپنی زحمی ٹانگ کو گھسیٹتا

ہوا اُس کے قریب بہنچ گیا۔وہ بالکل ہر ہندھی اور میں اُسے ہاتھ لگاتے ہوئے جھجک رہا تھا..... میں چند کھیے اُس کی طرف دیکھتارہا، پھر جھک کراُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کراُسے ملیٹ ریا....اس کے ساتھ ہی میرا دل اُنگیل کرحلق میں آگیا جُھے اُبکائی آگئی اور میں بڑی مشکل

وہ میدہ تھی۔ اُس کا با پ عرصہ پہلے انقال کر چکا تھا اور بڑا بھائی بھی سچھ عرصہ پہلے وطن کی آن برقریان ہو گیا تھا۔حمیدہ کی عمر بھی اُنیس میں کے لگ بھگ رہی ہوگی۔وہ ابہت زیادہ حسین تونہیں تھی لیکن قبول صورت کہا جا سکتا تھا۔ اُس کے فکر زغیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ وہ جب چلتی توجسم کا بالا ئی حصہ کھل کھل کرتا اورلوگ مُز مُرد کر اُس کی طرف دیکھنے پرمجبور ہو جاتے ۔ حمیدہ کا پیٹ حاک تھا۔ آنتیں باہر نگلی ہوئی تھیں چھانتیوں پر بھی زخم تھے، جیسے دانتوں ہے جینبھوڑا گیا ہواُس کی ٹانلیں بھی خون آلود تھیں ۔

میں زیادہ دیر تک اُس کی طرف نه دکھ سکا اور اپنا اُخ بدل لیا۔ مجھ پر اس وقت عجیب می کیفیت طاری تھی۔جسم میں جیسے جان نہیں رہی تھی۔اس صورت حال نے نڈ ھال سا کر دیا تھا۔ میں بزی مشکل سے ایک ٹا تک برجسم کا بوجھ اُٹھائے کھڑا تھا۔ دوسرا پیرتو زمین پر رکھانہیں جارہا

تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے مینڈک کی طرح پھد کتے ہوئے جھاڑیوں میں اٹکے ہوئے اُن کے کیڑے اُٹھائے اور لاشول پر ڈال دیئے۔ میں اس وقت اس کے علاوہ اُن کی کوئی مدر نہیں کر اب تک میں یہی سمجھتار ہاتھا کہ بھارتی بھیریوں نے چونکہ عضر کے وقت قصبے پر حملہ کیا خا

اوراب شام ہونے والی تھی۔ کیکن میرا بیرخیال غلط نکلا۔ کیونکہ وقت کز رنے کے ساتھ ساتھ ش کا نیرهبرا گہرا ہونے کی بجائے اُجالا کھیل رہا تھا۔اور تب مجھے احساس ہوا کہ ﴿ ام نہیں صبح ہو ر ہی تھی۔جس کا مطلب تھا کہ میں رات بھریہاں اس ویرا نے میں بے ہوش پڑار ہاتھا۔ میرے پورے جسم پر چیونٹیاں تی رینگنے لکیں اور د ماغ میں سنسنا ہٹ تی ہونے لگی۔ جب

میں نصبے کی ایک کلی میں اُن بھارتی درندوں کے ساتھ آخری بار تھھم کھتا :وا تھا تو اُس کے بعد جھے ہوت کہیں رہا تھا۔ وہ لوگ مجھے اُٹھا کراینے ساتھ لے آئے تتھے۔ قصبے کی دومعصوماڑ کیوں کو بھی اُٹھالائے تھے اور شاید رات بھر انہیں بربریت کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ وہ پیخی ہوں گی، چاائی ہوں گیگر اس ویرا نے میں ان کی آ واز سننے والا کوئی تہیں تھا۔ ^ریکن مجھے جمرت تو اس

میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے بدن کو ڑھیلا جھوڑ دیا اور گہرے گہرے سانس کینے لگا۔ چند منٹ بعد میں نے دوبارہ آئکھیں کھول دیں اور حرکت کئے بغیر ادھراُدھر دیکھنے لگا۔ ماحول برملَّاجا أجالا تھا۔ میں بچھلے واقعات یا دکرنے لگامیرے د ماغ میں اگر چہ دھاکے ہور ہے تھے مگرایک ایک بات مجھے یاد آ رہی تھی۔ درندہ صفت بھار کی فوجیوں نے جب قصبے پر حمله کیا تو عصر کاوقت تھا۔میر ہے والد کومبجد میں اذ ان دیتے ہوئے شہید کر دیا گیا تھا اور پھروہ شیطانی کھیل شروع ہو گیا تھا جے دیکھ کر آسان بھی کانپ اُٹھا ہو گا۔ ایک ایک واقعہ میری آئکھوں کے سامنے گھومتا چلا گیا۔میری بہن رابعہ، حیا جی زلیخا، اُس کی بینی شمو،معصوم خالد اور چا جی زینب اُن سب کو بے رحمی سےموت کے کھاٹ اُ تار ڈیا گیا تھا۔بستی کے نجانے اور کتنے گھروں کوجلا کررا کھ کیا ہوگا؟ مجھےوہ آخری کمات بھی یاد تھے جب میں اُن فوجیوں سے بھڑ گبا تھا۔اور پھر ہوش وحواس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وحشت اور ہر ہریت کا پیھیل عصر کے وقت شروع ہوا تھا اور میرا خیال تھا کہ اب شام ہو

رہی تھی ۔ میں شاید کسی فوجی کیمپ میں تھا اور میرے چاروں طرف پہرہ ہوگا۔ میں نے گردن گھما کر دائیں طرف دیکھا۔اور پھرمیرے د ماغ کوایک جھٹکا سالگا، فو جي ڪيمپ نہيں تھا مجھے اُس طرف نہ تو ڪوئي فو جي نظر آيا اور نہ ہي کيمپ کي کوئي حفاظتي با ژ وغیرہ دکھائی دی تھی۔ مجھے ہوش میں آئے ہوئے تین حیار منٹ ہو چکے تھےاوراس دوران کوئی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔ میں نے گردن تھما کر دوسری طرف دیکھا، اُس طرف بھی وُور تک کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دی جس ہے سمجھا جا تا کہ میں بھارتی نو جیوں کی قید میں ہوں۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس بے احتیاطی کا نتیجہ مجھے کندھے اور بدن کے دوسرے حصول میں شدید ٹیسول کی صورت میں جھکتنا بڑا۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ خارج ہوگئی۔ میں نے تکلیف ضبط کرنے کے لئے دانت بھیچ لئے اور آ ٹکھیں بند کرلیں۔

۔ تقریباً ایک منٹ بعد میں نے دوبارہ آئیمیں کھول دیں اور زخمی ٹانگ گھسیٹ کر اُٹھنے کی . کوشش کرنے لگا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا لئے تھے۔اس اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے میں اپنی جگہ پر گھوم گیا تھا اور پھر سامنے نظر پڑتے ہی میرا دل اُنچیل کرحلق میں آ گیا سینے میں سالس رُ کتا ہوامحسوں ہونے لگا۔ چندلمحوں تک تو میں اس طرح بےحس وحرکت ہوکر رہ گیا تھا جیسے پھر کے جسے میں تبدیل ہو گیا ہوںاور پھر تکلیف کی پرواہ کئے بغیر ایک جھکے سے

اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ بڑا خوفناک منظرتھا.....میرے سامنے پھر ملی زمین پر دو جوان لڑ کیوں گی

لاتتیں پڑی تھیں۔ اُن کے جسموں پر ایک چیتھڑا تک جمیں تھا..... اُن کے کیڑے اِدھر اُدھر حجازیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ا کیا لڑک کی لاش پشت کے بل پڑی تھی۔ اُس کی ہانگیں خون میں کتھڑی ہوئی تھیں۔

چہرے برخوف و دہشت کے تاثرات جیسے منجمد ہو کررہ گئے تھے.....آنگھیں کھلی ہو کی کھیں جیسے

بات پڑھی کہ میں بھی رات بھر ہے ہوش پڑار ہاتھا۔ مجھے ایک کمھے کوبھی ہوش نہیں آ سکا تھا۔ وادی میں چھلے ہوئے لاکھوں بھارتی فوجیوں کے ظلم اور بربریت میں کوئی شبہ نہیں ہوتا چا ہے ۔ یہ کوئی نئ بات نہیں تھی۔ معصوم بچوں کوسٹینوں پرٹانگ دیا جاتا تھا۔ بوڑھوں کو گھائل کر ریزی روز کامعمول بن چکی تھی۔معصوم بچوں کوسٹینوں پرٹانگ دیا جاتا تھا۔ بوڑھوں کو گھائل کر کے انہیں پھروں پر گھسیٹا جاتا اور نوجوانوں کے سینے گولیوں سے چھنی کردیئے جاتے۔ جوزندہ بکڑا جاتا اُسے اس طرح تشدد کا نشانہ بنایا جاتا کہ وہ موت کی دُعانیں مانٹنے لگیا۔ معصوم اور بے گناہ کشمیریوں پر بھارتی غاصبوں کا بیظم کوئی ڈھئی چھپی بات نہیں تھی۔ پوری

دنیاطلم کی ان داستانوں سے واقف ہو چکی تھی۔ مگر انسانیت ہے تھیکیداروں کے کانوں پر جوں سے نہیں رینگی تھی۔ انسانوں کی فلاح و بہبود کا دعویٰ کرنے والے اقوام عالم کے نمائند بے ہہر ہے ہوگئی تھے۔معصوم اورمظلوم تشمیری عورتوں اور بچوں کی چینیں اُن کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ اس کے برعکس انڈونیشیا کے مشرقی صوبے تیمور میں آباد عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا تصادم ہوا تو پوری دنیا چیخ اُٹھی۔اقوام متحدہ کے ادارے میں جیسے طوفان آگیا۔۔۔۔۔
یوری دنیا میں انڈونیشیا کے مسلمان محکمرانوں کی ندمت کی جانے گی۔مشرقی تیمور کے مسلمانوں

نو ظالم، جابراور غاصب قرار دیا جانے لگا۔اقوام متحدہ نے تیمور کے عیسائیوں کی مدد کے لئے امن فوج بھنج دی اور بالآخرعیسائی آبادی کی اکثریت کی بنیاد پرمشر تی تیمور کوانڈونیشیا سےالگ کر کے وہاں عیسائیوں کی خودمختار حکومت قائم کر دی۔

یوسب کچھ چندمہینوں بلکہ چند ہفتوں کے اندراندر ہو گیا۔مشر کی تیمور کے عیسائیوں کا درد پوری دنیا نے محسوس کیا۔اقوام متحدہ نے جس تیزی سے مشر تی تیمور کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے 'ظلم' سے نجات دلانے کے لئے کارروائی کی تھی اُس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی لیکن گزشتہ نصف صدی سے تشمیری مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے غاصب ہندوؤں کے مظالم پر اس

اقوام متحدہ نے آئیمیں بند کرر کھی تھیں۔ میں اس ویرانے میں پڑی ہوئی دومعصوم لڑ کیوں کی نجی ہوئی پر ہندلاشوں کے قریب کھڑا ہیہ سب کچھ سوچتار ہا۔ کب کسی کے دل میں ہمارا درد جاگے گا؟

میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا پچھآگے بڑھ گیا اور پھر ایک جگہ تھٹھک کر زک گیا۔نشیب میں بہت دُور ساہ دُھواں اُٹھتا ہوا نظر آیا تو میں چونک گیا۔ وہ میرا گاوُں تھا جہاں اب بھی جلتے ہوئے مکانوں سے دُھواں اُٹھ رہا تھا۔

میں نے ایک بار پھر ادھراُدھرد کھا۔ یہ جگہ قصبے سے تقریباً تین میل وُورسرینگر جانے والی سڑک سے ذرا ہٹ کرتھی۔اب مجھے اندازہ لگانے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہ گزشتہ شام بھارتی نوجی اُن لڑکیوں کواور مجھے اُنھا کریہاں لے آئے تھے۔اُن کی تعداد کیا ہوگی؟ مجھے اس کا ندازہ نہیں تھا۔وہ وہ رات بھرخونخوار بھیڑیوں کی طرح اُن لڑکیوں کونو جے اور جسنبھوڑتے رہے

تھے اور مبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے چلے گئے تھے۔ میں چونکدرات بھر بے ہوش پڑار ہا تھااور شایدوہ مجھے مُردہ مجھ کرچھوڑ گئے تھے۔ دور شایدوہ کی رہیں کے ایس میں میں میں میں میں میں ایس میں ایس میں ایس میں ایس میں ایس میں میں میں میں میں میں م

میں خاموش کھڑ البتی ہے اُٹھتے ہوئے دُھویں کود کھتار ہا۔مشر تی اُفق پرسرخی پھیلنے لگی۔وہ طلوع ہونے والے سورج کی نہیں بلکہ اُن بے گناہوں کے خون کی سرخی تھی جو بھیڑیا صفت اور سرچہ میں مذہب کے سرچہ سرچہ

متعصب ہند و نوجیوں کی ہر ہریت کا شکار ہوئے تھے۔ است کے ٹیمن سامھیں کی طرف کھتے ہیں ہے مط

بہتی ہے اُٹھنے والے دُھویں کی طرف دیکھتے ہوئے میں سوچ رہاتھا کہتی کے کتنے لوگ مارے گئے ہوں گے اور کون کون بچاہوگا؟ میراباب معجد میں میرے سامنے شہید کر دیا گیا تھا۔ میری بہن رابعہ کوبستی کی ایک گلی میں گولیوں سے چھانی کر دیا گیا تھا۔ اپنی ماں اور دوسری بہن میری بہن رابعہ کوبستی کی ایک گلی میں گولیوں سے چھانی کر دیا گیا تھا۔ اپنی ماں اور دوسری بہن

ٹمینہ کے بارے میں مجھے کچھالم نہیں تھا کہ وہ دونوں زندہ بھی تھیں یا میں نے سر جھٹک دیا۔ میں اس سے آگے نہیں سوچنا جا ہتا تھا۔

یں ہیں۔ سے بہاڑی کی بلندی سے جھا نکنے لگا تھا۔ سنبری کرنیں وادی پر نچھاور ہونے لگیں۔ میں رات بھر سردی میں بے ہوش بڑار ہا تھا۔ میراجسم اکڑا ہوا تھا۔ جیسے رگوں میں خون منجمد ہو گیا محمد سے تھے سے بیٹر میں سے سے بیٹر کا میں اسٹری کے بیٹر کا میں اسٹری کا میں ہو گیا

میں رات جرسر دی بین بے ہوئی پڑار ہا تھا۔ میرا اسم اسرا ہوا تھا۔ بیسے ربول یہ ن مون بمد ہو لیا ہواور جمھے چیرت تھی کہ میں اب تک زندہ کیسے تھا اور نقل وحرکت کس طرح کررہا تھا؟ وُھوپ کی حرارت سے جمھے اپنے بدن میں خون کی روانی محسوں ہونے لگی۔ میں اس وقت بھی اس جگہ پر کھڑ اویران می نظروں سے نشیب میں دیکھ رہا تھا۔ جس جگہ کھڑ اتھا وہاں سے سوگز نیچے سڑک دکھائی دے رہی تھی۔ قصبے کی طرف سے آنے والی میں ٹرک اسی بہاڑی کے اُوپر سے گھوئی ہوئی سرینگر کی طرف چلی گئی تھی۔

میں نے مُرد کر حمیدہ اور نیکم کی لاشوں کی طرف دیکھا۔ میں نے اُن لاشوں کو کیٹروں سے ڈھک دیا تھا مگر ہوا کے جھونکوں سے کیڑے اُڑ کر دُور چلے گئے تھے اور لاشیں برہنہ ہوگئ تھیں جن بر بھنبھناتی ہوئی کھیاں دُور ہی سے نظر آ رہی تھیں۔

میں نے زخ چھر لیا اور ڈھلان پر آ ہتہ آہتہ نیچ اُڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ یوں تو میرا پوراجہم بری طرح و کھر ہا تھا مگر کندھے اور بائیں ٹانگ میں شدید تکلیف تھی۔ پیرز مین پرنہیں رکھا جارہا تھا۔ میں بردی مشکل ہے زخی ٹانگ کو گھیٹا ہوا چل رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح سڑک پر پہنچ جاؤں۔ کوئی نہ کوئی وہاں سے ضرور گزرے گاتو انہیں اُن لاشوں کے بارے میں بتاؤں گا۔ کین سوگز کا یہ فاصلہ بھی مجھے سومیل سے زیادہ لگ رہا تھا اور محسوس ہورہا تھا جیسے میں بناؤں کا۔ کین سوگز کا یہ فاصلہ بھی مجھے سومیل سے زیادہ لگ رہا تھا اور محسوس ہورہا تھا جیسے میں بناؤس کا۔ کین سوگر کا یہ فاصلہ بھی اور محسوس ہورہا تھا جیسے

ڈ ملان خاصی عمودی تھی۔ میں بہت سنجل کرنچے اُٹر رہا تھا۔ لیکن دفعتہ ایک چھوٹے پھر پر میرا پیرر پٹ گیااور مجھے یوں لگا جیسے زمین میرے قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہو میں ایک بیر پلاو کھڑا کررہ گیا۔ میں نے منبطلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور نیچے گر کر بڑی تیزی سے ڈھلان برلا ھکنے لگا

50

وہ تیوں میرے قریب آ کرزک گئے۔ چند لمحے کھڑے کھڑے میری طرف دیکھتے ر۔ ،۔ پچر دونوں آ دمی گھنٹوں کے بل میرے بیا منے بیٹھ گئے۔

پر ''اب کیسی طبیعت ہے؟'' ادھیڑ عمر شخص نے میرے چبرے پر نظریں جماتے ہوئے یو چھا۔ اُس کے لیجے میں شفقت نمایاں تھی۔

اس سے بیج یہ سفت مہیں ہے۔

'' کھیک ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ حالانکہ میں ٹھیک نہیں تھا۔ یہ جملہ تو اخلاقا کہا تھا۔

بخار میں تیج ہوئے ٹوٹے پھو نے جسم کے ساتھ میں اپنے آپ کوٹھیک س طرح کہہ سکتا تھا؟

میں گہری نظروں سے اُس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ لہا قد اور مضبوط ہاتھ پیر۔ داڑھی اور مونچھوں کے بال آپس میں تقریباً ملے ہوئے تھے۔ حصی رنگ جس سے منہ کا دہا نہ چھپ کررہ گیا تھا۔ سرکے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ سمتی رنگ ہوئی تھی۔ اُس کی ہیشتانی کے قریب سر پڑئی ہوئی تھی۔ اُس کی آئسس سرخ ہورہی تھی۔ کی گالف کیپ اُس کی بیشتانی کے قریب سر پڑئی ہوئی تھی۔ اُس کی آئسس سرخ ہورہی تھی۔ اُس کی ہوئی تھی۔ اُس کی ہمرتیں سیس کے لگ چہرے پرختی کے نظریں ہٹا کر میں نے دوسرے آ دمی کی طرف دیکھا۔ اُس کی عمرتیں سیس کے لگ کیٹرے کا ایک پڑئا سا با ندھ رکھا تھا جس میں آ ٹو میٹک رائفل کے چار میگزین اڑسے ہوئے تھے۔ اُس نے کمر پر گئے میگر رہی ہوگی۔ اُس کی عمر پینتیس کے لگ کیٹرے کا ایک پڑئا سا با ندھ رکھا تھا جس میں آ ٹو میٹک رائفل کے چار میگزین اڑسے ہوئے تھے۔ اُس نے کو میل ورت کی طرف اُٹھ گئیں جو اُس کے قربی ہوئی ہو اُس نے ڈھیلا ڈھالا سا چونے تھے۔ اُس نے ڈھیلا ڈھالا سا چونے کی کہا دھڑ عرفض کی طرف دیکھے لگا۔

بہن رکھا تھا اور سر پر سیاہ رُو مال بندھا ہوا تھا۔ میں اُس کے چبرے سے نظریں ہٹا کر ایک بار کھا تھا اور سر پر سیاہ رُو مال بندھا ہوا تھا۔ میں اُس کے چبرے سے نظریں ہٹا کر ایک بار پر کھا تھا اور سر پر سیاہ رُو مال بندھا ہوا تھا۔ میں اُس کے چبرے سے نظریں ہٹا کر ایک بار پھادھڑ عرفض کی طرف دیکھے لگا۔

''گھراؤنہیںہم بہت جلدا چھے ہو جاؤ گے۔''اُس شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہمردانہ لہج میں کہا۔''ایک مجاہد کی زندگی میں ایسے کمات ایک بارنہیں بار بارآتے ہیں۔ مجاہد گھرا تانہیں۔ایسے واقعات تو اُس کے جذبات کومہمیز کرنے کے لئے رُونما ہوتے ہیں۔ اور پھر ہم تبدوہ ایک نئے جوش، ولولے اور عزم کے ساتھ دشن پرٹوٹ پڑتا ہے۔''

''نىمىرے جذبات سرد ہوئے ہیں اور نہ ہی حوصلہ کم ہوا ہے۔ کیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپلوگ کون ہیں اور پیکون ہی جگہ ہے؟ میں یہاں کیسے پہنچا؟''

'' آفرین' وہ حض میرے حوضلے کی داد دیتے ہوئے بولا۔'' چند کمیح خاموثی سے میری طرف دیکھتاریا، پھر کہنے لگا۔''میں کمانڈر محتِ اللہ ہوں۔ بیٹھ اعظم ہے اور بیمریم ہے۔'' اُس نے ایپ ساتھی اور اُس عورت کا تعارف کرایا۔''ہم بھی اس وادی کو آزاد کرانے کے لئے بعارتی سامراج سے برسر پیکار ہیں۔ ہمارے مجاہدین پوری وادی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں بھی موقع ماتا ہے دشمن پر کاری ضرب لگا دی جاتی ہے۔''

میں چو نکے بغیر نہیں رہ سکا۔ کما نڈر محبُ اللہ بھارتی درندوں کے خلاف برسر پیکار مجامدین

گرتے ہوئے میرے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ میں ڈھلان پر کانٹے دار جھاڑیوں میں بری تیزی سے قلابازیاں کھا تا ہوا لڑھک رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے جھاڑیوں کو گرفت میں لینے کی کوشش بھی کی تھی مگر کامیاب نہ ہوسکااورلڑھکتا چلا گیا۔

اور پھرمیراسرایک پھر سے نگرا گیا.....کھو پڑی کے پچھلے جھے پر چوٹ بڑی زور دار کئی تھی۔ میر ہے منہ سے چیخ فکل گئی۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں بی ناچنے لگیں اور پھرمیراس تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا.....

 \mathbf{O}

اس مرتبہ میری آنکھ کھلی تو میں نے اپ آپ کوایک نرم بستر پر بڑے ہوئے پایا۔ آنکھوں کے سامنے کچھ وُ ہندی چھائی ہوئی تھی جو بندری چھٹی جلی گئی۔ میں آنکھیں تیج کرسامنے دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپ گھر میں ہوں۔ لیکن وہ میرا گھر نہیں تھا۔ وہ ایک غارتھا جس میں شاید کسی طرف رکھا ہوا سپرٹ لیپ جل رہا تھا۔ وہ سپرٹ لیپ تو نظر نہیں آرہا تھا مگر اُس کی روشنی میں غار کی نا ہموار حجت دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے اپنی جگہ ہے حرکت کرنے کی کوشش کی تو کراہ اُٹھا۔ درد کی اہریں پورے بدن میں برقی رہ کی طرح چیلتی چلی گئی تھیں۔ میں نے اُٹھنے کی کوشش ترک کر دی۔ اس کے ساتھ ہی جھے احساس ہوا کہ میراجہم کمبل ہے وُھا ہوا تھا۔ اور کمبل کے نیچے میرےجم پرلباس نہیں تھا۔ میں نے کمبل کے اندر ہاتھ وُال کر شولا تو پت چلا کہ میرےجم پرضرف نیکر تھی۔ اور وہ بستر بھی کوئی لینگ یا چار پائی نہیں تھی۔ فرش پر بیال پھیلی ہوئی تھی جس پر ایک کمبل بچھا ہوا تھا۔ میں نے کردن کو حرکت وینا چاہی تو سر میں شدید میں سیاسی اُٹھنے لیس۔ میرا ایک ہاتھ ہے اختیار سر پر پہنی گیا۔ کھو پڑی کے چھلے جھے پر ایک بڑیا ساگوم وا تھا۔

میں سوچ رہاتھا کہ یہ کون می جگہ تھی اور میں یہاں کیے آگیا تھا؟ مجھے یہ تو یاد آگیا کہ اُس پہاڑی ڈھلان سے اُتر تے ہوئے میں گر پڑا تھا اور گڑھکتے ہوئے میرا سرایک پتھر سے نکرا گیا تھا۔ سر پر لگنے والی شدید چوٹ کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ مگر مجھے اس غار میں کون اللہ تھا۔۔۔۔۔؟

میں ابھی بیسب پچھسوچ ہی رہاتھا کہ قدموں کی ہلکی ہی آہٹ ہن کی پونک گیا۔ اُس وقت میں کمبل کے اندر ہاتھ ڈالے اپنے جسم پر لیٹی ہوئی پٹیوں کوٹٹول رہاتھا۔ میں نے ہاتھ کمبل سے باہر نکال لیا اور آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ قدموں کی آہٹوں سے انداز ہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ دویا دو سے زیادہ آدمی تھے۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند سکنڈ بعد ہی تین افراد غار کے دوسرے جھے سے نکل کر سامنے آگئے۔ اُن میں ایک ادھیز عمر عورت تھی اور دو آ دمی۔ ایک ادھیز عمر تھا اور دوسرا جوان۔ اُن دونوں کے کندھوں پر آٹو مینک رائفلیں لکی ہوئی تھیں اور تینوں چبرے میرے لئے اجنبی تھے۔

میں ایک معتبر نام تھا۔وہ وادی میں چھلاوہ کے نام ہے مشہورتھا۔اوروہ واقعی چھلاوہ تھا۔اگروہ رات دس بجے بارہ مولا کے آس پاس بھارتی فوجیوں کے خلاف کوئی چھاپہ مار کارروائی کرتا تو چنر گھنٹوں بعد وہاں ہے میلوں وُ ورسرینگر کے دوسری طرف اننت ناگ میں سی فوجی دہتے پر بجل بن کرٹوٹ پڑتا۔بعض او قات کئی مقامات پر بیک وفت ہونے والی چھاپہ مار کارروائیوں میں بھی اُس کا نام لیا جاتا۔

یں ن بن بار تا جہ بات ہے بات ہے ہا ہویں کی گئی تنظیمیں بھارتی سامراج کے خلاف برسر پیگار تھیں۔ ہر تنظیم اپنی جگہ نہایت اہم کردارادا کر رہی تھی۔ ہر مجاہد بھارتی نو جیوں کے لئے خوف کی علامت بنا ہوا تھا۔ لیکن کمانڈ رمحت اللہ کے نام میں وہ دہشت تھی جس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ بھارتی فوجی اُس کا نام من کر ہی تھرتھر کا پنے لگتے تھے۔ اور وہی کمانڈ رمحت اللہ اُس وقت میرے سامنے بیٹھا ہوا بڑی محبت اور شفقت بھرے لیجے میں میری خبریت دریا فت کر رہا تھا۔ '' یہ کون تی جگہ ہے؟ میں تو''

''میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان چکا ہوں۔'' کمانڈر محب اللہ نے میری بات کا ٹ دی۔ گزشتہ رات میں بارہ مولا میں تھا جب مجھے تمہارے قصبے پر بھارتی فوجیوں کے حیلے کی اطلاع ملی۔ میں اپنے ساتھ چند مجاہدین کو لے کرفورا ہی روانہ ہو گیا۔ لیکن بارہ مولا کے قریب ہی ایک فوجی دستے سے نصادم ہو گیا۔ ہمارا مقابلہ تقریباً دو گھنٹوں تک جاری رہا۔ اس تصادم

میں ہیں وبن رہے سے معادم بردیں باہ ہورت کے علاو ہاکی میجراور ہارہ نوجیوں کو جہنم رسید میں ہم نے اسلحہ سے لدا ہوا ایک ٹرک تباہ کرنے کے علاو ہاکی میجراور ہارہ نوجیوں کو جہنم رسید کر دیا جبکہ ہمارا ایک محاہد شہید اور ایک زخمی ہوا۔ ہم صبح سے ذرا پہلے تمہارے قصبے میں پہنچ تھے۔ بھارتی سور ما وہاں سے جا جیکے تھے لیکن اپنے پیچھے تباہی اور بربادی کی ایک المناک داستان چھوڑ گئے تھے۔ یہ کوئی بات نہیں خونخوار درندوں سے کسی بھلائی کی تو قع نہیں کی جاسکتی۔ گریہ سب کچھ دیکھ کر دل خون کے آنسورو تا ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ معصوم اور بے

گریہ سب کچھ دیکھ کر دل خون کے آنسوروتا ہے۔لیکن میں پیھی جانتا ہوں کہ معصوم اور بے گناہ لوگوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جانیں گی۔ایک نہ ایک دن ہم بھی اس سرزمین کو عناصب ہندوؤں کے ناپاک وجود سے پاک کرالینے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔''وہ چندلمحوں کو خاموش ہوا پھر دھیمے لیجے میں قصبے کی تباہی کے بارے میں بتانے لگا۔ کما نڈر محت اللہ کے کہنے کے مطابق قصبے میں اڑتا لیس افراد کو شہید کیا گیا تھا جن میں

کمانڈر محتِ اللّٰہ کے کہنے کے مطابق تھے میں اڑتا کیس افراد کو شہید کیا گیا تھا جن میں عورتیں، بوڑھے مرداور بچ شامل تھے۔ پیشتر کو گولیوں سے پھلنی کیا گیا تھا جبکہ بعض لوگوں کو اذیتیں وے کر شکینوں سے بلاک کیا گیا تھا۔ ستائیس مکان جلا کررا کھ کر دیئے گئے تھے جن میں میرا مکان بھی شامل تھا۔ مبدکو بھی آگ لگا کر شہید کر دیا گیا تھا۔ قصبے کی چھے جوان لڑکیاں لا پت تھیں جن کے بارے میں یقین تھا کہ آئییں بھارتی فوجی اُٹھا کرلے گئے تھے۔

'' دولڑ کیوں کی اُدھڑی ہوئی لاشیں'' ''_{لا چ}یہ ہونے والی چیرلڑ کیاں اُن دو کے علاوہ ہیں جن کے بارے میں تم بتانا چاہتے۔

ہو۔'' کمانڈ رمحب اللہ نے میری بات کا شتے ہوئے کہا۔''وہ دو لاشیں ہم نے اُس پہاڑی پر فی ہر دی تھیں ۔'' نی ہر دی تھیں ۔''

ردی ہے۔ اور ایک ایس منہ سے با فتیار نکا۔ ''لین آپ لوگوں کو اُن لاشوں کا پہتہ کیسے چلا؟''
در ہی جی ہم تمہارے قصبے سے واپس جارہہ تھے۔ ہماری جیپ اُس پہاڑی کے قریب سے
گزر ہی تھی کہ ایک جیخ کی آواز سائی دی۔ میں نے جیب رُکوالی اور محمد اعظم کوصور تحال معلوم
گزر ہی تھی کہ ایک جیخ کی آواز سائی دی۔ میں نے جیب رُکوالی اور محمد اعظم کوصور تحال معلوم
کرنے کے لئے اُس طرف بھیج دیا۔ اُس نے تمہیں ڈھلان پر جھاڑیوں میں ہے ہوش پڑے
کھاتو اُٹھالایا۔ تمہاری حالت و کھر میں بھی کانپ اُٹھا۔ میرا خیال تھا کہ شایدتم گزشتہ رات
تسے پر بھارتی فو جیوں سے جھڑپ میں زخی ہوکر پناہ لینے کے لئے اس طرف آگئے تھے۔ اور ہو
میدان کی طرف لے آیا اور تب ہم نے اُن دونوں لڑکیوں کی لاشوں کو دیکھا۔ اُن لڑکیوں کے
میدان کی طرف لے آیا اور تب ہم نے اُن دونوں لڑکیوں کی لاشوں کو دیکھا۔ اُن لڑکیوں کے
دیمیں پناہ کی تلاش میں قصبے سے نہیں بھاگا تھا کما نڈر!'' میں نے اُس کی بات کاٹ دی اور
چند کھوں کی خاموثی کے بعد اُسے قصبے پر بھارتی فوجیوں کے حملہ کے بارے میں تفصیل سے
جند میں چونکہ رات بھر ہے ہوش میں آبے نو کے بعد کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہدر ہا تھا۔ ''وہ شیطان اُن معصوم لڑکیوں کے ساتھ مجھے بھی اُٹھالائے
جند میں چونکہ رات بھر ہے ہوش میں آنے کے بعد کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہدر ہا تھا۔ ''وہ عیاس لئے شاید وہ مجھے کر دہ مجھ کر چھوڑ گئے تھے۔'' میں
چند کوں کو خاموش ہوا اور بھر ہوش میں آنے کے بعد کی تفصیل بتانے لگا۔

''وہ تمہاری ہی چیخ بھی جو میں نے تی تھی۔'' کما نڈر محب اللہ نے میرے خاموش ہونے پر
کہا۔'' بیٹک تم بہت حوصلہ مند، 'ابنی اعصاب کے ما لک اور بڑی مضبوط قوت ارادی کے ما لک
ہو۔ تمہاری ٹانگ میں دوگولیاں گئی تھیں۔ بدن پر اور بھی گئی زخم تھے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو
بہت پہلے دم توڑ چکا ہوتا۔ مگر تم نے بڑی ہمت کا ثبوت دیا اور تمہارے سانس کی ڈور کوٹو شخ
سے بچانے کے لئے ڈاکٹر مریم نے بھی بہت اہم کر دار ادا کیا ہے۔'' اُس نے قریب کھڑی
بول عورت کی طرف اشارہ کیا جس کا تعارف اُس نے پہلے صرف مریم کے نام سے کرایا تھا۔
''ڈاکٹر؟'' میں نے جرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

''باں '''' کمانڈ رمحب اللہ مسکرا دیا۔''مریم فزیشن اور سرجن ہے۔ کی سال پہلے اس نے باستان کے ایک میڈیکل کالج سے طب اور سرجری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ دوسال پہلے یہ پونچھ کے بہتال میں بہنچایا کے بہتال میں بہنچایا گئے۔ انجام دے رہی تھی۔ ایک روز تین زخمی مجاہدین کو اُس بہتال میں بہنچایا گیا۔ اُن میں سے دوکوتو بچالیا گیا گرتیسر ہے کا بہت زیادہ خون ضائع ہو چکا تھا وہ نہیں نیچ سکا۔ مرکم نے اُس روز فیصلہ کرلیا کہ وہ مجاہدین کے لئے کام کرے گی۔ یہ پونچھ کے بہتال کی نوکری بیشوز کرچوری چھے کنٹرول لائن پار کر کے دلیہ نامی ایک چھوٹی سی بہنچ گئی۔ اتفاق سے بیشوز کرچوری چھے کنٹرول لائن پار کر کے دلیہ نامی ایک چھوٹی سی بہتی میں بہنچ گئی۔ اتفاق سے بیش اُس روز اُس بہتی میں موجود تھا۔ ڈاکٹر مریم کی با تیں سن کر میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ

۔ کا۔ لیکن مجھے یہ بھی شبہ تھا کہ یہ عاصب بھار تیوں کی کوئی حیال تو تسبیں تھی۔ بھارتی فو جی مجاہدیں کے ٹھکا نے معلوم کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈ ہے استعال کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی اُن کی ایک سازش ہو سکتی تھی۔ یہ مجاہدین کی خدمت کے بہانے ہمارے سر تھ رہتی اور بھارتی فوجیوں کو ہمارے بارے میں معلومات فراہم کر سکتی تھی۔ میں اسے اپنے سہ تھ ہارہ مولا لے گیا اور اپنے ایک دوسرے ایک دوسرے کی فیملی کے حوالے کر دیا اور اُس کے بارے میں پو نچھ اور پاکتان کے دوسرے شہروں میں تحقیقات کے لئے ایک آدمی بھیج دیا۔ میں اگر چہمریم کے بارے میں مطنے والی رپورٹوں سے خاصا مطمئن تھا لیکن تین مہینوں تک میں نے کوئی خصد مت اس کے بیر دنیس کی اور خود بھی اس سے دُور ہی رہا۔

بالآخر جھے یقین ہوگیا کہ مریم واقعی کشمیری آزادی کے لئے لائے نے والے بجاہدین کی خدمت کرنا چاہتی ہے۔ یہ اپنے ساتھ جراحی کے بہت سے آلات بھی لے کرآئی تھی جوشروع ہی سے میرے قبضے میں تھے۔ مطمئن ہونے کے بعد ہم دونوں نے مل کسرایک با قاعدہ منصوبہ بنایا اور وادی میں کئی مقامات پر ایسے ہی غاروں میں ایسے انتظامات کر دیئے کہ ان علاقوں میں زگر ہونے والی میں کئی مقامات پر ایسے ہی غاروں میں ایسے انتظامات کر دیئے کہ ان علاقوں میں زگر ہونے والی میں کہ ہوئے ہوئے کا دونوں کے بات جاری رکھتے ہوئے مجاہدین کے لئے وقف کر رکھی ہے۔' وہ چند لیحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہ نظر از سکتی تھی گئر از سکتی تھی گئی گزار سکتی تھی گئی گئی از از سکتی تھی ہوئی ہواں گی۔ اس نے سب پچھن کو دیا۔ میں ہوا کئی گئی روز فاقے بھی کئے ہیں لیکن بھی آفیانی پڑتی ہواں گی۔ اس نے ہمارے ساتھ کئی گئی کئی روز فاقے بھی کئے ہیں لیکن بھی آف تک نہیں کیا۔ یہ بے سروسامانی کی حالت میں مجاہدین کی جس طرح مسیحائی کر رہی ہو ہ قابل تعریف ہے۔دوا وَں کی کمی کی شکایت رہتی ہے کہا یہ دین کی جس طرح مسیحائی کر رہی ہو ہ قابل تعریف ہے۔دوا وَں کی کمی کی شکایت رہتی ہے کہا یہ دی کے بیں یہ ہارے ہدر داور دوست وقناً فو قنا ضروری دوا میس ہمیں مختلف ذرائع سے ہیں کیا ہیں بیارے ہدر داور دوست وقناً فو قنا ضروری دوا میس ہمیں مختلف ذرائع سے ہیں کے بیں۔' میں توسیفی نظروں سے ڈاکٹر مریم کی طرف د کھر ہا جھا۔ اُس کی آنکھوں میں بھیب سے بھیجا کئی ۔ میں توسیفی نظروں سے ڈاکٹر مریم کی طرف د کھر ہا جھا۔ اُس کی آنکھوں میں بھیب سے بھیجا سے بھیجا کئی ہیں۔ میں توسیفی نظروں سے ڈاکٹر مریم کی طرف د کھر ہا جھا۔ اُس کی آنکھوں میں بھیب کی سے بھیجا کھیں۔

ں پورے اس ''بیغار کہاں پر ہے۔۔۔۔؟''میں نے پوچھا۔''سوپور کے آس پاس تو میں نے ایسا کوئی غار میں دیکہا

'' پیغار بارہ مولا ہے تفریباً دس میل دُور دریائے اوری کے قریب واقع ہے۔'' کما نگر رحب اللہ نے جواب دیا۔'' پیغار ہر کھا ہے۔ کعفوظ ہے۔ کسی عام آ دمی کے لئے اسے تلاش کر لیمنا ممکن نہیں۔ اور ویسے بھی ہم نے اس کی حفاظت کا معقول انتظام کر رکھا ہے۔ جب کوئی اجنبی اس طرف آتا ہے تو ہمیں فورا اطلاع مل جاتی ہے۔''

میں جیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یالوگ مجھے سو پور کے قریب سے اُٹھا کرمیلوں دُور ہارہ موالہ لے آئے تھے اور یہال میرا ملاج کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر مریم نے بتایا کہ پنڈ لی میں لگنے والی

الولی گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی جبکہ ران میں لگنے والی گولی اندر ہی رہ گئی تھی جے مریم نے ہے ہوئی گردی گئی تھی۔ ہر پیش کر کے نکال دیا تھا۔ اور میر ہے جسم کے دوسر حصول پر بھی مرہم پٹی کردی گئی تھی۔ فلا استر میں نیا کہ مجھے دو پہر کے قریب بے ہوئی کی حالت میں یہاں لایا گئی ہا۔ اس وقت میرا بدن تیز بخار ہے پھنک رہا تھا۔ یہاں آنے کے بعد میں چند منٹ کے لئے ہوش میں ضرور آیا تھا مگر حواس میں نہیں تھا۔ اُس نے مجھے انجکشن لگا دیا تھا جس کے بعد میں پھر بے ہوش ہوگیا تھا یا گہری نیندسوگیا تھا۔ یہا نکشاف بھی میرے لئے خاصا دلچسپ ٹابت ہوا کہاں وقت آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔

000

I

لو ًوں کو جنہوں نے اپنی عزت و آبرواور جان کے نذرانے پیش کر کے اُنہیں آزادی کا تحفہ دیا۔ تم _{ایک} باہمت نو جوان ہو ۔۔۔۔۔حوصلہ ہار گئے تو بیقر بانیاں ضائع ہو جائیں گی نہیں مائی من ۔۔۔۔۔تم ان قربانیوں کے امین ہو۔انہیں ضائع نہیں ہونے دو گے۔''

مریم مجھے اپنے سینے سے لگائے بار بار میرامنہ چوم رہی تھی۔ بھی میرے بالوں میں اُٹگیاں پھیر نے لگتی۔ گاہے بگاہے کما نڈرمحب القد اور مجد اعظم کے ہمدردانہ بول بھی میری ساعت سے کئر ارب تھے۔ میری جیکیاں سسکیوں میں بدل گئیں اور پھر میں بتدرت کی بڑسکون ہوتا چلا گیا۔ مریم کانی دیر تک مجھے اپنی آ فوش میں لئے بیٹھی رہی پھر اُس نے آہستگی سے مجھے دوبارہ بستر پر لئادیا اور اُٹھ کرغار کے دوسرے جھے میں چلی گئی۔ کمانڈ رمحب القدا پنی جگہ سے سرک کرمیرے اور تریب آگیا اور ہمدردانہ با تیں کرنے لگا۔

آور میں اور ایک و اور ایک و است کا درجہ ہا میں درجہ کا جاتے ہا کر لے آئی۔ مٹی کے مگ تھے۔ کثر ت تقریباً بیس منٹ بعد مریم بغیر دودھ کی جائے بنا کر لے آئی۔ مٹی کے مگ تھے۔ کثر ت استعال ہے ان کا رنگ بھی اُڑ چکا تھا۔ ایلومیٹیم کی کینٹلی بھی دُھویں سے بالکل کالی ہور ہی تھی۔ اُس نے جائے انڈیل کرایک ایک مگا کمانڈر محب اللہ اور مجھ اعظم کو دے دیا اور مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ وہ ایک ہاتھ سے مجھے سہارا دیئے رہی اور دوسرے ہاتھ سے قبوے کا مگا میرے

قبوے میں الا بچکی کی خوشبوتھی۔ پی اور چینی کا تناسب بھی بہت مناسب تھا جس سے چائے خوش ذا اُقد بھونے لگی۔ جائے پلانے کے بعد مریم نے مجھے لٹا دیا اور خود جائے کی چسکیاں لینے لگی۔ کمانڈرمحب القد اور محمد اعظم تقریباً دو گھٹے و ہاں رہے اور پھر اگلے روز آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ مریم غار کے دہانے تک اُن کے ساتھ گئی تھی اور پھر واپس آ کر میر سے پاس بیٹھ گئی اور دریہ تک ہانی کے ساتھ گئی تھی بوئی پیال پرلیٹ گئی۔ اُس کے قریب ہی دیوار کے ساتھ اُن کے ساتھ گئی۔ اُس کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ایک سب مشین گن بھی ایستادہ تھی۔

میراً خیال تھا کہ ہم دونوں یہاں اسکیے رہ گئے ہیں ۔لیکن مریم نے بتایا کہ تین آ دمی غار کے ہاہر مختلف جگہوں ہرموجود ہیں ۔

مریم کافی درینتک مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ اور پھر میری بللیس نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں ۔مریم کی آواز مجھے بہت دُور ہے آتی ہوئی محسوس ہور ہی تھی۔

صبح میری آنگو کھی تو سات نگر ہے تھے۔ وقت مریم نے بتایا تھا۔ غار کے اندر میرے لئے تو بیا نداز ولگانا ہی ممکن نہیں تھا کہ دن کا وقت ہے یا رات کا؟ مریم نے جھے اُٹھا کر منہ ہاتھ دُھالیا، اس دوران دو اور آ دمی غار میں آگئے تھے۔ اُن دونوں کی عمریں چیس اور تمیں کے درمیان رہی بول گی۔ دونوں کے کندھوں پر سب مشین تعمل کئی بوئی تھیں۔ دونوں کے کندھوں پر سب مشین تعمل کئی بوئی تھیں۔ دونوں کی آنکھیں سرخ تھیں اور شیو بڑھے بوئے تھے۔ اُن دونوں نے بیٹھ گئے۔

''شمینہ لا پیۃ ہے۔'' کمانڈ رمحتِ اللہ نے نظریں جھکا کر پہلے سے بھی زیادہ دھیمی آواز کم جواب دیا۔' وہ بھی اُن چھڑ کیوں میں شامل ہے جن کے بارے میں شبہ ہے کہ انہیں فو بی اُلا کر لے گئے ہیں۔لیکن ہوسکتا ہے کہ جب قصبے پر حملہ ہوا تھا تو بیلا کیاں اپنی عزت اور جال بچانے کے لئے قصبے سے بھاگ کر کھیتوں میں چھپ گی ہوں یا کسی اور قریبی بہتی میں پہنچہ گا ہوں۔انہیں بہر حال تلاش کیا جار ہا ہے اور انھی اُمیدر کھنی چاہئے۔''

میں نے آئھیں بند کر لیں۔ میں جانتا تھا کہ اُس نے آخری الفاظ میری دلجوئی کے لئے کہے تھے۔ورنہ وہ بھی جانتا تھا کہ حقیقت کیا ہو عمق ہے۔ میں نے صرف رابعہ کواپنے گھروا فی آ میں فوجیوں کے چنگل میں دیکھا تھا۔اُس وقت صور تحال ایسی کہ فوجیوں نے گلیوں کی ٹاکر بندی کرر کھی تھی۔ سی کو بھا گئے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ٹمینہ یا دوسری لڑکیاں بھاگ کر کہاں، عق تھیں؟

دولڑ کیوں کی نجی اور کھسوٹی ہوئی ااشیں میں نے قصبے سے تین میل وُوراُس پہاڑی پر دیکھ تھیں جہاں میں بھی رات بھر بے ہوش بڑا رہا تھا۔ ثمینہ اور دوسری لڑ کیاں شاید نو جیوں کر دوسری پارٹی کے ہاتھ لگ گئی تھیں اور وہ اُنہیں دوسری طرف لے گئے تھے۔

اُن دولڑ کیوں کی لاشیں دیکھے کر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ثمینہ اور دوسری لڑ کیوں کے ساتھ کم ہوا ہو گا۔ ہوسکتا ہے کہ اُن کی نجی کھی لاشیں بھی پہاڑیوں میں کہیں بڑی ہوں۔ میں اندر سے کا نب ریا تھا اور ضبط کرنے کی کوشش کرریا تھا۔لیکن جیکیاں میرے قابو ہم

یں اندر سے کاپ رہا تھا اور صبط سر کے گی تو اس سر رہا تھا۔ ین بچلیاں سیر سے قابو تھ نہیں رہیں اور نہ ہی میں آنسوؤں پر قابو پا سکا۔میراجہم ہو لے ہو لے کا بینے لگا۔ مریم میر ہے قریب بیٹھ گئی۔ اُس نے مجھے سہارا دے کر اُٹھایا اور اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

اُس وقت میں اپنی کلیف بھول گیا تھا۔ ''بس مائی س'' مریم نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور میرے رخساروں پر بہنے والے آنس پو نچھتے ہوئے بولی۔''تم ایک بہت دلیر اور حوصلہ مندنو جوان ہو۔ مجاہد ۔۔۔۔۔ اور مجاہد رویا نہلہ کرتے ۔۔۔۔۔۔تم ایک بہت بڑے مقصد کے لئے لڑ رہے ہو۔ اور جب مقصد بڑا ہوتو الی قربانالا دنی ہی پڑتی ہیں۔ اس وقت کے بارے ہیں سوچو جب تم ان خونخوار بھیڑیوں کو وادی سے نکالہ تھینکو گے۔ اُن کے نایظ وجود کے بغیر وادی کتنی حسین لگے گی ۔۔۔۔۔۔۔۔کتا سکون ہوگا یہاں ۔۔۔۔۔

یہاں کسی کا خون نہیں ہے گا۔ نسی لڑئی کی عزت نہیں لئے گی۔ آنے والی نسلیں یا د کریں گی اُلا

اُن میں ہے ایک کا نام ضیغم تھا اور دوسرا چن پیر۔ وہ رات کوغار کے باہر ڈیوٹی دےرہے تھے۔اُن کا ایک ساتھی اب بھی باہرمو جودتھا۔

مریم غاریے دوسرے جسے میں چلی گئی۔اُس کی والیسی تقریباً ہمیں منٹ بعد ہوئی تھی۔اُس نے جائے کی کیتلی اور ملکے میرے قریب ہی فرش پر رکھ دیئے اور دوسرے ہاتھ میں میلا سادستر خوان جھی فرش پر ہی رکھ دیا جس میں روٹیاں لیٹی ہوئی تھیں۔مریم نے مگوں میں قہوہ اُنڈیل کر دستہ خوان کھول دیا۔

دستر خوان کھول دیا۔ روٹیاں موثی موثی تعییں اور آئے میں نمک بھی ملا ہوا تھا۔ قبوے کے ساتھ یہ نمک والی روٹیاں واقعی مزہ دے کئیں۔ مجھے تو قبوے کے ساتھ نمک ملی روثی کھانے میں مزہ آ رہا تھا،اس لئے کہ میں پہلی بار کھا رہا تھا۔لیکن مجاہدین تو عرصہ سے اس چیز پر گزارہ کررہے تھے۔ یبی اُن کے لئے من وسلوی تھا اور یہ خوراک بھی کبھی اُنہیں نصیب ہوتی تھی اور بھی دو دو دن فاقے کر فرود تر تھے۔

ر لے پر سے ہے۔ طیغم اور چن پیرناشتہ کر کے میرے پاس بیٹھے با تیں کرتے رہے، پھرا یک طرف فرش پر پڑ کرسو گئے ۔ اس کے تقریبا ایک گھٹے بعد ان کا تیسرا ساتھی بھی آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ بارہ مولا ہے دولڑ کے آ گئے ہیں جنہوں نے غار کے باہر ڈیونی سنجال کی ہے۔ وہ نوجوان بھی ناشتہ کر کے سوگیا۔

ڈاکٹر مریم نے برتن سنجالے اور میرے پاس بیٹھ گئ۔ وہ دھیمے لیجے میں مجھے اپنے بارے میں بتارہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی مجاہدین کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان پچھلے دو برسول کے دوران اُسے بڑے شمین تج بات سے گزرنا پڑا تھا۔ کئی مرتبہ موت سے آمنا سامنا بھی ہوا تھا۔ ایک مرتبہ و خود بھی زئیدہ علین صور تھال ایک مرتبہ و خود بھی زیادہ علین صور تھال ایک مرتبہ فی نے اس موقع پر کما نڈر محب اللہ نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان واپس چلی میں بھن گئی ہیں۔ اس موقع پر کما نڈر محب اللہ نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان واپس چلی جائے۔ مگر مریم نے صاف انکار کر دیا تھا کہ مجاہدین کو اس کی ضرورت ہے اور وہ اُنہیں چھوڑ کر خبیں جا سے نے۔ ہمارتی فوج کو سب سے زیادہ مطلوب تھے، اس طرح ڈاکٹر مریم بھی موسٹ وانڈ تھی۔

بھارتی فوج کی تشمیری بائی کمان کو پہ چل گیا تھا کہ مریم نام کی ایک عورت زخمی ہوئے۔ والے مجاہدین کی مسیحائی کر رہی ہے۔ انہیں نئی زندگی دے رہی ہے اور وہی مجاہدین صحت یاب ہوکر بھارتی فوجیوں پر قتربن کرٹوٹ پڑتے ہیں۔ فوج کی بائی کمان نے بعض مجاہدین کے ساتھ ڈاکٹر مریم کے سرکی قیت مقرر کررکھی تھی۔

لکین ڈاکٹر مرنیم اس صورتھال سے خوفز دہ نہیں تھی۔ اُس نے نہ تو بھی یہاں سے بھا گئے کا سوچا تھااور نہ ہیں کہیں چپ کرمیٹھی تھی۔ وہ کسی ایک جگہ ٹک کربھی نہیں مبیٹھی تھی۔ ہرجگہ اُس کا ضرورت رہتی تھی۔ بھی وہ بارہ مولا میں ہو تی، بھی گلمرگ میں، بھی پہل گام اور بھی اینست ناگ

میں بھی سرینگر اور بھی جمول میں، جہال اُس کی ضرورت ہوتی وہ پہنچ جاتی۔ ان علاقوں میں بعض عارتو ایسے سے جوچھوٹے جھوٹے ہیتالوں کا منظر پیش کرتے تھے۔ کہیں تین زخمی مجاہدین زیر علاج سے جھے اور کہیں اُن کی تعداد نصف درجن سے بھی زیادہ ہوتی ۔ یوں اُن زخمی مجاہدین کی رکھ بھال کے لئے ہر جگہ کوئی نہ کوئی موجود ہوتا۔ مگر ڈاکٹر مریم بھی بلاخوف وخطران علاقوں کے چکر لگاتی رہتی تھی۔ اور ڈاکٹر مریم کے حق میں ایک اچھی بات سے تھی کہ بھار تیوں کے پاس اُس کی کوئی شاخت نہیں تھی۔ ۔ کوئی شاخت نہیں تھی۔ کی کوئی شاخت نہیں تھی۔ ۔ کی کوئی شاخت نہیں تھی۔ ۔ 'ڈاکٹر مریم مسکراتے ہوئے ۔ 'ڈیس ایک مرتبہ بڑی دلچسپ صورتحالِ سے دوجار ہوگئی تھی۔' ڈاکٹر مریم مسکراتے ہوئے۔ '

روں کے سک ایک مرتبہ بڑی دلیپ صورتحال سے دو جار ہوگئ تھی۔' ڈاکٹر مریم مسکراتے ہوئے بتاری تھی۔' ڈاکٹر مریم مسکراتے ہوئے بتاری تھی۔'' بین اُن دنوں پہلگام گئی ہوئی تھی۔ اُس علاقے میں سکھوں کی آبادی کچھ زیادہ ہے۔ لیکن وقنا فوقنا وہ بھی بھارت کے متعصب ہندو فوجیوں کے عتاب کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ دو دن پہل گام میں رہنے کے بعد است تاگ کی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں ہماری بس روک کی گئی۔ بھارتی فوج کی ہائی کمان کو اطلاع ملی تھی کہ مجاہدین اس طرف کوئی بڑی کی مروائی کرنے والے ہیں اس لئے پہلگام سے است تاگ تک فوجی پارٹیاں جگہ جگہ بسوں کو چیک کرروائی کرنے والے ہیں اس لئے پہلگام سے است تاگ تک فوجی بارٹیاں جگہ جگہ بسوں کو چیک کرروائی تھے جن کا انجارج ایک نوجوان سینٹر لیفٹینٹ تھا۔ اُن کی جیپ سڑک کے میں وسط میں کھڑی تھی۔ سکے فوجیوں نے بس کو گھرے میں لئن میں کھڑا کر کے تاثق کی جانے گئی۔

کاروائی کی جانے گئی۔

اس کے مسافروں میں میرے ساتھ کچھاور عورتیں بھی شامل تھیں۔ فوجی بلا لحاظ اُن کے جسموں کو بھی شول رہے تھے کہ اُنہوں نے اپنے لباس کے پنچے کوئی اسلحہ تو نہیں چھپا رکھا؟
میرے کندھے پر کپڑے کا ایک میلا ساتھیلالٹکا ہوا تھا جس میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کچھ ضروری ادویات اور انجکشن وغیرہ بھی تھے۔ میں مسافروں کی قطار میں ساقوی نمبر پرتھی۔ نوجوان ہندولیفٹینٹ چندگز وُور کھڑا ہوی ہوں بھری نظروں میں قطار میں کھڑی ہوئی عورتوں کی طرف دکھ میاری بھی آگئے۔ میرے سامنے کھڑے ہوئے فوجی نے تلاش لینے کی طرف دکھ میری باری بھی آگئے۔ میرے سامنے کھڑے ہوئے فوجی نے تلاش لینے کی مراہ اُٹھا اور دونوں ہاتھ سینے پر کے لئے میری طرف ہو جی اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

لیفٹینٹ پہلے نیچے بیٹھا اور پھرسڑک پرلیٹ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ دہائے ہوئے تقا۔ چبرے پر بے پناہ کرب کے تاثرات اُ بھرآئے تتھے۔ مجھے سیجھنے میں در نہیں گلی کہ اُسے دل

کا دورہ پڑاتھاً۔ دونو جی اُسے سنجالنے کی کوشش کررہے تھے مگروہ بری طرح پیر پُٹن رہاتھا۔ ''کیاتم میں کوئی ڈاکٹر ہے؟''ایک فوجی نے بس کے مسافروں کی طرف دیکھتے ہوئے چنج کر کہا۔ میں غیر ارادی طور پر آگے بڑھ گئی۔ لیفٹینٹ کی حالت واقعی بہت ابترتھی۔ سینے میں بہت شدید درداُٹھاتھا اوروہ دونوں ہاتھوں سے سینے کود بائے ہوئے دوہرا ہوا جارہا تھا۔

میں نے اُس کے قریب جھک کر چند سوال کئے جن کا جواب اُس نے بڑی مشکل ہےا

کرا ہے ہوئے دیا تھا۔ اُس کی باتوں سے مجھے اندازہ لگانے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہوا

لئے نو جی ٹرک اُس رائے کی نا کہ بندی گئے ہوئے تھے۔ ہماری جیپ ایک منٹ کو اُن ٹرکول کے پاس ز کی اور پھر آگے روانہ ہوگئی۔اور تقریباً ایک گھنٹے میں دس میل کا فاصلہ طے کر کے ہم انٹ ناگ کے چھوٹے ہے ہیتال میں پہنچ گئے۔

کیفٹینٹ کوفورا ہی ایمرجنسی میں پہنچا دیا گیا۔ دو ہندو ڈاکٹر فورا ہی اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں اُنہیں بتاری تھی کہ میں نے لیفٹینٹ کوٹر یٹنٹ دیا تھا۔ ایک ڈاکٹر نے چونک کر میری طرف دیکھا۔'' یہ انجکشن تو کوئی ڈاکٹر ہی دے سکتا ہے۔ اور پھرتمہارے پاس وہ انجکشن

کہاں ہے آیا؟'' اُس ڈاکٹر کی آنکھوں میں شبے کی جھلک تھی۔ ''میں بھی ڈاکٹر ہوں'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''بعض ادویات اپنے '' میں بھی ڈاکٹر ہوں''

پاس رکھتی ہوں۔ کسی ایسے ہی موقع پر کسی کی زندگی بچانے کے کام آجاتی ہیں۔' ڈاکٹر کو جھے پر شبہ ہو چکا تھا۔ وہ جھ سے پچھ سوالات کرتا رہا۔ جھے پر پچھ گھبراہٹ می طاری ہو رہی تھی۔ گر میں نے اپنے آپ کوسنجالے رکھا۔ اور پھر موقع پاتے ہی میں ہپتال سے نکل گئی۔ میں خیریت سے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئی۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ پورے شہر میں میری تلاش ہورہی تھی۔ فوجی پارٹیوں نے محض شبہ کی بناء پر کئی گھروں پر چھاپے مارے تھے اور میرے ہارے میں پوچھ کچھ کے لئے عور توں اور بچوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ اُنہیں ڈاکٹر مریم کی

تلاش تھی جو تشمیر کی آزادی کے لئے لڑنے والے مجاہدین کی مدد گارتھی اور جس کے سرکی قیمت مقرر کی جانچی تھی۔''

مریم خاموش ہوگئی۔اُس کے ہونؤں پر خفیف می مسکرا ہٹ تھی۔ چندلمحوں کی خاموثی کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔'' دیکھاتم نے یہ ہندو کس گندی فطرت اور گندی ذہنیت کے مالک ہیں۔ میں نے اُن کے ایک آفیسر کوموت کے منہ سے بچایا تھا اور وہ مجھے تلاش کر رہے تھے میرا

'' میں اور اور کا میں ہوئے کے لئے۔'' ''م گولیوں سے چھلنی کرنے کے لئے۔''

ریرں ہے ہیں رہے ہے ہے۔ میں گہرے گہرے سانس لے رہا تھا یہ بنیا قوم واقعی بڑی گندی فطرت کی ما لک تھی۔ احمان فراموش اور محن کش ۔

میں کچھ کہنا ہی جا ہتا تھا کہ غار کے دوسرے جھے سے بھاری قدموں کی آواز س کر اُس طرف دیکھنے لگامریم بھی اُس طرف دیکھ رہی تھی۔قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔اور پھر دو آ دی سامنے آگئے ۔ایک کمانڈ رمحتِ اللہ تھا اور دوسرا کمانڈ ررشید۔

کمانڈر رشید کو دکیو کر میر ہے ہونؤں پر منگراہٹ آگئی۔ کمانڈر رشید نے جھک کر بڑی گرنجوش سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور میر ہے قریب ہی زمین پرآلتی پالتی مارکر میٹھ گیا۔ میری خیر فیریت دریافت کی اور میر ہے اُو پر سے کمبل ہٹا کر میر ہے زخم دیکھنے لگا۔ میری حالت دیکھ کر اُس کے جڑے جھنچ گئے تھے۔قریب بیٹھے ہوئے کمانڈر محبّ اللہ نے بھی اُس کی کیفیت کومحسوں انجا 'اکا مریض تھالیکن اُس نے کسی کو بھی اس کے بارے میں پھی ہیں بتایا تھا۔ تاہم اس مم کا ہنگا کی صورتحال سے منطنے کے لئے اُس کی جیب میں اپنجی سڈکی گولیاں موجود رہتی تھیں۔ میں نے اُس کی جیب سے ایک گولی نکال کر اُس کی زبان کے نیچے رکھ دی اور اپنا تھیلا کند ھے سے اُتار کر مُوْلئے گئی۔ اتفاق سے تھیلے میں والٹران کے دو انجلشن موجود تھے۔ ٹیں نے ایک انجلشن اُس کی وین (نس) میں لگا دیا۔ ایک فوجی میری مدد کر رہا تھا۔

میں ایھی طرح جانی تھی کہ وہ بھارتی فوج کا لیفٹینٹ ہے۔ یہی بھیٹر نیخے ہمارے مجاہدین پر گولیاں برساتے ہیں اوران کے جسموں میں انگارے بھر دیتے ہیں۔ بس کی تلاقی کے دوران بھی یہ کسی بے گناہ نو جوان کوتشد د کا نشانہ بنا سکتے تھے۔ اُس کے سینے میں اُٹھنے والا در د جان لیوا ٹابت ہوسکتا تھا۔ میں اگر چاہتی تو اُسے تڑب تڑب کر مر جانے دیتی۔ مگر میں ڈاکٹر ہوں۔ مسیحائی میرا کام ہے۔ میں زندگی دیتی ہوں چھینتی نہیں۔ اور پھر طب کا پیشہ دین دھرم نہیں دیکھتا۔ میں اُس ہندولیفٹینٹ کی زندگی بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اسے ہیتال پہنجانا ضروری ہے۔' میں نے ایک فوجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' دل کا دورہ پڑا ہے۔ میں نے انجکشن دے دیا ہے مگر صرف میا نجکشن کانی نہیں ہے۔''

بات اُن فو جیوں کی سمجھ میں آگئ۔ اُنہوں نے اپنے آفیسر کو اُٹھا کر جیپ کی چپلی سیٹ پر ڈال دیا۔ لیفٹیننٹ اُس وقت اگر چہ کسی حد تک پڑسکون ہو چکا تھا مگر اُس کی حالت تشویش ناک تھی۔ تکلیف دویار ہ شدت اختیار کرسکتی تھی۔

ک سیف دوبارہ سمارے احمار اور میں اور است میں ہے۔

"دیوی جی!" وہی فوجی جس نے انجشن لگانے ہیں میری مدد کی تھی میری طرف دیکھنے
ہوئے بولا۔ "آپ کی ہڑی کر پا ہے۔ وقت پر کام آگئیں۔ لیکن اگر داستے ہیں ہمارے ساجہ
کو تکلیف ہو گئی تو ہم کیا کر ہیں گے؟ آپ کی مہر بانی ہو گی دیوی جی! آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"
میں نے بس کے دوسرے مسافروں کی طرف دیکھا۔ بعض کے چروں پر شدید یا گوار کا
کے تاثر است سے لیکن میں کسی کواس طرح بے بسی کی موت مرتے ہوئے نہیں دیکھ کھی ۔ اللا
لئے اپنا تھیلا سنجال کر خاموثی سے جیپ میں بیٹھ گئی۔ وہ ہڑی جیپ تھی۔ تمام فوجی اس میں للا
گئے اور جیپ حرکت میں آگئی۔ اس کارخ اخت ناگ کی طرف تھا جو وہاں سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا اور یہ دس میل ہڑے خطر ناک ثابت ہو سکتے تھے۔ کسی بھی موڑ پر کسی بھی وقت کے فاصلے پر تھا اور یہ دس میل ہڑے دس میل میں بل کھا تا ہوا داستہ بڑا خوفناک تھا اس لئے جیپ کل رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ راستے میں ہمیں دو اور فوجی ٹرک ملے۔ وہاں سے ایک داستہ رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ راستے میں ہمیں دو اور فوجی ٹرک ملے۔ وہاں سے ایک داستہ رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ راستے میں ہمیں دو اور فوجی ٹرک ملے۔ وہاں سے ایک داستہ رہاڑ یوں میں کسی دوسری طرف نکاتا تھا۔ اس طرف سے مجاہدین کے حملے کا زیادہ خطرہ تھا اس اس

اور پھراُن کی گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

' مجارتی در ندوں نے سو پور میں جو تا ہی پھیلائی ہے اُس کی جوالی کارروائی کے لئے تم نے

كياسوچا ہے محب الله؟ "كما تار راشيد نے أس كى طرف و يكھتے ہوئے كہا۔ ‹ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ مگر میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ' کما عذر محبّ الله

نے جواب دیا۔''تم جانتے ہویہ بھارتی فوجی اس قسم کی کوئی بڑی کارروائی کرنے کے بعد بہت عن المربوجاتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم ان کے فوجی کیمپول کونشانہ بناتے ہیں۔ یول تو نوجی کیمپوں کے ارد کر د اُن کا پہرہ بڑا تخت ہوتا ہے کیلن ایسے موقعوں پر وہ کچھزیادہ ہی محتاط ہو جاتے ہیں اور کسی اجبی کو کیمپ کے آس پاس ویکھتے ہی گولی سے اُڑا ویتے ہیں اس کئے ہمیں

> جلد بازی سے کام لینے کی بجائے چندروز انتظار کرنا پڑے گا۔'' ''ویے تمہارے ذہن میں کیامنصوبہ ہے؟'' کما تڈررشیدنے یو چھا۔

" گلم گ! " كما تدر محب الله في جواب ديا-" تم جانت موكلمرك ايك بهت برى چھاؤلی بن چکا ہے۔ یہ چھاؤلی شہر کے مشرق میں پہاڑ کے دامن تک چھیلتی جل گئی ہے۔ اور ثایدان طرف وہ مزید آ کے مہیں بر هنا جاہتے اس لئے وہ شہر کے جنوب کی پہاڑیوں میں بھی ایک بہت بڑا کیمپ بنار ہے ہیں۔ ایک مہینہ پہلے میں نے ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر بہت دُور تک أمبين خاردار تارين لگاتے ويکھا تھا۔ خاردار تارون کی اُس باز مين جگه جگه تران چوکیاں بھی بنارہے ہیں تا کہ کیمپ کے باہر دُور تک نگاہ رہی جاسکے۔اُس طرف کی پہاڑیاں زیادہ اُو پکی نہیں ہیں۔ کیمپ بنانے کے لئے وہ یقینا بہت انچھی جگہ ہے۔ 'وہ چند کھوں کو خاموش ا الجربات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میرے آدمی اُس علاقے برسلسل نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور مجھےان کی رپورٹس بھی ملتی رہتی ہیں۔ مجھے ملنے والی اطلاعات کے مطابق اُس کیمپ میں لو جی ٹرکوں کی آمد ورفت شروع ہو چکی ہے ^{لی}ین ہمیں چندروز اورا نظار کرنا ہےاور بیدد <u>ک</u>ھنا ہے كەومان أن كى سرگرميان كيا زُخ اختيار كرنى بين؟''

''اس طرف ہے میں بھی غاقل نہیں ہوں۔'' کما عُدر رشید نے اُس کے خاموش ہونے پر كبا-"ميرے آ دى بھى علاقے ير نگاہ ر كھے ہوئے ہيں اور مجھے ملنے والى اطلاعات كے مطابق

وہاںاسلمہ اور گولہ بارود کا ڈیو قائم کیا جارہا ہے۔'' '' یہ بری تشویشناک خبر ہے۔'' کما نڈرمختِ اللہ نے کہا۔''گلمرگ کی چھاؤٹی پہلے ہی ہارے لئے بہت بڑا خطرہ بنی ہوئی ہے۔اُس جھاؤٹی کی وجہ سےاس علاقے میں ہماری سرگرمیاں محدود ہولررہ ٹی ہیں۔اگر یہ ڈیوبن گیاتو ہمارے لئے مزید مشکلات پیدا ہوجائیں کی۔اس لئے ہمیں جلد سے جلد اس کاعل سوچنا ہو گا۔'' وہ خاموش ہو کر داڑھی کھجانے لگا۔ پھر بات جاری رکھتے بوے بولا۔''میرامنصوبہ یہی تھا۔میرا خیال تھا کہ دہاں کوئی کیمپ قائم کیا جارہا ہے۔اور میں اس

کے خلاف کارروائی کے لئے چندروز انظار کرنا چاہتا تھا۔ انظار تو اب بھی کرنا پڑے گا۔میرے

ہوئے کہا۔'' جب یہ ہمیں بے ہوتی کی حالت میں ملاتھا تو مجھےاُمید ہمیں تھی کہ بیرزندہ بیجے گا۔ کیکن اس کے حوصلے اور قوتِ ارادی کی داد دینی پڑتی ہے۔ میں یقین سے کہدسکتا ہوں کہ میہ نو جوان آ گے چل کربڑے بڑے کارنا مے سرانجام دےگا۔'' اس کا حوصلہ میں پہلے بھی د کیھے چکا ہوں۔'' کما نڈررشید نے اُس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''بڑا حوصلہ مند اور آہنی اعصاب کا ما لک ہے بینو جوان۔'' اُس نے میری طرف دیکھتے

''سرینگر کلمرگ شاہراہ پر فوجی کانوائے تباہ کرنے میں اس نے جس طرح ہمارا ساتھ دیا تھاوہ قابل تعریف ہے۔اس کے حوصلے کی داد دین جا ہے۔ا تنابر اصدمہ جس طرح جھیل گیا ہے وہ بڑے جگرے کی بات ہے۔'' وہ چند کمحوں کو خاموش ہوا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے قصبے میں جو کچھ بھی ہوا ہے اُسے یاد رکھنا اور اُن لوگوں کو بھی یاد رکھنا جو وادی میں

کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ پر غاصب بھارتیوں کے طلم وسٹم کا شکار ہور ہے ہیں۔اور م**ی**ر بات بھی ذہن میں رکھنا کہ آزادی قربانی کی بانہوں میں ملتی ہے۔اگرتم پیسب کچھ یادر کھو گے تو ہمارےان بہن بھائیوں، ہز رگوں اور بچوں کی قربانیاں رائیگاں ہیں جاتیں گی۔'

''میں یا در کھوں گا کما نٹر ر!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔'' میں نے جو تجھا بنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ کیسے بھلاسکتا ہوں؟''

''شاہاش.....!'' کمانڈر رشید نے میرا کندھا تھپتھیایا۔ اُس نے ہاتھ میرے مضروب کند ھے پر ماراتھا۔ میں بری مشکل سے اپنی تکلیف کوضبط کر سکاتھا۔ ڈاکٹر مریم مہمان نوازی کی رہم یوری کرتے ہوئے قہوہ بنالائی۔ کمانڈ رقبوے کی چسکیاں

لیتے ہوئے مریم سے میرے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ " کسی بھار کے صحت یاب ہونے میں اس کی اپنی قوت ارادی کا برا دخل ہوتا ہے۔ " مریم

نے جوا یب دیا۔''اورشمروز تو بہت ہی مضبوط قوتِ ارادی کا ما لک ہے۔اس کی حالت دیکی کرتو میں بھی تھی کہ ید کئی ہفتوں تک اینے جسم کے کسی جھے کو حرکت نہیں دے سکے گا۔ لیکن آج دوسرا ہی دن ہے اور پیرخود ہے اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔' وہ چند کمھے کو خاموش ہو کی پھر بولی۔''زخم

مندمل ہونے میں چندروز لکیں گے۔اس کے بعد بھی چندروز آرام کی ضرورت محسوس ہوگی۔ کین مجھے یقین ہے یہ آرام نہیں کرے گا۔''بات ختم کرتے ہوئے اُس کے ہونوں پر خفیف کا مسكرا ہث آئی تھی۔

'' ہاں.....!'' کما نڈرمحتِ اللہ بھی مسکرا دیا۔'' میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کربتا سکتا ہوں کہاس کے ہاتھ رائفل اُٹھانے کے لئے بے چین ہور ہے ہیں۔''

میں خاموش بیٹھا دل ہی دل میں مسکرا تا رہا۔اینے بارے میں ان تجربہ کار اور کہنہ مشق مجامدین کی آ راءین کر مجھے بہت خوشی ہور ہی تھی۔ میں واقعی ایک بار پھر رائفل اُٹھانے کے لئے

بے تاب ہور ہاتھا۔

70

خیال میں ابھی وہاں اسلحہ جمع ہونا شروع نہیں ہوا۔ ہمیں اس علاقے کی نگرانی سخت کر دینی چاہئے۔اور جیسے ہی وہاں گولہ بارود جمع ہونا شروع ہو، ہلہ بول دینا جاہئے۔''

پ ہوں ہے۔ ''میں نے بھی بہی سوچ رکھا ہے اور اس کے لئے اپنے طور پر نیاری بھی شروع کر دی ہے۔'' کماعڈ ررشیدنے کہا۔

' ' ' کیسی تیاری؟' محتِ الله نے سوالیہ نگاموں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''اُس علاقے کے آس پاس اسلحہ جمع کرنے گی۔'' کما نڈر رشید نے کہا۔''ہم رائفلوں یا سب مشین گنوں سے اُس کیمپ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اس کے لئے ہمیں الی چیزوں کی ضرورت پڑے گی جس سے گولہ بارود کے اُس ڈیوکو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکے۔'' ''مثلاً ……'''کما نڈرمحب اللہ نے بوچھا۔

''راکٹ.....'' کما مڈررشید نے جواب دیا۔''میرے پاس بھارتی فوجیوں ہی سے جھینے گئے تین بزوکا (کندھے بررکھ کرراکٹ فائر کرنے والالانچر)اور پانچ راکٹ موجود ہیں۔لیکن ان سے کام نہیں جلے گا۔ نہمیں زیادہ راکٹوں کی ضرورت ہوگی۔اس کے علاوہ اگر دو تین ایل ایم جی (لائٹ مشین گنیں) بھی مل جائیں تو ہمارے لئے آسانی ہوجائے گی۔'

ق و کا ایل ایم جی میرے پاس ہے۔ لانچر اور را کٹ کون سے ہیں؟'' محبّ اللہ نے پوچھا۔ '' روی ساخت کے ہیں۔'' کما نڈررشید نے کہا اور را کٹوں کے بارے میں بتانے لگا۔

'' مُحیک ہے ۔۔۔۔۔'' کما نڈر محتِ اللہ نے گہرا سائس لیتے ہوئے جواب دیا۔'' میں بھی ان چیزوں کا بندو بست کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ کارروائی اس طرح بھر پور انداز میں ہونی چاہئے کہ وہ اوگ گلمرگ سے اپنی چھاونی اُٹھانے پر بھی مجور ہو جائیں۔''

پ استان الله ایسا ہی ہوگا۔'' کما نڈر رشید بولا۔''ایک نہ ایک روزگلمرگ تو کیا انہیں وادی میں ہر جگہ سے اینا بوریا بستر سمیٹنا پڑے گا۔''

چند کیجے خاموثی رہی اور پھر وہ لوگ وادی کی مجموعی صورتحال کے بارے میں با تیں کرنے گئے۔
گئے۔ میں بڑی توجہ ہے اُن کی با تیں من رہا تھا۔ دو پہر کے وقت وہ دونوں واپس چلے گئے۔
اُن کے جانے کے تقریباً ایک گھٹے بعدای غار میں ایک طرف ننگے فرش پرسوئے ہوئے شینم اور چن پیر بھی جاگ گئے۔ اُنہوں نے رات بھر غار کے باہر پہرے کی ڈیوٹی دی تھی اور اس قدر گہری نیندسوئے تھے کہ اُنہیں محب اللہ اور کما نڈر ررشید کے آنے اور جانے کا بھی پیٹے نہیں چلا تھا۔
گہری نیندسوئے تھے کہ اُنہیں محب اللہ اور کما نڈر ررشید کے آنے اور جانے کا بھی پیٹے نہیں چلا تھا۔
ڈاکٹر مریم نے اُن کے لئے روٹیاں دستر خوان میں لیپٹ کر رکھی تھیں۔ البتہ قہوہ تازہ بنا کیا۔ وہ لوگ روٹی کھا کر جا ہر چلے گئے۔ کیونکہ اُن کی جگہ جو مجاہد ڈیوٹی دے رہے اُن کے گئی تھی بلکہ اُن کے جگہ جو مجاہد ڈیوٹی کر میم بیٹے بارہ مولا واپس پہنچنا تھا۔
ڈاکٹر مریم بچھے بہتے اچھی گئی تھی۔ وہ نہ صرف زخی مجاہد بن کی مسیجائی کرتی تھی بلکہ اُن کے ڈاکٹر مریم مجھے بہتے اچھی گئی تھی۔ وہ نہ صرف زخی مجاہد بن کی مسیجائی کرتی تھی بلکہ اُن کے

کئے کھانا بھی وہی ریکانی تھی۔کھانے میں وہی نمک والی روٹیاں ہوئی تھیں۔ بھی کبھار کوئی مجاہد

ہارہ مولا سے گوشت وغیرہ بھی لے آتا تھا یا کہیں ذور جا کر کوئی جانور شکار کرلیا جاتا تھا۔اسطرح تمہمی بھارگوشت بھی کھانے کو**ل جاتا**۔

رن گزرتے رہے۔ میں ڈاکٹر مریم کی مسیحائی اور پچھا بنی ول پاور کی بدولت بڑی تیزی در بھر ہے۔ میں ڈاکٹر مریم کی مسیحائی اور پچھا بنی ول پاور کی بدولت بڑی تیزی ہے۔ روبصحت ہور ہا تھا۔ جسم مے مختلف حصوں پر بعض چھوٹے زخم تو بالکل ٹھیک ہو چکے تھے۔ ہائی کے دونوں زخم بھی مندمل ہور ہے تھے۔ البتہ کندھے کی تکایف میں پچھزا دہ کی نہیں آئی بھی۔ بھی ہو گئی ہو۔ اُس غار میں ایکسرے کا تو ظاہر ہے کوئی بندوبست نہیں تھا مگر ڈاکٹر مریم ایک ماہر اور تجربہ کارسر جن تھی۔ وہ کئی برسوں تک آزاد شمیراور بندوبست نہیں تھا مگر ڈاکٹر مریم ایک ماہر اور تجربہ کارسر جن تھی۔ وہ کئی برسوں تک آزاد شمیراور باکتان کے مختلف ہپتالوں میں خد مات انجام دے چکی تھی اور دوسال سے مجاہدین کی مسیحائی کر رہی تھی۔ اُسے بھین تھا کہ ہڈی میں فریچر نہیں تھا کیونکہ اُس کے خیال میں فریچر ہوتا تو میں ایپ کندھے یا اُس باز و کو بھی حرکت نہیں دے سکتا تھا۔

پ عدت یا بعد میں اُٹھ کرآ ہتہ آ ہتہ غار ہی میں تھوڑا بہت چلنے پھرنے لگا تھا۔اور پھر ایک روز ڈاکٹر مریم کو بڈگام جانا پڑگیا۔ یہ قصبہ بارہ مولا سے تقریباً چالیس میل اور سرینگر سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ بڈگام کی نواحی پہاڑیوں میں بھی ایک ایسا ہی خفیہ غارتھا جہاں زخمی مجاہدین کا علاج اور دیکھ بھال کی جاتی تھی۔

بارہ مولا سے بڑگام تک جانے کے لئے دوراتے تھے۔ایک تو یہ کہ پہلے سرینگر جایا جائے اور دوہاں سے بڑگام کا رُخ کیا جائے۔ اور دوہرا راستہ کروڑ اور ماگام نا می تصبوں سے ہو کر جاتا تھا۔ اس رائے سے فاصلہ نبینا کم تھا۔ اس طرف کوئی با قاعدہ اور پختہ سڑک بھی نہیں تھی۔ پھر یلے راشتے تھے جن پر کھٹارہ ہی بہیں یا جیبیں چاتی تھیں ۔لیکن اس طرف بھی بھارتی فوجیوں کے دستے پیٹرولنگ کرتے رہے تھے۔تھیت تو یہ تھی کہ وادی تشمیر کا کوئی بھی علاقہ اُن کے دستے پیٹرولنگ کرتے رہے تھے۔تھیت تو یہ تھی کہ وادی تشمیر کا کوئی بھی علاقہ اُن کے باوجود مجاہدین اپنی سرگرمیاں عاری رہے ہوئے تھے۔

بارہ مولا سے بڑگام پہنچنے کا ایک تیسرا راستہ بھی تھا جے با قاعدہ راستہ ہیں کہا جا سکتا تھا۔
پہاڑوں میں بل کھاتی ہوئی تگ می پگذیڑیاں تھیں جن پر پیدل یا صرف فچروں پرسنر کیا جا سکتا
تھا۔ اور کوئی سواری ان راستوں پر سنر نہیں کر سمتی تھی۔ مجاہدین عام طور پر ایسے ہی راستوں پر
پیدل، فچروں پر یا پھر بھی بھارموٹر سائیکل پرسنر کیا کرتے تھے۔ ایسے راستے مجاہدین کے لئے
سب سے زیادہ محفوظ تھے کیونکہ بھارتی سور ما ان تنگ راستوں کی طرف آنے کی ہمت نہیں کر
سکتے تھے۔ ڈاکٹر مریم نے بہی تیسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ اُسے لینے کے لئے
ایک موٹر سائیکل سوار مجاہد غاربیں پہنچ گیا تھا۔
ایک موٹر سائیکل سوار مجاہد غاربیں پہنچ گیا تھا۔

ڈاکٹر مریم نے اپنا کیڑے کا میلا ساتھیلا کندھے پر لٹکالیا۔ میرے قریب بیٹھ کر کئی منٹ تک ہدایات دیتی رہی میں زیادہ نہ دُوں وغیرہ تک ہدایات دیتی رہی میں زیادہ نہ دُوں وغیرہ

وغیرہ.....اُس نے چن پیراور شیغم کوبھی ہدایت کر دی تھی کہ میرا ہر طرح سے خیال رکھیں۔ ڈاکٹر مریم کے جانے کے بعد اُن دونوں نے واقعی میرا بہت خیال رکھا۔ مجھے وقت پر روثی ا اور چائے مکتی رہی ۔ شیغم با قاعد گی ہے شبح شام میرے کندھے کی مالش بھی کرتا رہا۔ تیسرے روز چن پیر بہت دُور جا کرا کیہ پہاڑی بحراشکار کر لایا تھا۔

اُس نے بڑی مہارت ہے بکرے کی کھال اُ تاری اور گوشت کے بڑے بڑے پارچ بٹا ڈالے۔ بیکام وہ اس غار کے دوسرے جصے میں کر رہا تھا اور میں بھی اپنی جگہ ہے اُٹھ کر اُس کے قریب آگیا تھا۔

چن پیرنے بکرے کی دونوں رانیں الگ کرلیں اور ناتی گوشت نمک لگا کر اس طرح سنجال کررکھ دیا کہ کم از کم ایک ہفتے تک خراب نہ ہو سکے۔اُس نے غار کے ایک کونے میں آگ جلالی اور رانیں بھونے لگا۔کٹڑیوں کا دُھواں اُوپر جا کر غار کی حجیت میں کہیں غائب ہو رہا تھا۔

میں الا وُ کے قریب ایک پھر پر ہیٹھا بڑی دلچیپ نظروں سے روسٹ ہوتی ہوئی بکرے گی رانوں اور بھی شیغم کی طرف دیکھار ہا۔

ر موں اور میں اس کے دیسا رہا۔ مریم چار دن بعدلوٹی تھی۔ وہ بڈگام سے والبی پرسرینگر بھی ہوکر آئی تھی جہاں سے پچھ دوائیں وغیرہ خریدی تھیں۔

ایک مہینہ کزر گیا۔اس دوران کمانڈ رمحتِ اللہ بھی دو تین چکر لگا چکا تھا۔ اُس سے مجھے واد کا کے مختلف اُن کی کے مختلف مقامات پر مجاہدین کی سر گرمیوں کا پیۃ چلتا رہتا تھا۔ بھارتی وحشیوں کے خلاف اُن کی سر گرمیاں جاری تھیں۔ بھارتی فوجیوں سے چھوٹی چھوٹی جھوٹی جھوٹی بھڑ پیں ہوتی رہتی تھیں جن میں بھارتیوں کو قابل قدر جانی و مالی نقصان پہنچایا جا رہا تھا۔ مجاہدین چھاپہ مار کارروائی مکمل کر کے بھارتوں میں روپوش ہو جاتے اور بھارتی فوجی اُن کی تلاشی کے بہانے قرب و جوارکی بستیوں بہاڑوں میں روپوش ہو جاتے اور بھارتی فوجی اُن کی تلاثی کے بہانے قرب و جوارکی بستیوں پر ہلہ بول دیتے اور بے گناہ بوڑھوں، معصوم بچوں اور عورتوں کو تشدد کا نشانہ بناتے۔عورتوں

کے ساتھ زیادتی اُن کامعمول بن چکا تھا۔اس شم کی خبریں بھی ملتی رہتی تھیں کہ فلاں بستی سے بھارتی فو بی کسی عورت کو اُٹھا کر لے گئے اور اجتاعی آبروریز ی ہے، بعد اُسے ج^{بی}ں میں پھینک کر چلے گئے ۔اس شم کی خبریں سن کرمیرا خون کھول اُٹھتا۔ میں نیلم اور میدہ کی فجی ہوئی لاشیں دکھ چکا تھا جنہیں اجتاعی زیادتی کا نشانہ بنا کرموت کے گھاٹ اُتار دیا گیا تھا۔میری بہن زینب لا چیے تھی۔اُس کے ہارے میں بھی میں کسی خوش فہی میں مبتلائمیں تھا۔اُسے بھی ہوں کا نشانہ بنا کر

یا تو حتم کر دیا گیا ہوگا اور یا اُن کی قید میں پڑی سکیاں بھررہی ہوگی۔ میں اب غارمیں پڑے پڑے اُن کتا چکا تھا۔میری ٹانگ اور دوسرے زخم بالکل ٹھیک ہو بچلے تھے۔ مجھے اب چلنے پھرنے یا حرکت کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ تا ہم کندھے میں کچھ تکلیف ابھی باقی تھی۔لیکن میرا خیال تھا کہ اپنی معمول کی سرگرمیاں شروع کر دُوں گا تو پہ

تکلیف بھی ختم ہو جائے گی۔ اُس روز ایک اور خبر نے جھے جنھوڑ کر رکھ دیا۔ گزشتہ رات ایک جھڑپ میں بھارتی فوج کا

ا کے میجراور سات فوجی مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔اس جھڑپ میں دو مجاہد بھی شہید ہوئے تھے۔جبکہ دوسرے مجاہدین پہاڑیوں میں رویوش ہوگئے تھے۔

بھارتی فوجیوں کا ایک دستہ شہید ہونے والے تجاہدین کی لاشیں لے کریٹن پہنچ گیا۔ پتن زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ بھارتیوں نے مجاہدین کی لاشیں قصبہ کے مرکزی چوک پر ڈال دیں اور اعلان کر دیا کہ یہاں پناہ لینے والے مجاہدین کو اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ گرکسی مجاہدنے پتن کا رُخ نہیں کیا تھا۔

بھارتی فوجیوں نے سنگد لی اور ہر بریت کا ایک اور مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں شہید مجاہدین کی آنکھیں نکال دیں اور سنگینوں سے اُن کے پیٹ جاِ ک کر دیئے اور لاشوں کوٹانگوں سے پکڑ کر چوک میں تھٹنے لگے۔

بگناہوں کو بھی چاٹ لیا۔ بھارتی درندے کی بے گناہوں کی اشیں گرا کر بھاگ گئے۔
اس قتم کے واقعات روز کامعمول بن چکے تھے۔ میری قوت برداشت بھی اب جواب دیق جارہی گئی۔
جارہی گئی۔ اور اُس روز جب کما عثر رمحب اللہ بچھ دیر کے لئے آیا تو میں نے اُس پراپی اُ کتاب اور بیزاری کا اظہار کر ہی دیا۔ کما عثر نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر مریم کی طرف دیکھا۔
''اب یہ بالکل ٹھیک ہے ۔۔۔۔۔۔اور میرا خیال ہے کہ آپ کا ساتھ دے سکتا ہے۔' ڈاکٹر مریم نے مکراتے ہوئے کہا۔

میرے ہونٹوں پر بھی مسکرا ہے آگی اور میں اُٹھیل کراپی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ ''میرے خیال میں تہہیں کچھ اور آ رام کی ضرورت تھی۔لیکن ایک اہم مثن میں جھے تہباری ضرورت ہے۔ اس لئے مریم کی بات بھی مان لیتا ہوں۔تم تیار ہو جاؤ! ہم آ دیے گینے !عد یہال سے روانہ ہو جائیں گے۔'' کما نڈر محب اللہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے جہم پر اُس وقت ایک لمباسا کرتہ اور گھٹنوں تک نیکر تھی۔ جھے یاد تھا کہ ایک مہینے کیلے جب بھارتی فوجیوں نے ہمارے قصبے پر حملہ کیا تھا تو میں نے پینٹ اور شرٹ پہن رکھی کی جبد میری پتلون کو کاٹ کر نیکر بنادیا گیا تھا۔ بعد میں، میں نے ایک ساتھی مجاہد کا کرتہ بہن لیا تھا جبکہ جسم کے نچلے جسے پروہی نیکرتھی۔ تھا۔ بعد میں، میں نے ایک ساتھی مجاہد کا کرتہ بہن لیا تھا جبکہ جسم کے نچلے جسے پروہی نیکرتھی۔

غار کے باہر ڈیوٹی دینے والے مجاہدین بھی اس طرح اپنی کمین گاہوں میں کھڑے تھے کہوہ ز ئسي كي نظرون مين نهين آسكتے تھےالبتہ وہ خودنشیب میں دُور دُور تک دیکھ سکتے تھے۔ کما نڈر محتِ اللّٰد آ گے تھا اور میں اُس کے پیچھے بیچھے چل رہا تھا۔ راستہ خاصا وُشوار کز ارتھا۔

تبھی کسی چٹان پر چڑھنا پڑتا اور بھی نہایت خطرنا ک تنگ راستوں پرنشیب میں اُتر نا پڑتا۔ مجھے حرت تھی کہ وہ زخمی مجاہدین کو غار تک کس طرح لے جاتے ہوں گے؟

ے اس طرف آنے کا امکان نہیں تھا۔اگر کوئی آبھی جاتا تو غارتک پہنچ جاناممکن نہ ہوتا۔لیکن

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک اُن پہاڑیوں میں چلتے رہے اور پھر ایک جگہ رُک گئے ۔ تقریباً دوسو گزنشیب میں دریا بہدر ہاتھا۔ ہم ایک بلند چٹان پر کھڑے تھے جس سے آ گے عمودی ڈ ھلان تھی۔ تیز ہوا مجھے دھلیل رہی تھی اور میں بڑی مشکل سے چٹان پر قدم جمائے کھڑا تھا۔ کمانڈر مجة الله مير ب قريب كفر المجسس نكامول سے نشيب كى طرف د كيھ رہا تھا۔ ہمارے جاروں طرف چناراور یوهیش کے فلک بوس درخت تھے جو تیز ہوا میں جھوم رہے تھے۔نشیب میں بہتا ہوا دریا، جھومتے ہوئے درخت اور سبزے کے فرش پر مسکراتے ہوئے رنگ برنگے خود رو پھول.....خدا نے اس وادی کو جی بھر کرحسن دیا تھا۔اس کا اعتراف تو غیر ملکی سیاحوں نے بھی کیا تھا کہ بید دنیا کی حسین ترین وادی تھی۔ لیکن متعصب اور غاصب ہندوؤں کے گندے وجود نے اں دادی کے حسن کو گہنا دیا تھا۔ اُن کا وجود اس وادی کے حسن پر ایک بدنما دھبہ تھا اور تشمیر کے غیرعوام دادی کوان کے گندے وجود سے پاک کرنے کی جدوجہد میںمصروف تھے۔اور مجھے

نوڭ گى كەاب مىں بھى آ زادى كى اس جدو جهد م**ي**ں شريك ہو گيا تھا۔ كما نذر محب الله اب بھي چڻان پر كھڑا إدهر أدهر د كيور ہا تھا۔ مجھے لگا جيسے وہ راستہ بھول كيا ہو۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا تو جیسے اُس نے میرا ذہن پڑھ لیا ہو۔

منکراتے ہوئے بولا۔

"میں راستہمیں بھولا ہوں۔ان پہاڑی راستوں سے تو میں اپنے ہاتھ کی کیبروں کی طرح والقف ہول۔'' اُس نے ایک بار پھر إدهر اُدهر دیکھا اور بات جاري رکھتے ہوئے گویا ہوا۔' عام طور پرہم دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں جوقدر بطویل ہے۔ تمہاری وجہ سے آج میں اس طرف

سئة آيا ہوں۔ بيراستە تنھن ضرور ہے مگر آ دھے کا فرق پڑ جا تا ہے۔ آ ؤ ميرے ساتھ۔'' وہ چنان کی عمودی ڈھلان سے نیچے اُڑنے لگا۔ میں بھی سبجل کر اُس کے پیھیے پیھیے چاتا رہا۔ وطان فتم ہوگئ مگر ہم سبزے سے وصی ہوئی بہاڑیوں میں مسلسل نشیب کی طرف جارہے تصاور بالآخرتقريبا آوھے گھنے بعد چنانوں ہے نکل کر ہم دریا کے سامنے پہنچ گئے۔

وریا کا مندرور پائی بڑے بڑے پھرول سے عمرا تا، اُجھلتا ہوا بہدر ہاتھا۔ ہم دریا کے ساتھ ^{کا کھ} پھرول کی آڑنیں چلتے رہے۔اور پھر بندر ت^بج کنارے سے دُور بنتے ہوئے ایک بار پھر

غار کے دوسرے ھے میں چلی گئی۔ میں بھی اُس کے بیچھے ہی چل پڑا۔ یہ غار بہت بڑا اور کی مجھے چیرتے تھی کیمجاہدین نے بیےغار کس طرح تلاش کیا تھا؟ بیاُن کے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ حصوں برمشتمل تھا۔ایک حصے میں راشن اورضروریات کا دیگر سامان رکھا ہوا تھا۔ایک حصہ کچن بنا ہوا تھا۔ اُس طرف کی حیجت اور دیواریں دُھویں سے کالی ہور ہی تھیں۔ باقی دو جھے ِر ہائش کے لئے استعال ہوتے تھے۔ بیا فارا کرچہ پہاڑ کے اندر خاصی گہرائی میں تھالیکن یہال ملن کا احساس بالکل نہیں تھا۔ تازہ ہوائسی نہ تسی طرف سے آئی رہتی تھی۔ میں ڈاکٹر مریم کے ساتھ غار کے جس حصے میں آیا تھا وہ مجاہدین کی رہائش کے لئے استعمال ہوتا تھا اور بیرحصہ زیادہ کشادہ

''ایک منٹ میں تمہیں صیغم کے کیڑے دیتی ہول وہ پہن لو!''مریم کہتے ہوئے

نہیں تھا۔ یہاں فرش پر ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ایک دیوار کے ساتھ چند رانفلیں رکھی ہوئی تھیں ۔ اُن میں دوالیں ایم جی بھی تھیں ۔ اُن کے قریب ہی فاضل میگزینز کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ أس ديوار پڑھي ہوئي کيلوں پر کپڑوں کے تين عار جوڑے شطے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر مريم نے ایک جوڑا اُ تارکرمیری طرف بڑھا دیا۔ کپڑا کھدر کی طرح موٹااور کھر درا تھا۔ '' یہ کیڑے میں نے کل ہی دھو کر یہاں ٹائے تھے۔ یہ پہن لو! اور مہیں راکفل کی بھی

خیرورت ہوگی۔'' اُس نے بیہ کہتے ہوئے رائفلوں کی طرف اشارہ کیا۔''ان میں سے جورائفل تمہیں پیند ہو لے لینا اورمیگزین بھی۔تم تیار ہو جاؤ! میں جائے بناتی ہوں۔'' ڈاکٹر مریم باہر چلی گئی۔ میں نے کپڑے بدلے اور رانفلیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ مجھے ایک ایس ایم جی پہندا آ تئی _گلمرگ شاہراہ پر جب ہم نے فوجی قافلے پرحملہ کیا تھا تو اُس وفت بھی میرے پاس سب الیں ایم جی چیک کرنے کے بعد میں نے دومیگزین بھی اُٹھا لئے اور غار کے اُس جھے میں آ

گیا جہاں کمانڈ رمحتِ اللہ بیٹھا ہوا تھا۔میرے ہاتھ میں ایس ایم جی دیکھے کر اُس کے ہونٹوں پر مسكراہث آگئی۔ تھوڑی ہی در بعد ڈاکٹر مریم قہوہ لے کرآ گئی۔قہوہ پینے کے دوران زیادہ تر خاموشی ہی رہی۔ کما نڈرمحتِ اللہ نے قبوہ کا آخری گھونٹ بھرا اور خالی مگا فرش پررکھتے ہوئے اُٹھ کر کھڑا ہو

گیا۔ میں بھی اُٹھ گیا اور قریب پڑی ہوئی ایس جی ایم اُٹھا کر کندھے پر انکالی۔ و اکٹر مریم غار کے دہانے تک ہمارے ساتھ آئی تھی۔اُس نے میری بیشانی پر بوسہ دے کر اس طرح رخصت کیا جیسے ماں اپنے بیٹے کواپی وُ عاوُل کے سائے میں محاذِ جنگ پر جانے کے لئے رخصت کر بی ہے۔

میں دو تین مرتبہ پہلے بھی غار کے دہانے تک آ چکا تھالیکن اس ہے آ گے بھی نہیں گیا تھا۔ غار کا دہانہ بہت تنگ اور خاصی بلندی پر تھا۔ اُس کے سامنے چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں جن کے ورمیان مہت تنگ ساراستہ تھا جس میں سے ایک آ دمی بمشکل گزرسکتا تھا۔

اُن چنانوں اور تنگ سے راستے کی وجہ سے بیغار خاصا پوشیدہ ہو گیا تھا۔ ایک تو نسی اجبکی

اور اعت سے مکرانے والی اُس آواز کے بارے میں شبد درست نکاا۔ میں بہر بگ تقریباً ڈیڑھ سوفٹ کشادہ تھی۔ اور اُس کے آ دھے سے زیادہ جھے میں جونسبتا ما نشیب کی طرف تھا، پانی بہدرہا تھا اور اُس کی گنگا نہٹ کی آواز میری ساعت سے مکرارہی تھی۔ کما غرم حبّ اللہ نے اشارہ کیا اور ہم ایک بارپخر سرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے چلئے اُس لگے۔ اُس رائے میں جگہ چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ اور اِندھیرے میں یہ گڑھے

خطرناک نابت ہو سکتے تھے اور اس کئے کما غر رمحت اللہ نے نارچ روشن کر کی تھی۔

راستہ مسلسل نشیب کی طرف جارہا تھا اور جھے لگنا تھا جیسے ہم تحت الله کا میں اُر رہے ہوں۔
''یہ اس دریا کا حصہ ہے جس کے قریب سے ہم گزر کرآئے ہیں۔'' کما غر رمحت الله بتارہا تھا۔''یہ دریا صدیوں سے یہاں موجود ہیں۔
تسی جلہ پانی نے چٹانوں کو کاٹ کر راستہ بنالیا ہے۔ چٹانوں کو کاشنے کا بیٹل بھی سال دو سال میں نہیں صدیوں میں پایہ تھیل کو پہنچا ہوگا۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے میں نہیں صدیوں میں یا سر تکس بھی صدیوں سے یہاں موجود ہیں۔ ان کے اندر اب بھی ہوئے کہنے لگا۔'' یہ غاریا سر تکس بھی صدیوں سے یہاں موجود ہیں۔ ان کے اندر اب بھی خکست وریخت ہوئی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے بھی یہ جھت بیٹھ جائے اور یہ پر اسرار غاربھی عام لوگوں کی نظروں میں آ جا تیں۔لیکن فی الحال تو یہ صرف مجاہدین کے استعال میں ہیں۔شاید لوگوں کی نظروں میں آ جا تیں۔لیکن فی الحال تو یہ صرف مجاہدین کے استعال میں ہیں۔شاید

قدرت نے صدیوں پہلے بیغار ہمارے لئے ہی بنائے تھے۔'' میں کما نڈر کی باتیں سنتا ہوا خاموثی سے اُس کے ساتھ ساتھ چلتار ہا۔ چٹانوں کے پنچے پھلے ہوئے بیغارا لیے تھے کہ اُن میں نوج کی پوری بٹالین چھپائی جا سی تھی یا مجاہدین اپنااؤہ بنا کئے تھے۔لیکن شاید بیسرنگیں ان دونوں مقاصد کے لئے مناسب نہیں تھیں اسی لئے یہاں کوئی خفیہ پاہ گاہ قائم کرنے کی بجائے ان سرنگوں کو تحض گزرگاہ کے طور پر استعال کیا جاتا تھا۔ ''۔ سرنگس صرف جارے این سرخالی میں نہیں بیں ۔۔۔۔۔۔ معارفی فوجی بھی ان سرواقف میں ''

ہم ان پراسرارسرنگوں میں تقریباً دومیل کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور مجھے حیرت ہورہی تھی

چٹانوں میں داخل ہو گئے۔اس مرتبہ ہمیں چٹانوں میں زیادہ اندر تک نہیں جانا پڑا۔ محتب اللہ چٹانوں میں زیادہ اندر تک نہیں جانا پڑا۔ محتب اللہ چٹانوں میں ایک تنگ می دراڑ کے قریب رُک گیا۔ اُس نے مُرْ کر میری طرف دیکھا اور اُس دراڑ میں داخل ہو گیا۔ میں نے بھی اُس کی تقلید گی۔
دراڑ میں داخل ہو گیا۔ میں نے بھی اُس کی تقلید گی۔

ار یں وہ میں ہوئیات ہوں ہے گائی گیائی۔ دراڑ اتن ننگ تھی کہ ایک آ دمی بمشکل اس میں سے گز رسکتا تھا۔ میری کمر دیوار کے ساتھ راڑ اسے تھی

تقاربی گا۔ تقریباً دِس گزآگے جاکر دراڑ ہائیں طرف مُڑگی۔اس جگہ دونوں طرف کی دیواری ایک دوسرے ہے دُور ہٹ گئی تھیں اور راستہ کافی کشادہ ہو گیا تھا۔ چلتے چلتے میں نے سراُ ٹھا کر اُور دیکھا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔۔۔۔۔ اُور پر سے دونون چٹانیں ایک دوسرے سے ال قدر قریب تھیں کہ اُن کے چھمیں ایک فٹ چوڑی روشن لکیری نظر آرہی تھی۔لیکن روشن زمین تک نہیں نینچ رہی تھی۔

''یہاں اندھیرا ہے.....گر راستہ بالکل صاف ہے۔میرے بیچھے بیچھے چلتے آؤ!'' کمانڈر محتِ اللّٰہ کی آواز میری ساعت سے نکرائی اور میں اُس کے چیچھے چیچے چلتا رہا۔

راستہ مسلسل ڈھلوان تھااور پھر میں نے محسوس کیا کہ اندھیرا کچھ بڑھ گیا تھا۔ میں نے سراُ اُو اُو کر دیکھا، اُو پر بلندی پر روشیٰ کی وہ لکیر بھی اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ محب اللہ نے میرا ہاتھ پکڑا ہو اور میں اُس کے چھپے چلتار ہا۔ میرے چلئے کے انداز میں جھبک می تھی جیسے اندیشہ ہو کہ میرا کو کُو قدم مجھے حادثے سے دوجار نہ کر دے۔ لیکن اس کے برعس کما نڈر محب اللہ بلا جھبک چلتا جار تھا۔ اُس کی آئھوں میں یا تو بلی کی طرح اندھیرے میں بھی دکھے لینے کی صلاحیت موجودتھی یاد تھا۔ اُس کی آئھوں میں یا تو بلی کی طرح اندھیرے میں بھی دکھے لینے کی صلاحیت موجودتھی یاد اس راستے سے آئی اچھی طرح واقف تھا کہ گہری تاریکی میں بھی قدم اُٹھانے میں کوئی جھبک محسوس نہیں ہور ہی تھی۔

کمانڈ رمحتِ اللہ ایک جگه زک گیا۔ اُس جگه ایک مانوس می آواز میری ساعت سے نگرار ہلا تھی۔ میں غور سے اُس آواز و سننے لگا جیسے آس پاس کہیں پانی بہدر ہا ہو۔ سنتھی۔ میں عور سے اُس آواز کو سننے لگا جیسے آس پاس کہیں بانی بہدر ہا ہو۔

اور کچر دفعتہ میرے قریب ہی روثنی چیک اُٹھی۔ میں اُٹھیل پڑا۔۔۔۔۔ کچرمیرے منہ سے ب اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ روثنی محتِ اللّٰہ کے ہاتھ میں کپڑی ہوئی ٹارچ کی تھی۔ وہ اب تک اندھیرے میں چلتا رہا تھا۔ اُس کے قدم اُٹھانے میں ذرائجی چھجک نہیں تھی۔ لیکن اب شاہ آگے راستہ مخدوث تھا جس وجہ ہے اُسے ٹارچ روثن کرنی پڑی تھی۔ ج

ار چ کی روشی ادھر اُدھر حرکت کر رہی تھی۔ میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے روقا کے ساتھ ساتھ دیدے گھما رہا تھا۔ ہم ایک تنگ می دراڑ کے راستے چٹانوں میں داخل ہو ہم مسلسل نشیب کی طرف چلتے رہے تھے۔اب بیرجگہ ایک بہت کشادہ سرنگ کا منظر پیش کر رہی گا

کہ بہ سرنلیں کہاں تک چھلی ہوئی ہیں ۔نصف میل کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد بیسرنگ ہ

حصوں میں نقسیم ہوئئی۔علیل کے دوشاخ کی طرح ہم دامیں طرف والی سرنگ میں مُو گئے۔

او پر چڑھتے رہے۔اب تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے جھو بکے میرے چبرے سے نکرار ہے تھے جس کا مطاب تھا کہ ہم کھلی جگہ پر نکلنے والے ہیں۔ مطاب تھا کہ ہم کھلی جگہ پر نکلنے والے ہیں۔

اور پھر و لی ہی ایک تلک می دراڑ سے نکل کر کھلی جگہ پر آگئے ہمارے جاروں طرف مبز ہ تھااور درختوں کے جھنڈ تھے۔ درختوں کے جھنڈ سے نکل کرتقریباً سوگز آگے ہم ایک چٹان سرقہ بے زک گئے۔ سامنے نشیب میں بہت ؤور بارہ مولا شہر تھا۔ میرے خیال میں اس چٹان

بروسا ہے۔ کے قریب زک گئے۔ سامنے نشیب میں بہت وُور بارہ مولا شہرتھا۔ میرے خیال میں اس چٹان یے شبر کا فاصلہ درمیل کے لگ بھگ ضرور ہوگا۔

" کار ہم دوسر رائے ہے آتے تو اس طرف نگلتے۔" کمانڈرمجب اللہ نے نیلے پھروں والی ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا۔" لیکن اس طرف سے فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ جبکہ ہم نے اس رائے ہے آکر آ دھاوت بچالیا ہے۔ وہ سامنے بارہ مولا ہےلیکن ہم شہر کی طرف نہیں مائیں گے۔اس طرف آ جاؤ!"

خاصے مضبوط تھے۔ ''باقی لوگ کہاں ہیں غفورے؟'' کما نڈر محبّ اللّٰہ نے اُن میں سے ایک سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''اِدهر اُدهر بمهرے ہوئے ہیں'' غنور نامی اُس شخص نے جواب دیا۔'' دراصل ایک گھنٹہ پہلے پولیس کی ایک جیپ ادهر آئی تھی۔ میں نے لڑکوں کو کھیتوں میں اِدهر اُدهر نکال دیا۔'' ''پولیسکیوں؟'' محبّ اللّہ کی آٹکھوں میں اُلجھن می تیرگی۔

''ایک ملزم پولیس کی حراست ہے بھاگ نکا تھا۔'' عنورے نے جواب دیا۔''تقریباً چار نظم پولیس کی حراست ہے بھاگ نکا تھا۔'' عنورے نے جواب دیا۔''تقریباً چار منظم پہلے اسے اپنے مرتبہ عمرالت میں چش کرنے کے لئے لیے جایا جا رہا تھا کہ رائے میں موقع ملتے ہی ایک پولیس والوں کا کہنا ہے کہ والے وہ پولیس کی رائفل بھی لے گیا تھا۔ پولیس والوں کا کہنا ہے کہ اس فرار ہوکر اس طرف آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔میرا خیال ہے وہ پہاڑوں کی طرف نکل گیا ہوگا۔اور ظاہر ہے پولیس والے اس کے پیچھے ان پہاڑوں میں نہیں جا سکتے۔ یہیں سے پوچھ کر دیکھا۔

''بول'' کما نڈرمحتِ اللہ ہنکارہ بھر کررہ گیا۔

اُس طرف سامنے بہت وُورروشیٰ کا ایک نقط سا نظر آ رہا تھا۔ کما غررمحب اللہ نے ٹارچ کج دی اور تاریکی میں اُس کی آواز میری ساعت سے مکرائی۔ ''وہ سامنے اس سرنگ کا وہ دہانہ ہے جس کے بارے میں بھارتی فوجی بھی جانتے ہیں۔' وہ کہہ رہا تھا۔'' آگے چندگز تک راستہ ذراوُشوار ہے لیکن خطرنا کنہیں ۔۔۔۔۔ویوار کا سہارا۔

تستی کی تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں پانی دیوار کے ساتھ تھا میرے پیرنخنوں تک پانی میں ڈو بے ہوئے تھے۔ میں دونوں ہاتھوں سے دیوار کا سہارا ل شول نمول کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔سامنے سرنگ کے دہانے کا وہ روثن نقطہ شیطان آئکہ کی طرح مجھے گھورتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

تقریباً ہیں گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ سرنگ ایک بار پھر دائیں طرف مُو گئی۔ **میں** بھی دیوار کے ساتھ چاتا ہوا اُس طرف مُو گیا تھا۔ کما نڈرمحب اللہ نے ٹارچ روثن کر لی۔وہ **بُو** سے چند گز آگے تھا۔

اُس سرنگ میں زیادہ پانی نہیں تھا۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے پانی کم ہوتا جار ہاتھا. صاف محسوں ہور ہاتھا کہ اس مرتبہ ہم نشیب کی بجائے بلندی کی طرف جارہے تھے۔اب آگ پانی بھی نہیں رہاتھا اور سرنگ بھی بتدر تک ننگ ہوتی جارہی تھی۔

کمانڈر محب اللہ ایک بار پھر رُک گیا۔ آ گے سرنگ بند ہوئی تھی۔ دیوار نا ہموارتھی۔ پھر باز کو اُبھرے ہوئے تھے۔ وہ چند کمبح ٹارچ کی روشنی میں اُن پھروں کو دیکھتا رہا پھر بڑی پھرا سے اُن پھروں کے سہارے اُوپر چڑھتا چلا گیا۔ تقریباً پندرہ فٹ اُوپر جا کروہ آگے کونکلی ہوا ایک دُرنس پر ٹک گیا اور ٹارچ کا رُڑ نینچے کی طرف کرتے ہوئے بولا۔

'' آ جاؤ ڈروئییں! تمہیں اُوپر آنے میں کوئی مشکل پیش ہیں آئے گی۔'' میں نے کندھے پرلنگی ہوئی رائفل کو درست کیا اور اُ بھرے ہوئے پھروں کا سہارا کے اُوپر چڑھنے لگا۔ مجھے واقعی کوئی مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔سکول کے زمانے میں، میں اُپ دوستوں کے ساتھ کھیلتا ہوا قصبے کے باہر پہاڑیوں پر چلا جاتا تھا۔خطرتاک چٹانوں پر چڑم

دوستوں کے ساتھ کھیاتا ہوا قصبے کے باہر پہاڑیوں پر چلا جاتا تھا۔خطرناک چٹاٹوں پر جُڑٹھ میری ہائی تھی۔ہم دوستوں میں شرطیں لگ جاتیں کہکون پہلے چٹان کی چوٹی پر پہنچتا ہے؟ مملا مجھی پہلے نمبر پرآتا اور کبھی دوسر نے نمبر پر۔میراوہ تجربہاب میرے کام آر ہاتھا اور مجھے یقین ف کہ آئندہ بھی بجین اوراؤ کپن کے وہ تجربات میرے کام آتے رہیں گے۔

کے میں کافی اور پہنچ چکا تھا۔ کارنس پر گھٹنوں کے بل بلیٹھے ہوئے کمانڈ رمحت اللہ نے میرا ہا 'ہ کیڑ کر مجھے اور پر تھنچ لیا۔ اس سے آ گے بھی ہم چٹان کے سینے میں واقع ان گھپ پہاڑوں ﷺ کیڑ کر مجھے اور پر تھنچ لیا۔ اس سے آ گے بھی ہم چٹان کے سینے میں واقع ان گھپ پہاڑوں ﷺ ر کھتے ہوئے کہنے لگا۔''یوں تو اس وسیع وعریض رقبنے پر پھیلے ہوئے کمپ پرحملہ کرنے کے لئے ہہت ہے آ دمیوں کی فہرورت ہو گی لیکن میں نے اور کمانڈ ررشید نے طے کیا ہے کہ زیادہ بھیٹر بھاڑ اسٹی نہیں کی جائے گی۔صرف گنتی کے چند نوجوان ہوں گے جن کا انتخاب ہم دونوں نے کیا ہے اور اُن میں تمہارا نام بھی شامل ہے۔ تمہاراا انتخاب اگر چہ میں نے کیا تھا مگر تمہارے نام کی سفارش کمانڈ ررشیداورعبدالخی لون نے بھی کی تھی۔''

'' بیمیری خوت سمتی ہے کہ ۔۔۔۔'' ''ایک منٹ ۔۔۔۔ بہلے میری پوری بات بن لو!'' کمانڈ رمحتِ اللہ نے ہاتھ اُٹھا کر مجھے پچھ کہنے ہے روک دیا۔''ہم نے کیمپ پر تملہ کرنے کے لئے جو پارٹی تیار کی ہے اُسے ڈ۔تھ اسکواڈ کانام دیا گیا ہے۔ لیکن میں تہمیں اندھیر ہے میں نہیں رکھنا چا ہتا اس کا رروائی میں خود اپنے زندہ نج جانے کے امکانات بھی ایک فیصد ہے زیادہ نہیں ہیں۔ بالفاظ دیگر تم لوگ موت کے منہ میں چھلا تک لگانے جارہے ہو۔ اس لئے اگر تم ۔۔۔''

'' میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں کمانڈر!''اس مرتبہ میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''لکن اس حقیقت سے آپ بھی بخو بی واقف ہیں کہ مجاہد کا اُٹھا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹا۔وہ آگے اور صرف آگے بڑھنا جانتا ہے۔اگر میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اُن بھیٹر یوں کے بھٹ کوتباہ کر کے اپنے لوگوں کو اوروادی کو ایک بڑی تباہی سے بچالوں تو میں سومر تبہ موت کے منہ میں کودنے کو تیار ہوں۔ میں اپنانام والی نہیں لوں گا کمانڈر!''

کمانڈر محت اللہ چند کھے میری طرف دیکھار ہا پھر اُس نے بے اختیار ہوکر میری پیشانی چوم لی۔''تم جیسے نو جوانوں میں بیے جذبہ ہوتو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی اور ہماری منزل ہے آزادی وہ زنجیریں ایک روز ضرورٹو ٹیس گی جنہوں نے کشیریوں کی آزادی سلب کر رکھی ہے۔ ہم اس جنت سے اُن شیطانوں کو نکا لئے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔''

ا کیاب ہوں ہے۔ ''انشاءاللہ.....''میرے منہ سے بےاختیار نکلا۔

ای کمحہ تین اور آ دمی کمرے میں داخل ہوئے اُنہوں نے بھی کاشتکاروں کی طرح موٹے کپڑے کے لیے لیم چوغے پہن رکھے تھے۔وہ ہم دونوں سے ہاتھ ملاکر ہمارے قریب میٹھ گئے۔وہ دونوں گہری نظروں سے میری طرف دکھر ہے تھے۔ '': ش

'' یہ تمروز ہے ۔۔۔۔'' کما نڈر محتِ اللّٰہ نے اُن سے میرا تعارف کرایا۔اس کا نام تم لوگوں کے اخبی نہیں ہے۔ یہ بھی اس مثن میں ہمارے ساتھ ہوگا۔متبول اور حسن!'' اُس نے باری باری دونو جوانوں کی طرف دیکھا۔'' تم دونوں کھا نا کھا کر شمروز کے ساتھ گلمرگ کی طرف روانہ ہو جاؤالیکن تم لوگوں کو گلمرگ نہیں جانا۔ بسال پور بستی میں ہمارا انظار کروگے۔ہم بھی رات کے پچھلے پہر وہاں پہنچ جائیں گے۔'' وہ چند کھوں کو خاموش ہوا، پھر بات جاری رکھتے ہوئے

غفور اور اُس کا ساتھی گہری نظروں ہے میری طرف دیکھ رہے تھے لیکن محب اللہ نے اُن ہے میرا تعارف کرانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ مکان کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔''تم ہمارے لئے چائے بناؤ! اورتم لڑکوں کواطلاع کر دو کہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی یہاں جمع ہوجا میں۔ہمیں آج رات گلمرگ کی طرف جانا ہے۔'' غفورسر ہلاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ اُس نے محبّ اللہ کا پیغام دوسرے آدمی کے گوش گزار

کر دیا جو کھیتُوں کی طرف چلا گیا۔ آ دھے گھنٹے بعد غفورا چائے بنا کر لے آیا۔ میں اُس وقت فرش پر بچھے ہوئے نمدے پر لیما ہوا تھا۔اس تحضٰن سفر نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا۔اگر مہینہ بھر بمار ندر ہا ہوتا تو مجھےاس سفر کیا

ہوا تھا۔ اس صن سفر نے بھے بری طرح تھا دیا تھا۔ اگر جینید بھر بھار شداہ ہوا کو بھیے اس طرق پر واہ بھی نہ ہوتی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ چائے کے ساتھ ایک بلیٹ میں ملے ہوئے بھیٹر کے گوشت کے قتلے بھی تھے۔ گئ روز بعد دو دھ کی چائے نصیب ہوئی تھی۔ گوشت کے تلے ہوئے قتلے بھی مزیدار تھے۔

کی روز بعد دودھی چاہے سیب ہوں گا۔ دست سے اور اس وقت جار ہے۔ ہم اپنے مھکانے سے دو پہر بارہ بجے کے قریب روانہ ہوئے تھے اور اس وقت جار بجنے والے تھے۔ بھوک لگ رہی تھی اس لئے میں نے خوب پیٹ بھر کر گوشت کھالیا جس کا نتیجہ سے ہوا کہ پیٹ بھرتے ہی مجھ پرغنودگی می طاری ہونے گئی اور میں وہیں ٹانگیس پھیلا کر لیٹ گیا۔

شدید تھلن کی وجہ ہے میں نیند میں بھی بے چین سار ہااس لئے زیادہ دیر تک سوبھی نہ سکا۔ جب میری آنکھ کھلی تو اُس وفت کمرے میں کمانڈ رمحتِ اللّہ کے پاس دو اور آ دمی بیٹھے ہوئے تھے۔اُن میں ایک کی عمر پنیتیں کے لگ بھگ رہی ہوگی جبکہ دوسرائیجیس چیبیں سال ہے زیادہ

کانہیں تھا۔ دونوں نے لیے لیے چونے پہن رکھے تھے اور سروں پرٹو بیاں تھیں۔ محتِ اللّٰد اُن سے شاید کوئی پروگرام طے کرر ہاتھا۔ اس وقت وہ اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہدر ہاتھا۔ ''تم دونوں اس وقت ماندر کی طرف روانہ ہو جاؤ! کمانڈر رشید کے آدمی وہاں انتظار کر

ر ہے ہوں گے۔ اُن سے کہنا کہ کمانڈررشید کومیرا پیغام پہنچا دیں کہ ہم شبح حیار بجے طے شدا مقام پرملیں گے۔'' مقام پرملیں گے۔''

وہ دونوں اُٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ میں نے محب اللّٰد کا وہ ایک جملہ سنا تھا جمل سے جمعے یہ اندازہ لگانے میں دُشواری پیش نہیں آئی کہ ایک مہینہ پہلے گلمرگ کے قریب جمل بھارتی نوجی کیمپ کے بارے میں بات ہوئی تھی اُس پرحملہ کرنے کامنصوبہ بنالیا گیاہے۔

بھاری و بن میں ہیں ہے ہوئے۔ ''میں تمہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں'' کمانڈر محت اللہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ایک مہینہ پہلےتم نے میری اور کمانڈررشید کی باتیں تن تھیں۔گلمرگ کے قریب اُس ڈالا

میں اسلحہ اور گولہ بارود کے انبار لگنا شروع ہو گئے ہیں۔ یہی گولہ بارود وادی کے بے گناہ ادا معصوم تشمیری عوام پر برسایا جائے گا۔ نیکن اس سے پہلے کہ ان شیطانوں کو گولہ بارود استعال کرنے کا موقع ملے ہم اُس ڈیو کو تباہ کر دیں گے۔''وہ چند کمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جار ک

کہنے لگا۔''ایسی کوئی تو قع تو نہیںلیکن اگر کوئی گڑ برمحسوں کروتو گلمر گ کے اُوپر سے ہوتے ہوئے فیروز پور پہنچنے کی کوشش کرنا۔''

' السمجة من كما تذرا "مقبول ما مي نوجوان نے اثبات ميں سر ملا ديا۔

''اورموی تم'' کما غرر محب اللہ نے تیسر نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''تم بھی کھانا کھا کر رحمٰن کو ساتھ لے کرعبدالنی لون کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں معلوم ہے عبدالنی لون سے کہاں ملاقات ہوگی۔''

''جانتا ہوں کمانڈر!''مویٰ نے بھی گردن ہلا دی۔

میں تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر باہر آگیا۔شام کا دھند لکا سا پھلنے لگا۔مکان سے تقریباً ہیں گز آگے شفاف پانی کی ایک چھوٹی سی ندی بہدرہی تھی۔ میں ندی کے کنارے پر بیٹھ گیا اور جوتے اُ تارکر پیر پانی میں ڈالِ دیئے اور آگے جھک کرمنہ پر پانے کے چھپکے مارنے لگا۔

چاول اُبالے جارہے تھے۔اُس وقت بڑی اشتہا آمیز خوشبوآ رہی ھی۔ میں کافی دیر تک ندی کے کنارے پر جیھا رہا۔سبزے دار تاریکی کی وجہ سے مچھر مجھے مال غنیمت سمجھ کرنوچ رہے تھے۔ میں اُٹھ کراندرآ گیا جہاں اب کیروسین لیپ روشن کر دیا گیا تھا۔

سیمت بھی کرنو چارہے تھے۔ یں انھے کرایکرا کہ کیا جہاں اب میروین بہپرون کرویا سے میں گیا وہ مینوں نو جوان اب بھی کمانڈر کے پاس بیٹھے با تیں کررہے تھے۔ میں بھی خاموثی سے بیٹھ گیا اور اُن کی با تیں سننے لگا۔

آٹھ بجے کے قریب غفور نے ہمارے سامنے دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا۔ اُبلے ہوئے عاول اور مسور کی پتلی سی دال تھی لیکن بید دال چاول کھا کربھی مزہ آگیا۔ کھانے کے بعد جائے بھی پی گئی اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں، مقبول اور حسن روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ محت اللہ نے بری گرمجوثی ہے ہمیں رخصت کیا تھا۔

ہم متنوں کھیتوں میں ایک بگڈنڈی پر چل پڑے۔مقبول آگے تھا، میں پیچ میں اور حسن پیچھے۔ان دونوں کے ذھیلے چوغوں کے نیچ بھی آ نو میئک رائفلیں چھپی ہوئی تھیں۔

۔ پارہ موالا سے گلمرگ کا فاصلہ ہیں بائیس میل کے لگ بھگ تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ شاید ہے فاصلہ میں پیدل ہی طے کرنا ہوگا۔ لیکن تقریباً دوسوگز کا فاصلہ طے کرئے ہم اُرک گئے۔ سامنے ایک جبکہ لائین کی مدھم ہی روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ بہت بڑا چھر تھا جس کے نیچے بھیڑوں اور کبریوں کا ایک بہت بڑا بڑہ تھا۔ اور ایک طرف چند نچر بھی بند ھے ہوئے تھے۔ لائین زبین میں گڑھی ہوئی لکڑی کی بلی کی ایک کھونٹی پڑنگی ہوئی تھی۔ ہم جیسے ہی وہاں پنچے ایک آ دمی تاریکا سے نگل کر سامنے آ گیا۔ سیدوہی آ دمی تاریکا ہوئی تھیں اور پھر ایک فچر بھی ہنہنا اُٹھا۔ اُس جماری آ وازیس کر بھیڑیں اور بھر ایک فچر بھی ہنہنا اُٹھا۔ اُس خے شاید بھیڑوں اور جرت انگیز طور ب

بھیڑیں اور بکریاں خاموشِ ہو گئیں۔

" نچر تیار ہیں ……تم لوگ روانہ ہو جاؤ!" اُس تخص نے مقبول کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہاں کئی خچر تھے۔ اُس تخص نے تین خچروں کی رسال کھول کر ہمارے حوالے کر دیں۔ یہی رساں لگام کا بھی کام دے رہی تھیں۔ میراخیال تھا کہ خچروں پر پوری زینیں کسی ہوئی ہوں گی۔ مگر ہر خچرکی بیٹے پر نمدے یا پرانے کمبل کا ایک ایک مکڑا پڑا تھا اور دونوں طرف رقا میں لنگی ہوئی تھیں۔ مجھے تو خچرکی ننگی پیٹے پر بھی سفر کرنے کا تجربہ تھا۔ میں اُمچیل کراپنے خچر پر سوار ہو گیا اور

ہاری فارمیشن وہی تھی۔ یعنی آگے مقبول، اُس کے پیچھے میں اور آخر میں حسن۔ نچر خاصے صحت مند تھے۔شروع میں تو رفتار پچھے کم رہی، پھر مقبول نے نچر دوڑا نا شروع کر دیا۔ ان علاقوں میں جہاں دن کے وقت قدم قدم پر بھارتی فوجیوں کی کسی نہ سی شی یارٹی ہے آمنا سامنا ہو جاتا تھا مجاہدین کے لئے رات کے وقت سفر کرنا زیادہ محفوظ تھا۔ بھارتی فوجی رات کے وقت اپنی چھاؤنیوں اور کیمیوں سے باہر نکلنے کی حماقت نہیں کرتے تھے۔ جبکہ مجاہدین بلا خوف و خطر اپنی نقل و حرکت جاری رکھتے تھے۔ بھارتی فوجیوں پر اُن کی جھاپہ مار کاردائیاں بھی رات ہی کو ہوتی تھیں۔ وہ بھارتی فوجیوں پر موت برسا کر رات کی تاریکی میں بہاڑوں میں رویوش ہوجاتے تھے۔

پہاروں مارو پول ہوجائے سے۔ لعض مقامات ایسے تھے جہاں بھارتی فوجیوں نے چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔لین میہ چوکیاں آبادیوں کے قریب عام گزرگاہوں پڑھیں۔جبکہہم پہاڑیوں میں ایسے تنگ راستوں پر سفر کررہے تھے جہاں کی فوجی یارٹی ہے آمنا سامنا ہونے کا اندیشے نہیں تھا۔

راستہ اگر چہ خاصا تحضن تھا لیکن ہماری رفتار بھی خاصی تیز تھی۔اس طرح ہم ساڑ ھے گیارہ بجے کے قریب بسال یور پہنچ گئے۔

سیال پورگلمرگ نے تقریباً پانچ میل وُورتمیں چالیس گھروں پرمشتل ایک چھوٹی سی بستی مسئل کے دوران میں آباد اس بہتی کے اطراف میں گھنا جنگل تھا۔ ایک طرف کی زمین کاشت کے قابل تھی جہاں موسم کے مطابق نصلیں اُ گائی جاتی تھیں۔ مختمری کھتی باڑی کے مطابق خصاری تھا۔اصل کمائی تو اُن لوگوں کی تھی جوجنگل کی کٹائی کا ٹھیکہ سیادہ جنگل کی کٹائی کا ٹھیکہ سیتے تھے۔مقامی لوگ تو بیچارے دن رات محت کر کے بشکل دووقت کی روئی کھاتے تھے۔

ہتی کے باہر دُور تک کئے ہوئے درختوں کے انبار گئے ہوئے تھے۔ دو تین دیو قامت آرا مثینیں تھیں جن پرضج سے شام تک کام ہوتا تھا۔لیکن اس وقت ہر طرف ساٹا تھا۔بہتی میں داخل ہوتے ہوئے بھی متبول کا خچر آگے تھا۔ اور بالآخروہ ایک مکان کے دروازے پر زک گیا۔ بلکی می دستک کے جواب میں دروازہ فورا ہی کھل گیا۔

وہ ایک ادھیر عمر عورت بھنی جس نے ہاتھ میں لاٹین اُٹھار کھی تھی۔ ہم خچروں سے اُتر آئے

تھے۔ اُس عورت نے لائٹین کی روشی میں ہمارے چہرے دیکھے۔مقبول اورحسن کو تو وہ شایر

بچانتی تھی ایکن میری طرف دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں اُلجھن می تیرگئی۔ "ر پیان نہ ہو ماس ہے ہمارا بلدسائھی ہے۔" مقبول نے اُس کی اُلجھن کو تا اُ تے

عورت نے اندر کی طرف د کی کر ملکی آواز میں کسی کو پکارا فورا ہی ایک آدمی دروازے پر بہنچ گیا۔وہ بھی اُس کی طرح ادھیڑعمرتھا۔

''نورمجر!''عورت اُس تحض کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔''حسن اور متیوں فیجروں کو احمر بھائی کی طرف لے جاؤ! اورتم دونوں اندر آ جاؤ۔'' آخری الفاظ اُس نے مجھے اور مقبول کو مخاطب کرتے ہوئے کیے تھے۔نورمحد متیوں خچروں اور حسن کو کے کرگلی میں آگے چلا گیا۔ میں اور مقبول مکان میں داخل ہو گئے۔ اُس عورت نے دروازہ بند کر دیا اور ہمیں اشارہ کرتے

ہوئے صحن میں ایک طرف چلنے لگی صحن خاصا وسیع وعریض تھا۔ سامنے دو کمرے تھے۔ایک کمرہ بائیں طرف تھا۔''ایل''شکل کے بے ہوئے ان کمروں کے سامنے کشادہ برآ مدہ بھی تھا۔ ا یک کمرے کے سامنے ہے گزرتے ہوئے میری نظراندر کی طرف اُٹھ گئی۔سامنے ہی فرش یرا یک جوان اور خوبصورت لڑ کی بیٹھی مٹی کے تیل کے لیمپ کی روشنی میں کپڑے پر کڑ ھائی کر رہی تھی۔ میں رُ کے بغیر دروازے کے سامنے سے گز رنا ہوا ساتھ والے کمرے میں داخل ہو گیا۔وہ ادھیز عمرعورت بھی ہمارے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔اُس نے لاکٹین کمرے کے ایک کونے میں رکھ دی۔

''تم لوگ کھانا کھاؤ گے یا جائے ہیو گے؟'' اُس نے پوچھا۔ '' نه کھانا نه جائے۔'' مقبول نے جواب دیا۔''بہت تھے ہوئے ہیں ماسی! اس وقت توسو

عورت واپس چلی گئی۔ میں کمرے میں إدھر أدھر د مکھنے لگا۔ فرش کے آ دھے جھے ير در ک بچھی ہوئی تھی اور آ دھے جھے پر چٹائی تھی۔ دری پرایک بستر بھی بچھا ہوا تھا اور دوکمبل پڑے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی ملے سے تکیے بھی رکھے ہوئے تھے۔ دیوار پر کئی ہوئی کھونٹیوں پر چند کپڑے نگے ہوئے تھے جن میں دوز نانہ جوڑے بھی تھے۔بستر کودیکیئےکر اندازہ ہوتا تھا کہ اہل خانہ کو ہماری آمد کی اطلاع سیلیے ہے تھی اور ہمارے لئے سونے کا بندوبست کررکھا تھا۔ میں نے اپنے کند صے پر لئی ہوئی ہوئی ایس ایم جی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی، جوتے

أ تاركرا يك طرف ذالے اور بستر بر ذهير ہو گيا۔ خچر برتقرياً حيار كھنٹول كے سفرنے مجھے برگا طرح تها و يا تقاله مين ليئته بن نيند كي آخوش مين پنتي گيا-

صبح جب میری آنکو کھلی تو کھلے ہوئے دروازے کے باہر آنگن میں دُھوپ پیھیلی ہوئی تھی۔ مقبول کمرے میں موجود نہیں تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔میری ایس ایم جی غائب تھی اور

مقول کی رائفل بھی نظرنہیں آ رہی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔اور پھر باہر سے مقبول ی آوازین کرمیں کمرے سے باہرنکل آیا۔مقبول اُس ادھیرعمرعورت سے باتیں کررہا تھا۔ ں ع_{درت}ے نے میری طرف دیکھااور پھرصحن کے باہروالے دروازے کی طرف چلی گئی۔ میں تیز تیز قدم اُٹھا تا ہوامقبول کے قریب پہنچ گیا۔

"متبول ہاری رانفلیں غائب ہیں۔" میں نے اُس کے قریب پہنچ کرسر گوشی گی۔

000

ہن کے خلاف رائفل نہیں اُٹھا علی تھی مگر مجاہدین کا ساتھ مجر پورا نداز میں دے رہی تھی۔ خادم حسین جب زندہ تھا تو تھیکیدار کے پاس کام کیا کرتا تھا۔ وہ شام تک آراء شین پر کئے ہوئے درختوں کے تول کو کانٹ چھانٹ کر کے بڑے بڑے شہتر وں میں ڈھالٹار ہتا۔ بی شہتر رکوں میں لاد کر سرینگر بھیج دیئے جاتے جہاں سے ہندوستان کے مختلف شہروں کوروانہ کر دیئے جاتے۔ خادم حسین کی شہادت کے بعد آمدنی کا بیذر بعید تم ہوگیا۔ عاکشہ اور انگوری کشیدہ کاری کا کام کرنے لکیں جس سے اُن کا گزارہ ہور ہاتھا۔

وادی تشمیر کواللہ تعالی نے قدر کی حسن سے تو نواز ابھی ہے یہاں کے باسیوں کو بھی ایس ملاقی ہے بہاں کے باسیوں کو بھی ایس ملاقیتوں سے مالا مال کیا ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اغیار اُن کی صلاحیتوں اور ہنر مندی سے تو جر پور فائدہ اُٹھار ہے ہیں اور وہ خود فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ تالین ، دھسے اور شالیس اس نفاست سے تیار کی جاتی ہیں کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ تالین ، دھسے اور شالوں کی تیار کی گھریوں عیس کو چیشت رکھتی ہے۔ یہ کام فیکٹر یوں میں نہیں چھوٹی چھوٹی بستیوں کے گھروں میں ہوتا ہے۔

زمی بھیڑوں کی اُون پشینہ سے دنیا کی بہترین شالیں تیار ہوتی ہیں جو شاہ توش کہلاتی ہیں۔ ہیں بہترین شالیں بہت مہنگی ہوتی ہیں اور اس قدرنفیس اور باریک ہوتی ہیں کہ انگوشی میں سے گزاری جاسکتی ہیں۔ گھروں میں اُون کے نمدے بھی بڑے خوبصورت تیار ہوتے ہیں۔ اور افزوٹ کی ککڑی سے اس قدر خوبصورت اور نازک نقش فرنیچر تیار ہوتا ہے جس کی دنیا بھر میں ماتی

ہنر مندی میں کشمیری خواتین بھی مردوں سے پیچیے نہیں ہیں۔ یہ کام زیادہ تر گھروں میں خواتین نے سنجال رکھا ہے۔ کیڑوں پر کشمیری کشیدہ کاری کی مانگ تو پوری دنیا میں ہے۔ کاروباری لوگ وادی کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں خواتین سے یہ کام کرواتے ہیں۔خودتو وہ لاکھوں کماتے ہیں لیکن کیروسین لیپ کی مندل روشنی میں دیدوں کا پانی نچوڑنے والی ہنر مند خواتین کومعاوضہ برائے نام ہی دیاجا تا ہے۔

میں اور مقبول دیر تک کمرے میں لیٹے باتیں کرتے رہے۔ پھر اُٹھ کر باہر آ گئے۔ ماس عائشہ اُس وقت باہر ہے آئی تھی۔اُس نے بغل میں ایک پوٹلی دبار کھی تھی۔ ''کھاٹا کہ اللہ ڈائا''اُئیس نے جانب قریب آگران کی ایک ہم دونوں کی طرف کی کا

'' گھانا گھالیا میٹا؟''اُس نے ہمارے قریب آگر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ '' ہاں ماسی'' متبول نے جواب دیا۔'' میں ذراعبدالحق سے ملنے جارہا ہوں۔ ڈیڑھ دو گھنٹوں میں واپس آؤں گا۔وہ آرے پر ہی ہوگانا؟''

''ہاں ۔۔۔۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی اُسے اُس طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔'' ماسی نے جواب دیا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے ہوئی۔''اور بیٹاتم اُدھر پچپل طرف دیکھتے ہوئے ہوئی۔''اور بیٹاتم اُدھر پچپل طرف چلے جاؤ۔ وہاں درخت کا سابہ بھی ہے۔لیکن اگرتم کمرے میں آرام کرنا چا ہوتو تمہاری مرضی۔''

میں بھارتی فوجیوں کی کوئی نہ کوئی پارٹی اس طرف آ جائی ہے۔اور وہ لوگ اسلحہ کی تلاش میں کھروں کی تلاقی بھی لیے۔ گھروں کی تلاقی بھی لیتے ہیں۔ ہماری رائفلیں بھی چھپا دی گئی ہیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں یم منہ ہاتھ دھولو! کھانا تیار ہورہا ہے۔'' مقبول کمرے میں چلا گیا اور میں صحن میں اس طرف چلا گیا جہاں پانی کا ڈرم رکھا ہوا تھا۔ قریب ہی پانی سے بھری ہوئی ایک بالٹی اور پلاسٹک کا لوٹا بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے تل کی ٹونٹ کھول دی اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے میش کے دامن ہی سے منہ صاف کیا اور جیسے ہی مُڑا میرے د ماغ میں ایک جھما کہ سا ہوا۔۔۔۔۔سانس کی رفتار تیز ہوگئی اور

'' ہریشان مت ہورانفلیں محفوظ ہیں۔'' مقبول نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔'' دن

دل کنپیٹوں میں دھڑ کتا ہوا محسوں ہونے لگا۔ وہ لڑی ہمارے کمرے سے نکل رہی تھی۔ یہ وہی لڑی تھی جے رات کو میں نے لیمپ کی روشنی میں کڑھائی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ رات کو تو دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اُس پر صرف ایک نظر ڈالی تھی اور اب وہ تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے سامنے کھڑی تھی۔۔۔۔۔ لمبا قد ، سڈول جم ، گا اب جیسی رنگت ، غزال جیسی موٹی موٹی سیاہ آئکھیں جن میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہڑی دلفریب می مسکرا ہے تھی۔

اُس نے کالے رنگ کانخوں تک لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔وی ھیپ کے گلے پرسفیداور پہلے دھاگے کی کڑھائی تھی۔اُس کی عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن جوانی کا ثمر خاصا نمایاں تھا۔ سینے پر سے کرتا تنا ہوا تھا۔ سیاہ بالوں کی دو چوٹیاں تھیں اور دونوں چوٹیاں سینے پر حمر کہ نہتھ

> ''میں نے کھانا رکھ دیا ہے۔مقبول بھائی آپ کا انتظار کررہے ہیں۔'' محمد سرحہ میں میں میں میں میں میں میٹونٹھ ہے گیزوں گئا ہا کھی

مجھے یوں لگا جیسے میرے کانوں میں چاندی گی تھی تھی ہی گھنٹیاں گنگنا اُتھی ہوں۔ میں نے چونک کرایک ہار پھراُس کی طرف دیکھا اوراپنے کمرے میں آگیا۔ وہ انگوری تھی۔ خادم حسین کی بٹی جوتین سال پہلے بڑگام کے قریب بھارتی فوجیوں کے

وہ اور اس ماتھ ایک جھڑپ میں اس میں بار کس مان چہ بیر کا اس طریب بار موت سے آسے بالا تھا۔ ہونا ساتھ ایک جھڑپ میں شہید ہو گیا تھا۔ انگوری کی ماں عائشہ نے بڑی محنت سے آسے بالا تھا۔ ہونا تو یہ جا ہے تھا کہ شوہر کی شہادت کے بعد عائشہ اپنی جوان بٹی کو لے کر کہیں دبکی رہتی اور خاموثی سے زندگی بتا دیتی۔ مگر وہ تشمیر کی بٹی تھی۔ وطن کی آزادی کی لگن نے آسے بھی تڑیا رکھا تھا۔ وہ

ماسی عائشہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔مقبول،عبدالحق سے ملنے کے لئے جلا گیا۔عبدالحق کا کما نڈرمحتِ اللّٰہ اور کما نڈررشید جیسے مجاہد لیڈروں سے رابطہ رہتا تھا۔ یہاں مجاہدین کو پیغام بھی اُس کے توسط سے ملتے تھے اور مقبول یہی معلوم کرنے جار ہاتھا کہ کمانڈ رمحبّ اللّٰہ کی طرف سے كوئي بيغام آيايالهيس؟ تے بینے پر دونوں طرف عمی ہوئی تھیں۔ اُسے شاید چوٹیاں آ گے ڈالے رکھنے کی عادت تھی۔ اُس کے جانے کے بعد میں تنہاصحن میں کھڑا إدھراُدھر دیکھا رہا۔میری نظریں انگوری کو تلاش کرر ہی تھیں ۔نجانے کیا بات تھی کہ بنچ اُسے دیکھنے کے بعد سے میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوں کررہا تھا۔ بقول شخصے جب میں اُس کے بارے میں سوچتا تو دلِ میں کچھ کچھ ہونے لگتا تھا۔ میں بار بار اُس کمرے کی طرف دیکھتا جہاں ماسی عائشہ کئی تھی۔ لیکن نہ تو ماسی کمرے سے باہرآئی اور نہ ہی انگوری کی صورت دکھائی دی۔

کمروں کے چیلی طرف بھی ایک سحن تھا۔ اُس طرف جانے کا راستہ دا میں طرف سے تھا۔ ''اے لڑکی دھیان ہے' قریب بیٹھی ہوئی ماسی عائشہ نے اُسے گھورا۔ اُس طرف جانے کے لئے میں جان بوجھ کر ماسی عائشہ والے کمرے کے سامنے سے گزرا۔

درواز ہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے کن انھیوں سے اندر جھا نکا کیکن مجھے بری مابیعی ہوئی ۔ کمرے میں ماسی عا کشد سی کام میںمصروف تھی لیکن انگوری دکھائی نہیں دی۔وہ

شايد گھر ميں ہی نہيں تھی۔ میں کمروں کے اُوپر سے گھوم کر پہلو کی طرف آگیا۔ دائیں طرف تقریباً آٹھ فٹ اُونچی پکی بونڈری وال تھی۔اس طرح یہاں ایک گلیارہ سابن گیا تھا۔اس گلیارے سے کزر کر میں جیسے تک

دوسری طرف پہنچا تھ تھک کر رُک گیا۔ سامنے ہی اخروٹ کے بہت بڑے درخت کے تھنیرے سائے میں بچھے ہوئے لکڑی کے تخت پر بیٹھی ہوئی وہ کسی کیڑے پر کڑھائی کررہی تھی۔ أسے

د کھتے ہی سینے میں میرا دل مجل اُٹھااور دھڑ کن بے قابو ہوگئی۔ انگوری نے جھے نہیں دیکھا تھا۔وہ سر جھکائے سوئی سے کیڑے پرٹا نکے بھرتی رہی۔اور پھر شاید سوئی میں دھا گہ حتم ہو گیا تھا۔اس وقت اُس نے جیسے ہی چہرہ اُو پر اُٹھایا مجھے سامنے دیکھ کر اُس کے چبرے پرسرخی پھیل گئی اور اسی وقت عقب سے مجھے ماسی عائشہ کی آواز سنائی دی تھی۔ ''ارے بیٹا!تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ بیٹھ جاؤ نا وہالَ جا کر۔ دوسراتخت خالی پڑا ہے۔''

میں تصورات کی دنیا ہے باہرآ گیا اور ماس عائشہ کے ساتھ ہی آ گے ، رھ کیا۔ عقبی آئین بھی بہت کشادہ تھا۔اخروٹ کا درخت بہت اُونیجااور بہت بھیلا ہوا تھا۔اُس کے کھنیرے سائے نے آئکن کے بیشتر ھے کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جاریائی سائز کے ککڑی کج

تین تخت قریب قریب پڑے ہوئے تھے۔ایک پراٹلوری بیٹھی کڑھائی کررہی تھی۔قریب ہی سولگا دھا گوں والا ڈبدرکھا ہوا تھا اور پچھ کیڑے تھلے ہوئے تھے۔ دوسرے دونوں تخت خالی تھے۔

انگوری نے سوئی کیڑے میں کھو کچ دی، کیڑے کوا یک طرف رکھا اوراُ ٹھے کر دوسرے تخت ؟

حاور بحجها دی۔

«بینه جائے!'' اُسِ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھراُس کی نظریں فوراَ ہی جھکہ » تنس أس كى جھي جھي سي لليس مجھے بہت اچھي لكيس ۔ ميس بير انكا كر تخت پر بيٹھ گيا۔انگوري بھی اپنی جگہ پر بیٹھ چکی تھی۔اُس کا زُخ میری طرف تھا اور میں نُن آئلھیوں ہے اُس کی طرف د کھے رہا تھا۔ اُس نے سرِ پر رُو مِالِ با ندھ رکھا تھا اور بالوں کی دونوں چوٹیاں اس وقت بھی اُس اللوري كي كيفيت بھي اس وقت شايد مجھ سے مختلف نہيں تھی۔ اُس کے چبرے پرسرخي گهري ہو گئی تھی اور سینے کا زریر و بم نمایاں ہور ہا تھا۔ کیڑے پرٹا نکا بدلتے ہوئے اُس نے جھکی جھِکی می نظروں سے میری طرف دیکھیا اور اس کے ساتھ ہی اُس کے ہونٹوں سے ہی کی آواز نکل گئی۔ ۔ وئی اُس کی اُنگلی میں چبھے کئی تھی۔ میں بھی بے چین سا ہواُ ٹھا۔ مجھے لگا جیسے سوئی انگوری کی اُنگلی میں نہیں میرے دل میں چھی ہو۔ وہ اُنگلی کومنہ میں داب کرچو سنے گی۔

انگوری نے ایک بار پھرکن انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔اُس کے ہونٹوں پر بہت خفیف

سىمسكراہث آگئى تھى۔

ماس عائشہ نے وہ یوٹلی کھول کی جودہ باہر سے لے کرآئی تھی۔ اُس میں بن سلے زنانہ کیڑے ادررنگ برنگے رہتی دھا گوں کی لچھیاں تھیں۔ان کیڑوں پر ڈیز ائن بھی ٹریس کئے ہوئے تھے۔ مای عائشہ کیڑے کے ساتھ دھا گوں کی لچیاں بھی الگ الگ کر کے رکھتی رہی اور اس کے ساتھ

بی و ہ انگوری سے باتیں بھی کرتی جار ہی تھی۔ پھروہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شمروز بیٹا! تمہیں پہلی باردیکھا ہے۔اپنے بارے میں پچھ بتاؤ! کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"پ پوری وادی میرا گھر ہے مای!" میں نے جواب دیا۔"ویے میری پیدائش سوپور کی ہے۔ وہیں پلابڑھااور میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔میرے والدرسول بخش لون قصبے کی معجد کے پتی امام تھے۔ ہماری تھوڑی بہت زمین بھی تھی لیکن ایک روز ' میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا چر تھے پر بھارتی فوجی دے کے حملے اور اُن کی قبل و غارت کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہدر ہا تھا۔''میں بھی اس جھڑپ میں شدید زخمی ہوا تھا۔ بھارتی فو جی مجھے مُر دہ سمجھ کر کپیک گئے۔ ہوش آیا تو اپنے قریب قصبے کی دولڑ کیوں کی کچی ہوئی لاشیں دیکھیں۔'' میں ایک بار چرخاموش ہو گیا۔اس مرتبہ خاموشی کا وقفہ قدر ہے طویل تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹی افسر دہ می طرول ہے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں بات جاری رکھتے ہوئے کہدر ہاتھا۔''اتفاق سے

المائم رمحت الله این آدمیوں کے ساتھ اُس طرف آ نکلا اور جھے اُٹھا لایا۔ میں شاید مر ہی چکا ہوتا مگر ڈاکٹر مریم نے مجھے نئی زندگی دی۔اگروہ نہ ہوتی تو'' مريم تو فرشتہ ہے بينے!'' ماسى عائشہ نے کہا۔'' اُس نے تو اپنے آپ کو مجاہدین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ جہاں اُس کی ضرورت ہوتی ہے پہنچ جاتی ہے۔ کھر کاعیش و آرام

حچوڑ کر اُس نے پہاڑوں میںِ خطرنا ک زندگی اپنائی ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ اُس نے بھی مجاہر _کر کی طرح اپنی زندگی داؤیر لگار طی ہے۔ بڑی دلیرلژ کی ہے۔'' ''حو صلے اور جذیبے کی بات ہے ماسی!'' میں نے کہا۔'' اور انشاء اللہ بیہ جذبہ ہی جمیر

آ زادی کی منزل تک لے جائے گا۔''

''انثاءالله'' انگوری کی آواز س کر میں نے اُس کی طرف دیمِھا۔ اِس باروہ مجھے این طرف دیکھتے یا کرشر مائی نہیں ۔اُس کے ہونٹوں کی مسکرا ہے بھی واضح ہوگئ تھی۔اس وقتِ مجنے اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چیک نظر آئی تھی۔الیمی چیک تو میں نے اُن مجاہدوں کی آنکھوں میں دیکھی تھی جو ماد روطن کی آ زادی کے لئے بھارلی درندوں کےخلاف برسر پریار تھے۔

میں نے اور ماسی عا کشہ نے بھی بیک وقت انشاءاللہ کہا تھا۔ ''ارے بئی جا، چائے تو بنا کر لا! بڑا جی چاہ رہا ہے۔'' ماس عائشہ نے اعوری کی طرف

انگوری نے سوئی دھا گہ اور کپڑا سمیٹ کرا یک طرف رکھ دیا اور تخت سے اُتر کرمیری طرف و بلھتی ہوئی گلیارے میں جلی گئی۔ ماسی عائشہ اپنا کام کرتے ہوئے مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ اُس نے بھر بورا نداز میں میرے قصبے کی تاہی اور میرے گھر والوں کی شہادت پر اظہار ہمدرد کی

تقریباً بیں من بعد انگوری گلیارے کی طرف سے نمودار ہوئی۔ اُس نے بلاسنک کی ایک ٹرے اُٹھارکھی تھی جس میں شیشے کے دوجھو ئے گلاس قہوے سے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ میل گہری نظروں ہے اُس کی طرف دیکچر ہاتھا۔وہ اگر چہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے ہوئے جُل ر ہی تھی کیکن ڈھلیے ڈھالے کرتے کے اندر اُس کے گداز سینے کے اُبھار اس طرح متحرک تھ جسے جوالی چھلک رہی ہو۔

قریب آکر اُس نے میری طرف دیکھا تو مجھےاپی طرف متوجہ پاکر اُس کی نظریں جھک کئیں۔اُس نے ایک گاس میرے قریب تخت پر رکھ دیا اور دوسرا ماں کی طرف بڑھا دیا۔ ''تواینے لئے جائے بنا کر تبیں لائی ؟'' ماس عائشہ نے کہا۔

'' نہیں ماں ..میرا دلنہیں جاہ رہا۔'' انگوری کہتے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹے گئی اورسوئی دھا اُ سنجال کراینے کام میںمصروف ہولئی۔

یائے بنتے ہوئے بھی میں بار بارانگوری کی طرف دیکھر ہاتھا۔ اُس کا ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔ کپڑا اُس کے تھٹنے پر پھیلا ہوا تھا۔ بڑی تھیں اور عمدہ کڑھائی ہور ہی تھی۔ ابھی میری چائے ختم نہیں ہوئی تھی کہ مقبول بھی آ گیا۔وہ بھی میرے قریب ہی تخت پر آگن یالتی مار کر بینھ گیا۔

'' چائے پیو گےمقبول بھائی ؟''انگوری نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

· نم جانتی ہو میں چائے سے تو انکار نہیں کر سکتا۔ ' مقبول نے جواب دیا۔ انگوری مسکراتے ہوئے اُٹھ کر گلیارے کی طرف جلی گئی۔

'' بِغام آ گیا ہے۔'' مقبول نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ہم شام یا کچ بجے یہاں ہے روانہ ہوں گے۔ کچھ اور لوگ بھی ہارے ساتھ ہوں گے۔ اُنہوں نے روائلی کی تیاری

ر ایری این سمجھانہیں۔ ' میں نے البھی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''ناری کا میں سمجھانہیں۔' ''سجھ ھاؤ گے۔''مقبول مسکرا دیا۔

ہم باتیں کرر ہے تھے کہ انگوری مقبول کے لئے قہوہ لے آئی۔وہ دونوں جس طرح آپس میں ے تکلفی ہے باتیں کرتے رہے اس سے انداز ہ لگایا جاسکتا تھا کہ مقبول اکثریہاں آتا ہے۔ تھوڑی ہی دریہ بعد تین حیاراڑ کیاں پوٹلیاں اُٹھا کر پچھلے دروازے سے اندر آ کنئیں۔ بیہ گاؤں کیاؤ کیاں تھیں جو یہاں بیٹھ کرکڑ ھائی کیا کرتی تھیں ۔ میں اورمقبول اُٹھ کر کمرے میں آ گئے۔ دوپیر کا کھانا کھا کر میں سو گیا لیکن ڈھول اورنفیریوں کی آواز من کرمیری آنکھ کھل گئی۔ اُس وقت ساڑ ھے چار بجے تھے۔مقبول دروازے میں کھڑا تھا۔اس وقت انگوری ہارے لئے تہوہ لے آئی۔ میں نے کمرے سے باہرآ کر ڈرم سے منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے میں آ گیا۔ چائے پیتے ہوئے مقبول بتار ہاتھا کہستی والےروائلی کی تیاری کررہے ہیں۔

چند منٹ بعد جب ہم ماسی عائشہ کے گھر ہے رخصت ہوئے تو انگوری اینے کمرے کے دروازے پر کھڑی میری طرف دیکھر ہی تھی۔اُس کی آٹھوں میں بے پناہ اُداسی تھی۔ اب میری سمجھ میں آگیا کہ ضبح مقبول نے کس تیاری کی بات کی تھی۔ گاؤں کے چوراہے پر یہت سے لوگ جمع تھے۔ دوتین آ دمی ڈھول اور نفیریاں بجار ہے تھے۔ کچھاد ھیڑعمر آ دمی قلندرانہ رتھی کررہے تھے۔ایک بوڑھے نے سبز کرتا پہن رکھا تھا اور اُس کے سریرٹو پی بھی ہرے رنگ

لِلْ گی۔ حاریا کچ آ دمیوں نے ہرے رنگ کے جھنڈے اُٹھائے ہوئے تھے۔ایک جھنڈے پر کوئے سے کلمہ طیبیہ کھیا ہوا تھا۔ باتی حجنٹہ وں کے کناروں پر گوٹا لگا ہوا تھا۔ جتی سے جو قافلہ روانہ ہوا اُس میں میر ہےاور متبول سمیت میں بالمیں افراد تھے جن میں

مردبگی تھے،عورتیں اور بیچ بھی ۔ یہ قافلہ گلمرگ کے نواح میں پیر بابا کی درگاہ پر جا رہا تھا۔ ہر ۔ چانم^ل پہلی جعرات کو پیر بابا کی درگاہ ہر میلے کا ساساں ہوتا تھا۔اور آج پہلی جعرات تھی۔اب کاری بات میری سمجھ میں آگئی۔ہمیں گلمرگ مطلوبہ مقام تک پہنچانے کے لئے پیطریقہ اختیار کیا کیا تھا۔اور ظاہر ہے یہ یاانیک بہت پہلے اور بہت سوچ شمجھ کر کی گئی تھی۔تقریباً ایک تھنٹے ب^{عمد ہما}را قافلہ ڈھول تا شے بجا تاکلمرگ شہر ہے ایک میل وُ وراُس وسیعے وعریض قبرستان میں پہنچ یٰ جہاں پیر بابا کا مزار تھا۔ وہاں پہلے ہی ہے بہت سے لوگ جمع تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہاں ہِ میں یا فوج کے آ دمی بھی ہوں گے مگر ؤور ڈور تک کوئی ور دی والانظر نہیں آ رہا تھا۔

کا سب اسلحہ بالکُل نیا تھا جے ابھی تک استعال نہیں کیا گیا تھا۔

'' یہ اسلحہ مختلف چھاپہ مار کارروا کیوں کے دوران بھارتی فوجیوں سے چھینا گیا ہے۔''
کمانڈر محب اللہ کی ہے بات من کر مجھے چیرت ہوئی کہ وہ میرے دل کی بات کیے جان لیتا تھا؟
''اور بیرا کٹ ۔۔۔'' اُس نے راکوں والی پیٹی کی طرف اشارہ کر کے بات جاری رکھی۔'' یہ
راکٹ بھارتی فوجی کے ایک لیفٹینٹ سے خریدے گئے ہیں۔''

را بی بیانی در من بیل اسید؟ میں اُچیل پڑا۔ '' بھارتی فوجی ہمارے بدترین دخمن ہیں۔
ہاری بستیوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور بے گناہوں کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اُ تار
ہے ہیں۔ اسلحہ کی تلاش کے لئے وہ ہمارے گھروں پر چھا بے مارتے ہیں۔ ہمیں ہرطرح سے
نبتا کر دینا چاہتے ہیں تا کہ ہم اُن کے مقابلہ پر نہ آسکیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے
ہاتھوں میں کی بھی قیم کا اسلحہ اُن کی موت کا پیغام بن جائے گا۔ ایسی صورت میں کوئی بھارتی
ہوتی عہارتی تا کہ ہم اُن کے مقابلہ کے سے فروخت کرسکتا ہے؟

کما نڈرمحتِ اللّٰہ خاموتی ہے میری تقریر سنتار ہا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف می مسکراہٹ تھی۔ " بم ایک مقصد کے لئے کڑ رہے ہیں اور و مقصد ہے آزادی۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہیں ۔''وہ کہدر ہاتھا۔''لیکن بھارتی فوجیوں کے پیش نظر کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ ایک بے مقصد جنگ لؤرہے ہیں۔ وہ تو سرکار کے ملازم ہیں جن کے باتھوں میں بندوق تھا کر جنگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ وہ ہر مہینے ملنے والی پکھار کے لئے بندوق اُٹھانے پر مجبور ہیں۔اگروہ انکار کردیں تو اُنہیں فوج کی نوکری سے نکال دیا جائے گا اور اُن كے بال بي بھو كے مرجائيں گے۔وہ اس لئے لانے پر مجبور ہيں كه أنہيں اپني جان بچائى ہاور جان بچانے کے لئے وہ جدیدترین اسلحہ بے دریغ استعال کرتے ہیں۔لیکن، وہ چنر کون اموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔''لیکن جنگ نہ تو اسلح سے لڑی جال ہاورنہ ہی نفری سی کو فتح دلا عتی ہے۔ جنگ تو جذبے سے اور نہ ہی نفری سے جذبہ جو یہاں بوتا ہے۔'' اُس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔''کوئی مقصد ہوگا تو جذبہ بھی پیدا ہوگا اور جب لول مقصد ہی سامنے نہ ہوتو کیسا جذبہاورنفری یا تعداد سے کیا ہوتا ہے۔ بھارت سر کارنے آبات اا کھ فوج تشمیر کی اس جنگ میں جھو نک رکھی ہے۔ لیکن اب تک کیا کر لیا ہے اُنہوں نے؟ مظُّوموں اور بے گناہوں کو ہر ہریت کا نثانہ بنانے کے لئے اُنہوں نے کیا، کیا ہے؟ نہتے اور پُرمکون لوگوں کی بستیوں پر آگ برسا کر اُنہیں خاکشر کر دینے کے ملاوہ کیا تیر مارا ہے ان بہت لاکھ سور ماؤں نے؟ کیا بے گنا ہوں کو بے در دی سے موت کے گھاٹ اُ تار دیے ہے۔ '' ''بتن بستیوں کواُ حاڑ دینے اور جلا کر را کھ کر دینے ہے آ زادی کی پیٹحریک حتم ہو جائے گی؟' نیورسمیریوں کے جذبہ آزادی کو کچل دیا جائے گا؟ نہیں میرے دوست!'' اُسِ کی نظریں ا ترے چیرے برمرکوز تھیں۔ میں نے پہلی مرتبہ اُسے اس طرح بولتے دیکھا تھا۔''تہیں میرے

شام ہوگئی تھی۔ مزار پر بجلی کی روشی کا انتظام نہیں تھا۔ جگہ جگہ زمین میں گڑھی ہوئی لکڑیا پر لاٹٹینیں لئی ہوئی تھیں۔ اچھا خاصا رش تھا۔ تو الی کا پروگرام ختم ہو چکا تھا۔ لوگ جوق در چو مزار پر دُ عا ما نگنے کے لئے آگے ہڑ ہور ہے تھے۔ پیر بابا کی قبر جس تجرے میں تھی اُس کا درولا بھڑ ا ہوا تھا۔ ایک آ دمی مجھے دھکیلتا ہوا اُس دروازے کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں اِدھراُلو د کھے رہا تھا۔ مقبول بھی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ آ دمی مجھے دھکیلتا ہوا دروازے کے اندر لے اُ

اور پھر درواز ہ بند ہو گیا میں نے مُرد کر اُس شخص کی طرف دیکھا اور چونک گیا۔وہ کمانڈ ررشید تھا..... مزار کے اس حجرے کے اندر طاقح وں میں سرسول کے تیل کے دیئے جل رہے تھے اورا

دان میں اگر بتیاں بھی سلگ رہی تھیں۔ جمرے میں چراغوں اور اگر بتیوں کا دُھواں بھر اہوا تھا کمانڈر رشید جمھے قبر کے سنگ مرمر کے تعویذ کے پاس لے آیا۔ اُس نے نیچے جھک کر جگہوں پر قبر میں گئے ہوئے سنگر مرم کے نکڑوں کو مخصوص انداز میں دبایا اور پھر قبر کے تعویدٰ دونوں ہاتھوں سے ایک طرف دھکینے لگا۔ قبر کا تعویذ صندوق کے ڈھکنے کی طرح اُوپر اُٹھتا! گیا۔ اُس کے نیچے خلاتھی جس کے اندر سیڑھیاں تھیں۔

مانڈررشید نے مجھے اشارہ کیا، میں جھک کر اُس خلامیں اُٹر گیا اور ڈھکنا بند ہو گیا۔ نیچے کہیں مدھم ہی روشی نظر آ رہی تھی۔ میں محتاط انداز میں سیر ھیاں اُٹر تا چلا گیا اور پھر ہا پہنچ کرمیری آئھیں جیرت سے پھیلتی جلی گئیں۔ میہ بہت وسیع وعریض تہہ خاندتھا جس میں ا کی تئی پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں اور اُن کے قریب ہی کمانڈر محبّ اللہ،عبدالغنی لون اور تین آد کھڑے تھے۔اُن سب کے ہونٹوں پرمسکراہے تھی۔

کیا نثر رمحتِ الله نے دونوں بانہیں بھیلا دیں اور میں دوڑ کر اُن سے لیٹ گیا۔ م

وہ بہت وسیع وعریض تہہ خانہ تھا اور ایک طرف لکڑی کی بڑی بڑی کم و بیش ہیں بانگی بیٹیاں رکھی ہوئی تھیں جن میں مختلف قسم کا اسلح بھرا ہوا تھا۔ ان پیٹیوں کے بیچھے تین لائٹ منگل کنیں بھی نظر آ رہی تھیں ۔ اُن مشین گنوں کو کندھوں پرلا دکر آ سانی ہے ایک جگہ سے دوسری ہگئی منتقل کیا جہ سکتا تھا۔ ان کے قریب ہی چار دوکا (کندھے پر رکھ کر راکٹ فائر کر نے منتقل کیا جہ سکتا تھا۔ ان کے قریب ہی ایک کھلی ہوا گئی میں ایک در جن راکٹ رکھے ہوئے تھے۔ یہ راکٹ بھی رُ وی ساخت کے تھے اور ای کھلی ہوا گئی میں ایک در جن راکٹ رکھے ہوئے تھے۔ یہ راکٹ بھی رُ وی ساخت کے تھے اور ای کھلی ہی ایک میں ایک در جن راکٹ ہی تھے۔ گئی پیٹیوں میں سب مشین گئیں تھیں۔ کم از کم چار پیٹیال ایکو بیش میں اور بھرے ہوئے میں گؤلیاں کھلی بھی تھیں اور بھرے ہوئے میٹن گئوں کی گولیاں کھلی بھی تھیں اور بھرے ہوئے میٹن کیو بھی تھے۔ یہ تمام اسلحہ مجھے کما نڈر محب اللہ نے دکھایا تھا اور میرے لئے جیرے کی بات یہ تھی کہ یہ سا

ے بر ھے ہوئے شیو، سر کے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے۔ کپڑوں کو دیکھ کرلگتا تھا جیسے گئی _{روز سے}جسم سے جدا نہ ہوئے ہوں۔ ایک آ دمی تو ایسا تھا جس کے کرتے پر دو مِگہ پیوند لگے

اُن سب کے حلیے دیکھ کرلگتا تھا جیسے وہ بھکاری ہول لیکن وہ بھکاری نہیں تھے۔ بیتو کسی کروڑتی ہے بھی زیادہ دولت مند تھے۔ان کے پاس تو جذبے کی بے پناہ دولت تھی۔ان کے

ی عمله کی قوت تھی۔ بیاس وادی کے امین تھے جس پر غاصبوں نے قبضہ جمار کھا تھا اور بیان غاصبوں کو یہاں سے نکالنے کی جدو جہد میںمصروف تھے۔ بیتو ہیروز تھے۔کشمیر کےمظلومعوام کی اُمیدول کامرکز تھے۔

مقبول اورحسن ، بسال یور سے میرے ساتھ آئے تھے۔لیکن وہ اس تہہ خانے میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے اُن دونوں کواُو یہ جموم کے ساتھ قلندرا نہ رقص کرتے ہوئے ویکھا تھااور میرا خال تھا کہ وہ بھی مجھ دیر میں یہاں پہنچنے والے تھے۔

میں تہہ خانے میں إدھر اُدھر دیلِقار ہا۔اس تہہ خانے میں انسانی کوششوں کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔اور مجھے یہا نداز ہ لگانے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہاس تہہ خانے کےمعرض وجود میں آنے میں بھی یائی کا کمال تھا۔ ہوسکتا ہے نسی زمانے میں اُو نیچے بیباڑوں سے آنے والا یائی اں جگہ کوئی راستہ یا کر زمین کے اندر داخل ہو گیا ہواور پھرا ندر ہی اندر چٹانوں کواس طرح کا مثآ

دیواریں ناہموار اور کئی کھٹی تھیں ۔ کئی جگہوں پر تنگ سی دراڑیں نظر آ رہی تھیں ۔ فرش بھی ہمواراور اُونجا نیجا تھا۔ قبرستان کے نیچے بہ قدر بی تہہ خانہ جیسا بھی تھا مجاہدین کے لئے ایک

عبدالغیٰ لون اُس دفت میرے قریب ہی کھڑا تھا۔ میں نے اس تہہ خانے کے بارے میں مریافت کیا تو و ہمسکراتے ہوئے بتانے لگا۔

"ميري معلومات كے مطابق ساٹھ سال پہلے يبال بہل قبر بن تھی۔"وہ كهدر ہاتھا۔" يانا فہرستان کلمرگ شہر کے دوسری طرف ہے۔ وہاں جگہ نہ بچی تو یہاں قبرستان بنا لیا گیا۔ بئنوستان کے بٹوارے کے بعد تشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس قبرستان کی آبادی میں بھی اضافیہ بُڑے لگا۔ آ زادی کی تحر یک جیسے جیسے زور پکڑ لی گئی بہ قبرستان بھی پھیلتا چاہا گیا۔ تقریباً تمیں اں پہلے'' وہ ایک کمیح کو خاموش ہوا پھر بات حاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔'' تقریباً تمیں ^{ہاں} پہلے یہاں ایک قبر کھودی جا رہی تھی تو زمین کے <u>نیچے</u> کی مٹی بیٹھتی جلی گئی اور قبرستان کے پیچائ^{ی ومای}غ وعریض غار کا انکشاف بوا۔اس غار کوراز میں رکھا گیا اوریبا**ں ایک حجر ہ**عمیر کر ^{ہے ا} لی^{س نع}یف العمر آ دمی کو بٹھا دیا گیا۔وہ بڑااللہ لوک تھا۔ کچھ لوگ اُس کے باس اُٹھنے بیٹھنے ۔اس طرح وہ پیر بابا کے نام ہے مشہور ہو گیا۔ دس سال پہلے پیر بابا کا انتقال ہوا تو اُس کی

دوست!'' اُس نے ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔''جذبہ بھی نہیں مرتا اور آزادی کی م تح یک کوبھی نہیں کیلا جا سکتا۔اس کی بہت ہی مثالیں ہارےسامنے ہیں۔زیادہ دُور جائے'، ضرورے نہیں ۔انغانستان کو دیکھ لو۔۔۔۔۔غیور انغانیوں نے دنیا کی اُس وقت کی سب سے پڑہ طاقت سوویت یونین کوافغانستان ہے بوریابستر گول کرنے پرمجبور کر دیا۔اور بیافغانستان م

عبرتناك شكست كانتيجه تفا كهسوويت يونين كاشيراز وبلهمر كميالهمميل وبيتام اورالجزائر كوجهي كمير بھولنا جا ہے۔اُنہوں نے طویل عرصہ تک اپنے سے کئ گنا زیادہ طاقتور دشمنوں کے خلاف بنگہ لڑی اور بالآخرا پی منزل پر پہنچ گئے۔ بوسنیا اور چیچنیا کی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ آزاؤ کے متوالے بے سروسامانی کی حالت میں طاقتور دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں ۔نفری اور جدہ ترین اسلحہ سے کوئی جنگ نہیں جیتی جا سکتی۔ جنگ جیتنے کے لئے جذبہ کی ضرورت ہولی ہاد بھارتی فوجیوں میں یہ جذبہ مفقو د ہے۔وہ تو نخواہ کے لئے بندوق اُٹھانے پرمجبور ہیں -اورا کم بات اورتمہیں بتا وُوں ، یہ بنیا قوم جو ہے تا ،صرف یمیے کو بوجتی ہے..... پیسہ ہی ان کا دین دھ^{ر،} ہے۔ بزی بے میرقوم ہے یہ۔اور یہ اسلحہ ہم نے ایسے ہی بھارتی فوجیوں سے خریدا ہے جہیم اپے قوی مفاد سے زیادہ اپنا ذاتی مفادعزیز ہے۔''

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا اور چند کمحوں بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔'' بھارا سینا میں ایسے بہت سے سور ما موجود ہیں جو بیر چاہتے ہیں کہ جب تشمیر میں اپنی ڈیونی یور گا کہ کے واپس جانمیں تو اُن کی جیسیں نوٹوں سے بھری ہوتی ہوں۔اُن میں معمولی سیا ہی سے لے! رہاہو کہ یہاں زیرز مین غاربن گئے تھے۔ پیمل بھی صدیوں بعدیا پیشمیل کو پہنچا ہوگا۔ بر گیبڈیئر تک کے اعلیٰ افسران بھی شامل ہیں ۔اور وہ بیوتوف پیمپیل مجھتے کہ پینے کے لا مج ٹملا جواسلحہ وہ ہمارے ہاتھ فروخت کرتے ہیں وہی اسلحہ اُن کے خلاف استعمال ہو گا اور وہ خود گل مارے جانمیں گے۔ جس لیفٹینٹ نے ہمارے آ دمی کے ہاتھ یہ راکٹ فروخت کئے ہلا کہترین پناہ گاہ بنا ہوا تھا۔ تیسرے ہی روز وہ ہندولیفٹینٹ بیّن میں مجاہدین کے ساتھ ایک جھڑ ہے میں مارا گیا تھا۔''

> '' آپٹھک کہتے ہیں کما نڈر!'' میں نے جواب دیا۔''مقصداور جذبہ یہی دو چیزیں ہیں ا منزل تک پہنچانی ہیں اور'' میں بات کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔ ڈھول اور تاشوں کے ش کی آواز میری ساعت سے نگرانے گی تھی۔

کمانڈ رمحت اللہ دو تین قدم اُٹھا کر آ گے بڑھ گیا۔ میں بھی سٹرھیوں کی طرف دیکھنے لگا اُو پر سے ڈھول اورنفیریوں کی آواز بدستور سائی دے رہی تھی۔اور پھر وہ آواز دفعتہ بند ہونا اور چند سینڈ بعد دوآ دمی سیرھیوں والے راہتے سے نکل کر ہمارے سامنے آگئے۔ اس کے پانچ منٹ بعد دوآ دمی اورا ندرآئے تھے۔اُس وقت بھی ڈھول وغیرہ کی آواز طلأ دی تھی۔ میں سمجھ گیا جب نسی کے اندرآنے کے لئے حجرے میں واقع قبر کا سنگ مرمر والانعظ و هڪنے کی طرح اُٹھایا جاتا تھا تو باہر کی آوازیں سنائی دیے لگتی تھیں۔تقریباً ایک گھنٹے کے الم اس تہہ خانے میں چودہ آ دمی جمع ہو چکے تھے۔اُن سب کے حلیے بڑے مجیب تھے۔گئی گئی اللہ ایے اسلحہ کی ٹریننگ کے لئے اگر چہ خاصا وقت درکار ہوتا ہے لیکن مجاہدین کے پاس نہ تو کوئی ٹریننگ کیمپ تھا اور نہ بی اتناوقت۔ وہ ہرقتم کے اسلحے کا استعمال چند منٹوں میں سکھ لیت تھاور دفتمن کے خلاف چھا ہہ مار کارروائیاں ہی اُن کی اصل ٹریننگ تھی۔ میں نے آ دھے گھنٹے میں ایل ایم جی کا استعمال سکھ لیا اور بیلٹ چڑھا کر بھی دکھایا اور دوسر نے فنکشنز کے استعمال کا بھی مظاہرہ کیا۔ دوسر نے فنکشنز کے استعمال کا بھی مظاہرہ کیا۔

'''ر'گر شید'' اکبر مسکرا دیا۔''تم واقعی ذہین آ دمی ہو۔اس کا بیلٹ عام طور پر پیٹی میں ہوتا ہے اور گئز ۔۔۔۔۔۔'' اکبر مسکرا دیا۔''تم واقعی ذہین آ دمی ہو۔ اس کا بیلٹ کے ساتھ اس کا ایک ہمیل بھی ہوتا ہے جو بیلٹ کے فنکشن کا خیال رکھتا ہے۔لیکن ہمارے پاس زیادہ آ دمی نہیں ہوں گے۔گولیوں والا بیلٹ بھی تمہیں ہی اُٹھانا پڑے گا۔ اس طرح ۔۔۔۔'' اُس نے بیٹی میں سے گولیوں سے بھرا ہوا بیلٹ نکال کرا پنے جسم پر لپیٹ لیا اور پھر میں نے بھی اُسے بیلٹ این جسم پر لپیٹ لیا اور پھر میں نے بھی اُسے بیلٹ این جسم پر لپیٹ کر دکھایا۔

یں سے اس کا بیلٹ تھا اور خاصا وزنی تھاکین میرا خیال تھا کہ میں بیلٹ اورامل ایم جی ا ہزار گولیوں میں گئی میل تک بے تکان چل سکتا تھا۔ اُٹھا کریہاڑیوں میں گئی میل تک بے تکان چل سکتا تھا۔

سر سرسیاں حدودہ و روہ ں بیں دروں ہیں و پہتے کا صفوات کارروائی میں جو مجاہد ہے۔ یہ تو مجھے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ اس بھارتی نو جی کیپ کے خلاف کارروائی میں جو مجاہد ہے۔ شریک ہوں گے اُن میں میرا نام بھی شامل ہے۔ اور اس لئے مجھے یہاں لایا بھی گیا تھا۔ باتیں کرتے ہوئے میں وقتا فوقتا اِدھراُدھر بھی دکھی رہا تھا۔ بعض دوسرے آدمیوں کو بھی ایل ایم دوسرے مجاہدین کو بھی اس طرح خفیہ طور پریہاں جمع کیا جارہا تھا۔ کیکن اپنے آپ کوایک بڑا جی اور راکٹ چلانے کے بارے میں بتایا جارہا تھا۔

ایک بڑی کارروائی نے پہلے یہی وہ مختصر کمات تھے جب ان مجاہدین کووہ اسلحہ چلانے کی تربیت دی جارہی تھی جوانہوں نے پہلے بھی استعال نہیں کیا تھا۔اوریہاں پرموجود کما نڈرز اُن کااس تربیت ہے مطمئن تھے۔

ای دوران تہہ خانے کے ایک کونے میں جا کرایک آدمی نے کیراسین آکل کے چو لیے پر بغیر دُودھ کی چائے بنائی۔ یہاں اس سے پہلے شاید اس سے بھی زیادہ تعداد میں مجاہدین آتے رہتے تھاں لئے مگوں اور پیالوں کی کی نہیں تھی۔ چائے تقسیم کرنے کے ساتھ اُس نے زمین پوچار بھی کوار بھی کہ بر میں نمک ملے آئے کی روٹیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہر خض اپنے اپنے حصے کی روثی لے کراپی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی ایک روثی لے لیاور نوالے تو ڑ تو رُ کر قبوہ کے ساتھ کھانے لگا۔

کھانے سے فارغ ہوکر کمانڈر محب اللہ، کمانڈر رشید اور عبدالغی لون اکھے بیٹھ گئے۔ ہم الوگ بھی اُن کے گردجع ہو گئے۔ ہم الوگ بھی اُن کے گردجع ہو گئے۔ کمانڈر محب اللہ زمین پر بھارتی فوجی کیمپ کی لوکشن کا نقشہ بنا کر حملے کے پروگرام کوفائل کچ دینے لگا۔ اس وقت مجھے پنہ چلا کہ اس کارروائی میں کمانڈروں میست پومیس مجاہدین حصہ لینے والے تھے۔ اٹھارہ تو اس تہہ خانے میں موجود تھے جبکہ باتی چھ میست پومیس مجاہدین حصہ لینے والے تھے۔ اٹھارہ تو اس تہہ خانے میں موجود تھے جبکہ باتی چھ میں جو میں بیتا چلا کہ وہ بھارتی وہ بھاری رہنمائی کریں گے۔

قبر پر بھی ایک جمرہ تقمیر کر دیا گیا۔ اس دوران میہ پختہ قبر بھی تقیر کر لی گئے۔ تہہ خانے کے راس ا چھیانے کا یہی ایک بہتر طریقہ تھا۔ یوں تو بھارتی وحثی فوجی جنازوں پر فائر نگ کرتے ہیں او کوئی شبہ ہونے پر قبریں تک کھود ڈالتے ہیں لیکن اس مزار پر آنہیں آج تک کوئی شبہ نیس ہو ما یہ تہہ خانہ مجاہدین کے لئے پچھلے دس پندرہ سال سے ایک چھوٹے سے اسلحہ ڈیو کا کام دے، ہے۔ یہاں جمع ہونے والے اسلح کوروکائہیں جاتا، وقنا فوقنا مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ضرورت کے وقت مجاہدین یہاں پناہ بھی لے لیتے ہیں۔ گلمرگ اور اس کے قرب و جوار میں چھاپہ مار کارروائیوں میں ہمارا پلہ اس لئے بھی بھاری رہتا ہے کہ یہاں سے ہمیں ضرورت ا اسلحہ ل جاتا ہے اور بھارتی فوجی آج تک بیرس اغ نہیں لگا سکے کہ اُن کی ناک کے مین فیر بہت بری چھاؤنی ہے محض ڈیڑھ دومیل کے فاصلے پر ہمارا بداؤہ موجود ہے۔'

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔''لیکن جب سے شہر کی جنوب میں ہمارتی فوج کا وہ کیمپ اور گولہ بارود کا ڈیو بننا شروع ہوا ہے اس علاقے میں ہمارا مرکز میاں محد و دہوکررہ گئی ہیں اور آج اس ڈیو کے خلاف کارروائی کا پروگرام ہے۔' سرتو مجھے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ اس بھارتی فوجی کیمپ کے خلاف کارروائی میں جو مجاہم یا شریک ہوں گے اُن میں میرا نام بھی شامل ہے۔ اور اس لئے مجھے یہاں لایا بھی گیا تھا

کارروانی کےاس قدرقریب د کیچکرمیر ہے جسم میں سنی کی لہریں می دوڑ رہی تھیں اس دوران چار آ دمی اور آ چکے تھے۔ اور پھر کمانڈر محبّ اللّٰہ نے جمجھے اشارے سے ا قریب بلاکرا کیک نوجوان محاہد کے حوالے کر دیا۔

فریب بلا کرایک و بوان جاہد سے واسے کردیا۔ '' آج کی کارروائی کے دوران تم لائٹ شین گن سنجالو گے۔اکبر کے ساتھ جاؤ! بیتہا امل ایم جی چلانا سکھا دےگا۔زیادہ مشکل نہیں ہےتم چند منٹ میں سیکھلو گے۔''

ایل ایم جی چلانا سلھا دےگا۔ زیادہ مسلم بین ہے م چند منٹ کی سیھے تو ہے۔ میں نے اثبات میں سر بلا دیا۔ آٹو مینک راکفل اور سبہ مشین گن کے استعال میں تو مجھ رہتے تھے اس لئے مگوں اور یہالوں کی کی نہیں تھ خاصی مہارت ہو چکی تھی اور اب لائٹ مشین گن میرے بدن میں برتی لہریں ہی کوند نے گئیں، پچادر بچھا کرایک بڑی ہی پوٹلی کھول دی تھی جس اکبر نے ایک لائٹ مشین گن اٹھا کرایک طرف رکھ دی۔ اس کے آگے نال کے ساتھ ہے ہو تھا۔ ہر تھی اپنے اسے جھے کی روٹی کے کراپنی ا کی طرف ایک سٹینڈ لگا ہوا تھا جس سے گن کی نال کچھ اُوپر اُٹھا گئی تھی۔ لیکن اپنی مرضی ۔ کلاور نوالے تو ژبو ژ کر قبوہ کے ساتھ کھانے لگا۔ مطابق اے حرکت دی جاسکتی تھی۔

سل بن اسے و ت و کی نہیں ہے۔' اکبر بتا رہا تھا۔' اسے کندھے پر رکھ کر بڑی آسانی۔ '' یہ گن زیادہ وزنی نہیں ہے۔' اکبر بتا رہا تھا۔'' استعال بھی زیادہ مشکل نہیں ہے۔'' چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جمھے گن کے جیھیے پوزیش میں بٹھا دیا اور اُس کے استعال کے بار۔ میں بتانے لگا کہ کس طرح بیائے لوڈ کیا جاتا ہے، لاک، ٹرائیگر اور گرپ کہاں ہونی چاہے وہ غ طے شدہ پروگرام کے مطابق کیمپ پرحملہ تین مختلف اطراف سے کیا جانا تھا۔ اس طر مجاہدین بھی تین پارٹیوں میں تقسیم ہو جاتے۔ ہر پارٹی میں آٹھ مجاہدین ہوتے۔ ایک پارٹی کما نڈر محتِ اللہ تھا، دوسری پارٹی کی کمان کمانڈر رشید کوسونی گئی جبکہ تیسری پارٹی کی قیادر عبدالغنی لون کے سپردکی گئی تھی۔ ہر پارٹی کو کارروائی کممل کرنے کے بعد مختلف سمتوں میں فر جو جانا تھا۔

ہ و ہا سات میں کما نڈرمحبّ اللہ کی پارٹی میں تھا اور ہمیں انتہائی جنوب کی طرف سے کیمپ پرحملہ آور ؟ تھا۔ یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ ہر پارٹی سی سگنل کا انتظار کئے بغیر ٹھیک چار بجے اپنی کاررولا شروع کر دے گی۔ وہ فوجی کیمپ اُسی قبرستان سے تقریباً پانچے میل کے فاصلے پر تھا۔ راستہ پہاڑی اور فاد

لوگوں کی بیلٹوں میں بینڈ گرنیڈ بھی اڑ ہے ہوئے تھے۔ ہم لوگ ٹھیک ایک بج جمرے میں واقع قبر کے راستے اُس تہہ خانے سے رخصت ہ شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے کما نڈر رشید کی پارٹی وہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ اس کے بھ عبدالنی لون پندرہ منٹ کے وقفے سے اپنی پارٹی لے کر رخصت ہوگیا۔ اس کے مزید پندا منٹ بعد کما نڈرمحتِ اللہ کی رہنمائی میں ہم بھی ایک ایک کر کے باہر آگئے۔

جرے میں ایک بوڑھا دروایش بیٹھا ہوا تھا۔ آخری آ دمی کے باہر آتے ہی اُس نے قبر ہٹا

کردی اور ہمارے ساتھ ہی جمرے سے باہر آگیا۔ ہرطرف گہرا نیاٹا تھا اور تاریکی تھی۔ یہ چاندگی پہلی جمعرات تھی اور غالبًا چار تاریخ تھی لیکر چوتھی کا چاند بہت پہلے آسان سے رخصت ہو چکا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں آدھی رات کا وقت قبرستان میں آنے کی ہمت بھی نہ کر پاتا۔ لیکن اب صور تحال دوسری تھی۔ اس تاریکی الا سنائے کا مجھ پر کوئی ایر نہیں تھا۔

م المستوری اللہ میں اللہ ہوں ہے نکل کر پہاڑیوں کی طرف جارہے تھے۔ میں نے آگا م تبه مُرد کر بائیں طرف دیکھا تقریباً ڈیڑھ میل دُورنشیب میں گلرگ شہر نیند کی آغوش میں قا

شہر میں کہیں بہیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔شہر سے پرے قدرے بائیں جانب عدارتی فوجیوں کی چھاؤنی تھی۔

بھاری تو بیوں کی چیادی جاتے ہوئے بہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ کما نڈر محت اللہ سب ہمسلسل جنوب کی طرف ہٹتے ہوئے بہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ کما نڈر محت اللہ سب ہے آگے تھا۔ میں اُس کے بیچھے چو تھے نمبر پر تھا۔ انہی بہاڑیوں میں چلتے ہوئے ہمیں تقریباً پہنچ میں کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ ہم مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ایل ایم جی خاصی وزنی تھی۔ میں ایک کندھے پر منتقل کرتا اور بھی دوسرے کندھے پر -شروع میں تو سے وزنی تھی۔ میں آ

جھے کھورز کی تکی تھی کیلن اب میں اس کا عادی ہو گیا تھا۔ تقریباً دومیل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک کشادہ ندی میں اُڑ گئے۔ندی اگر چہ گہری تھی نیکن جگہ جگہ بڑے بڑے پھر پڑے ہوئے تھے۔ہم اُن پھروں پر اُچھلتے ہوئے ندی پارکر گئے۔ کچھ دُور تک ہم ندی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے پھر پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔اس مرتبہ ہم مسلس بلندی کی طرف جارہے تھے۔

راجہ ہم میں میں میں میں جا جہ ہم ہم ہما ہے۔ راستہ بردا مخصن تھا اور وہ مکڑا تو بہت خطرناک تھا جوا یک عمودی چٹان کے ساتھ واقع تھا۔ چٹان کے ساتھ تین چارفٹ چوڑی گری باہر کونکلی ہوئی تھی جس کے دوسری طرف ڈھائی تین سو نے گہرا کھڈتھا۔ ذراسی لغزش موت کے منہ میں دھیل سکتی تھی۔

ہم زُکے بغیر مسلسل چلتے رہے۔ میرے جسم پر لپٹا ہوا گولیوں کا ہیلٹ بھی خاصا وزنی تھا اور
کند ھے پرلدی ہوئی ایل ایم جی بھی بھاری تھی۔ اُو نچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے میرا سانس
پھولنے لگا، اور میرا خیال ہے تقریبا ڈھائی گھنٹوں تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد ہم ایک جگہ
دُکے تھے۔ یہاں چنار کے چند اُو نچے درخت تھے۔ تیز ہوا سے اُن کی شاخیں بھی جارہی تھیں
اور چوں کے آپس میں نکرانے سے پیدا ہونے والی آوازوں سے یوں لگتا تھا جیسے سینکڑوں
پندے بیک وقت پھڑ پھڑار ہے ہوں۔

میرے تمام ساتھی کچھڑوں پر بیٹھ گئے تھے۔ میں بھی ایل ایم جی کندھے سے اُتار کرایک پھر پر بیٹھ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ کما نڈرمحتِ اللہ ہم سے چند گز آگے چلا گیا تھا۔ وہ پچھ دیر تک تاریکی میں گھورتاریا۔

101 100

ے گزرتا تھا۔

پکی سے ہم مسلس نشیب میں اُترتے رہے اور پھر بلندی کی طرف جانے گئے اور بالآخرا یک جگہ ، بھی _کی گئے۔ یہاں دائیں بائیں بھی گھڈتھے جن میں آسانی سے چھپا جاسکتا تھا۔ ، بعر کمانڈرمحبّ اللہ نے بڑے مختاط انداز میں سراٹھا کراو پر دیکھا، پھرینچے جھک کرنہایت مدھم آدی ہیں: میں ہمیں مدایات دینے لگا۔ سب اینا اینا اسلحہ تارکرنے لگا۔ اس قدراحتیاط ہے کام لیا

آواز میں ہمیں بدایات دینے لگا۔سب اپنااپنااسکھ تیار کرنے لگے۔اس فقر راحتیاط سے کام لیا ایا ہاتی کہ معمولی می آواز بھی پیدائہیں ہور ہی تھی۔کوئی معمولی می آواز بھی ہوا کے دوش پر دشمن انسان سے پہنچ سکتے تھی

نے کانوں تک بیٹی سکتی تھی۔

میں نے ایل ایم بی کندھے ہے اُتار لی تھی لیکن بیلٹ ابھی نہیں اُتارا تھا کیونکہ گن کو اس جگہ نٹ نہیں کرنا تھا۔ میں نے بہت محتاط انداز میں سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرے جسم میں سنسنی کی لہریں ہی دوڑنے لگیں

ہم نے تقریباً پچاس گز آگے اُونجی جگہ پروہ خاردار باڑتھی جس کے ساتھ واچ ٹاورز بے ہوئے تھے اور اُس باڑ کے دوسری طرف کسی قدرنشیب میں کئی فوجی بیر کیس نظر آرہی تھیں۔ کئ خیے بھی تھے۔ ایک طرف لا تعداد ٹرک بھی کھڑ ہے تھے۔ اس وسیع وعریض علاقے میں جگہ جگہ بتیاں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی ہی کی وجہ ہے وہ سب کچھدد کھناممکن ہوسکا تھا۔

آیک واچ ٹاور ہمارے بالکل سامنے تھا۔اُس کی بلندی تقریباً بندرہ فٹتھی۔اُس کی جیت پھی ایک بلب جل رہا تھا جس کی روشنی میں ٹاور پرنصب بھاری مشین گن صاف نظر آ رہی تھی۔ دونو جی تھے جن میں ایک گن کے سامنے مستعد بیٹھا تھا اور دوسرا اُس کے قریب کھڑ اسگریٹ کے ش لگار ہاتھا۔اُس کے کندھے پر بھی سب مشین گن کئی ہوئی تھی۔

کمانڈرمحتِ اللّٰہ نے ہم سب کو سمجھا دیا تھا کہ کس کو کیا کرنا ہے؟ اور پھراُس نے مقبول کو اشارہ کیا۔ وہ کھڈے میں زمین پر جھکتا ہوا ہائیں طرف چلتا چلا گیا۔

میرے دل کی دھڑکن خوفناگ حد تک تیز ہوگئی تھی۔ نجھے وہ وقت یاد آگیا جب ہم نے سرینگر گلمرگ روڈ پر کسی جگہ بھارتی فوجی قافلے پر تملہ کیا تھا۔ وہ صورتحال پچھاورتھی۔ ہم نے فرطوں کے چلتے قافلے پر گھات لگا کر حملہ کیا تھا۔ بھارتی فوجیوں کو منبطلنے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔ بیاں صورتحال مختلف تھی۔ دشن مستعد بہیفا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مشین گنیں تیار محمل کیا تھا۔ بیاں زبر دسنت مقالے کی توقع تھی۔

اور پھر ٹھیک جار بجے خاموش فضا فائرنگ کی آواز ہے گونج اُٹھی یہ فائرنگ اُس طرف سے ہوئی تھی جس طرف مقبول گیا تھا۔حس پہلے ہے وہاں موجود تھا۔ چار بجتے ہی اُنہوں نے

کمانڈر محت اللہ کے خاموثی ہونے پر مجھیڑئے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ یہ آواز کی دُور سے آتی ہوئی محسوں ہوئی تھی۔ کمانڈر محتِ اللہ نے جواب دیا۔ دوسری طرف سے بھی جواب ملا اور پھر خاموثی چھا گئی۔ گریہ خاموثی زیادہ دیر تک برقر ار نہیں رہ سکی تھی۔ دومنٹ بھر ہی چھوٹے چھوٹے پھروں کے لڑھکنے کی آواز سائی دینے گئی۔ صاف لگ رہا تھا کہ کوئی آدئی مختاط انداز میں چل رہا ہے۔ اور پھر چند سکینڈ بعدیمی وہ شخص سامنے آگیا۔

وہ مقبول تھا۔اب یہ بات میری سمجھ میں آئٹی کہ مقبول اور حسن خان بابا کی درگاہ پر آئے ۔ کے بعد کہاں غائب ہو گئے تھے۔اُنہیں غالبًا ہراؤل دیتے کے طور پر آگے بھیج دیا گیا تھا اورائ مقررہ جگہ پرسکنل پاکر مقبول سامنے آگیا تھا جبکہ میرے خیال میں حسن بھی قرب و جوار میں ۔ کہیں موجود ہوگا۔

مقبول نے سیاہ لمبا چوغاقتم کا کرتا بہن رکھا تھا۔ سر پرٹو پی بھی کالی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں سب مشین کن تھی اور کمر پر بند ھے ہوئے پئے میں کئ فاضل میگزین اڑ سے ہوئے تھے۔ ''کیا صورتحال ہے۔۔۔۔؟'' کمانڈ رمحب اللہ نے پوچھا۔ اُس کی آواز سرگوثی سے زیادہ بلند نہیں تھی

''سبٹھیک ہے۔۔۔۔'' مقبول نے جواب دیا۔'' ہماراوہ راستہ بالکل محفوظ ہےاور کیمپ میں بھی کوئی غیر معمولی سرگرمی دکھائی نہیں دیتی۔گران چوکیوں پر بھاری مشین گئیں نصب ہیں اور ہر چوکی پر دو دوفوجی بیٹھے ہوئے ہیں۔گران چوکیوں پر سرچ لائٹس بھی جل رہی ہیں جن سے خاردار باڑ کے ساتھ ساتھ اندراور باہر چندفٹ تک کا علاقہ روثن ہے۔اس روثنی کی وجہ سے باڑ تک پنجناممکن نہیں۔''

. '' ناممکُن کا لفظ ہاری لغت میں نہیں ہے۔'' کمانڈ رمحبّ اللہ نے کہا۔'' آ گے بڑھو! ہمارے ہاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

۔ کمانڈ ر کا اشارہ پا کر ہم سب اپنی جگہوں ہے اُٹھ گئے اور مقبول کے بیچھیے بیچھے ایک قطار میں جلنے لگے۔

وزختوں کے جھنڈ سے نکل کرایک بڑی جٹان کے دوسری طرف آتے ہی میں چونک گیا۔ ہائیں طرف کسی قدرنشیب میں روشنیوں کی قطارنظر آربی تھی۔ بیروشنیاں کہیں زیادہ بلندی؟ تھیں اور کہیں کسی قدر نیچے۔ بیسرچ لائٹس اُن ٹاورنما تگران چوکیوں پرنصب تھیں جو باڑ^{کے} ساتھ تھوڑ ہے تھوڑے فاصلے پر بنی ہوئی تھیں۔

تقریباً سوگز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک دراڑ میں داخل ہو گئے۔ یہ دراڑ اس قدا کشادہ تھی کہ اس میں دو آ دمی پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ یہ دراڑ دراصل آ بی گزرگاہ تھی، برسات کے دنوں میں پہاڑوں کی بلندی ہے آنے والا پانی ایک نالے کی صورت میں یہال

اُن دونوں کی طرف ہے پہلا برسٹ فائر ہوتے ہی واچ ٹاور سے بھاری مشین کن کا فائر کھول دیا گیا.....گولیوں کی بارش اُس طرف ہور ہی تھی جہاں ہم ہےتقریباً تمیں گز کے فاصلے پر مقبول اورحسن فائرنگ کررہے تھے۔ ہم کمانڈ رمحب اللہ کے علم کے انتظار میں بالکل تیار بیٹھے

تھے ۔تقریباً اُسی وقت ہمارے دوسوگز دائیں اور اور استے ہی فاصلے پر بائیں طرف بھی زبروسیة فائزنگ کی آوازیں گو نجنے لگی تھیں ۔عبدالغی لون اور کمانڈر رشید کی پارٹیوں نے بھی کاررد ﴿

ں سروں ں۔ مشین گن ہے زبر دست فائر نگ ہو رہی تھی۔ اور پھر ایک وم اُس طرف تاریکی چھا گئا۔ مقبول پاحسن کی کسی گولی نے سرچ لائٹش تو ڑ دی تھیں۔ ٹاور لیبن کی حبیت پر بلب جل رہا تھا

اوروہ دونوں فوجی صاف نظرآ رہے تھے۔

ہ رود دن دن صاب سرار ہے ہے۔ کمانڈ رمحتِ اللہ نے بھی آڑ لے کر سب مشین گن سے فائر کھول دیا ٹاور پر مشین گن سے فائر کرنے والا اپنی جگہ ہے أچھلا اور ڈھیر ہو گیا۔مشین کن خاموش ہو گئے۔ دوسرا فوجی اپنی سب مثین کن چھوڑ کر ہیوی مثین گن کی طرف لیکالیکن اس سے پہلے کہ وہ مثین گن پر ہاتھ رافقا

مقبول یاحسن کی گولی نے اُسے جاٹ لیا اور وہ اُسکیل کر چیختا ہوا ٹاور سے نیچے کرا۔

"مقبول! ناور بريهنچو مرى اب!" كماند رمحت الله چيخا پيراُس في جميس علم ديا-" باز کے قریب پہنچواور فائر کھول دو''

اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی اُچک کر گڑھے ہے باہر نکل گیا۔ میں نے ایل ایم جی اُوپر رکھ

دی اوراُ چک کرکڑھے ہے باہرنکل آیا اور کن اُٹھا کر خار دار تاروں والی باڑکی طرف دوڑا۔ اُس کیمپ کے بارے میں ہارے کمانڈرول کے اندازے کچھ غلط نکلے تھے یا اُنہیں یور کی

معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں۔میرا اندازہ بھی یہی تھا کہ باڑ کے ساتھ والے واچ ٹاورز پر گنوں کے علاوہ مزید حفاظتی انتظامات نہیں ہوں گے۔لیکن بھارتی فوجی اینے بیوتو ف تو ہرگز نہیں تھے کہ اتنے بڑے اسلحہ ڈیوکوئض نگران چو کیوں کے رقم وکرم پرچھوڑ ویتے۔

باڑے تقریبا سوگر اندر کی طرف کئ جگہوں پرمٹی کی بوریاں رکھ کرمور ہے ہوئے تھے جن میں بھاری مشین کنیں نصب تھیں۔ دن کے وقت وُھوپ سے بچنے کے لئے اُن مور چول ب

سائیان سے ہوئے تھے جن کی وجہ ہے اُن کی نشاندہی ہورہی تھی۔

بہاڑیاں ہیوی، لائك اور سبمشین گنول كى فائرنگ ہے گونج ربى تھيں كماندر رشيد اورعبدالغیٰ لون کی پارٹیوں نے بھی بھر پورحملہ کیا تھا اور وہ بھی باڑ کی دونگران چوکیوں پر قبضہ کر چکے تھے اور اُن کے آ دمیوں نے ہیوی مشین گنوں کا رُخ کیمپ کی طرف موڑ دیا تھا۔مقبول بھی

یا منے والے ناور پر پننچ گیا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے تو اُوپر لگے ہوئے بلب کواُڑا دیا اور پھر ' کن کا رُخ موڑ کرکیمپ پرآگ برسانے لگا۔

میں باڑ سے چندفٹ کے فاصلے پر رُک گیا۔ایل ایم جی کواپنے سامنے رکھا اور بڑی پھر لی ے اپنے جسم پر لپیٹا ہوا گولیوں والا بیلٹ أتار کر زمین پر پھیلا دیا اور بیلٹ کا ایک سرا گن میں ن کرنے لگا۔ اس سارے مل میں مجھے ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ لیکن میں ابھی گن ے مامنے پوزیش مہیں لے پایا تھا کہ کیمپ کے اندر ہے گولیوں کی بارش ہونے لگیمرخ , کمتے ہوئے انگار مے موسِلا دھار بارش کی طرح ہماری طرف لیک رہے تھے کئ گولیاں سیرے سرکے اُوپر سے گزر لئیں۔

میں بڑی پھرِتی سے زمین پر لیٹِ گیا اور گن سنجال لی اورٹرائیگر کھنچ لیاتزیر اہٹ کی

خوفناک آ واز ہے ^گن انگارے اُ گلنے لکی وتمن کی چلائی ہونی گولیاں میرے آس پاس کر رہی تھیں جے ایک بڑے پھر کی آڑ حاصل تھی کئی گولیاں اُس پھر پر لکی تھیں اگر میرے سامنے وہ پھر نہ ہوتا تو میں چھلنی ہو چکا ہوتا۔

عاذ پوری طرح کرم ہو چکا تھاميرے پورےجسم ميں سننی کی لہريں می دور رہی تھيں۔ رحمن ہے اس طرح با قاعدہ مقابلے کا پیمیرے لئے پہلاموقع تھا اور جرت کی بات تھی کہ میں انے آپ میں سننی تو محسوں کرر ہاتھالیکن ذہن پر کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔

"ناصر! راكث فائر كرو وه سامنے دائيں طرف والى بيركوں ير-" كمانڈ رمحبّ الله

کی پیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے بائیں طرف دیکھا ناصر مجھ سے یا چ گزے فاصلے پرتھا۔ اُس نے لا چرمیں راکث لود کیا، بروکا کند مے پررکھا اور اس طرح پوزیش لے کر بیٹھ گیا کہ ایک گھٹنا زمین پر تکا ہوا تھا

ادر دوسرا گھٹنا کھڑا تھا۔

وہ نثانہ لینے کے لئے لائج کوآ ہتہ آ ہتیہ حرکت دے رہاتھا کہ سامنے سے زبرست فائر آیا ادرلا تعداد کولیاں میرے سرکے اُوپر ہے گز رئیس ناصر بھی بڑی پھرتی سے نیچے کر گیا تھا۔ '' فائر!'' كما نڈرمحت اللہ چیجا۔'' ناصر! را كٹ فائر كرو! اور زبير! تم ٹركوں كونشا نہ بناؤ۔'' بھارتی کیمپ میں اب بھگدڑی مجے گئی تھی۔ فوجیوں نے بدحواس ہوکر اندھا وُھند فائر نگ

تروع کر دی تھی۔ وہ اس طرف بھی فائر نگ کررہے تھے جہاں اُن کے مقالبے پر کوئی نہیں تھا۔ ناصرایک بار پھر بوزیش لے کر بیٹھ گیا۔اس مرتبه اُس نے راکٹ فائر کرنے میں زیادہ ویر 'کم لگائی تھی۔اُس کی یہ کوشش رائرگان نہیں گئی تھی۔ راکٹ ایک بیرک پر لگا۔ ایک کان پھاڑ اسيِّ والا دهما كه موا اور شعلون كا ايك مهيب باول آسان كي طرف أفحتا موانظر آيا جو أو يرجأ كر

زبیر نے بھی راکٹ فائر کر دیا تھا۔ اُس کا راکٹ حرکت کرتے ہوئے ایک ٹرک پر لگا۔ · ہماری دوسری پارٹیاں بھی کیپ پر را کٹ برسا رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس بھارتی

10

فوجی کمپ پر قیامت ٹوٹ بڑی ہو راکٹ اپنا کام دکھا رہے تھے۔کمپ میں اسلحہ ک

ز خیرے تباہ ہور ہے تھ لگ رہاتھا جیسے کیمپ میں کی آلش فشال بیک وقت پھٹ پڑے

نہیں جا گا۔ بائیں طرف کےمور ہے ہے آنے والی گولیوں کی بوچھاڑنے اُسے چھلنی کردیا ا رپختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

رات بیت رہی تھی۔ اندھیرا اُرخصت ہور ہاتھا اور دن کا بہت بلکا سا اُجالا بھیلنے لگا تھا۔ پہلے بے طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک گھنٹے میں کارروائی مکمل کر کے ٹھیک پانچ بجے متیوں یارٹیوں کوکسی مگنل کا انتظار کئے بغیروہاں سے نکل جانا تھا۔

' کیمپ میں افراتفری اب صاف نظر آ رہی تھی۔ دھا کے اب بھی ہورہے تھے۔ وُھویں اور شعلوں کے بادل آسان کی طرف اُٹھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

کمانڈرمحب اللہ نے مجاہدوں کو والیسی کا حکم و سے دیا۔ میں اپنی گن اُٹھانا ہی جاہتا تھا کہ کسی طرف ہے آنے والی ایک کو لی میری گن کی نال کے اسکلے حصہ پر لگی۔ میرے ہاتھ کو زور دار جھنکا لگا۔ گن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں زمین پرلیٹ کرتیزی سے چچھے کی طرف رینگنے لگا۔ میں اجم پیننے سے شرابور ہو گیا تھا۔ دماغ میں دھا کے ہور ہے تھے اور دل جسے کنپٹیوں میں دھ کی ہور جے تھے اور دل جسے کنپٹیوں میں دھرا کہ ہور میں اگر میں کال رکاوٹ نہ دھرا کہ اور میں اگر گرز رگئی تھی۔ اگر گن کی نال رکاوٹ نہ دھرا کتا ہوا محسوس ہور ہا تھا۔ موت میر بے قریب سے آکر گرز رگئی تھی۔ اگر گن کی نال رکاوٹ نہ

گولی لگنے ہے گن کی نال ٹوٹ گئی تھی اور اس طرح گن بریکار ہو گئی تھی۔ میں نے دوبارہ گن کو اُٹھانے کی کوشش نہیں کی اور چیجھے کی طرف رینگتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پتول نکال کر ہاتھ میں پکڑلیا تھا۔

تمام مجاہدین بیپائی اختیار کرتے ہوئے گڑھے میں اُتر رہے تھے۔ ہمارے آس پاس مارٹر گنوں کے گولے اب بھی بھٹ رہے تھے۔ میں نے اس دفت کھڈ میں چھلانگ لگائی تھی کہ ایک زوردار دھما کہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی کمانڈ رمحبّ اللّٰہ کی چیج سائی دی اور وہ لڑ کھڑاتا ہوا گر گیا۔ مارٹر کے گولے کا ایک مکڑا اُس کی ٹانگ میں لگاتھا اور خون بہہ نکلاتھا۔ میں نے اُسے پکڑ کر نیج کھیج کیا۔۔۔۔۔ بم کا مکڑا اُس کی بائیں ٹانگ میں گھٹنے سے پچھاؤیر ران میں لگاتھا۔

پ کا میں گائی ہے۔ ''میری فکر مت کروتم لوگ نکل جاؤا'' کمانڈر محتِ اللّٰہ نے دانت جمینچ کر تکلیف صبط '' تر میں کا

ہے ہوئے لہا۔ ''ہم آپ کوچھوڑ کر کیسے جا کتے ہیں کمانڈر؟'' میں نے کہا۔

آپ وقت اکبر دور تا ہوا ہمارے قریب پہنے گیا۔ میں نے اکبر اور محت اللہ سے اُن کی مائلیں لے اکبر اور محت اللہ سے اُن کی مائلیں لے لیں۔ اکبر نے جھک کر محت اللہ کو اپنے کندھے پر لا دا اور کھائی میں ایک طرف دور نے لگا۔

ہمارے اطراف میں اب بھی مارٹر گنوں کے گولے پھٹ رہے تھے اور را کٹ سروں پر سے گزیہرہے تھے لیکن ہم کھائی میں ہونے کی وجہ سے محفوظ تھے۔لیکن ایک را کٹ ہمارے سامنے ایک اُو کِی چٹمان پر لگ کر پھٹا تو ہم ایک لیحے کورُک گئے۔ چٹان کے چھوٹے چھوٹے پھر ٹوٹ ہوں۔ سلسل دھا کوں سے بہاڑیاں لرز رہی تھیں۔ ہمارے سامنے مور چوں سے اب بھی ہیوی مثنین گنوں سے بڑی زبردست فائر نگ ہور ہی تھی جس کی وجہ ہے ہمیں آگے بڑھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

ی و ق و ت کاور پرنصب مشین گن پر قبضه کرنے کے بعد سامنے مور چوں پر فائر کررہ تھا۔ وشن اپنے سامنے مٹی کی بور یوں کی وجہ ہے محفوظ تھے۔ ہماری چلائی ہوئی گولیاں اُن کا کھنیں بگاڑ رہی ھیں۔

اور پھر ایک خوفناک چیخ بن کر میں چونک گیا میں نے اُس طرف دیکھا اور پھر میرادل طرف ہے آنے والی ایک گولی میری گن کی اُن کی کرحلق میں آگی ۔.... واچ ٹاور پر مقبول کو گئی گولیاں گئی تھیں اور وہ مثین گن کے ساتھ جھٹکا لگا۔ گن میرے ہاتھ ہے چھوٹ گئی اور پر مقبول کو گئی تھا۔ دماغ والے مورچوں ہے اب فائرنگ میں شدت آگئی تھی۔ کما نڈر محب اللہ لگا۔ میراجم پسینے ہے شرابور ہو گیا تھا۔ دماغ نے بیك میں اڑ سا ہوا ہینڈ گرنیڈ نکال کر اُس کی پن تھپنی اور بم کو پوری قوت سے مورچ کی جھڑکتا ہوامحسوں ہور ہا تھا۔ موت میرے قریم طرف آچھال دیا

ے بہت ہے ہوئی ہے۔ بم مور چے سے چندگز آگے گرا۔ گرد وغبار کا ایک بادل اُٹھا۔۔۔۔ میں نے دوفو جیوں کر مور چے کے چیلی طرف سے نکل کر ایک طرف بھا گئے ہوئے دیکھا۔ میں نے اپنی گن کا زُنْ اُن کی طرف موڑ دیا۔ وہ دونوں ڈھیر ہو گئے۔میرا دل خوثی سے بلیوں اُٹھیل پڑا۔اس معرکے میں دشمن کے پہلے دوآ دمی میرا شکار بنے تھے۔

یں بول کے بیات ہے۔ کیپ میں جگہ جگہ دھا کے ہور ہے تھے۔اسلحہ اور گولہ بارود کے کی ذخیروں میں آگ لگ گا تھی۔آتش فشاں پیٹ رہے تھے۔فوجی إدھراُدھر دوڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

ہمارے عقب میں ایک زور دار دھا کہ ہوا تو میں اُٹھیل پڑا ۔۔۔۔۔ وہ مارٹر گن کا گولہ تھا جوہم سے تقریباً تمیں چالیس گزیچھے گر کر پھٹا تھا لیکن ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ اپنی مشین گنول سے تقریباً تمیں چالیس گزیجھے گر کر پھٹا تھا لیکن ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ اپنی مشین گنول

کے ناکام ہونے کے بعد بھارتیوں نے مارٹر گنوں کا استعال شروع کر دیا تھا..... ہماری طرف ہے بھی مسلسل فائر نگ ہور ہی تھی۔ ہماری دوسری پارٹیاں بھی اپنے محافے پر جمی و کی تھیں۔

مارٹر گنوں کے گولے ہمارے آس پاس پیٹ رہے تھے مارٹر گنواں کے ساتھ بھار تیولا نے اب راکٹ برسانا بھی شروع کر دیئے تھے۔ گرییر راکٹ ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیم ہمارے سروں کے اُوپر سے گزرتے رہے۔

ر فارا گرچہ کم ہوگئ تھی کیلن ہم نے بے نکان اپناسفر جاری رکھا۔

یں برقع برہم پہاڑی پرایی جگہ پہنچ گئے جہاں سے سڑک نظرآ رہی تھی۔سرینگر کی طرف ہے چند فوجی ٹرک بڑی تیز رفتاری ہے کلمرگ کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ٹرکوں پر

ہوی مثین تنیں نصب تھیں۔

َہم اُس پہاڑی پرتقریباً دو ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور اِس وقت تک چٹانوں کی آ ڑ میں

کیو نے رہے جب تک وہ فوجی ٹرک پہاڑوں میں ایک موڑ تھوم کر ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے ۔ ہم چٹانوں میں سفر کرتے ہوئے ایک بار پھر شاہراہ سے دُور بنتے چلے گئے اور تقریبا نو بچے کے قریب چٹانوں میں پوشیدہ ایک غار میں پہنچ گئے۔اس غار میں ڈاکٹر مریم کو

دېكھكر ميں أُن چل يڙا۔

میرے لئے بیانکشاف دلچیں ہے غالیٰ نہیں تھا کہ ڈاکٹر مریم گزشتہ شام یہاں بیٹنج گئی تھی۔

یہاں اُس کی آمدا تفاقیہ ہیں طے شدہ پردگرام کے مطابق تھی۔ کیونکہ بیقریب ترین جگہ تھی جہاں

زخی مجاہدین کوطبی امدا د فراہم کی جاسکتی تھی۔

ہم سے پہلے عبدالغی لون کی پارٹی بھی یہاںِ بہنے چکی تھی۔اُس کی پارٹی کے دومجاہد زخمی ہوئے تھے جن میں سے ایک کے بازو میں گولی لکی تھی اور دوسرے کی پنڈلی میں۔ ڈاکٹر مریم ہارے آنے سے پہلے اُن کی ڈریننگ کر چگی تھی۔اور اب وہ فوری طور پر کما نڈر محبّ اللہ کی اُ

محب الله كو لكنے والا بم كا تازه مكرا گوشت كا ندر بھى ره كيا تھا جے نكالنا بہت ضرورى تھا۔ ال قیم کے آپریشن کرنے کے لئے مریض کو بے ہوش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تیلن یہاں

انستھیزیا کا تو سوال ہی پیدائبیں ہوتا تھا۔ تاہم ڈاکٹر مریم کے پاس ایک ایساسپرے تھا جس

ہے کوشت وقتی طور برین ہو جاتا تھا۔ عبدالعنی لون اور میں کمانڈر محتِ اللہ کے قریبِ موجود تھے۔ ڈاکٹر مریم نے پہلے زخم کا معائنہ کیا کچراُس کےاطراف میں اسپر ہے کر دیا۔ چندسکنڈ بعداُس نے زخم کے قریب ٹا تگ پر

^{پیلی گھ}ر کر دیکھا ۔محت اللہ نے نسی رقیمل کا اظہار نہیں کیا۔

۔ ڈاکٹر مریم نے آپریشن شروع کر دیا۔نشتر اور ایک دوسرے آلہ جراحت کی مدد ہے وہ زخم کو ^{اندر}ے کھیلاتی چلی گئی۔ میں اُس منظر کوزیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکااورنظریں دوسری طرف

نقریباً آ دھا گھنٹہ گز رگیا۔ ڈاکٹر مریم زخم کواندر تک کھولتی چلی گئی۔اسپر سے کااثر اب زائل بونے لگا تھا اور محتِ اللہ کے چہرے رہمی کرب کے آٹار نمودار ہونا شروع ہوگئے تھے۔ حوصلہ رکھو کمانڈر.....!'' مریم نے کہا۔''لب ایک منٹ۔ میں جانتی ہوں آپ کو اس

ون کی روشن پھیل رہی تھی۔ ہم اُس کھائی کے نشیب میں اُتر رہے تھے۔اور پھر چٹانوی میں دوسری طرف مُڑ کئے ۔ کمانڈ رمحتِ اللہ کواب دوسرے مجاہد نے کند ھے پر لا دلیا تھا۔ بھارتی فوجی کیمپ میں اب بھی مسلسل دھا کے ہور ہے بھے جن ہے آس پائن کی بہاڑیاں کرزر ہی تھیں۔

ہم پہاڑیوںِ میں اُونچے نیچے وُشوار کزار راستوں پر دوڑتے رہے۔ دھاکوں کی آوازیں کچھ مدھم اور کم ہوگئی تھیں۔ ہم وہاں ہے بہت ؤورنکل آئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ بھار تیول كابيكيب اگر يوري طرح تناه نهيس مواقفا تو أنهيس احجعا خاصا نقصانِ بينچايا تقا-

وُھوپِ نَکل آئی تھی۔سورج جیسے جیسے اُوپر آ رہا تھا چٹا نیں تینے لی تھیں۔ہم ایک جگہ چٹا نول كے سائے ميں رُك كئے - كمانڈر محبّ الله كوز مين پر بھاديا گيا۔ زخم سے خون بہدر ہاتھا اور محبّ الله نے تکایف ضبط کرنے کے لئے دانت جینچ رکھے تھے۔

ا کبرنے اپنی کمریر بندھا ہوا پڑکا کھول لیا اور اُس کی ایک کمبی بی پی پھاڑ کرزخم ہے ذرا اُورِ

کس کر باندھ دی۔ پہاڑیوں میں فائرنگ کی آوازیں مسلسل گونج رہی تھیں۔ بھارتی فوجی یقیناً ہمارے تعاقب میں ہوں گے لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ ان پہاڑوں میں زیادہ اندرآنے کی

ش نہیں کریں گے۔ چند منٹ ریٹ کرنے کے بعد ہم پھرچل پڑے۔محبّ اللّٰد کو پھرا کبرنے کِندھے پر لاولیا کوشش نہیں کریں گے۔

کر ہمار ہے اُوپرکرد ہے تھے

تھا۔ ہماری منزل فیروز پور نامی قصبے کے قریب بہاڑیوں میں وہ غارتھا جس کے بارے میں یہلے ہی ہے طے کرایا گیا تھا کہ کارروائی ململ کرنے کے بعد ہماری پارٹی کے محامدین وہاں پہنچے

کی کوشش کریں گئے۔ يهاں ميں آپ کوايک بات بتات چلوں تا كه آپ کوصور تحال مجھنے ميں پچھ آسانی ہو سکے۔

فیروز پورنام کا قصیه سرینگرے یونچھ کی طرف جانے والی شاہراہ کے منگم پر واقع ہے جہال ے

یہ کلمرگ ہے ہوتی ہونی بارہ مولا کی طرف چلی گئی ہے۔ یو نچھ تو اب آزاد کشمیر کا حصہ ہے۔ کنٹرول لائن کے قریب سے سڑک بند کر دی گئی ہے۔ اگر آپ سرینگر ہے اس شاہراہ پر سفر شروع کریں تو چندمیل آگے ما گام کا قصبہ ہے۔ اس سے

آ گے دو اور چھوٹی حچوٹی بستیاں ہیں جن کے احد سرینگر ہے تقریباً تحپیں میل کے فاصلے ہ فیروز پور ہے۔ یہیں ہے ایک سڑک گلمرگ کی طرف نگلیٰ ہے۔ اگر سڑک سے سفر کیا جائے <mark>ت</mark> فیروز پور ہے کلمرگ کا فاصلہ تقریباً دیں میل بنتا ہے لیکن مجاہدین کے لئے سڑک پرسفر کرناممکن

نہیں کیونکہ اس شاہراہ پر بھار ٹی فوجیوں کے قافلوں کی آیدِ ورفت جاری رہتی ہے۔ ہم لوگ سڑک ہے تقریباً ایک میل دُور ہِٹ کر دُشوار گزار پہاڑوں میں سفر کررہے تھے.

ہمیں کوئی خطرہ بھی نبیں تھا اور فاصلہ بھی تم سے تم ہوکر چیمیل رہ جاتا۔

کمانڈ رمحتِ اللہ کو ہم لوگ باری باری کندھوں پر اُٹھا کرسفر کر رہے تھے۔ اس طرح ہمار ک

وقت بہت زیادہ تکلیف ہور ہی ہے کیلن'' وہ خاموش ہوگئی۔اُس کی تمام تر توجہ زخم کی طرف تھی۔ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیٹی کوزخم سے میں سے تھا نے بھر ایس نے حمل سے تھیجاں کا سربر کا دیاتا ہے تیس کے

کے اندر حرکت دے رہی تھی۔ اور پھراُس نے چپٹی کو باہر تھنچ لیا۔ لو ہے کا وہ ٹکڑ اکقریباً آ دھا اِنْجُ کے قریب تھا جے مریم نے ایک طرف ڈال دیا۔ کمانڈ رمحب اللہ اس وقت بری طرح ٹانگ ہُڑ رہا تھا۔ میں نے اورعبدالغی لون نے اُسے مضبوطی سے جکڑ لیا اور ڈاکٹر مریم بڑے انہاک ہے اپنے کام میں مصروف رہی۔

چند منٹ اور لگ گئے اور پھر ڈرینک کر دی گئی۔ کماغ رمحب اللہ کے چبرے پر کرب و اذیت کے تاثر ات نمایاں تھے۔ اُس نے تکلیف صبط کرنے کے لئے جبڑے جینج رکھے تھ گر منہ سے اُف تک نہیں نکی تھی اور یہ واقعی ہمت کی بات تھی۔ ہوش میں رہتے ہوئے آپریش برداشت کر لیمابڑے وصلے کا کام تھا۔

مریم نے اُسے ایک گولی بھی کھٰلا دی تھی۔ ڈرینگ کے بچھ دہر بعد محبّ اللّٰہ پرُسکون ہوتا چلا گبا۔اور پھر شاید بداُسے کھلائی جانے والی گولی کا اثر تھا کہ وہ نیندگی آغوش میں چلا گیا۔

ہم لوگ غار کے دوسرے جھے میں آ گئے۔مریم ہاتھ دھوکر قہوہ بنالائی۔اُس وقت غار میں ہم بارہ آ دی تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ ہماری پارٹی کے دومجاہدین شہید ہوئے تھے۔حسن لا پیۃ ہو گیا تھا اُس کے بارے میں یقین ہے کچھنیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ شہید ہوگیا تھایا ہم سے بچھڑکر یہاڑوں میں کسی طرف رویوش ہوگیا تھا۔

'' عبدالغی لون کی پارٹی کا ایک مجاہد شہید ہوا تھا اور دو زخمی ہوئے تھے جنہیں یہاں لاکر ٹریٹنٹ دے دیا گیا تھا۔ کمانڈررشیدیا اُس کی پارٹی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔ دہ لوگ کسی اور طرف نکل گئے تھے۔

بھار تیوں کے فوجی کیپ کے بارے میں بھی کوئی اطلاع نہیں تھی کہ اُن کا کتنا نقصان ہوا تھا؟لیکن میر اخیال تھا کہ ہم نے اُنہیں اچھا خاصا نقصان پہنچایا تھا۔

یہ غار بھی بارہ مولا والے غار کی طرح کشادہ اور اندر سے کی حصوں پر مشتمل تھا۔ چائے
پینے، کے بعد ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر میں ڈاکٹر مریم کے ساتھ غار کے ایک اور
حصہ میں آگیا۔ یہ جگہ بھی ایک بڑے ہال نما کمرے کی طرح بہت کشادہ تھی۔ اُس کے آخر میں
تقریبا چارفٹ کی بلندی پر دوفٹ چوڑ اایک پھر دیوار ہے آگے کو نکلا ہوا تھا۔ یہ پھر اتنا چوڑ اتھا
کہ دو آ دمی آسانی ہے اس پر بیٹھ سکتے تھے۔ اُس پھر سے تین فٹ اُوپر ایک تنگ سرنگ تھی۔
ایک صحت مند آ دمی آسانی ہے اُس سرنگ میں ہے گزرسکتا تھا۔

'' آؤ '''تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔'' ڈاکٹر مریم کہتے ہوئے پھر کی طرح آگے کو نگلے ہوئے کارنس کے قریب بینچ گئی۔اُس نے دونوں ہاتھ پھر پر نکادیئے اور پھراس طرح اچک کم پھر پر چڑھ گئی کہ مجھے بھی بڑی حمرت ہوئی تھی۔لیکن میرے خیال میں اس میں حیرت کی کوئی

ہات نہیں تھی۔ وہ دوسال ہےان بہاڑوں میں رہ ربی تھی اور اس طرح ا چک اُ چھل کر چٹانوں رائز نے چڑھنے کی عادی ہو گئ تھی۔

'' آؤ۔۔۔۔اُویرآ جاؤ۔۔۔۔!''مریم نے مجھےا شارہ کیا۔

میں بھی مریم کی طُرح اُ چک کر پھر پر چڑھ گیا۔ اس سے تین فٹ اُوپر تنگ می سرنگ سے ہوا آ رہی تھی۔ مریم نے دونوں ہاتھ سرنگ کے دہانے کے نچلے کنارے پر جما دیئے اور اپنے جم کو آ ہت آ ہت اُوپر اُٹھانے لگی۔ میں اُسے دیکھا رہا۔ پہلے اُس کے جسم کا بالائی حصہ سرنگ میں نائب ہوا اور پھراُس کے پیر بھی میری نگاہوں سے او بھل ہوگئے۔

'' آؤ۔۔۔۔۔میرے پیچھے بیچھے طِلے آؤ!''مریم کی آواز س کر میں بھی اچک کر اُس سرنگ میں داخل ہو گیا اور سینے کے بل رینگتا ہوا آ گے بڑھنے لگا۔ سرنگ میں تازہ ہوا کی آمد ورفت تو تھی لیکن تاریکی اس قدر گہری تھی کہ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے بھی کچھے نظر نہیں آر ہاتھا۔

چند گزآ گے جا گرمریم زک گئی۔ میراسراُس کے پیروں سے نگرا گیا۔ 'میں اس لئے زک گئی تھی کہتم بھی زک جاؤ۔'' مریم کی آ داز میری ساعت سے نگرائی۔ ''آگے ذرا خیال سے آنا،سرنگ دائیں طرف مُورہی ہے۔ابیا نہ ہوتمہارا سرسامنے والی دیوار ہے نگرا جائے۔''

مریم پھرآگے ہو ھنے لگی۔ میں اُس کے پیچیے رینگتار ہاتھا۔ اُس کے خبر دار کرنے کے بعد میں نے ایک ہاتھ آگے کو ذکال لیا تھا۔ میرا ہاتھ سامنے دائی دیوار سے کرایا اور میں ٹولٹا ہوا دائیں طرف مُو گیا۔ اس طرف تقریباً پندرہ گز آگے مدھم ہی روشی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں جہ بھی قدرے کشادہ تھی۔ وہاں سے سرنگ ایک بار پھر دائیں طرف مُو گئی تھی اور روشی ای طرف سے آرہی تھی۔ میں جب اُس طرف مُو اُ تو مریم دیوار کے ساتھ میک لگائے گہر سے گہرے سانس کے رہی تھی۔ ہم تقریباً دوسوف اُو پر آگئے تھے۔ سینے کے بل رینگتے ہوئے میری سانس بھی پھول گئی تھی۔ میریم میری طرف و کیھر مسکرادی۔

میں نے پہلے اِدھراُدھراور پھُرسراُٹھا کراُوپر دیکھا تو جھے سینے میں اپنا سانس رُ کتا ہوا محسوں ہونے لگا۔۔۔۔ ہم اس وقت ایک ننگ ہے کنویں میں کھڑے تھے۔ دیواروں کا درمیانی فاصلہ تن نٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ دیواروں میں چھوٹے بڑے پھر بھی اُ بھر ہے ہوئے تھے۔ اُوپر۔۔۔۔۔ بہتاُ وپروژن آ سان نظر آ رہا تھا۔ میر سے خیال میں سے کنواں تقریباً بچاس فٹ گہرا تھا۔ بہتاُ وپروڈن آ بھا۔ میر کے خیاک میں سے کنواں تقریباً بچاس فٹ گہرا تھا۔
''اُوپر چلو۔۔۔۔''مریم نے میری طرف دیکھ کرمسکراتے ہوئے کہا۔

''اُوپرْ۔۔۔۔؟''میں کے اس طُرح اُس کی طرف دیکھا جیسے اُس کا د ماغ خراب ہو گیا ہو۔

وہ جہاں درختوں کا حجنڈ نظر آ رہا ہے وہاں سے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر فیروز پور قصبہ کے کئیں اس خطر نہیں آئے گا۔'' کے لیکن ان نیلی پہاڑیوں کی وجہ سے قصبہ یہاں سے نظر نہیں آئے گا۔'' '' لگتا ہے تہ ہیں وادی کے ہارے میں بہت معلومات ہیں۔'' میں نے کہتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

۔ ' میں دوسال سے مجاہدین کے ساتھ ان پہاڑوں میں ہوں۔اور وادی کے چیے چیے سے واقف ہوں۔''مریم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اوریاکون کی جگہے؟میرا مطلب ہے بیغار۔'' میں نے یو چھا۔

'' یہ عَارَ فیروز پور قب سے تقریباً دومیل کے فاصلے پر ہے اور ہم اس وقت تقریباً تمین ہزار فنے کی بلندی پر ہیں۔' مریم نے کہا۔' اس عارتک آنے کاراستہ م دکھے چکے ہو بہت وُشوارگزار گرمخفوظ ہے۔ بھارتی فوجی مجاہدین کا تعاقب کرتے ہوئے بھی بھی بہاڑیوں میں زیادہ اندر تک نہیں آتے۔ اُنہیں اپنے گھیرے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ وہ غاراگر چہمخفوظ ہے کیکن قدرت بھی ہماری مدد کرتی ہے۔' وہ خاموش ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے گئی۔ اُس نے ہم کا لفظ استعال کیا تھا اور وہ اپنے آپ کو مجاہدین سے الگنہیں بچھی تھی۔

''اگر جمی اتفاق ہے بھارتی وخشی اس غارتک پہنچ بھی گئے تو قدرت نے ہمیں اپنے بچاؤ کا دور اراستہ بھی دکھار کھا ہے۔ غارے اندروہ تنگ می سرنگ اور یہ کنواں نما راستہ' وہ کنویں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔''یہ وہ راستہ ہے جو بنگا می صور تحال میں ہم اپنے بچاؤ کے لئے استعال کر سکتے ہیں۔اس طرف ہے بھی بیراستہ تفوظ ہے۔اوّل تو سی بھارتی فوجی کے بہاں تک کا امکان ہی نہیں اور اگر اتفاق ہے کوئی بہاں پہنچ بھی جائے تو اس گہرے کنویں کو یکوئی تھارتک راستہ جا تا ہے۔''

''ہاں واقعی'' میں نے کہا۔'' قدرت ہم پر مہر بان ہے جو ہمارے لئے اس طرح کے ویلے پیدا کررہی ہے۔''

مریم نے فوری طور پر پھے نہیں کہا۔ چند کمجے خاموش رہی اور پھروہ مجھ سے گزشتہ شب کی کاردوائی کے بارے میں دریافت کرنے گئی۔ میں اُسے تفصیل سے سب پچھ بتاتا رہا۔ اپنے بعض ساتھوں کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے میں افسردہ ساہو گیا تھا۔

'' میں مجھتا ہوں کہ ہمارے ساتھیوں کی قربانی رائگاں نہیں گئی۔'' میں آخر میں کہدر ہاتھا۔ ''ہم نے اگر چد اُس کیمپ کی حد تک بھارتی فوجیوں کی کمر تو ژکر رکھ دی ہے لیکن بیا نداز ہ لگا ٹا مشکل ہے کہ ہم نے انہیں کتنا نقصانِ پہنچایا ہے۔''

'' آج شام تک یا کل دن میں آسی وقت پیجی معلوم ہو جائے گا۔'' مریم نے مسکراتے '' '' مسئ کیا۔''اور میرا خیال ہےاب چلنا چاہئے۔کافی دیر ہوگئی۔''

ہم اُقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے۔ میں نے اُٹھ کر چاروں طرف دیکھا اور پھر مریم سے

''ہاںاصل نظارہ تو اُوپر ہے۔''مریم کے ہونؤں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ نداق کر رہی ہے۔لین چھراُس کااشارہ پا کر میں اُوپر چڑھنے لگا۔ ہم نے بائمیں پھیلا کر دونوں ہاتھ دیواروں پر ٹکا دیئے اوراسی طرح پیر بھی پھیلا گئے۔اس طرا پچھروں پر پیرٹکا کراُوپر چڑھتے ہوئے میراسانس پھول گیا۔

ُ تَقُر یَا نصف فاصْلہ طے کرنے کے بعد میں نے نیجے دیکھا۔ مریم بھی میرے پیچھے ہی **بیم** اُو پر آ رہی تھی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اگر میرا پیر پھسل گیا تو مریم کو بھی اپنے ساتھ لے مردا گا۔لہٰذا میں پہلے سے زیادہ محتاط ہوکراُو پر چڑھنے لگا۔

اُو پر آگر میں نے دونوں ہاتھ اُس کنویں کے کناروں پر جمادیئے اور محتاط انداز میں ابچ کر باہر آئیا۔میرا سانس اگر چہ بری طرح پھولا ہوا تھا مگر میں نے جھک کر مریم کو اُو پر سختا اور ایک طرف اوندھا ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ ڈاکٹر مریم بھی میرے قریب بھی گہرے گہرے سانس لیے رہی تھی۔اور پھراُس کی آواز من کر میں سیدھا ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا سانس سینے میں زکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔۔۔۔۔

یوں تو تشمیر کی پوری وادی ہی جنت کا نکڑاتھی مَرابیا حسین منظر میں نے آئ تک تک نہیں دیا گھا۔ ہم اس وقت ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھے۔ ہمارے پچلی طرف ہیں پچیس فٹ اُو پی ایک چان تھی۔ ہار سے پچلی طرف ہیں پچیس فٹ اُو پی ایک چان تھی۔ دائیں بائیں وُ ورتک چنار اور یوگئینس کے درخت پھیلے ہوئے تھے اور سامنے تا حدا انشیب میں جیسے سبز مُمُل کا فرش پھیلا ہوا تھا جس میں رنگ بر کے پھول ستاروں کی طرح کے ہوئے تھے۔ نیسے میکن ہوئی وادی میں بہت وُ ور دُور تین مکان تھے۔ ایک مکان کی چہی سے دُھوا اُس معدوم ہور ہا تھا۔ اس وادی کے دوسری طرف بہت اُو پر اُٹھ کرآسان کی وسعوں میں پھیل کرمعدوم ہور ہا تھا۔ اس وادی کے دوسری طرف بہت اُو پر برف سے ذھکی ہوئی پہاڑی چوٹیاں تھیں۔ جا دُھو سے میں برنگاہ مُکانا مشکل ہور ہا تھا۔ انہی برف بوش پوش چوٹیاں اس طرح چہک رہی تھیں کہ اُن پر نگاہ مُکانا مشکل ہور ہا تھا۔ انہی برف بوش بہاڑوں کے دامن میں غالباً چیز کا جنگل تھا جودا میں بائیں وُ ورتک پھیلا ہا تھا۔ فضا میں بری خوشگواری مہک تھی۔ میں گہرے سانس لینے لگا۔

'' یہ جو وادی میں سبزہ آنظر آ رہا ہے تا '' س'' مریم سامنے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔'' دھالا کے کھیت ہیں۔اور دائیں طرف وہ جو ٹیمکتی ہوئی لکیری نظر آ رہی ہے وہ وولرجھیل سے نکلنے واا ایک چھوٹا دریا ہے جوسرحد پار کر کے بونچھ کی طرف نکل جاتا ہے۔اور اُس دریا کے دائیں طرف 113

پہلے کنویں میں اُتر نے لگا۔ اُس وقت احساس ہوا کہ کنویں کی دیواروں پر چڑھنا آ سان تھالیکر. لاے پر اسے ہپتال کی عمارت تعمیر کر کے دینے کو تیار ہے اور وہ بے وث بوکر ہرطرح سے نیچے اُتر نا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ میں بڑی احتیاط سے ہاتھ اور پاؤں جما جما کرینچے اُیرے لگا۔ آس کی معاونت بھی کرنا یہ ہے گا۔لیکن مریم نے اس کی اس پیشکش کوبھی ٹال دیا تھا کہ فی الحال ہے تجربے کی ضرورت تھی۔ وہ سر کارِی ملازمت کے دوران پونچھ کے ہیتال میں آگئی اور علدین کی حالت د کیچے کر اُس نے زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرلیا اور پونچھ سے تشمیرا ٓ کئی اور پچھلے

روسال ہے وہ مجاہدین کی خدمت کررہی تھی۔ ہم دیرتک غار کے دہانے پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔اور پھر مریم اُٹھ کر دوسرے جھے میں

جل کئی۔ میں اپنی جگہ پر ببیٹیایا ہر تکتار ہا۔

مریم نے روٹیاں لکا لی تھیں۔ دو پہر کے کھانے کے وقت سب کو جگا دیا گیا۔ کھانا کھانے ے بعد مجھ پر تھلن کے آثار نمودار ہونے لگے۔اب مجھ پر نیند بھی حملہ آور ہور ہی تھی۔زبیر نامی

نو جوان نے میری جگہ ڈیونی سنجال کی اور میں فرش پر کینتے ہی سو گیا۔ جب میری آنکید کھلی تو غار کے باہر بھی شام کا اندھیرا تھیلی چکا تھا۔ غار کے دوسرے جھے

میں لالثین جل رہی تھی جس کی مرحم می روشنی اس طرف پہنچ رہی تھی۔ چند لمحوں تک تو میرے د ماغ پر نیند کا خمار طاری رہا اور جب حواس بحال ہوئے تو یہ جان کر حران رہ گیا کہ میرے قریب حسن بیٹھا ہوا تھا۔ کما نڈر محبّ اللہ دیوار سے فیک لگائے ہوئے نیم دراز تھا اور مریم اُس کے قریب بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ اُن کے علاوہ غار میں اور کوئی نہیں تھا۔

اور پھر تھوڑی در بعد مجھے پہ چلا کہ تمام مجاہدین شام کا اندھرا بھینے سے پہلے ہی اینے مخلّف ٹھکانوں کی طرف حاحکے تھے۔

حسن کے بڑے دلچیپ انکشافات ہوئے تھے۔وہ ہماری کارروائی مکمل کرنے کے بعدانہی اطراف کے پہاڑوں میں حبیب گیا تھا۔ اُس کے کہنے کے مطابق شہر کی شالی چھاؤنی سے کُن بو بی ٹرک وہاں پہنچ گئے تھے لیکن وہ کیمپ سے دُور ہی رُک گئے تھے۔ نو جی د مجھتے ہی د مجھتے

آ ک پاس کی پہاڑیوں پر پھیل گئے۔ ''وه کیمپ بالکل تباه موچکا ہے۔''حسن بتار ہاہے۔''میں پانچ بجے تک اپنی کمین گاہ میں پھیا رہا۔ اُس وقت تک کیمپ میں اِکا وُکا دھا کے ہورہے تھے اور وُھویں کے باول اُندرہے

تھے۔ مجھے یقین ہے اس کیمپ میں در جنوں فوجی جہنم رسید ہو چکے بول گے اور بچھ کہیں بچا ہو گا کیمپ کے نقصان کے بارے میں سیح اطلاع نہیں تھی۔ بہرحال مجھے خوثی تھی کہ ہم نے

بمارني نوح كواحيها خاصا نقصان يهنجايا تھا۔ ا گلے روز ایک اور مجاہد غار میں بہنچ گیا۔ اُس کی اطلاع کے مطابق بھارتی فوجی مجاہدین کی تلائرِ میں آس پاس کی بستیوں کوتہس نہس کررہے ہیں۔ان بستیوں کے بنی گھروں کوجلا کررا کھ کر ناا ا تی بے گناہ پوڑھوں کواذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا اورعورتوں کوزیا دنی کا نشانہ بنایا گیا۔

اس سے زیادہ مشکل مرحلہ سرنگ میں اُتر نا تھا۔اس مرتبہ بھی مریم میرے آ گے تھی اور میر یکھے۔ہم سینے کے بل اُلٹا لیٹے پنچے کی طرف پھسل رہے تھے۔اور بالآخر بیمرحلہ بھیِ طے ہو گیا. جب ہم غار میں پہنچے تو اکبر کے سوا سب لوگ سور ہے تھے۔ اکبرسب مشین کن سنجا۔ غار کے دہانے پر بیٹھا ہوا تھا۔سب لوگ رات بھر کے جاگے ہوئے اور پہاڑوں میں طویل مز کرے تھکے ہوئے تھے گر حیرت کی بات تھی کہ مجھے نہ تو تھکن کا احساس ہور ہاتھا اور نہ ہی منیز

"اكبر بهائىتم بھى رات بھر جاگے ہواور تھے ہوئے تبو-سوجاؤ! ميں يہاں ويوئى ديا ہوں۔'' میں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔ میں نے اکبرے سب مشین کن لے لی اور اُس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔اکبراُٹھ کر چندگز دُورعبدالغیٰ لون کے قریب فرش پر لیٹ گیا اور پچھ ہی دیر بعد اُس کے خرائے سانی دے رہے تھے۔ د میں تمہارے لئے قبوہ بنا کر لاتی ہوں تمہیں اس وقت یقینا طلب ہورہی ہوگی۔' مراہی۔

منهاسطلب تو مور ای ہے۔ "میں نے جواب دیا۔

مریم غار کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئ۔ میں غار سے باہر دیکھنے لگا۔ یہاں سے د منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا جو میں نے اُو پر سے دیکھا تھا۔ غار کا دہانہ دوسرے رُخ پرتھا۔ال کے سامنے قد آ دم خودروجھاڑیاں اور چٹان نما ہڑے بڑے بچر پھلے ہوئے تھے جن کی وجہ

زیاده دُورتک تهیں دیکھا جاسکتا تھا۔ پندرہ بیں منٹ بعد مریم قہوہ بنا کر لے آئی۔اُس نے ایک مگ میرے ہاتھ میں تھا دیالو دوسرا خود لے کرسامنے بیٹے گئی۔ قبوے کی چسکیوں کے ساتھ ہم سرگوشیوں میں باتیں بھی کر آ رہے۔انہی باتوں ہے مریم کی زندگی کا ایک اور پہلوبھی میرے سامنے آیا۔ وہ لا ہور کے ایک زمیندار گھرانے کی فرد بھی۔اُن کی زمینیں لا ہور کے نواح میں تھیں جبکہ لا ہور کے سب سے مثا

علاقے ماڈل ٹاؤن میں بھی ان کی ایک شاندار کوٹھی تھی۔وہ میڈیکل کی تعلیم سے جیسے ہی فارماً ہوئی تو والدین کو اُس کی شادی کی فکر ہوئی لیکن اُس نے صاف اٹکار کر دیا کہ فی الحال اُ^{س؟} شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

اس کی مثلّی اگر چہ بچپین آبی میںِ اپنے عم زاد سے ہو بچکی تھی اور وہ بھی انجینئر تگ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ مریم نے اپنے مثلیتر ہے بھی کہد دیا تھا کہوہ شادی نہیں کرنا جا ہتی۔ا^{ں ا} خیال دل سے نکال دیا جائے۔مریم کے متلیتر نے بڑی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے اُس ج د ستبر داری کا اعلان کر دیا اور مریم کو بیه پیشکش بھی کی که و ه شاد مان ٹاؤن میں اپنے دس ^{کنال} **)**

114

اُس بھارتی، نوجی کیمپ کی تباہت کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف اطلاعات مل رہی تھیں ۔ ایک اطلاع بہتھی کہ وہ کیمپ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا اور ستاون فوجی جہنم واصل ہوئے

_{کاٹ د}ی نئیں اور علینوں سے وار کر کے اُس کا پیٹ جاِ ک کر دیا گیا اور اُس کے گھر کو جلا کر _{را تھ}کردیا گیا میں اُس بنتی کے بارے میں کچھاور سننا جا ہتا تھا۔ اور پھریہ تنسنی خیز خبرین کرمیری رُوح ہ_{ان ا}ُٹھی کہ بسال یور کی جار جوان لڑکیاں لا پہتھیں اور اُن میں انگوری بھی تھی

﴾ ن انھی کہ بسال پور کی جار جوان کڑئیاں لا پتہ ھیں اور اُن میں انلوری بھی ھی جب میں نے انگوری کو دیکھا تھا تو میرے سینے میں ایک ہلجل می مجے اُٹھی تھی۔ اُس سے رہے ہوئی ہم کی گئی ہے۔ رہے کہ مرک کوئی بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی لیکن میں اُس کے لئے اپنے اندر مجیب سے حذات محسوس کرنے لگا تھا۔ اُس کے بارے میں سوچتا تو میرے یورے بدن میں گدگدی می

جنہ بھری میں ہوں ہوں ہیں ہوں ہوں کی میں ہوں ہوں ہے۔ جذبات محسوس کرنے لگا تھا۔اُس کے بارے میں سوچتا تو میرے پورے بدن میں گدگدی می ہوئے گئی۔ادراب اس رُوح فرساخبر نے مجھے جنجھوڑ کررکھ دیا تھامیری رُوح تک کانپ اٹھی تھی۔خبر لانے والے کی اطلاع کے مطابق دو تین لڑکیاں فوجیوں کے قبضے میں تھیں اور دو

تین لا کیوں کو شام کے اندھیرے میں بہتی ہے بھا گئے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے انگوری بھی اُن لا کیوں میں شامل ہوجو بھارتی فو جیوں سے پچ کربستی سے بھاگ گئے تھیںایک موہوم ہی اُمید تھی اور میں اس اُمید کے سہارے اُسے تلاش کرنا چا ہتا تھا۔

یں یک تو ہوم می املید می اور یں اس المید کے سہارے اسے ملا سرما چاہا تھا۔ اور جب میں نے ڈاکٹر مریم سے بات کی تو وہ عجیب می نظروں سے میری طرف د کھنے لگی۔ ''ٹھیک ہے'' وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔'' کما نڈر محتِ اللّٰہ سے بات کر لو! وہ رہنیہ سے سے '''

منہیں نہیں رو کے گا۔'' کمانڈ رمحت اللہ نے مجھے

کمانڈر محب اللہ نے جمجھے جانے کی اجازت دے دی اور حسن کو بھی میرے ساتھ کر دیا۔ ہم اُک شام اُن سے رُخصت ہو کر غارے روانہ ہو گئے۔ ہم رات بھر پہاڑوں میں جھپ کرسفر کرتے رہے۔ صبح سویرے بسال پور کے نواح میں پہنچ گئے لیکن بستی کا رُخ کرنے کی بجائے جنگل میں چھپے رہے۔ پورا دن ہم نے جنگل میں گزار دیا اور شام کا اندھیر ا پھیلنے کے بعد جنگل سنگل کربستی میں آگئے۔

کُن گھروں کوجلا کررا کھ کر دیا گیا تھا یہ بھارتی فوجی چنگیز اور ہلا کو سے زیادہ سنگدل اور ظام تھے۔ جس بستی میں نکل جاتے اُسے تباہ و ہر باد کر کے رکھ دیتے۔ ''اُس میں بیں قرفی جستیں ملاک سے کہ ٹیس کے ساتھ '' فرمس میں جھنے سالیں

''اُس روز بھارتی فوجی دو تین اڑکیوں کو اُٹھا کر لے گئے تھے۔' میرے یو چھنے پر گاؤں کا یک بوڑھے نے بتایا۔''انگوری دو تین اڑکیوں کے ساتھ بستی سے بھاگ گئی تھی۔کل یہ خبر سنٹ میں آئی تھی کہ اُسے بین کی طرف سی جگہ پر دیکھا گیا ہے۔ یہ تصدیق نہیں ہوسکی کہ وہ اُنُورُنُ نن تھی یا کوئی اور۔''

میرے دل میں اُمید کی کرن بچھ اور روثن ہوگئی۔ میں اور حسن اُسی رات پتن کی طرف میں سے دل میں اُمید کی کرن بچھ اور روثن ہوگئی۔ میں اور حسن اُسی رات پتی کی طرف سے اُن ہوگئے۔ ہارہ مولا سرینگر شاہراہ پر واقع پتن نام کا قصبہ بسال پور سے تقریباً بچیس میل بڑھ ساف کی طرف سے ہوکر جاتے تو یہ فاصلہ کم سے کم بیس میل بڑھ ہا تا۔ ہم نے وہ راستہ اختیار کیا جس پر بھارتی فوجیوں کے تصادم کازیادہ خطرہ بھی نہیں تھا۔

تھے جن میں چنداعلی افسران بھی شامل تھے۔کیمپ کی تباہی اورا پنے آ دمیوں کے مل کا بدلہ لینے
کے لئے بے گناہوں برظلم کے پہاڑتو ڑے جارہے تھے۔ شبے میں کپڑے جانے والوں کو بے
پناہ تشدد کا نشانہ بنایا جار ہاتھا۔
اُسی شام ایک اورخوفناک اطلاع ملی ۔ فوجیوں نے گلمرگ کے ایک مکان سے دونو جوانوں
کو کپڑلیا تھا۔ اُن میں ایک بیارتھا۔ اُس میں چلنے کی سکت نہیں تھی اور کی روز سے بستر پر پڑا ہوا
تھا۔ دوسرا اُس کا دوست تھا جو اُس کی مزاح بری کے لئے آیا ہوا تھا۔ وہ میٹرک کا سٹوڈ نے تھا۔

بھارتی فوجی اُن دونوں کو پکڑ کرشہر کے مرکزی چوراہے پر قائم کمپ میں لے گئے۔تقریباً دو گھنٹوں تک مجاہدین کے بارے میں پوچھ کچھ کے لئے اُن پر تشدد کیا جاتا رہا۔پھر بمارنو جوان کےجسم پر بم باندھ کر اُسے چوک میں چھوڑ دیا گیا اور جب بم پھٹا تو اُس نو جوان کے جیتھڑ ہے اُڑ گئے۔ جبکہ دوسرے نو جوان کو مزید نفتیش کے لئے چھاؤنی میں بھیج دیا گیا اور پھر اُس کے بارے میں بھی پچھ پہنیں چلاتھا۔

اوراُس کی عمر سولہ کے لگ بھگ تھی۔

بیار نو جوان کو بم سے اُڑائے جانے کی خبر آنا فانا پوری وادی میں پھیل گی نہتے ہے بس اور مجبور کشمیری احتجاج کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے۔گی شہروں میں اُن کے پڑ امن احتجاجی جلوسوں پر بھارتی فو جیوں نے گولیاں برسائیں اور چند اور لاشیں گرا دیں۔ ہے گناہ کشمیریوں نے مزید احتجاج کے لئے پوری وادی میں ہڑتال کی کال دے دی۔ وادی کشمیر میں بھارتی مظالم کے خلاف ہڑتال روز کا معمول بن چکا تھا لیکن بھارتی حکمرانوں پر اِن پڑ امن احتجاجات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اس کے برعس نقصان کشمیری عوام ہی کا ہوتا تھا۔تمام کاروبار

شپ ہور ہے تھے۔شہروں میں رہنے والے بھی فاقہ کٹی کرر ہے تھے۔ ایک ہفتہ بعدایک اورسنسی خیز اطلاع ملی بھارتی فوج کے ایک دستے نے بسال پور پ بلہ بول دیا تھا۔ اُنہیں اطلاع ملی تھی کہ کیمپ پر مجاہدین کے حملے سے ایک روز پہلے دو مجاہدین اس بستی میں آئے تھے اور پورا دن یہاں گزار کر گئے تھے۔ یہ اطلاع میرے اور مقبول کے بارے میں تھی۔ ہمارے بارے میں یو چھ گجھ کے لئے بستی والوں کوظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور جب بستی

، ہوتے ہورہے میں پر چینے بھاتے ہے ہی دوں دیم او سدرہ کا صدرہ کا اور اندھا وُ صند فائر نگ والوں نے احتجاج کیا تو بھارتی وحشیوں نے گئی گھروں کونذرِ آتش کر دیا اور اندھا وُ صند فائر نگ شروع کر دی۔ بھارتی فرجہ ن کہ اطلاع ملی تھی کے ممان میں۔ نہائی ماکش کر گھر میں ناد لم تھی سات

کے ہارتی فوجیوں کو اطلاع بیالی تھی کہ مجاہدین نے ماسی عائشہ کے گھر میں پناہ لی تھی۔ ماسی عائشہ کو جیوں کو اطلاع بیال آیا۔ اُسے تشدداور ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد اُس کی چھاتیاں

أس مجامد نے ڈھیلا ڈھالا لباس کہن رکھا تھا۔ سر پر کالا زومال بندھا ہوا تھا۔.... چبرے پر ن الله عابدین بھار لی نوجیوں کے خلاف جھاپہ مار کارروا ئیاں کرتے ہوئے چبروں پر . ناب إنده ليتي تضمّا كه أنبيل ثناخت نه كياجا سكّ-

بھی ہے تکرا کروہ مجاہد لڑ کھڑا گیا۔ میں نے اُسے سنجالنے کے لئے ہاتھ آگے برھا دیا۔ انفاق ہے میرا ہاتھ اُس کے چہرے سے نگرایا اور نقاب اُس کے چہرے سے ہٹ گیا۔۔۔۔۔اور ن بيا ديش مجابد كا چېره د كيچكر ميں أنھيل پڙا ـ وه انگوري تھي

﴿ إِنَّ اللَّهِ إِن تَم؟ ''ميرے منه سے بے اختيار لکلا۔ ميري آنکھيں جيرت سے پھيلتی چلي ا کئیں۔ جھے یاد آگیا جب میں نے ایک دن اُن کے کھر میں قیام کیا تھا تو میری طرف دیکھتے ہوئے اُس کے چیرے برسرخی حچھا جاتی تھی اور حیا ہے نظریں جھک جاتی تھیں۔ کیکن اس وقت ہوے اسے پہرے پر مرن پیا ہی اور حسن پھروں کی آڑ میں کھڑے اُنہیں اپ جھے نکرانے کے بعدوہ میرے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ ہی اور حسن پھروں کے درمیان صرف چند اُنچ سڑک ہم سے تقریباً پندرہ فٹ نیچےتھی۔ میں اور حسن پھروں کی آڑ میں کھڑے اُنہیں اپ جھے نکرانے کے بعدوہ میرے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ ہم دونوں کے درمیان صرف چند اُنچ سامنے ہے گزِرتے ہوئے دیکھتے رہے۔میرا خیال تھا کہڑک نکل جائیں تو ہم سڑک پارکرئے کا فاصلہ تھا۔لیکن نہتو اُس کے چیرے پرحیا کی سرخی پھیلی تھی اُور نہ ہی اُس کی نظریں جھکی تھیں۔ اں کے برماس اُس کی موتی موتی آنکھوں میں عجیب می جبک تھی۔ میں نے اُس کے ہاتھوں کی

تمہارے ہاتھوں میں رائفل و کیچ کر مجھے حیرت ہورہی ہے۔'' میں نے اُس کے چبرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''اوہ!'' انگوری کے منہ سے باختیار نکا۔''عورت کھیتوں میں اناج أگانے کے لئے ہل چاا کر زمین کا سینہ چر عتی ہے۔ سر کیس بنانے کے لئے پھر کوٹ عتی ہے۔ مزدوری كرنے كے لئے سرير بوجھ أشاعتى ہے تو ہاتھوں ميں رائفل كيوں نہيں أشاعتى؟ اور ميں تو سمير كى بيئى ہوں.....اب وقت آگيا ہے كه تشمير كى ہرعورت اپنى عزت و ناموس كے تحفظ اور وادی کے نقدس کے لئے ہاتھوں میں را تفل اٹھا لے لیکن، "کولیوں کی تر ترواہث میں وہ

ا بْنَا اِتِ مِلْمَانِ مُدَرَّئِلَى _ بِهَارِتَى فُوجَى فَائرَ مَّكَ كُرِيّةِ بِهِوْكُ بِيشِ لَقَدِ في كرر ہے تھے۔ ''انگوري بھا گو.....اس طرف!'' انگوري كے ايك ساتھى نے چینے ہو سے كہا۔ يہ جمي سِوانی آواز تھی جس نے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا میں نے پہلی باراُس کی طرف غور سے یعا۔ یہ وہن مجاہد تھا جس نے پہلے مجھ پر رائفل ٹانی تھی۔ گول مٹول ساچبرہ ، چیکتی ہوئی موثی میونی آنگھیں اور ڈھیلا ڈھالا کرتا۔ اُس کے سر پر بھی کالا رُو مال بنیدھا ہوا تھا اور وہ بھی لڑک ی میں نے انگوری کی طرف دیکھا، اُس کے ہونٹوں پرمسکراہٹ آگئی۔

یہ ہاتوں کا وقت نہیں ہے بعد میں تفصیل ہے باتیں ہوں گی۔تمہارے ساتھ گتنے

ہمیں بہتی سے خچرمل گئے تھے۔ہم راتوں رات ؤشوار گزار پہاڑی راستوں پر سفر کر، ہوئے صبح چار بجے کے قریب بین بارہ مملا ہائی وے کے قریب بیچے گئے۔ ر ک ہمارے سامنے بھی۔ ہم پہاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آنا جا ہے تھے کہ گرر گرر کی آوا سن کرزک گئےوہ بھاری ٹرکول کی آواز دی۔ ہم خچرول سے اُٹر کر پچھ آ گے نکل گئے اورا کیا

چٹان کی آڑ ہے سڑک کی طرف دیکھنے لگے۔اُس جگہ بڑے بڑے چٹان نما پھر تھے اور درخوا کی بھی بہتات تھی۔اس لئے سڑک کی طرف ہے ہمیں دیکھ لئے جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔

وہ دونوجی ٹرک شخصے جن پرسامتے اور دائیں بائیں مشین کنیں نصب تھیں اور فوجی مست

دوسری طرف کی پہاڑیوں میں چلے جانیں گے۔ میں ابھی پیسوچ ہی رہاتھا کہ پہاڑیاں تڑ تڑاہٹ کی آواز ہے گونج اُٹھیں میں اُٹھیل مخروطی اُنگلیوں کوسوئی کی مدد سے کپڑے پر ملین دھا گوں سے نازک ہے تیل بوٹے بناتے پڑا۔ ہم سے کچھآ گے شاید کچھ مجاہدین گھات لگائے بیٹھے تھے اور اُنہوں نے ٹرکوں پر فائز کھول ہوئے دیکھا تھا لیکن اس وقت اُس کے ہاتھوں میں سب مشین گن تھی جوصرف انگارے اُگلنا

میں نے حسن کی طرف دیکھا ، اور پھر ہم دونوں بھی ٹرکوں پر فائر نگ کرنے لگے۔ الحکے ٹرک ے دو گنر دوسرے مجاہدین کی فائرنگ ہے جہنم واصل ہو چکے تھے۔ اُن کی جگہ دوسرے فوجیول نے سنھال کی تھی اورمشین گنوں کا فائر کھول دیا تھا۔

نصف درجن نوجی ٹرکوں ہے کو دکر سڑک کے کنارے پھروں کے پیچھے پوزیشن سنجال کچ تھے اور سب مشین گنوں سے فائر نگ کر رہے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ دوسرے مجاہدین کولا تھے لیکن اُن کی ہمت کی داد دیے بغیر ندرہ سکا۔وہ سامنے ہے مشین گنوں کی شدید فائر لگ کے باوجودایٰ جگہ برڈنے ہوئے تھے۔

اور پھر کان پھاڑ دینے والا ایک دھما کہ ہوا..... مجاہدین میں سے کسی نے الحکے ٹرک پر دنگ بم پھینکا تھا۔ ٹرک کے پر فیچے اُڑ گئے۔ مزک کے کنارے پھروں میں پوزیشن کئے ہو۔ بھارتی فوجیوں کی فائرنگ میں شدت آگئی تھی۔ ہم اپنی جگہ بدل کر فائر کر رہے تھے۔ سات ے فائر نگ میں بھی شدت آ گئی تھی۔ میں اور حسن دوڑ تے ہوئے وہاں سے دُورنکل گئے۔ آ آ طرف ہے بھی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سائی دے رہی تھی۔اور پھر دو آ دمی دوڑ۔ ہوئے سامنے آگئے۔ اُنہوں نے ہمیں دیکھتے ہی رانفلیں سیدھی کر لیکھیںکیکن دوسرے اُ کمحوں رائفلوں کے زخے بدل گئے۔

میں دوڑتا ہوا جیسے ہی ایک پھر کے دوسری طرف مُزا اُس طرف سے آنے والا ایک مجام مجھ ہے ٹکرا گیا۔اُس کے منہ ہے بلکی ہی جیخ نکل گئی۔وہ چیخ سن کر میں بھی چونک گیا تھا۔ ایک فوجی چنگھاڑتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر ایک طرف چھلا تگ لگادی کیکن وہ بھی اپنے آپ کو نہ بچاسکا۔ حسن کی رائفل کی گولیوں نے اُسے چھانی کر دیا تھااور جھے رائفل استعمال کرنے کا موقع ہی نمل سکا۔

اور بھے رہ ساہ میں رہے ہوئی میں میں ایک کر انگوری کے قریب پہنچ گیا اور ایک ہاتھ حسن دوڑتا ہوا ہمارے قریب آگیا۔ میں ایک کر انگوری کے قریب پہنچ گیا اور ایک ہاتھ اُس کی طرِف بڑھا دیا۔ اُس نے میری طرفِ دیکھا اور میرا ہاتھ بکڑ کر ایک جھٹکے سے اُٹھ کر

اس کی طرف بڑھا دیا۔اس نے میری طرف دیکھ کمڑی ہوگئ۔رائفل اُس کے دائیں ہاتھ میں تھی۔

ر کی طرف سے زبردست فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بھارتی فوجی ہوا ہے ہتی ہوئی جھاڑیوں پر بھی اندھاؤھند فائرنگ کررہے تھے۔

ہم تنوں اُس عمودی چٹان کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے اور اُرکے بغیر مسلسل دوڑتے رہے۔ ہمارا اُرخ بلندی کی طرف تھا۔ انگوری جس طرح دوڑنے میں ہمارا ساتھ دے رہی تھی وہ قابل تعریف تھا۔ فائرنگ کی آوازیں اب بہت پیچیے رہ گئے تھیں۔ اور پھر فائرنگ اُک اُور یہ بھال کیا ہے ہوائی گولیاں چلارہے ہیں۔ فائرنگ اُک کئی۔ بھارتی فوجیوں کوشاید بیاحساس ہو چکا تھا کہ وہ ہوا میں گولیاں چلارہے ہیں۔ بچھ اور فاصلہ دوڑتے ہوئے طے کرنے کے بعد ہم گنجان درختوں میں اُک گئے۔ یہاں برے بڑے برے بچھ بھی پڑے ہوئے اُس نے سب برے بڑے بوئے میں پڑے ہوئے اُس نے سب مشین گن زمین پر ڈال دی اور گہرے گہرے سائس لیتے ہوئے دو ہری ہوگئی۔ اُس نے سب مشین گن زمین پر ڈال دی اور گئی سائس بری طرح پھول گیا تھا۔ میری اور حسن کی کیفیت بھی اُس مسلسل دوڑتے ہوئے اُس کا سائس بری طرح پھول گیا تھا۔ میری اور حسن کی کیفیت بھی اُس سے مختلف نہیں تھیں۔ جبکہ حسن گھاس پر

میں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ پچھلے گئ روز بھاگ دوڑ ہی میں گزرے تھے۔ میں نے دوڑتے ہوئے میلوں کا فاصلہ بھی طے کر لیا تھا لیکن ایسی کیفیت پہلے بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ شاید بیتھی کہ اس وقت ہم مسلسل بلندی کی طرف دوڑتے رہے تھے۔ اگر راستہ ہمواریا نشیب کی طرف ہوتا تو شاید میری یہ حالت نہ ہوتی۔ دو تین منٹ بعد میں نے آنکھیں کھول کر انگوری کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھی دونوں نگیس آگے کو پھیلا رکھی تھیں۔ دونوں بانہیں بھی پہلو میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سرکھی قدر چھے کو جھکا باتھا۔ اُس کی آگے کو پھیلا رکھی تھیں۔ دونوں بانہیں بھی پہلو میں تھیل ہوئی تھیں۔ سرکھی قدر چھے کو جھکا باتھا۔ اُس کی آنکھیں بندھیں۔ وطلے ڈھالے کرتے میں تناؤ ساتھا جس کے نیچے اُس کا سینہ

بِمِنْ کی طرح پھول اور بچک رہاتھا۔ انگوری نے آئکھیں کھول دیں۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر اُس کے ہونؤں پرخفیف می مسکراہٹ آگئی۔اور پھروہ ٹائکیں سمیٹ کرسیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔حسن بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ''میں تو تمہیں بہت نازک می لؤکی سمجھتا تھا لیکن تم تو مردوں سے بھی زیادہ دلیر اور حوصلہ مند ٹابت ہوئی ہو۔۔۔۔'' میں نے انگوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بڑے پھر کی آ ڑسے بھار کی فوجیوں کی فائرنگ کا جواب دےرہاتھا۔ ''اوہ!'' انگوری کے منہ سے ایک بار پھر نکلا۔'' اُن وحشیوں کا ایک ٹرک ہم نے تباہ کر ہم ہے۔زندہ پچ جانے والے فوجی ابصرف اپنے آپ کو بچانے کے لئے فائرنگ کررہے ہیں. ان پہاڑوں میں ہمارے بیچھے نہیں آئمیں گے۔اس طرف نکل چلواورنوری تم...'' اُس نے ایْج

''صرف ایک.....'' میں نے جواب دیا اور حسن کی طرف اشارہ کیا جو چند کز وُور ایکہ

ان پہادوں میں اور کی ہے۔ ان کی سے کہ ان کے سے انکل جاؤ۔ ہم لوگ چشنے پرملیں گے۔'' ساتھی کی طرف دیکھا۔''عبداللہ کو لے کرائی طرف سے نکل جاؤ۔ ہم لوگ چشنے پرملیں گے۔'' وہ لڑکی نوری فورا ہی اپنے تیسر ہے ساتھی کی طرف دوڑ گئی۔ ججھے اطمینان ہوا کہ اُن کے ساتھ کم از کم ایک مرد تو تھا۔ میں نے حسن کو اشارہ کیا اور انگوری کے ساتھ ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ حسن بھی رُک رُک کر بھارتی فوجیوں کی فائز نگ کا جواب ویتا ہوا ہمارے چیجھے آر

تھا۔ جھے یہ جان کر بڑی جیرت ہوئی تھی کہ بھار لی فوجیوں کےٹرکوں پرحملہ کرنے والی مجاہدین کی اس پارٹی میں صرف تین افراد تھے۔ دوعورتیں اور ایک مرد۔ اور اُن کی یہ کارروائی بڑکی کامیاب رہی تھی۔ اُنہوں نے ایک ٹرک کو تباہ کر دیا تھا اور میرے اندازے کے مطابق اُس ٹرک کے ساتھ کم از کم آٹھ فوجیوں کے بھی پرنچے اُڑ گئے تھے۔

ہم بلندی کی طرف دوڑتے رہے۔نوری اور عبداللہ کسی اور طرف نکل گئے تھے۔اُس طرف سے بھی وقفے وقفے سے فائرنگ کی آوازیں سائی دے رہی تھیں۔ میں انگوری کو بہت نازک اندام سجھتا تھا کیکن وہ جس طرح اُو نجے پنچے پھروں پر بھلائلی ہوئی بلندی کی طرف دوڑ رہی تھی اندام سجھتا تھا کیکن وہ جس طرح اُو نجے پنچے پھروں پر بھلائلی ہوئی جس کے نکل جاتی۔ یہ پہاڑیاں سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔خملی گھاس اور جھاڑیاں بھی تھیں اور اُو نیچے درخت بھی۔ ہمارے سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ دانوں تھی تھیں۔ اور اُو نیچے درخت بھی۔ ہمارے اور اُو نیچے درخت بھی۔ ہمارے اور اُو نیچ درخت بھی۔ ہمارے اور اُو نیچے درخت بھی۔ ہمارے اور اُو نیکو کی دیکھ کے اور اُن ہمارے کی دیکھ کی دیکھ

سامنے ایک بہت بڑی عمودی چٹان تھی۔ اُس طرف دوڑ تے ہوئے انگوری کا پیرر پٹ گیا اوروہ کراہتی ہوئی زمین پرگری۔ انگوری کا اس طرح گرنا اُس کی زندگی کا ضامن بن گیا تھا..... کیونکہ ٹھیک اُسی لمحہ لا تعداد

تر ٹر آئی ہوئی گولیاں اُس کے سر کے اُو پر سے گز رتی ہوئی سامنے والی چٹان میں گئی تھیں۔ میں نے بھی ایک طرف چھلانگ لگا دی اور زمین پر گرتے ہی پیچھے مُو کر دیکھا۔ دو بھارتی فوجی اُو پرآ گئے تھے اور سب مشین گنوں سے اندھاؤ ھند فائر نگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔انگور کی اُن کی گولیوں کی ز دمیں آتے آتے رہ گئی تھی۔

میں نے ایک پھر کی آڑ لے کر رائفل کا ٹرائیگر دبا دیارائفل کھٹ کھٹا کر رہ گئی۔میگزین خالی ہو چکا تھا۔ میں نے خالی میگزین نکال کر پھینک دیا اور کمر پر بند ھے ہوئے پیکے میں اڑسا ہوا دوسرامیگزین نکال کرفٹ کرنے لگا۔ گن میں رائفل فٹ کرتے ہوئے میں نے انگوری کی طرف دیکھاوہ بڑی پھرتی سے لوٹ لگا کرایک پھرکی آڑ میں چلی گئی تھی۔ اور پھر دوسرے ہی لمے اُس کی رائفل کو شعلے اُگئے ہوئے دیکھا۔ ے بعد میں نے ایک لمحہ کوبھی انگوری کا خیال ذہن سے نہیں نکالا تھا۔ اور اب میرے اللہ سے نہیں نکالا تھا۔ اور اب میرے لئے ہے انکشاف برا ہی سنسنی خیز ثابت ہور ہا تھا کہ انگوری بھی میرے تصور کو دل میں بسائے ، عظمی۔ ، عضمی۔

ہوئے ہیں۔ ''نوجی کیمپ پرتم لوگوں کی کارروائی بڑی کامیاب رہی۔ کوئی بھی نہیں بچاوہاں۔'' انگوری _{''ہدرہ}ی بھی۔'' جمیں مقبول بھائی کی شہادت کی اطلاع بھی مل گئی تھی اور کما نڈر محتِ اللہ کے زخمی _{جونے کی بھی۔اب وہ کیسے ہیں؟''}

ان کی ٹاگف میں بم کانگرالگا تھا۔اب پہلے سے بہت بہتر ہیں۔' میں نے جواب دیا۔ہم روزں بے لکفی سے باتیں کررہے تھے اور یہ بے تکلفی اس واقعہ کا بقیجہ تھی جواتفا قاً پیش آیا تھا۔ اگر بھارتی فوجیوں کے خلاف اُس چھاپہ مار کارروائی میں ہم لوگ نہ ملتے تو شاید ہمارے درمیان انگف کا پر دہ عرصہ تک حاکل رہتا اور ہم ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے بھی جھجکتے۔

''م نے بتایا نہیں یہاں کیے پہنی گئے ؟''انگوری نے اپنا سوال دہرایا۔
''کل صبح مجھے اطلاع کی تھی کہ بھارتی در ندول نے کیمپ کی بتابی کا بدلہ لینے کے لئے آس کی بستیوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔'' میں نے کہا۔''بسال پور میں جو پچھ بھی ہوا مجھے اس کا افسوس ہے۔ ماسی عائشہ کی شہادت رائگال نہیں جائے گی۔ ہم شہداء کے خون کے ایک ایک قطرے کا اُن در ندول سے حساب لیں گے۔'' میں چندلحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔'' مجھے نہ بھی خبر کی تھی کہ وہ بھارتی وحثی بستی کی پچھاڑکوں کو اُٹھا کر لے گئے ہیں اور تم بھی لا پیتہ ہو۔ میں نے کمانڈ رمحت اللہ سے اجازت لے کی اور حسن کے ساتھ کل رات بسال پور پہنچ گیا۔ وہاں سے پتہ چا کہ تم بستی سے بھاگ گئی تھیں اور تمہیں بینی کی طرف رات بسال پور پہنچ گیا۔ وہاں سے پتہ چا کہ تم بستی سے بھاگ گئی تھیں اور تمہیں بینی کی طرف رائی ہیں گئی کہ اور جب یہاں پنچی تو ان دونو جی ٹرکوں وقت رکھا گیا ہے۔ ہم رات ہی کو بسل کی جا کہ مرک پار کر کے دوسری طرف نکل جا ہیں۔ مگراسی وقت وزیکھ کرزک گئے کہ وہ گئے۔'' کو بسل کی خاموثی کے کہ وہ گئے۔'' کو بین بین کی کوئی بین بین کوئی بین بین کوئی میں افراد ہوں گے۔ایک مرداور دولڑکیاں۔اور بیتو میر نے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس پارٹی میں نئی بین میں افراد ہوں گے۔ایک مرداور دولڑکیاں۔اور بیتو میر نے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس بیل کی میں نئی بین میں اگئی کہ میں ہیں۔'' کون میں ایک تم ہوگی۔''

''عورت جب ہتھیار اُٹھا لیتی ہے تو زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔'' انٹوری نے مسکراتے نوئے جواب دیا اور پھر اُس کے چبرے پر سنجیدگی آگئ۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہدرہی میں۔''گلمر گ والے کیمپ کی تباہی کے بعد بھارتی نوجی بری طرح جسنجطلا گئے تھے۔ اُنہوں سنجلا سننے کے لئے قرب و جوار کی بستیوں کوہس نہس کرنا شروع کر دیا۔ اُنہیں ان مجاہدین کی تابی میں حصہ لیا تھا لیکن وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ تابی میں حصہ لیا تھا لیکن وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ

''نزاکتیں دکھانے کا وقت ابگر رچاہے۔''اٹلوری نے جواب دیا۔''غاصب بھیٹر یوں نے وادی کی مظلوم اور بے گناہ عورتوں کو ہمیشہ اپنے لئے ایک تھلونا سمجھا۔ اُنہیں تشدد اور زیاد تی کا نشانہ بنایا جاتا رہا، معصوم عورتوں کی اجتماعی آبرور بزی روز کا معمول بن چکاہے۔لیکن اب ایسانہیں ہوگا۔ تشمیر کی عورت اپنی جان تو دے دے گی لیکن کوئی ہاتھ اپنے جسم تک پہنچنے نہیں دے گی۔ وہ ہاتھ تو ٹر دیے جائیں گے۔'' چند لمحوں کو وہ خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے گئی۔'' اب عورت گھر میں بیٹھ کر صرف روٹیاں نہیں پکائے گی۔ اب تشمیر کی ہر بیٹی ہوئے ہاتھوں میں رائفل نظر آئے گی۔ تشمیر کی عودت اپنے سہاگ، اپنے بھائیوں اور اپنے بیؤں کو معاذ پر زخصت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے تو اس میں مردوں کے پہلو بہ پہلولانے اور دشمن سے مجاذ پر زخصت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے تو اس میں مردوں کے پہلو بہ پہلولانے اور دشمن سے

میں خاموثی ہے اُس کی با نئیں سنتار ہا۔ وہ جذباتی ہورہی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر باتوں کا رُخ بدل دیا۔ ہم تقریباً ہیں منٹ تک وہاں بیٹھے رہے اور پھر انگوری اپنی سب مشین گن سنجالتی ہوئی اُٹھ کر کھڑی ہوگئے۔''اب چلنا چاہئے ۔۔۔۔'' وہ إدھراُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔''ان ہے ہوئے بھارتی سور ماؤں میں اتنا حوصلہ نہیں کہ اتنی دُور تک ہمارا پیچھا کر سکیں۔لیکن نوجی

ینچه آ ز مائی کرنے کا حوصلہ بھی ہے۔''

ٹرک اُس شاہراہ پرگشت کرتے رہتے ہیں۔اگر اُنہیں ٹوہ مل کی تو ممکن ہے وہ اُو پر آنے کی کوشش کریں اس لئے ہمیں اب یہاں سے چل دینا جا ہے'' ` میں اورحسن بھی اُٹھ گئے۔ میں نے اپنی رائفل کندھے پر لاکا لی۔ہم گھنے درختوں سے نکل

میں اور سن بھی آئھ گئے۔ میں نے اپنی راتفل کندھے پر انکا کی۔ ہم کھنے در حتوں سے لگل کر کھلی جگہ پر آگئے۔ جس وقت بیم عرکہ ہوا تھا اُس وقت رات کا اندھیرا رُخصت ہونا شروع ہوا تھا اور دن کا بہت ہلکا سا اُجالا تھیلنے لگا تھا۔ اور اب سور ج طلوع ہو چکا تھا اور دُھوپ پھیل رہی تھی۔ ہم تیز تیز قدم اُٹھا نے ہوئے اب بھی مسلسل بلندی کی طرف سفر کرتے رہے۔ میں نے انگوری سے کہا تھا کہ وہ عبداللہ کے ساتھ چشمے پر پہنچ جائے جس کا مطلب تھا کہ اُن کے پاس کوئی مخفوظ ٹھ کا نہ موجود تھا۔ نوری اور عبداللہ دوسری طرف نکل گئے تھے۔

''تمہارے بارے میں تو ساتھا کہتم فیروز پور کے نواح میں کماغر رمحبّ اللہ کے ساتھ کسی غار میں ہو۔اس طرف کیسے آگئے؟''انگوری نے میرے ساتھ چلتے ہوئے 'یہ چھا۔

'' 'تنہیں کیے مُعلوم ہوا کہ میں کمانڈ رمحتِ اللّٰہ کے ساتھ تھا؟'' میں نیے چونک کر اُس کی ۔ رف کہ ا

رے ریاں۔ '' میں تہبارے بارے میں معلوم کرتی رہتی تھی۔''انگوری نے جواب دیا۔ اُس کے ہونٹول برخفیف میں مسکراہٹ تھی۔

پ یہ ہے ۔ میرے سینے میں ہلچل می مجی اُٹھی میں صرف چند گھنے اُن کے گھریر رہا تھا۔ ہم نے نظر جرکرایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں تھا، ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کی تھی۔ ان کی بستی سے

مجاہدین ان بستیوں میں نہیں ملیں گے۔ وہ تو محض اپنا غصہ اور جھنجطا ہٹ اُ تار رہے تھے بیگنا ہوں کو ہر ہریت کا نشانہ بنار ہے تھے، اُن کے گھروں کو جلایا جار ہا تھا،احتجاج کرنے والوں کوسکینوں ہے چھلنی کیا جارہا تھا اور اُن کی لاشیں راستوں پر تھسیٹی جار ہی تھیں۔اور وہ درند ہے

چیخ چیخ کر کہدر ہے تھے کہ جوبھی احتجاج کرے گا اُس کا یہی حشر ہو گا۔اور پھر اُس روز' ہو خاموش ہو کر اِدھراُدھر دیکھنے گی ۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے گی۔ دور بھر اُسے بیشند نہ نہ میں میں استعمال میں ایک میں ہوئے کہنے گی۔

''اور پھر اُس روز شام ہونے سے ذرا پہلے دو جیپوں اور دوٹرکوں پرسوارتقریباً تمیں پینیتیں فوجی ہماری بہتی میں گھس آئے۔اُنہوں نے آتے ہی لوٹ مار شروع کر دی۔ بوڑھوں، بچوں اورعورتوں کوتشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔اُنہیں نہ جانے کس طرح یہ پہتہ چل گیا تھا کہ کیمیہ کی

تاہی ہے ایک روز پہلے دو مجاہدین نے چند کھنٹوں کے لئے اس بہتی میں قیام کیا تھا۔اور اُنہیں

یہ بھی پیۃ چل گیا تھا کہ وہ مجاہدین عائشہ کے گھر میں تھم ہے جیے۔ چارفو جی ہمارے گھر آگئے۔ اماں نے مجھے بچھلے دروازے سے نکال دیا۔ میں گلی کے سرے پر چاچی رشیدہ کے گھر میں حجیب گئی۔ بچھ در بعد وہ فوجی امال کو مارتے پیٹتے اور بالوں سے بکڑ کر کھیٹتے ہوئے بستی کے چوک پر

گے آئے۔ چاچی رشیدہ کے گھر والوں نئے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ امال کی چینیں میرے کانوں سے نکراتی رہیں۔ میں باہر نکلنا جاہتی تھی مگر چاچی رشیدہ کے گھر والوں نے مجھے کمرے سے نہیں نکلنے دیا ۔بہتی میں شور بڑھتا جار ہاتھا۔ بھار ٹی فوجیوں نے ہمارے گھر کوآگ

لگا دی تھی کہتی کے بچھے اور گھروں کو بھی جلا دیا تھا۔ میں جس کمرے میں بندتھی اُس کی کھڑ گی سے شعلے اور دُھویں کے بادل اُٹھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔فوجی اب گھروں میں گھس کر جوان لڑکیوں کو باہر نکال رہے تھے۔ جاچی رشیدہ کا بھائی مجھے اورا پی

جوان بیٹی طاہرہ کو لے کر چھپتا چھپا تابستی سے نکل آیا اور کہا کہ ہم جنگل میں جا کر حھیپ جائیں'۔ اور جب یہ بھیٹر ئے واپس چلے جائیں تو ہم بھی واپس آ جائیں۔ میں اور طاہرِ ہستی سے نکل کر

گلمرگ کی طرف جانے والے راہتے کے قریب اُو کچی جھاڑیوں میں جھپ کنیں۔ راہتے کے قریب چھنے کا مقصد بیتھا کہ ہم ان فوجیوں کو واپس جاتے ہوئے دیکی سکیں اور جب وہ دُور چلے جائیں تو ہم بہتی میں واپس آ جائیں۔

بیت شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔بستی کے گئی مکانوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔اور پھر ہمیں دو نوجی ٹرک آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں اور طاہرہ جھاڑیوں میں چھپی اُنہیں دیکھتی رہیں۔

تو بی ٹرک اٹے ہوئے دلھائی دیئے۔ میں اور طاہرہ جھاڑیوں میں چیسی اٹین دیسی رہیں۔ اُس وقت ہم دونوں خوف سے تقر تقر کانپ رہی تھیں ۔ایک جیپ اور دوٹرک ہمارے سامنے گان گل میں نہ میں نہ اسال

سے کزر گئے۔ آخر میں آنے والی جیپ ہمارے عین سامنے سڑک پر رُک گئی۔ میں اور طاہرہ خوف کے مارے ایک دوسرے سے لیٹ گئیں۔میرا خیال تھا کہ اُنہوں نے ہمیں دیکھے لیا ہے۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ جیپ خراب ہوکرزگی تھی۔ڈ رائیور بار بار اِنجن شارٹ کرنے کی کوشش

کرتا رہا، پھر نیچے اُتر کر اُس نے اِنجن کا ڈھکنا اُٹھایا اور خرا بی تلاش کرنے لگا۔ جیپ بغیر حبیت

کی تھی۔ پچھلے جصے میں دونو جی بیٹھے ہوئے تھے جنہوں نے ایک لؤکی کو دیو بی رکھا تھا۔ اُس لؤگی کے رہے کی آوازیں ہمارے کانوں سے نگرار ہی تھیں۔

درسری جیب اور ٹرک بہت آگے نگل چکے تھے۔ میں نے اور طاہرہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہم میں نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آگئی کہ ہم نے ایک نہایت خطرناک نیملہ کرایا۔ ہم دونوں بہت مختاط انداز میں جھاڑیوں سے نگلیں اور چینجے دھاڑتے ہوئے جیب پر بیٹھے ہوئے فوجی بدحواس ہوگئے۔ ہم نے اُن کی رائغلوں مذکر دیا۔ ہماری چینوں سے جیب پر بیٹھے ہوئے فوجی بدحواس ہوگئے۔ ہم نے اُن کی رائغلوں بہتے کے اُن کی رائغلوں نے اُن کی رائغلوں کے گہران دونوں نو جیوں کو بیٹ کی کوشش کی کیئن طاہرہ نے اُسے بھی و ھیر کر دیا۔

ٹولیوں سے بھون دیا۔ ڈرائیور نے بھاگنے کی کوشش کی کیئن طاہرہ نے اُسے بھی و ھیر کر دیا۔

نے بہت سے بھون دیا۔ ڈرائیور نے بھا گئے کی کوشش کی کیکن طاہرہ نے اُسے بھی ڈھیر کر دیا۔ جس لڑکی کوہم نے فوجیوں کے قبضے سے چھڑایا وہ فوری تھی۔ہم نے تینوں فوجیوں کی رائغلوں پر قبضہ کر لیا اور جیپ میں رکھے ہوئے گئی فالتومیگزین بھی اُٹھا لئے۔اسی دوران ایک ٹرک واپس آٹا ہوا نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ اگر ہم نے بھا گئے کی کوشش کی تو وہ ہمارا پیچھا کر کے ہمیں گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔ ہم سڑک سے ذرا ہٹ کر جھاڑیوں اور پھروں میں جھپ گئے۔اب ہمارے دلوں سے خوف مٹ چکا تھا۔ حوصلے بڑھ گئے تھے۔ مجاہدین ہماری بستی میں آ کر تھمبر تے

چانا سکھ لی تھی بہتی کی دوسری بہت ہی لڑکیاں بھی بہتی میں آنے والے مجابدین سے شوقیہ طور پر رائنل چلانا سکھ چک تھیں لیکن اُس روز عملی طور پر جمیس رائفل اُٹھانے کا موقع کہلی بار ملا، وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی مسلسل بلندی پر چڑھتے رہنے سے ہمارے سانس ایک بار پھر پھو لئے گگے تھے۔انگوری بات جاری رکھتے ہوئے کہ رہی تھی۔

رجے تھے۔مقبول بھائی تو اکثر ہمارے گھر میں تھہرتے تھے۔میں نے مقبول بھائی سے رائفل

''ٹرک جیپ سے چندگز کے فاصلے پر زُک گیا اور تقریباً نصف درجن نو جی ٹرک سے اُتر کر جیپ کی طرف دوڑ ہے۔ اُپ ساتھیوں کی لاشیں دیکھ کر اُن کے چہروں پر ہوائیاں ہی اُڑنے گیس۔ وہ ٹرک کے ہیڑ لیمیس کی روشنی میں تھے اور مکمل طور پر ہماری زد میں تھے۔ اُنہوں نے رائعلیں سنبھال لیس لیکن اس سے پہلے کہ وہ صور تحال کو پوری طرح سمجھ سکتے ہم نے فائر کھول دیا۔ تین فوجی ڈھیر ہو گئے اور باقی ٹرک کی طرف دوڑے۔ وہ لوگ شانید یہ سمجھے تھے کہ مجاہدین کی کوئی پارٹی یہاں پہنچ گئی ہے۔ ٹرک کر تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ نے لگا۔ اُس پر سوار

لوجی اندھیرے میں اندھاؤھند فائرنگ بھی کررہے تھے۔ جیپ پر وہ فوجی نوری کوراہتے مجرنوچتے آئے تھے۔ اُس کی قمیض تار تار ہوریتی تھی۔ ہم لوگ بہتر مدے دید ہوگی کوں میں میں میں کی ملہ جی رہے تھے۔ اُس کی قمیض کار تار ہوریتی تھی۔ ہم

بیپ پروہ و بی ورای ورای ورائے بروپ مسلے ہے۔ اس من مار مار دانسان ماں مار مار از الطان ماں کا مار مار از الطان ک اور الم اللہ میں والمیں آگئے۔ کئی اور گھروں کی طرح میرا گھر بھی شعلوں کی لیب میں تھا۔ میری ماں مال کی الاش چوک میں بڑی تھی۔ ان الاش کے تریب بھی جمع تھے۔

نوری کی ماں کا تو عرصہ پہلے انقال ہو گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کی اکلوتی اولا دتھی۔وہ جنگل

ریا۔''میرا ڈرتو اُس روز دُور ہو گیا تھا جب میں نے اور طاہرہ نے نوری کوفو جیول کے شکنج میں رہے ہے۔' میرا ڈرتو اُس روز دُور ہو گیا تھا جب میں نے اپنوں کا خون بہتے دیکھا ہے۔ اُن بھارتی بھیٹر یول کا خون بہتے دیکھ کر مجھے خوف کیوں محسوس ہونے لگا؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب میں کی بھارتی فوجی کو گولی کھا کر گرتے اور اُس کے جسم سے خون کے فوارے اُ بلتے دیکھتی ہوں تو مجھے جب ساسکون ملتا ہے۔''

بیب ہا رکی ماہی ہے۔ یس نے انگوری کی طرف دیکھا۔اُس کے چبرے پر عجیب سے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ہم ایک بار پھر دُک گئے۔حسن ہم سے جند گزیچھے چل رہا تھا۔وہ بھی ہمارے قریب آ کر ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ہم پہاڑ کی چوٹی پر تھے، دوسری طرف نشیب میں چھوٹی چھوٹی

بہاڑیوں کا سلسلہ تھا جوزور تک چلا گیا تھا۔ ہم تقریباً ایک گھنٹے تک بیٹھے رہے اور پھر اُٹھ کر ایک ننگ ہے راستے میں داخل ہو گئے۔ محال

یہاں ہوا بہت تیز تھی جوہمیں مسلسل ہیچھے کی طرف دھیل رہی تھی۔تقریباً آ دھے گھنٹے بعد ہم کھلی علمہ پر پہنچ گئے۔ بڑی حسین جگہ تھی۔ وُ در تیک درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھیلے ہوئے تھے۔ خملی

گھاس میں مسکراتے ہوئے رنگ برنگے جنگلی پھول بہار دکھارہے تھے۔ ہم ایک بار پھر ایک چھوٹی س ندی پر رُک گئے۔ شفاف پانی اُحچلتا اور گنگنا تا ہوا بہہ رہا

ہے۔ تھا۔ میں نے جی بھر کر ٹھنڈا پانی بیااور منہ پر چھنٹے مارنے لگا۔ ہم صرف چند منٹ وہاں رُکے اور ندی کے ساتھ ساتھ اُو پر کی طرف چلنے لگے۔اس مرتبہ

ہم صرف چند مند وہاں رُکے اور ندی کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف چینے گئے۔ اس مرتبہ ہمیں زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً سوگز آگے ایک سرسز چٹان کے ساتھ گھومتے ہی ہم رُک گئے۔ درختوں کے جھنڈ کے نیچے ایک بڑا تالاب تھا۔ وہ ندی ای تالاب سے نکل کر بہہ رہی ہی وہ چشمہ تھا جس کا پانی تالاب کی صورت میں جمع ہور ہاتھا۔ اس تالاب کے بائیں طرف گھاس پھونس کا ایک جھونچڑ ابنا ہوا تھا اور ایک بوڑھا آ دمی جھونچڑ نے کے سامنے بچھی ہوئی جارپائی پر بیٹھارتی ہٹ رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اُس کی عمر ساتھ کے لگ بھگ فردر ہی ہوگی۔ داڑھی اور سرکے بال برف کی طرح سفید تھے۔ ہمیں دکھ کررتی والی چرخی فردر ہی ہوگی۔ داڑھی اور سرکے بال برف کی طرح سفید تھے۔ ہمیں دکھ کررتی والی چرخی

ائ نے پیچر کھ دی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ '' آگئیں بٹی!'' و وانگوری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔'' یہ دونوں ہیں تو اپنے ہی شیر مگران کے نام بتا دو بٹی تا کہ انہیں مخاطب کرنے میں آسانی رہے۔'' اُس نے کہتے ہوئے ناری طرف دیکھا۔

ی سے ریافت '' یشمروز ہے اور بیدسن۔' انگوری نے ہمارا تعارف کرایا۔'' آج اتفاق سے بیبھی اسی شکار پر جھٹے تھے جو ہمارانشا نہ تھا۔''

''چرتو اُس بد بخت شکار کے چیتھڑ ہےاُڑ گئے ہوں گے۔'' بوڑ ھامسکرا دیا۔ '' ہاں بابا..... یہی سمجھلو! چیتھڑ ہے ہی اُڑ گئے اُن کے۔''انگوری بھی مسکرا دی۔ شکار ہو گیا تھا....بہتی میں تین اور لاشیں بھی ادھر اُدھر پڑی ہوئی تھیں۔ اُن تمام لاشوں کو شکھ ہونے سے پہلے دفن کر دیا گیا۔ میں نے اُن کی قبروں پر کھڑے ہوکر قسم کھائی تھی کہ اُن کے خون کے ایک ایک قطرے کا بدلہ لوں گی۔ رات تو خیریت سے گزرگئی۔ یہ بھارتی فوجی بڑے بزدل ہیں۔ اُنہیں اپنی جان کا بڑا خوف رہتا ہے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد یہ اپنی چھاؤ نیوں یا کیمپوں سے با ہرنہیں نکلتے۔ رات کو انہوں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی تھی۔ اُن کے پانچ ساتھیوں کی لاشیں رات بھر بہتی کے

کا منے والے تھیکیہ: ر کے یہاں مزدوری کرنا تھا۔ لیکن آج و دبھی اُن درندوں کی بربریت کا

انہوں نے کوئی جوائی کارروائی نہیں کی طی۔ ان کے پاچ ساھیوں کی لا میں رات جربی کے بہا ہم سرائی ہوتے ہی فوجی بھاری باہر سڑک پر پڑی بھیٹر بوں کی خوراک بنتی رہیں ھیں۔ ججھے یقین تھا کہ شبح ہوتے ہی فوجی بھاری تعداد میں ایک بار پھر ستی پر تملہ آور ہوں گے اس لئے میں نے ذن کی روشنی پھینے سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ طاہرہ کو جا چی رشیدہ رات ہی کو چند میل وُورا یک اور بستی میں اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں لے گئی تھی۔ نوری میرے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ اور پھر عبداللہ بھی جمارے ساتھ ہوگیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے منگیشر ہیں۔

بہم نے ایک محفوظ مرھانہ تلاش کرلیا ہے۔ میں جاتی ہوں کہ دن کے وقت فوجی گاڑیاں شاہراہ پر گشت کرتی رہتی ہیں۔ پہلے روز ہم نے ایک اکمیل جیپ کونشانہ بنایا۔ وہ جنپ پتن سے بارہ مولا کی طرف جا رہی تھی۔ اُس میں ڈرائیورسمیت چار فوجی ستھے۔ ہم گھات لگائے بیٹھے ستھے۔ وہ چاروں ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ اس جیپ سے ہمیں بہت ساا بمونیشن اور کل دتی ہم مل گئے۔ پچھلے تین روز سے ہم اُس شاہراہ کے مختلف مقامات پر اسی قسم کی چھاپہ مار کا مردائیاں کر کے بھارتی فوجیوں کونقصان بہنچارہے ہیں۔ آج بھی ہم رات کے آخری پہر کارروائیاں کر کے بھارتی فوجیوں کونقصان بہنچارہے ہیں۔ آج بھی ہم رات کے آخری پہر تین بجے اس جگہ گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ اور جیسے ہی ہم نے ٹرکوں پر حملہ کیا دوسری طرف تین کے اور جسے بی ہم نے ٹرکوں پر حملہ کیا دوسری طرف ہوں کے مارے کیا ہوئی بڑی پارٹی اس طرف آ نگی ہے۔ ہمارے وصلے بڑھ گئے لیکن ۔۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئے کین ۔۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئے گئین ۔۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئے گئین ۔۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئی گئی ہے۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئے گئی ہے۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئی ہے۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئی گئار کیا گئی ہے۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئی ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کین ہمارے کو سلے بڑھ گئی ہے۔ ہمارے وصلے بڑھ گئی ہمارے کیا ہمارے کو سلے بڑھ گئی ہے۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئیں ۔۔۔ ہمارے وصلے بڑھ گئی ہے۔۔ ہمارے وسلے بڑھ گئیت کیا ہمارے کیا گئیں کیا ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کیا ہمارے کیا گئیں کیا ہمارے کیا گ

ہارے ویے برکھتے ہیں '' کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔'' میں نے اُس کی بات پوری کر دی۔انگوری نے ہلکا سا قبقہہ لگایا۔ فضامیں جیسے نقر کی گھنٹیاں میں نج اُنٹھیں۔ اُن میں جیسے نقر کی سے میں اساسی اُنٹھیں۔

''لیکن تم دو نے بھی ہمیں بڑا حوصلہ دیا تھا۔'' بگوری نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ '' دوطر نے سے تملہ ہوا تو بھارتی سور ما یہی سمجھے تھے کہ مجاہدین کی کسی بڑی پارٹی نے حملہ کیا ہے۔اور پھرعبداللہ نے بروفت ہینڈ گرنیڈ کچینک کر بڑا کام کردکھایا۔''

'' میں ثمُ لوگوں کی ہمت کی داد دیتا ہوں۔'' میں نے کچلتے چلتے انگوری کا ہاتھ پکڑلیا۔ اُس نے گردن گھما کرمیری طرف دیکھالیکن نہ تو کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی ہاتھ چیٹرانے کی کوشش کی۔'' کیا گولیاں چلاتے اورخون بہتے دیکھ کرتمہیں خوف نہیں آتا؟''

'' خوف اور ڈر یہ چیزیں اب میرے لئے بے معنی ہو کررہ گئی ہیں۔'' اُس نے جواب

'' نوری اورعبداللہ تمہارے ساتھ ہبیں ہیں۔''بابا نے کہا۔

''وہ بس آتے ہی ہوں گے'' انگوری نے جواب دیا۔'' پر جمیں تو بہت بھوک لگ رہی

'تم لوگ بیٹھو میں ابھی حاول اُبال لیتا ہوں ۔'' وہ سفیدر ایش بوڑ ھا کہتے ہوئے جھو نپڑے کے چھپل طرف حیلا گیا۔

حسن تو چٹائی پر لیٹ گیا۔ میں اور انگوری ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ میں بار

بارائلوری کی طرف دیکھر ہاتھا۔اُس نے سریر بندھا ہوا رُو مال کھول دیا تھا۔اُس روز میں نے آ ہے دو چوٹیاں باند ھے ہوئے دیکھا تھا۔ سینے پرلہرانی ہوئی وہ دو چوٹیاں بھی مجھےا بھی لگی تھیں

اور بکھرے ہوئے سیاہ رئیتمی بال بھی بہت اچھے لگ رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف اس طرح گہری نظروں سے گھورتے ہوئے دیکھ کرانگوری کے چبرے پر ہلکی می سرخی پھیل کئی اور نگاہیں جمک

کئیں ۔ میں بےاختیارمسکرا دیا۔اس وقت می_رے سامنے وہی انگوری جیھی تھی جسے میں نے پہلی باراُس کے گھر میں دیکھا تھا۔شر مائی ، لجائی اور بھجلی ہوئی سیلڑ کی

تھوڑی ہی دہرِ بعد نوری اور عبدِ اللہ بھی پہنچ گئے۔وہ مچھے زیادہ تھکے ہوئے تھے۔نوری نے ا ني سب مشين کن ايک طرف و ال دي، سرير بندها ہوا رُو مال کھول ديا اور چڻائي پر ليٺ کراپنا

سرائلوری کے کھٹنے پر رکھ دیا۔انگوری بیار ہے اُس کے بالوں میں اُٹگلیاں پھیرنے لگی۔

فضا میں چاولوں کی خوشگواری مہک ٹھیل گئی۔جھو نپڑے کے چھپلی طرف وہ بابا جاول اُبال ر ہاتھا۔اُن کی اشتہا آمیزخوشبو سے میری بھوک جبک اُٹھی تھی۔

' یہ بابا کون ہے اور یہاں اس وریانے میں کیوں رہ رہا ہے؟ میرا خیال ہے قرب و جوارا

میں کوئی کہتی بھی نہیں ہے۔'' میں نے انگوری سے یو حیصا۔

''اس کا نام عبدالفتح ہے۔''انگوری نے بتایا۔''برسوں پہلے اس کا نام بھارتی فوجیوں کے لئے خوف و دہشت کی علامت بنا ہوا تھا۔ بداینے مجاہدین کے ساتھ جس جو کی یا تیمیپ برحملہ کرنا و ہاں لاشوں کے سوا کیچھ بھی با فی نہ رہتا۔ بھار کی فوج کے بعض جنر ل بھی اس کا نا م من کر *تھر بھر*

کا بینے لگتے تھے۔عبدالفتح اپنی زندگی میں کم از کم تین مرتبہ پکڑا گیا لیکن بھارتیوں کی بنائی ہولیا کوئی بھی زبجیرا سے یا ہندسلاسل نہیں کرسگی ۔ یہ ہرمر تبہ بھاگ نگلا۔اس کے بار بے میں مشہور ہو

گیا کہ یہ مافوق الفطرت تو تو س کا ما لک ہے۔ بھار لی فوجیوں کو بیچکم دے دیا گیا تھا کہ عبداللح

کوگرفتارکرنے کی بجائے دیکھتے ہی گولی ہے اُڑا دیا جائے۔ بابا عبدالفتح کے بدن پر زخموں کے لا تعداد نشان ہیں۔کم از کم سات مرتبہ گولیوں کا نشانہ بنا۔ بے پناہ تشدد برداشت کیا مکر زندہ

ر ما.....آزادی کیللن نے اسے زندہ رکھا۔عبدالفتح تنمیں سال تک بھارتیوں کے لئے ہوا بنا

ر ہا۔ پھراس کے قویٰ جواب دینے گئے۔ یہ حیصاب مار کارروائیوں میں مملی طور پر حصہ کینے گا بجائے مجاہدین کوتر بیت دینے لگا۔اور پھر گوشہ نشین ہو گیا۔عبدانشح نے پچھلے تین سال 🗢

یہاں ڈیرہ جما رکھیا ہے۔ اللہ اللہ کرنا ہے اور وطن کی آزادی کی دُعا نیں مانگنا رہتا ہے۔ یہ ۔ _{درخ}ت، پودے، خنکنالی ہوئی ندی، چپجہاتے ہوئے پرندے اور قدرتی نظارے اس کے ساتھی ہں۔ یہاں سے نقریباً پانچ کوس کے فاصلے پراس پہاڑ کے پیچھےا کیے بہتی ہے۔ بابا عبدالفتح ہردو بنَّخ بعد أن بستى ميں جا كرا پِي ضرورت كى چيزيں كے آتا ہے۔ بستى كا كوئى بھى وُ كاندار اس ے پیے لینے کو تیار نہیں ہوتا گر یہ بغیر قیت کے کوئی چیز نہیں لیتا۔ یہاں بیٹارسیاں بٹتا رہتا ے جنس ج کر ضرورت کی چیزیں خرید لیتا ہے۔''

غازی عبدالفتح کا نام میرے لئے اجبی نہیں تھا۔ بجین میں کئی مرتبہ بیام سنا تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا بیرٹی مرتبہ سوپور بھی آ چکا تھااور مجھے نوثی ہور ہی تھی کہآج مجھےاس مطیم مجاہد کے نیاز ہوا جس نے اپنی زند کی وطن کی آ زادی کے لئے لڑتے ہوئے گز ار دی تھی۔اور آج بھی ۔ بھارتی نوج کے جنزلوں اور تشمیر کے کئیے پٹلی حکمرانوں کواس کی تلاش تھی۔

تقریباً آ دھے گھنٹے بعد بابا عبدالفتح نے جاولوں کی بلیلی اور چند بلیئیں ہارے سامنے چٹائی یر کھ دیں ۔نوری اورحس بھی اُٹھ کر بیٹھ گئے ۔

'' جْس نے جتنا کھانا ہوخود ہی نکال لو بیٹا!'' بابا عبدالفتح آلتی پالتی مارکر بیٹھ گیا۔

انگوری نے ایک پلیٹ میں حاول نکال کروہ پلیٹ بابا کے سامنے رکھ دی اور پھر ہمیں پلیٹوں میں نکال نکال کر دینے لگی۔گرم گرم حاولوں سے اُٹھنے والی خوشبو میری بھوک بڑھا رہی تھی۔ لین مجھے حیاولوں کے تھنڈے ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔نمک ملے ہوئے یہ حاول بہت اچھے لگ رہے تھے۔ چاول کھاتے ہوئے میں باباعبدالکتح سے باتیں بھی کرر ہاتھا۔

'آپ سوپور بھی تو آھکے ہیں میں اُس وقت بہت چھوٹا تھا کیکن کئی مرتبہ آپ کے

میں کئی مرتبہ سو پور جا چکا ہوں۔ مجھے اب بھی سب مجھ یاد ہے۔'' بابا عبداللہ نے کہا۔ الجمعلى عباس، غلام اكبرؤ كاندار اور رسول بخش لون أنهول نے ہمیشہ جارا ساتھ دیا۔ أنهوں یے بھی بندوق نہیں اُٹھائی لیکن میرے نز دیک اُس کا رُتبہ بھی غازیوں اور مجاہدوں سے کم نہیں۔ ا مجھی سوپور کے رہنے والے ہو۔ کس کے بیٹے ہو؟''

'رسول بخش لون کا۔''میں نے دھیمے کہے میں جواب دیا۔

''اوہ مجاہد کا بیٹا مجاہد ہی ہوتا ہے۔'' اُس نے آگے بڑھ کر میرا ماتھا چوم لیا'' کیسا

ئېمارا باپ؟ اب تو و ه' ''وہ شہید ہو گئے!'' میں نے کہا۔

'اوه.....' باباعبدالفتح كاباته منه كي طرف جاتے جاتے زك گيا۔ أس نے نواله پليٺ ميں ^{ال} دیااور میری طرف د کھنے لگا۔'' بیکب کی بات ہے۔۔۔۔؟''

128

ے ہوئے ہیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر بدلیڈر نہ ہوتے تو کشمیر بہت عرصہ پہلے آزاد بر کا ہوتا۔''وہ چند کھوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔''ایک زمانے میں ۔ شرکتمبرے نام کا بہت چرچا تھا۔ وہ تحریک آزادی کا ہیرِوکہلانے لگا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے اور بنا عانتی ہے کہ شمیر کاز کوسب سے زیادہ نقصان اس شیر تشمیر نے پہنچایا تھا۔ کرس کی خاطر اس تے تشمیری عوام سے غداری کی ، کشمیر کاز سے غداری کی اور پھر بیروایت بن گئے۔اقتدار سے تح وم ہوکریہ شیر کشمیر کشمیری عوام پر بھارتی حکمرانوں اور نوج کے مظالم کارونا روتا اور جیب اُسے وزارت اعلیٰ کی مند پر بٹھا دیا جاتا تو اُس کی زبان اُنہی کشمیری عوام کے خلاف زہراُ گلئے گئی۔ شیر تشمیرمر گیا۔ اُس کی گدی اُس کی اولا دینے سنجال لی۔ بی تو غدار ابن غدار ہیں۔ تشمیر کاز کوسب سے زیادہ نقصان ای خاندان نے پہنچایا ہے۔ دوسر الیڈر بھی یہی سب کچھ کررہے ہں۔ وہ جے أجلے كيرے اور أو كى ٹوپياں پہن كربيانات جارى كرنے كے لئے تصويريں بواتے ہیں۔ اُن کی دلچیں صرف اپنی سیاست جیکانے تک محدود ہے۔ آزادی سے انہیں کوئی ر کچی نہیں ۔ وادی میں ہر جگہ پولیس اور فوج سے تشمیری عوام کی جھڑ پیں ہوتی رہتی ہیں ۔ نہتے عوام پولیس کی لاٹھیاں کھاتے ہیں، نوج کی گولیوں کے سامنے سینسپر ہوجاتے ہیں۔ان کے گھروں کو جلا کر را کھ کر دیا جاتا ہے، ان کی عورتوں کوسٹر کول پر کھسٹیتا جاتا ہے، ان کی جوان بیلوں کو اجماعی آبروریزی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، انہیں ہر طرح سے زسواکیا جاتا ہے۔ لیکن کیا کی لیڈر کے باریے میں ایسا سا ہے کہ اس کے جسم پر کوئی معمولی سابھی زخم لگا ہو؟ اُن کے گھروں کوآگ لگائی گئی ہویا اُن کی عورتوں کو ہاتھ لگایا گیا ہو؟ نہیں میرے دوست! پیسب پچھ توان نہتے اور بے گناہ تشمیری عوام کے ساتھ ہورہا ہے جواس حسین وادی کو بھارتی سامراج ے آزاد کروا کر امن و آشتی کا گہوارہ بنانا جا ہتے ہیں۔ آزادی کے متوالوں کو جب گولیوں کا نتانہ بنایا جار ہا ہوتا ہے، اُن کے گھرول ہے آگ کے مہیب شعلے اُٹھ رہے ہوتے ہیں اور اُن ن ورتوں کوسر کوں پر گھسیٹا جا رہا ہوتا ہے اُس وقت ہمارے بیالیڈراپی کوٹھیوں کے عالیشان زُرِائنگ رُومز میں بیٹھ کر سیاست بگھار رہے ہوتے ہیں اور بیسوچ رہے ہوتے ہیں کمعصوم تمیریوں کےجسموں سے بہنے والےخون سے وہ ذاتی طور پر زیادہ سے زیادہ کتنا اور کس طرح

سات تھا کہ وہ تشمیر کے ساسی لیڈروں سے کس قدر بددِل تھا۔
'' سیسب کچھ میں اس لئے کہدرہا ہوں کہ۔۔۔۔' وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔'' میں
النالیڈروں سے مایوس ہو چکا ہوں۔ اُنہیں صرف اپنی ساسی وُکان سے دلچیں ہے جے وہ
نیکا کے رکھنا جا ہتے ہیں۔ یہ تشمیر کی آزادی نہیں جا ہتے بلکہ اس معاطے کو اُلجھائے رکھنا جا ہتے
نیاران کے کردار بہت گھناؤنے ہیں۔ تم ان کے اندر جھانک کر دیکھو تو تمہیں بھی ان سے
نیران کے کردار بہت گھناؤنے ہیں۔ تم ان کے اندر جھانک کر دیکھو تو تمہیں بھی ان سے
نیر ہوجائے گی۔ میں تمہیں ایک لیڈر کی بات بتاؤں۔' وہ خاموش ہوکر میری طرف دیکھنے

لأكره الفاسكتية ميں؟'' بابا عبدالفتح چندلمحوں كوخاموش ہو گيا۔ اُس كى ان باتوں سے انداز ہ لگايا جا

'' تقریباً دو مبینے سلے۔'' میں نے کہا۔اور پھرسوپور پر بھارتی فوجیوں کے حملے کی آفسیا ہا ۔ بتانے لگا۔انگوری نے بھی ہاتھ کا نوالہ چھوڑ دیا تھا اور وہ بھی پوری توجہ سے میری ہاتیں س اہر تھی۔ تھے۔' میری زندگی تھی جو میں نج گیا۔'' میں کہدرہا تھا۔''، وہ لوگ جھے مُردہ سمجھ کر بھینک نے سے ۔ تھے۔ا تفاق سے کمانڈ رمحب اللہ اور اُس کے ساتھیوں کا اس طرف سے گزر ہوا اور وہ لوگ نیج سے ہوثی کی حالت میں اُٹھا کر لے گئے۔'' میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔اور چند کھوں کے وقفے کے بعدا پنی بقیہ کہانی سانے لگا۔ وقفے کے بعدا پنی بقیہ کہانی سانے لگا۔ ''وہ تہاری آزمائش تھی۔'' میرے خاموش ہونے پر بابا عبدالفتح نے کہا۔'' قدرت

انسان کا امتجان لیتی ہے۔ اگر وہ آز مائش میں کامیاب ہوجائے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے منز پر پہنچنے ہے نہیں روک سکتی۔ تم بھی اس آز مائش سے سرخرو ہو کر نظیے ہو۔ یہ غاصب بھالا محکمران ابتمہارا راستہ نہیں رک سکتے۔ "وہ چند کھوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔" مجھے اعلور کی ا بتایا تھا کہ کمانڈ رمحت اللہ کی قیادت میں مجاہدین نے گھرگ کے دوسری طرف نئے قائم ہو۔ والے اسلحہ ڈیو کو اُڑا دیا ہے۔ مجھے بھی اس ڈیو کے بارے میں اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ اگرا ڈیو قائم رہتا تو اس علاقے میں بھارتی فوج کی گرفت مضبوط ہوجاتی۔ گرتم لوگوں نے اُن کیا کہ توڑ دی ہے۔ اب وہ طویل عرصہ تک سنجل نہیں سکیں گے۔"

ور دی ہے۔ بوہ وی رسمانت کی گئی گئی ہے۔ بوہ وی کردار ادائیم ''آپ کے خیال میں تشمیر کے سابی لیڈروں کو وطن کی آزادی کے لئے کوئی کردار ادائیم کرنا جا ہے'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''سیاسی لیڈر۔۔۔۔۔'' بابا عبدالفتے کے ہونؤں پرطنزیدی مسکراہٹ آگئ۔'' کشمیر کے سانگروں کا آزادی کی اس تحریک میں کوئی کردار نہیں ہے۔ یہ جنگ تم جیسے نو جوانوں کو ہی لار پڑے گی۔ ہمارے لیڈروں کا آزادی کی اس تحریک میں کوئی کردار نہیں ہے۔ یہ جنگ تم جیسے نو جوانوں کو ہی لارے گی۔ ہمارے لیڈرتو ہندو سامراج کے آلہ کار ہیں۔ وہ جسم شاندار ڈرائنگ زومز میں بیٹھ کر شمیریوں کی بے بی اور مظلومیت کارونا روتے ہیں۔ وہ جسم در کھتے ہیں کہ عوام ان کو بھو لئے گئی ہے تو بھارتی تحکم انوں یا فوج کے مظالم کے خلاف آباد زوردار بیان جاری کردیتے ہیں جس پر حکومت اُنہیں گرفتار کر لیتی ہے اور وہ جیل میں بھی پینگر کر تے ہیں اور چندروز بعدوہ پھر رہا ہو کرا نی عیاشیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ہمارے سامی لیڈر کشمیری عوام کے ہمدرد نہیں۔ نہیں آزادی کی راہ میں زکادن اُنہیں آزادی کی راہ میں زکادن

لگا پھر بولا۔''یا ہے آپ کو تشمیری عوام کا بہت بڑا ہدرداور بہت بڑا لیڈر بھتا ہے۔اُس کے بہاڑوں میں روپوش ہو جاتے تھے۔ بھی لوگ اپنی جان ہتسلیوں پر کھ کر بکل کی طرح دہمن پر ٹوٹ بڑتے تھے اور انہیں تہیں نہیں کر کے پہاڑوں میں روپوش ہو جاتے تھے۔ بھے اس بات کی خوتی تھی کہ اب بیانات من کر لگتا ہے کہ بھارتی فو جیوں نے مظلوم تشمیر ہوں پر مظالم بند نہ کئے تو وہ اپنی جان ہوں میں شاورتر کی بیانات میں کر لگتا ہے کہ بھارتی فو جیوں نے مظلوم تشمیر ہوں پر مظالم بند نہ کئے تو وہ اپنی جان ہوں میں شاورت کے اور میں ہوگی تھی۔نوری اگر چہ ہم سب کوشد ید بھوک گی ہوئی تھی گر ان باتوں سے ہماری بھوک مرچی تھی۔نوری گی ۔نوری گی ۔نوری میں رکھ دی اور پلیٹیں دھونے کے لئے ندی پر لے گئی۔ بابار پھر خھوٹی میں چنی گھما کر رتی بٹنے لگا تھا۔

د کھی رہا تھا۔وہ کہد رہا تھا۔

مبین سید . انتخاب میں اب را کفل اُٹھانے کی سکت نہیں رہی۔' وہ کہدر ہاتھا۔''لیکن اس اُمید رزندہ ہول کہا پنی آنکھوں سے اس وادی کی فضاؤں میں آزادی کا پر چم لہراتے دیکھ سکوں۔'' ''انثاءاللہ آپ ضرور دیکھیں گے۔'' میں نے کہا۔

عبدالله اور حسن بھی اُٹھ کر ہم سے کچھ دُور درختوں کے نیچے گھاس ہر جا بیٹھے تھے۔ میں بظاہر با تیں تو با با عبدالفتح سے کرر ہا تھا مگر میرادھیان انگوری کی طرف تھا جو بیٹھی او گھر ہی تھی۔ ''ارے بیٹی انگوری! تم جا کرسو جاؤ بہت تھی ہوئی لگ رہی ہو۔'' با با عبدالفتح نے انگوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

انگوری اُٹھ کر جھونپڑے میں چلی گئی۔ میں کن انھیوں ہے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جھونپڑے میں چٹائی پرنمدے بھچے ہوئے تھے اور چند کمبل بھی تہہ کر کے ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک کونے میں لیٹ گئی۔نوری بھی پلیٹیں وغیرہ دھونے کے بعد عبداللہ اور حسن کے قریب جا بیٹھی تھی۔ میں بچھ دیر بابا عبدالفتح سے با تیں کرتا رہا اور پھر چٹائی پر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میری آنکھیں بند ہونے گئی تھیں۔

دن سوتے ہوئے گزرا اور رات کو نیند آنکھوں سے دُور رہی۔ حسن ،عبداللہ اور نوری تو جلد اَن سوگئے تھے۔ انگوری میری طرح دن میں اپنی نیند پوری کر چکی تھی۔ وہ بھی میری طرح بابا عبدالفتح کے باس بیٹھی با تیں کرتی رہی۔ بابا عبدالفتح کے باس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ بابا عبدالفتح کے بارے میں ، میں نے بھی بجین میں بہت کچھین رکھا تھا اور اب اِس عازی سے اُس کے معرکتہ الآرا ، کارنا موں کی تفصیل بن رہا تھا۔ بابا نے باتیں کرتے کرتے کمیفی اُو پر اُٹھادی۔

''یه دی کھو ۔۔۔۔'' وہ سنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''یہ زخم نہیں میڈل ہیں جومیری بہادی کا اعتراف کرتے ہوئے بولا۔''یہ زخم نہیں میڈل ہیں جومیری بہادی کا اعتراف کرتے ہوئے بیاری فوجیوں نے میرے سنے پر سجائے سے۔اور بید کھو!''
اُک نے گا۔ بہادری کے میڈم ہمیشہ سنے پر سجائے جاتے ہیں پشت پر نہیں۔'' وہ ایک کھے کو بہادری کے میڈم ہمیش درست کرتے ہوئے بولا۔'' میں تمہیں بیسب پھھاس کئے بتارہا ہوں کہ بہ میڈ یا میڈر کے سنے پر سجانا تمہاری پشت بھی دہمن کی طرف نہیں ہوئی چاہئے۔''

''الیائی ہوگا باباً'' میں نے کہا۔

" ' پندسال پہلے جب بھارتی فو جیوں کے خلاف میری سرگرمیاں عروج پرتھیں تو اس لیڈ ' خید سال پہلے جب بھارتی فو جیوں کے خلاف میری کہ میں بھارتی سامراج کے خلاف آپا کے مرگرمیاں ختم کر دُوں تو مجھے بہت ساری مراعات دی جاسکی ہیں۔ ہندوستان کے سی بھی ہم کہ میں یا پاکستان میں مجھے بہت بڑی کوشی دی جائے گی۔ شاندار کار دی جائے گی اور کم از کم پاؤ میں یا پاکستان میں مجھے بہت بڑی کوشی دی جائیں گے۔ بیم راعات مجھے زندگی کی آخری گھڑیوا کہ ملک رہا ہے۔ بیم راعات مجھے زندگی کی آخری گھڑیوا کہ ملک رہیں گی۔ لیکن میں نے اُس کی پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں بیک بیک اپنے ہا ہوں؛ جیکے باون برسوں سے ظلم کی چی میں بس رہ ہیں۔ تو یہ ہے ہمارے لیڈروں کا کردار۔' و جیکے باون برسوں سے ظلم کی چی میں بس رہ جیں۔ تو یہ ہے ہمارے لیڈروں کا کردار۔' و جیکے بار کیر خاموش ہوگیا۔ اُس کی نظریس میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔''سب لیڈرا ہے ہے۔ ضمیر خہرے اور کی آزاد کرانا چا ہے ہیں لیکن اُنہیں آگے نہیں آنے دیا جاتا، اُنہیں اپنی بات کہ کا موقع نہیں دیا جاتا۔ لیڈروں نے مجھے بڑا مایوں کیا ہے۔ لیکن میں شمیرے۔وہ بھی بھارتی تبلا موقع نہیں دیا جاتا۔ لیڈروں نے مجھے بڑا مایوں کیا ہے۔ لیکن میں شمیرے متعقبل سے مایوں نہیں ہوں۔ شمیر ضرور آزاد ہوگا اور سیاسی لیڈرنہیں بلکہ تم جیسے سر پھر نے تو جوان آزادی دلائیں گیا۔ نہیں سیاست کا طالب علم نہیں ہوں۔ میں نے تو صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ میں سیاست کا طالب علم نہیں ہوں۔ میں نے تو صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ میں سیاست کا طالب علم نہیں ہوں۔ میں نے تو صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔

ہمیں دبائے رکھنا چاہتے ہیں۔''
کمانڈ ررشد اور دوسرے مجاہدین ہمارے قصبے میں آتے رہتے تھے۔ میں اُن کی با تیں سنتہ
تھا۔ ہر رات قصبے کے بچھ لوگ ہمارے گھر آجاتے تھے اور بیٹھک میں بیٹھے دریک با تمل سنتہ
کر تے رہتے تھے۔لیڈروں کے بیانات پرتیمرے ہوتے ، کھ پٹی حکمرانوں کے کردار کا تجزہ کیا جاتا اور پھر اپنے والدین کی شہادت کے بعد میں نے رائفل اُٹھائی تو مجاہدین کی با تمیں ہوگر کر مجھے پتہ چلا کہ سیاست کیا ہوتی ہے۔ گر اُس وقت بھی میں نے زیادہ گہرائی میں جانے کہ کوشش نہیں کی تھی اور آج بابا عبدالفتح کی باتوں نے جھے جنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور میں ہے ہو بھا کہ مجبور ہوگیا تھا کہ شمیم کو بھارتی تبلط ہے آزادی سیاسی لیڈرنہیں بلکہ مجاہدین ہی دلائیں گے۔ آزادی کے متوالے بیدہ لوگ تھے جواپنا گھر بارچھوڑ کر پہاڑوں میں مخصن ترین زندگی گزار

ز مانہ تعلیم کے دوران بھی مجھے سیاست ہے کوئی دلچین نہیں تھی۔ لیکن میدد کیچہ کرمیرا دل کڑھا

تھا کہ غاصب اور ظالم ہندوؤں نے ہماری آزادی سلب کررتھی ہے۔ وہ طاقت کے بل بوتے ؛

مجھے نیزنہیں آ رہی تھی۔ میں رائفل اُ ٹھا کر جھونپڑے کے دروازے کے قریب بیٹھ گیا اور ے کی میں گھورتا رہا۔ و تفے و تفے ہے جنگل جا نور بھی پانی پینے کے لئے چشمے یا ندی پر آ رہے بہتا ہے۔ بہت کے پاس اگر چہ الٹین روٹن تھی کیکن وہ تمام جانور بےضرر تھے کئی نے بھی ۔ ۔ ج_{و نیز}ے کی طریف آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بھی کبھار وُ ور کہیں ہے کسی بھیڑ پیے کی آواز بھی

رے جات ن-سردی سے بیچنے کے لئے میں نے کمبل اوڑ ھالیا تھا۔ وقت جیسے تھم کر رہ گیا تھا۔ ایک ایک لی صدیوں جیسا طویل لگ رہا تھا۔ اور بالآخر میری ہمت بھی جواب دے گئی اور پہلے تو میں ہیں میٹیااونکھتا رہ، پھر دروازے کے اندرایک طرف ہٹ کر چٹائی پر لیٹ گیا اور دروازے ا

ئے سامنے ٹنگا ہوا ٹاٹ کا پردہ نیچے کرا دیا۔

مج میں در تک سویا رہا۔ سب لوگ مجھ سے پہلے ہی جاگ چکے تھے گر مجھے کی نے نہیں

وہ دن بھی ای طرح گزر گیا۔ ہم بھی تو اُٹھ کر گھومتے ہوئے بچھ دُور چلے جاتے اور بھی بھونیزے کے سامنے جٹائی پر بیٹھ کر ہاتیں کرنے لگتے۔انگوری کے چروہی پہلے والی انگوری تمی جے میں نے پہلی مرتبہ اُس کے گھر میں ویکھا تھا۔ وہ بھی کن انگھیوں سے میری طرف دیکھتی ادر بھی مجھے اپنی طرف و کیھتے یا کرائس کا چېره سرخ ہو جاتا۔

انگوری کو دیکھ کرمیرے اندر عجیب می الچل ہونے لگتی۔لطیف می گدگدی کا اِحساس پورے م میں سرایت کر جاتا۔ میں اُس سے باتیں کرنا جا ہتا تھا۔ بہت ی باتیں بیکن وہ میرے قریب رہتے ہوئے بھی مجھ سے دُورھی۔

کرش نے سنا تھا کہ محبت نام کی کوئی چیز ہوئی ہے۔الیمی بہت می داستا نیں بھی سنیں تھیں _مگر مر میں جاتا تھا کہ ممبت کیا چیز ہوتی ہے؟ کیسے کی جاتی ہے؟ لیکن شاید میری بیسوچ غلط تھی۔ ^{گہت} کی ہیں جالی محبت تو ہو جالی ہے۔اور شاید بیرمحبت ہی تھی کہ یہاں سے میلوں وُور مریم اور للفرمحة اللدك ياس غاريس جب ميس في بيسنا كما تكورى كو بعارتي فوجى أشماكر لي كي تِن اوه البعة ہو چکی ہے تو میں تڑپ اُٹھا تھا اور پہاڑوں میں ٹھوکریں کھا تا ہوا بسال پور پہنچ گیا نہالِ بچھے ہیے بیتہ جلا کہ انگوری کو پتن کی طرف نسی جگہ دیکھا گیا تھا۔ اگر چہ اس کی تقید ہیں۔

نی بوعی تھی لیکن میں ایک منٹ صرنہیں کر سکا تھا اور راتوں رات پہاڑوں پر سفر کرتا ہوا پتن م واِنْ مِن بَنِيْ كَياجهال بالكل غير متوقع اور حيرت الجميز طور پراتكوري سے سامنا ہو گيا۔ مور^ی ایک پنے رُوپ میں میرے سامنے آئی تھی۔ کشیدہ کاری کرنے والے نازک ہے انساک مشتر کہ چھاپ مار کارروائی کے دوران ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ سندرمیان حاکل تکلف کے پردے اُٹھ گئے تھے اور میں نے ہمت کرکے چلتے چلتے اُس کا

" تم محت الله كے ساتھ رہے ہو۔" بابا عبدالفتح نے كہا۔" وہ ايك ذبين اور بہادر مجام ہے اُس کی زندگی کا بیشتر حصہ بھی جہاد کرتے ہوئے گز را ہے۔ اُس کے ساتھ رہ کرتمہیں بہت کچ ، ، ' رات ہے۔'' '' مجھےا یک تجربہ ہو چکا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' گلمر گ والے فو جی کیمیہ ہُ

تباہی میں، میں اُن کے ساتھ تھا۔ اُن کی رہنمائی اور بجر بے ہے ہم نے بھر پور فائدہ اُٹھایا۔'' ''وہ تجربہ کارآ دمی ہے۔ وغمن پر متعدد بار کاری ضربیں لگا چکا ہے۔ اُس سے مجھے بہت؛ تو قعات وابستہ ہیں۔''بابانے کہا۔

'' کما مذرمحتِ الله بن نہیں وادی کا ہرمجابد آپ کی تو تعبات پر پورا اُترے گا اور آپ دیکھیر گے کہ ہم ان غاصبوں کوایک نہ ایک دن بوریا بستر کول کرنے پر مجبور کر دیں گے۔''میں نے کہا۔ ''انشاءالله.....''انگوری بول أنھی۔

با ہر جھاڑیوں کی سرسراہت کی آواز من کر میں چونک گیا اور اُس طرف دیکھنے لگا۔جھونپڑے کے درواز ہے کے سامنے لاکثین رکھی ہوئی تھی۔ اُس کی روشنی میری آٹھول میں پڑ رہی تھمالا باہرا ندھیرا تھا کچھ دکھائی نہیں دیا۔لیکن ایک منٹ بعد آ واز دوبارہ سانی دی۔ یوں لگا تھا چیے کوئی بہت مختاط انداز میں جھاڑیوں میں چلنے کی کوشش کررہا ہو میں نے لیک کراپی سبا

''پریشان ہونے بی ضرورت نہیںکوئی جانور ہوگا۔'' بابا عبدالفتح نے پڑسکون کیج مل جواب دیا۔' جانور پائی پینے کے لئے چشمے پر آتے رہتے ہیں۔'ا

میں نے رائفل ہاتھ سے نہیں جھوڑی اور آئکھیں چاڑ کر باہر اندھیرے میں گھورتا رہا۔اد پھر ایک مانوس آواز سن کر میں بھی مطمئن ہو گیا۔وہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی پہاڑی بکرایا ایبانی کوئی جانور یائی فی رہا ہو۔ میں نے رائفل رکھ دی۔

'' پہ جگہ بہت محفوظ ہے۔'' بابا عبدالفتح نے پھر کہا۔'' دونوں طرف سڑک کم سے کم پانچ باف کوس کے فاصلے پر ہے اور راستہ اتنا ؤشوار گزار ہے کہ بھارتی فوجی سڑک سے اِدھر آنے کا ہمت نہیں کر سکتے ۔ دوسال پہلے ایک مرتبہاً نہوں نے ایسی کوشش کی تھی کیلن مجاہدین کے کھیر-میں آ گئے۔ اُن میں ہے کوئی بھی واپس نہیں جا رکا تھا۔ بھیٹر ئے کئی روز تک اُن کی الاشول﴿ ضافت اُڑاتے رہے تھے۔''

ہم کا فی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بابا عبدالفتح کے ہاتھ میں رتی بٹنے کی چرخی مسلس کی سر دی بھی بڑھ گئی تھی۔ میں نے ایک کمبل اُٹھا کراینے اوپر ڈال لیا۔

تھوڑی دیر بعدانگوری،نوری کے قریب لیٹ کرسوگئی۔ بابا عبدالفتح بھی ایک طرف جنالکا 🖟 لیٹ گیا اور بچھ ہی دیر بعد اُس کے خراٹوں کی آ واز سائی دینے لگی۔ 15

ہاتھ کپڑلیا تھا۔میری اس حرکت پر اُس نے چونک کرمیری طرف دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں م غصنیں تھا ایک عجیب می چیک اُنجر آ کی تھی۔اور اُس نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ جھڑا نے کہ کوشش نہیں کی تھی۔

و ں بیں ں ں۔ اتنا قریب آنے کے بعد وہ ایک بار پھر مجھ سے ذور ہوگئی تھی۔ کبھی اُسے اپنی طرف متوجہ; پاکر مجھے عجیب میں بے چینی ہونے لگتی اور جب وہ مسکراتی ہوئی نگا ہوں سے میری طرف دیکھتی ہا میرے سینے میں طوفان سا اُچھلنے لگتا۔ کیااس کیفیت کومحبت کا نام دیا جا سکتا ہے؟ کیاانگوری مجم مصریاں سرمیں ای طرح سرچتی سر؟

میرے بارے میں اسی طرح سوچتی ہے؟ مجھے اپنے دل سے ملنے والا جواب ہاں میں تھا۔ میں اُس کے گھر میں صرف چند گھنٹے مہمان رہا تھا۔ اس دوران تو ہم نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہمارے درمیان ایک رسی جملے ہو تبادلہ بھی نہیں ہوا تھا۔ ہم نے تو نظر بھر کر ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن میرے جانے کے بعد وہ میرے لئے فکر مند تھی۔ کیپ پر ہماری چھاپہ مار کارروائی کے بعد اُس نے کی نہ ک ذریعے سے بیہ معلوم کر لیا تھا کہ میں خیریت سے ہوں۔

وہ شام سے بچھ پہلے کا وقت تھا۔ میں چشمے سے ذرا آ گے ندی میں پیر لٹکائے بیٹھا یمی سب بچھ سوچ رہا تھا کہ چھپاک چھپاک کی آوازین کر چونک گیا میں نے گردن گھما کردیکھاالد اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئ۔ میں اپنی سوچوں میں اس قدر غرق تھا کہ مجھے میہ بھی چھ نہ چل پیکا کہ انگوری کب میرے قریب آ کر جیٹھی تھی؟ وہ پیروں کو پانی میں ڈالے میہ بھی چھ نہ چل پیکا کہ انگوری کب میرے قریب آ کر جیٹھی تھی؟ وہ پیروں کو پانی میں ڈالے

حرکت دے رہی تھی اور چھپاک چھپاک کی آواز من کر ہی میں چو نکا تھا۔ ''یہاں اکیلے بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔''میرے منہ سے بےاختیار نکلا۔

'' کیامیرے بارے میں کیا سوچ رہے تھے؟'' اُس نے حشمکیں نگاہوں سے ممرکا طرف دیکھا۔اُس کی بھنویں تن گئی تھیں ۔

''اوه کک بچهنهین به میں گزیزا ساگیا۔

''ابھی تم نے اعتراف کیا ہے کہ میرے بارے میں سوچ رہے تھے۔'' اُس نے ایک بار پھر مجھے گھورا۔'' بتاؤ نا! کیا سوچ رہے تھے تم میرے بارے میں؟'' آخری جملہ کہتے ہوئے اُلا کے لیجے نے عجیب انداز اختیار کر لیا تھا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے زک زک کرکہا۔''میری طرن تمہارا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں رہائے اپنی زندگی کس کے سہارے گزاروگی؟''

'' میں ایسانہیں سمجھتی'' انگوری نے جواب دیا۔'' میرا مطلب ہے میں اپنے آپ کونٹا نہیں سمجھتی کیاوادی میں رہنے والے میر نہیں ہیں؟ کیاتم میرا ساتھ نہیں دوگے؟ ویسے ا میرے ہاتھوں میں رائفل آگئی ہے۔ بیرائفل میراساتھ دے گی اور تمتم میرے ساتھ ہونڈ

جھے کس بات کی پرواہ ہو *تکتی ہے*؟''

ہیں گی: ''کککیا؟'' میں ایک بار پھر بدحواس ہو گیا۔میرے دل کی دھڑ کن خطر ناک حد تک بھیل گئی۔'' کیاواقعی تم ایسا مجھتی ہو کہ.....''

... '' کیوں نبیں'' انگوری کی آنکھوں میں شوخی تیرگئی۔'' کیا ہم دونوں ساتھ نہیں رہ سکتے ؟ ہارے ساتھ نوری اور عبداللہ بھی ہوں گے۔ ہم چاروں بھارتی غاصبوں کے لئے قیامت بن ھائیں گے انہیں یہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیں گے۔''

ہ ہیں۔ میرے جذبات پراوس پڑگئی۔ میں اُس کے بارے میں نجانے کیا سوچ رہا تھا اور اُس کی سوچ کا نداز مجھ سے مختلف تھا۔

دودن اورگز رگئے ۔اس دوران انگوری سے بار بارمیرا آمنا سامنا ہوا۔ بلکہ حقیقت سے ہے کہ میں اُس کے قریب رہنا چاہتا تھا، اُسے دیکھتے رہنا چاہتا تھا۔اور میں نے محسوس کیا تھا کہوہ بھی عجیب می نظروں سے میری طرف دیکھتی رہتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ یہاں پڑے پڑے ہماری صلاحیتوں کو زنگ لگ رہا ہے۔'' ایک روز اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو پھرتمہارے خیال میں کیا کرنا جاہئے ۔۔۔۔۔ یہاں بھیتی باڑی شروع کر دی جائے؟'' میں نے اُسے گھورا۔

ے ہے۔ ''میرا خیال ہے کہ ضبح سویرے اس طرف والی سڑک پر ایک چھوٹی سی کارروائی کر کے بھارتیوں کو اینی موجودگی کا احساس دلا دینا چاہئے۔'' انگوری نے ایک طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

یہاں میں آپ کو بیہ بتا تا چلوں کہ پتن سے بارہ مولا کی طرف جانے والی سڑک اُن پاڑوں کے اُورپر سے گھومتی ہوئی جاتی ہے۔اس طرح سڑک کا ایک حصہ مشرق کی طرف اور دسرادوسری طرف تھا۔ درمیان میں بیرجگہ تھی جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔نوری،عبداللہ اورحسن کوبھی آگاہ کر دیا گیا۔اور پھر رات ایک بچے کے قریب ہم بابا عبدالفتح کی دُعاوُں کے سائے میں رُخصت ہو گئے۔اُس طرف سے وہ بڑک جارکوں کے لگ بھگ تھی۔گر راستہ نہایت دُشوارگز اراورخطرناک تھا۔ یہ غنیمت تھی کہ

ٔ ^{امان} پر جایند چیک رہا تھا اور مدھم می جایند ٹی میں راستہ طے کرنے میں ہمیں کوئی وُشواری چیش ۔ میں آرہی تھی۔

ایک جگه میں رُک گیا۔ ہمارے سامنے تقریباً ہیں نٹ چوڑا نالہ بہدر ہا تھا۔وہ نالہ اگر چہ نیادہ کہرانہیں تھا۔ شفاف پانی کی تہہ میں پھر صاف نظر آ رہے تھے۔ پانی زیادہ سے زیادہ ہماری پنڈ لیوں تک آتا تھالیکن پانی کا بہاؤاس قدر تیز تھا کہ قدم جمانا مشکل ہوجاتا۔ ''اس طرف آؤ…… مجھے راستہ معلوم ہے۔''انگوری نے ایک طرف اشارہ کیا۔ تقریباً سوگز 137

میں لے لیا۔ اس کھلی جگہ پر تیز ہوا میں بڑی کا بھی۔ ہم سب شندی ہوا کے براہ راست مکراؤ جینے کے لئے ایک چٹان نما پھر کی آڑ میں بیٹے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں انگوری تھی اُس کے ماتھ نوری جڑ کر بیٹی ہوئی تھی۔ پھر عبداللہ اور پھر میں ۔ حسن میرے بائیں طرف تھا۔ ہم رحم لیج میں با تیں کر رہے تھے اور ظاہر ہے اس وقت ہمارا موضوع موسم کے علاوہ اور کیا ہو میں اوقت بہت مدھم رفقار سے گزرر ہاتھا۔

بنار کی واضح ہوتا چلا گیا۔اب دُوردُ ورتک کی چیزیں صاف نظر آر ہی تھیں۔ بنار کی واضح ہوتا چلا گیا۔اب دُوردُ ورتک کی چیزیں صاف نظر آر ہی تھیں۔ ''اب اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچ جاؤ!''میں نے اپنی سب مشین گن سنجالتے ہوئے کہا۔

وہ چاروں بھی اُٹھ گئے۔ ہم سب کے پاس سب مثین گنوں کے علاوہ چار چار فاضل میگرین بھی اُٹھ گئے۔ ہم سب کے پاس سب مثین گنوں کے علاوہ چار چار فاضل میٹرین بھی تھے۔ ہینڈ گرنیڈ صرف دو تھے ایک حسن کے پاس اور دوسرا عبداللہ کے پاس۔ ہم تقریباً ڈیر ھسوگز کے امریا میں تھیلے ہوئے تھے۔ اس طرح دشمن کو بیتا ثر ماتا کہ حملہ آور زادہ تعداد میں ہیں۔ وائیں طرف سب سے آخر میں حسن تھا، اس کے بعد میں، مجھ سے آگے

ائوری اور نوری اور با میں طرف عبداللہ سب سے آخر میں تھا۔ ہم اپنی اپنی جگہ پر پوزیشن لے کر ہیٹھے رہے۔میری نظریں سڑک پر اور کان کوئی آواز سننے کے منتظر تھے۔وقت گزرتا رہالیکن سڑک سنسان رہی اور کوئی آواز سنائی تہیں دی۔

سورج طلوع ہور ہا تھا جب سی بھاری گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دیے گئی ہوا کے دو آپ یہ اور بھی بہت و ور سے۔ ہم سب اپنی اور بھی بہت و ور سے۔ ہم سب اپنی اپنی سب مشین گئیں سنجال کر ہوشیار ہو گئے۔ اور پھر دومنٹ بعدوہ گاڑی ہماری نظروں کے سانے آئی وہ بتن سے بارہ مولا کی طرف جانے والی بس تھی۔ میں نے چیخ کر اپنی ساتھوں کو خبر دار کر دیا کہ بس بر فائرنگ نہ کی جائے۔

وہ بس ہمارے سامنے سے گزرگئی۔اور پھر اس کے فورا ہی بعد پتن ہی کی طرف سے آتی الک فرج میں کر بر نہر سے بیچھ میں میں

بول ایک نو جی جیپ دکھائی دی۔ اُس کے پیچھے دوٹرک تھے۔ ''ہوشیار۔۔۔۔!'' میں نے چیخ کر کہا اور خود بھی سنجل کر بیٹھ گیا۔ جیب اورٹرکوں کی رفتار فاضی تیز تھی۔ جیپ پر بھی ایک مشین کن نصب تھی اور کنرگن پر ہاتھ رکھے مستعد کھڑا تھا۔ فرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر ایک آفیسر اور پچھلی سیٹوں پر چار نوجی تھے جن کے ہاتھوں میں 'مب مشین کنیں تھیں اور اُن مب کا رُخ پہاڑیوں کی طرف تھا۔ پچھلے دوٹرکوں کی صور تحال بھی 'کیا تی تھی۔ اُن پر گلی ہوئی ہیوی مشین گنوں کا رُخ بھی پہاڑیوں ہی کی طرف تھا۔

> دہ جیسے ہی زد میں آئے میں بیخ اُٹھا۔ ''فائر۔۔۔۔۔!''

اور پھر خاموش اور پرسکون فضا سب مشین گنوں کی تزیزا ہے کی آواز سے گونج انتھی۔ میں

آ کے پنچے تو ایسی تیز آواز سائی دیے تلی جیے بلندی سے کوئی آبشار گرر ہا ہو۔اور پھر ہم نالے

کے ساتھ ایک جنان کے اُوپر سے تھوم کر پنچے تو میں رُک گیا۔ اُس جگہ پانی کی چا درتقریبا میں

ف کی باندی ہے گر رہی تھی۔ نیچ ایک بہت برا تالاب سابن گیا تھا جس کا بانی اُس تالے

ا چھی طرح چھان ڈالا تھا۔ انگوری مجھے اُشارہ کرتی ہوئی آبشاْ (کے نیچھے اُس سائبان کے پنچ کھس گئے۔ اُس پھر ملی جگہ پر خاص پھسلن ہورہی تھی۔ ایک مرتبہ تو میں گرتے گرتے بچا تھا۔ آبشار کا بانی بارش کی پھوار کی طرح اندر بھی آ رہا تھا۔ دوسری طرف پہنچتے پہنچتے میرے کپڑے گیلے ہو چکے تھے۔

ہم ایک بار پھر بلندی طے کرنے لگے، اور پھراس ہے آگے ہم مسلسل ڈھلان پر اُترتے رہے۔ پھروں، چٹانوں اور گڑھوں نے جگہ جگہ راستہ روک رکھا تھا اور دُشواریاں پیدا کر رکھی تھیں بالآخر مزید ایک گھنے بعد ہم رُک گئے۔ ہمارے سانس بری طرح پھول گئے تھے۔ چند منٹ اپنی حالت پر قابو پانے میں گزر گئے۔

وہ رات کا آخری پہر تھا اور غالبًا ساڑھے تین بجے کا وقت تھا۔ ہمیں یہاں تک پہنچنے میں ڈھائی گھنٹے لگے تھے۔ جس جگہ ہم رُکے تھے وہاں جا بجابڑے بڑے چٹانی پھر پھیلے ہوئے تھے اور قد آدم جھاڑیاں تھیں۔ اس سے آگے بالکل عمودی ڈھلان تھی۔ اور اس ڈھلان کے اختآم پر تقریباً تمیں گز آگے سڑک تھی۔ سڑک کے دوسری طرف ایک ہمواری میدان نما وادی تھی جو نشیب اختیار کرتی ہوئی دور تک چلی گئی تھی۔

'''میرے خیال میں یہ جگہ مناسب رہے گی۔''انگوری نے ایک جگہ پھروا ہا کی طرف اشارہ تر ہوئے کہ کہا

میں نے تقیدی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ دونوں طرف و ورتک سڑک نظر آ رہی تھی۔
ہم کسی بھی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کو دیکھ سکتے تھے۔لیکن پھروں اور جھاڑیوں کی وجہ سے
ہم کسی کی نگاہوں میں نہیں آ سکتے تھے۔ اگوری نے واقعی بہترین جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اور پھر
یہاں سے میں نے کمان سنجال لی۔ ظاہر ہے ہم چاروں ایک ہی جگہ پہنیں روسکتے تھے۔ پی نے تھوڑ نے تھوڑ نے فاصلے پر مختلف جگہوں کا انتخاب کر کے ہرایک کو سمجھا دیا کہ کس کو کس جگہ پوزیشن سنجانی ہے۔ ہر پوزیشن سے سڑک صاف نظر آ رہی تھی۔

عائد آسان سے غائب ہو چکا تھا۔ رات کے آخری پہر کے اندمیرے نے فضا کواپی لیٹ

نے جیپ کوآ کے نکلنے دیا تھا اور درمیان والےٹرک کونشانہ بنایا تھا۔ آ گے نکل جانے والی جیپ کونوری اورانگوری نے نشانہ بنایا۔ان میں سے کسی کی گولی جیپر کے ڈرائیور کوگی۔ جیپ لڑ کھڑ اتی ہوئی سڑک سے اُتر کر بڑی تیزی سے نشیب کی طرف لڑھئے گی۔ جیپ سے مشین گن کا ایک برسٹ مارا گیا تھا۔عبداللہ کی گولیاں جیپ کا تعاقب کرری تھیں۔آفیسر نے جیپ سے چھلا نگ لگا دی وہ چھاڑیوں میں ایک طرف دوڑ رہا تھا مگر عبداللہ کی گولیوں نے اُسے ڈھیر کر دیا۔عبداللہ کا نشانہ واقعی بہت اچھا تھا۔

اب ہمارانشانہ وہ دونوںٹرک تھے۔ فائرنگ شروع ہوتے ہی آگے والےٹرک کے ڈرائیور نے بدعواس ہوکر پوری قوت سے ہریک دبا دیا تھا۔ٹرک ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ آڑھا ترچھا ہوکرزک گیا۔ دوسرا ٹرک ڈرائیور سے نے قابو ہوکرایک زور دار دھاکے سے اگلےٹرک سے فکرا گیا۔ فوجی چیختے ہوئےٹرکوں میں لڑھک گئے۔ وہ سنجھلنے کی کوشش کررہے تھے

گمراس دوران کم ہے کم تین نو جی ہماری گولیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔ ایک نو جی کوشین گن سنجالنے کا موقع مل گیا۔اُس نے فائر کھول دیا مگر ہماری پوزیشن ایس تھے سم مشعہ کے گیاں میں سمبر گاہ ہے۔ انہ

تھی کہ مثین کن کی گولیاں ہمارا کچھ بگاڑے بغیر ہمارے سروں کے اُوپر سے گزر نئیں۔ عبداللہ نے ہینڈ گرنیڈ کی پن تھینج کر اُسے ٹرکوں کی طرف اُچھال دیا۔ مگر وہ دی بم ٹرکوں سے کچھ فاصلے پر گرا۔ چنداور فو جی سنجل چکے تھے اور سب مثین گنوں سے اندھا دُھند فائز مگ کرر ہے تھے۔

فائرنگ میں مزید شدت آئی توحس نے دئی بم اُچھال دیا۔ یہ بم آگے والے ٹرک کے اندر گرا۔ ایک زور دار دھا کے کے ساتھ بہت ی چینیں سائی دیں۔ٹرک کے ساتھ اُس میں موجود فوجیوں کے بھی پر نچے اُڑ گئے تھے۔ دوسرےٹرک کے پیچ ہوئے فوجی اندھا دُھند فائرنگ کر رہے تھے۔ ہمارے سامنے چونکہ بالکل عمودی دُھلان تھی اور سڑک نیچے تھی اس لئے نہ اُن فوجیوں کی گولیاں ہمارا کچھ بگاڑ رہی تھیں اور نہ ہی ہماری گولیاں اُن کا کچھ بگاڑ سکتی تھیں۔

حسن اپنی پوزیشن سے اُٹھ کر دوڑتا ہوا آ گے نکل گیا تا کہ ڈھلان کے کنارے پر پہنچ کر نیچےسڑک پر فوجیوں کونشانہ بنا سکے۔ میں نے جیخ کراُسے رو کنے کی کوشش کی مگروہ فائر تگ کرنا ہوا دوڑتا چلا گیا۔

ے گئرے ہوئے عبداللہ اور نوری ہم سے آ گے تھے۔انگوری میرے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے معرب ایران ایک سے سے میں میں میں میں ایک سے کا ایاب ہم میٹر میں ان کیس کا ایاب ہم میٹر ت

پہر میں بار باراُس کے بیر ر بٹ رہے تھے۔ میں نے اُس کا ہاتھ کپڑ لیا اور ہم دوڑتے رہے۔ بخصے یقین تھا کہ تازہ دم فوجی ہمارا تعاقب شروع کر دیں گے اور پہاڑیوں میں ہمیں گھرنے کی کوشش کریں گے لیکن وہ ٹرک ابھی کانی دُور تھے اور جمھے اطمینان تھا کہ ہم اُن کے آنے ہے پہلے کافی دُور نکل جائیں گے۔ ہم مسلسل بلندی کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ہمارے بانس چول گئے تھے گرہم رُک نہیں سکتے تھے۔ ہم اُس جگہ سے اگر چہ کافی دُورنگل آئے تھے گر رہان فائر نگ کی آوازیں اب بھی سائی دے رہی تھیں۔

وہ وقت ن مورد کی است کی در است کی ہے۔ ہم بہت دُور نکل آئے ۔۔۔۔۔اب فائر نگ کی آوازیں بھی سائی نہیں دے رہی تھیں۔انگوری دوڑتے دوڑتے ایک بار پھر گرگئ۔اُس کے گھٹنے پر پھروں سے رگڑ لگ گئی تھی اور وہ کافی تکلیف محسوں کر رہی تھی۔ مگر میں اُس کا ہاتھ بکڑے دوڑتا رہا۔ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں

وے ہے۔ نوری اور عبداللہ اب بھی ہم ہے آگے تھے۔ اور پھر نوری بھی دوڑتے دوڑتے گرگئی۔ عبداللہ جھک کر اُسے اُٹھانے کی کوشش کرر ہاتھا۔ ہم بھی اُن کے قریب رُک گئے۔ انگوری نے رائفل بھینک دی اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر بیٹھ گئے۔ اُس کے منہ سے کف جاری تھا اور سانس دھونکی کی طرح چل رہاتھا۔ نوری بھی کچھالی ہی کیفیت سے دو چارتھی عبداللہ بھی نوری م کے پاس بیٹھا ہانپ رہاتھا۔ میں بھی انگوری کے قریب ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور

اپ پھولے ہوئے سالس پر قابو ہانے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں زندگی میں اتنا تیز بھی نہیں دوڑا تھا۔لیکن جب موت بھیا نک رُوپ میں تعاقب میں لگی ہوئی ہوتو جسم کی تمام ترقو تیں ٹائگوں میں سمٹ آتی ہیں۔ہم خطر سے سے ابھی زیادہ وُ درنہیں ہوئے تھے۔صرف پانچ چھمٹ وہاں رُکے اور پھر دوڑنے لگے۔ گھٹنے کا تیکیف سے انگوری کو دوڑنے میں خاصی تکلیف ہورہی تھی لیکن وہ ہڑی با ہمت لڑکی ثابت

ہوئی تھی۔میرے ساتھ قدم ملا کر دوڑتی رہی۔ بالآخر ہم اُس آبشار کے قریب پہنچ گئے۔اس وقت تک ہم پھر ہاپنے لگے تھے۔انگوری اور نوری ندی کے کنارے برگر کئیں۔ میں اور عبداللہ بھی قریب بیٹھ کر ہاپنے لگے۔

جب سانس کی رفتار کسی حد تک نارل ہوئی تو میں ندی کے کنارے پر سینے کے بل لیٹ کر کا جانور ہی کی طرح پانی جینے کے بل لیٹ کر کا جانور ہی کی طرح پانی چینے لگا۔ ٹھنڈے اور شیریں پانی کے چند گھونٹ بھرنے کے بعد ہی کیرے حواس بحال ہونے گئے نتھے۔ ان میتوں نے بھی پانی پیا اور و ہیں بیٹھ کر لمبے لمبے سانس کیے۔ نوری اور عبداللہ ہم سے کچھور ورشے۔انگوری گھٹنے کے قریب اپنی ٹانگ د ہا رہی تھی۔ کم اُس نے کھرائس نے ڈھیلا ڈھالا کرتا اور کھینچ لیا اور شلوار کا پائنچہ آہتہ آہتہ اور کھینچے گئی۔ اُس کے میٹور کی کھیلے۔

ہاں بھی خون میں لتھڑ ہے ہوئے تھے۔ ناک سے بھی خون بہہر ہاتھا اور پیشانی بھی زخمی تھی جس ہے بہنے والاخون چبرے کوتر کرتا ہوا گلج تک چلا گیا تھا۔

وہ دونوں فوجی جنہوں نے بابا عبدالفتح کو دونوں طرف سے بانہوں کی گردنت میں لے رکھا تھا اُن میں ایک لانس نا نیک اور دوسرا لیفٹینٹ تھا۔ لانس نا نیک کی راکفل اُس کے دوسر سے ہانچہ میں تقریب کی راکفل اُس کے دوسر سے ہولٹم میں اڑ ساہوا تھا۔ ہولٹم کا دیوالوراُس کے ہولٹم میں اڑ ساہوا تھا۔ ہولٹم کا فلیپ کھلا ہوا تھا۔ اُن دونوں نے بابا عبدالفتح کو آگے دھکیل دیا۔وہ اپنے قدموں پر کھڑا ندرہ سکا اورلڑ کھڑا کر منہ کے بل گرا۔ اُس کی بائیس ٹانگ پنڈلی سے سوج کر کیا ہور ہی تھی۔ بابا عبدالفتح کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اُس کی ٹانگ کی بڑکی بھی توڑ دی گئی تھی۔ مگر آفرین ہے اس بوڑھے پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اُس کی ٹانگ کی بڑکی بھی توڑ دی گئی تھی۔ مگر آفرین ہے اس بوڑھے پر اُس کے منہ سے میں نے ابھی تک ایک بلکی تی کراہ بھی نہیں سی تھی۔ اس کے برعکس اُس کا چبرہ اُس کے منہ سے میں نے ابھی تک ایک بلکی تی کراہ بھی نہیں سی تھی۔ اس کے برعکس اُس کی عید

پرعز م اور بوڑھی آ تھوں میں پراسراری چک تھی۔ میں ابھی تک انگوری کا ہاتھ اپ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔لیکن پھراُس کا ہاتھ اس طرح میری گرفت سے چھوٹا کہ مجھے احساس تک نہیں ہوسکاانگوری چینق ہوئی بابا عبدالفتح کی طرف لیکی لیکن ایک فوجی کی ٹھوکر کھا کر چھیے پیٹ گئی۔ اُس کے منہ سے بڑی خوفناک چیخ نکلی تھی۔

فوجی نے اُس کی پسلیوں پر اَیک اور ٹھوکر رسید کر دی وہ ایک بار پھر چیخی ۔ فوجی نے تیسری ' ٹھوکر ماری چاہی تو لیفشینٹ نے اُسے روک دیا۔ ''نہیں تا ہیںا ۔'' معند خورین معرب دیا ہے گئی تا ہے کہ سرے نہیں۔

''مہیں رتن لال' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔''اگر بیمر کی تو ہمارے کسی کام کی نہیں رہے گا۔ ذرا دیکھوتو اسےگاتا ہے بھگوان نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو۔ یہ تھوکریں مارنے کے لئے نہیں، پیار کرنے کے لئے ہے۔''

اُس نے اپنی بیکٹ میں اڑ ساہوا تنجر نکال لیا اور انگوری کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میرےجسم میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ میں نے اپنی جگہ ہے حرکت کرنا جاہی مگرا کیک فوجی نے بڑی تیزی سے آک انفا کی وال میں سون سائل مجمد پیچھہ جھکیا ہے۔

ت آگر رائغل کی نال میرے سینے پر رکھ کر مجھے بیچھے دھلیل دیا۔ لیفٹینٹ انگوری کے سامنے کھڑا اُس کے چبرے کو گھور رہا تھا۔ انگوری نے اُس کے منہ پر تموک دیا۔ لیفٹینٹ غصے سے آگ بگولا ہو گیااُس نے خنجر کی نوک انگوری کے سینے پر رکھ کر نوکی طرف میں اُس کے جن سے میں اُس کے جن سے اِس

یچ نی طرف زور سے جھڑکا دیا۔انگوری کی چیخ من کر میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔'' ایک کمبح بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو میں ایک بار پھر لرز کر رہ گیا۔۔۔۔۔انگوری کی قمیض ''دئی سے نیچے تک کٹ گئی تھی اور اُس کا سینہ بر ہند ہور ہاتھا۔۔۔۔۔

''شاید تم اپنی بہن کو بھی دوسروں کے سامنے اس طُرح نظا کر چکے ہو۔'' انگوری نے غراتے ''وٹ' کہا۔ اُس کے لیجے میں خوف نام کو بھی نہیں تھا۔

لیفٹینٹ نے اُس کے سینے پر زور دار تھیٹر رسید کر دیا۔انگوری چیخیٰ ہوئی نیچے گر گئی۔ ''ابھی تو میں نے صرف تمہاری چھاتیوں کو نگا کیا ہے۔'' لیفٹینٹ بھیٹر یجے کی طرح غراتے گفتنے پر کھال کچل کئی کی۔خون تو نہیں نکلا تھا مگر وہ جگہ سرخ ہو گئے تھی۔میری نظریں اُس کے زخمی گھٹنے کو نہیں اُس کے زخمی گھٹنے کو نہیں اُس کے میراسانس بے قابو ہونے لگا۔ انگوری نے میری نگا ہوں کے مرکز اور میری کیفیت کو تاڑ لیا اور جلدی سے پائنچہ نیچے گھٹن لیا۔اُس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔ا پنا گھٹنا دیکھنے کے لئے اُس نے بے خیالی میں پائنچہ اُوپر کرلیا تھا لیکن اب شرم کے مارے اُس کے چہرے کی رنگت بدلی جارہی تھی۔ ''اب چلنا جا ہے'' اُس نے میری طرف سے نظریں چرا کر کہا اور رائفل سنجال کر اُٹھ۔

کھڑی ہوئی۔''ہم اگر چہ خطرے کی حد ہے نکل آئے ہیں مگر کوئی بھروسے نہیں کہ وہ بھیڑ یے ہمارا تعاقب کرتے ہوئے کسی طرح یہاں بھی پہنچ جائیں۔'' آبٹار کے بیچے ہے گزر کرہم تیزی ہے چلتے رہے۔راستہ اگر چہ یہاں بھی بڑا تھٹن تھا گر ہماری رفتار میں کی نہیں آئی۔ایک چٹان پر سے کودتے ہوئے انگوری ہے اختیار کراہ اُٹھی اور گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر دو ہری ہوگئی۔

۔''اگر چلنے میں تکایف ہورہی ہوتو میں کندھے پر اُٹھالوں؟'' میں نے اُس کے قریب رُک کرسرگوشی کی۔اُس نے گھورکرمیری طرف دیکھا مگرنظروں میں غصنہیں تھا۔ سیکسی کی ۔اُس نے گھورکرمیری طرف دیکھا مگرنظروں میں غصنہیں تھا۔

انگوری کی وجہ ہے ہم نے رفتار کم کر دی۔وہ کنگڑ اتی ہوئی آ ہتہ آ ہتہ چل رہی تھی۔ مزید ڈیڑھ گھٹے بعد ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔نوری اور عبداللہ اُس وفت ہم سے کافی پیچھے رہ گئے تھے اور گنجان درختوں اور حجاڑیوں میں وہ نظر بھی نہیں آ رہے تھے۔اس لئے میں نے بے لکلفی ہے انگوری کا ہاتھ کیڑلیا تھا۔

باباً عبدالفتح عام طور پرجمونیز کے کے سامنے بیٹھا رہتا تھا گراس وقت وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ حجو نپڑے کا پردہ بھی گرا ہوا تھا۔

''بابا.....!''انگوری نے پکارا۔اس وقت ہم جھونپڑے سے دس گز کے فاصلے پر تھے۔''ہم آگئے بابا! بڑے زور کی بھوک ٹکی ہے ہمیں۔''

جھونپڑے کا پردہ ہلا اور دوسر نے ہی لیجے میرا دل اُحھل کرحلق میں آگیا.....جھونپڑے سے بابا عبدالفتح نہیں دو بھارتی فوجی برآ مد ہوئے تھے.....اور اُن کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ۔ ہمنین گنوں نے ہمیں زدیر لےرکھاتھا.....

میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ سینے میں سانس رُ کنے لگا۔وہ دونوں نوجی شکلوں ہی سے وحشی اور درندے لگ رہے تھے۔ میں بےحس وحرکت ہو کررہ گیا۔ جمھے یقین نہیں آریا تھا کہ میں جو کچھود کھوریا ہوں وہ حقیقت ہے یا کوئی خواب؟

تھونیرٹ کا بیدہ ایک بار پھر ہلا۔ دونوجی اور اندر سے برآمد ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے درمان باباعبد الفت کرگرفت میں لےرکھاتھا۔

بابا عبدالفتی کی حالت دیکھ کرمیں لرز اُٹھا۔ اُس کالباس خون آلود تھا۔ داڑھی اورسر کے سفید

143 142

کی جدوجید کررہ تی تھی۔ لیفٹینٹ ایک طرف کھڑا دلچیپ نظروں سے اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔
انگوری کی تمیض بھٹ تی تھی جے ایک فوجی نے تھنچ کر اُس کے بدن سے الگ کر دیا۔
میں نے ایک بار پھرا پی جگہ سے حرکت کرنا جا ہی مگر میرے سامنے کھڑے ہوئے فوجی نے
رائفل کی نالی زور سے میرے سینے پر ماری۔ میں لڑکھڑا کر گرگیا۔ اُس فوجی نے ایک پیرمیرے
میز کی خطر زمین پر پڑے ہوئے بابا عبدالفتح کی طرف اُٹھ گئی۔ اب تک وہ بے حس وحرکت
میری نظر زمین پر پڑے ہوئے بابا عبدالفتح کی طرف اُٹھ گئی۔ اب تک وہ بے حس وحرکت
رافھا کین اب اُس کے جسم میں حرکت پیدا ہوتے دیکھ کر میں چو کے بغیر نہیں رہ سکا۔
لیفٹینٹ بابا عبدالفتح کے قریب ہی اُس کی طرف پشت کئے کھڑا تھا اور بابا عبدالفتح دونوں
ہاتھ زمین پر ٹکائے آ ہستہ آ ہستہ آ محتہ کی کوشش کر رہا تھا۔

کھ رین پر ہوئے ، ہسمہ ہسمہ ہسمہ اسک ن و س سر رہ ہو۔ جس نو جی نے مجھے دبا رکھا تھا اُس کی پشت بھی بابا عبدالفتح کی طرف تھی۔ وہ بھی اُسے رکت کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں کن انکھیوں سے بھی بابا عبدالفتح کی طرف دیکھیا اور

حرکت کرتے ہوئے نہیں دکھے سکا تھا۔ میں کن انکھیوں سے بھی بابا عبدالفتح کی طرف دیکھتا اور تبھی اُس فوجی کی طرف۔

'' آرام سے پڑا رہ حرکت کی تو کھو پڑی اُڑا دُوں گا۔'' فوجی مجھے گھورتے ہوئے بھیڑیے کی طرح غرایا۔

میں نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے بابا عبدالفتح کی طرف دیکھا۔وہ اس پوزیشن میں آ چکا تما چسے چیتا اپنے شکار پر جھپٹنے کو تیار ہو۔ میں نے صرف ایک نظر انگوری کی طرف دیکھا جواب بھی چینتے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدو جہد کر رہی تھی۔ اُس نے ایک فوجی کو لات مار کر دُورگراد یا تھا۔

اوراس کمی بابا عبدالفتح بھی چیتے ہی کی طرح اپنی جگہ سے اُچھلااس کا ہاتھ لیفٹینٹ کے ہوسٹر پر پڑا اور جب لیفٹینٹ اُچھل کر مُڑ ا تو ریوالور بابا عبدالفتح کے ہاتھ میں آچکا تھا۔ خون و دہشت سے لیفٹینٹ کاچہرہ وُھواں ہوگیا۔ بابا عبدالفتح ایک بھی لمحہ ضائع کئے بغیر ریوالور کا رائیگر دباتا چلا گیا۔ ریوالور سے نکلنے والی گولیاں کیے بعد دیگر بے لیفٹینٹ کے پیٹ اور سے مُٹا والی گولیاں نے بعد دیگر بے لیفٹینٹ کے بھی اور سے میں پوست ہوتی رہیں۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا گراس نے جنجے رہا باعبدالفتح کی طرف اُچھال دیا۔ لیفٹینٹ کے اُچھانے اور چیخنے کی آوازین کروہ فوجی بھی تیزی سے مُڑا جس نے ججھے دبارکھا تھا۔ میری طرف سے اُس کی توجہ ایک لمح کو ہی ہی تھی۔ میں نے رائفل پر ڈال کراکیہ اور زور دار جھ کا گیا۔ وہ فوجی کی بیٹائی سے ہٹایا اور پھر دوسرا ہاتھ بھی رائفل پر ڈال کراکیہ اور زور دار جھ کا ایک بیا۔ وہ فوجی کی ٹیا۔ وہ فوجی کی ٹیا۔ میں آگی۔ میں اُنفل میرے ہاتھ میں آگی۔ میں اُنگا۔ میں

مُ فَى تَيزى سے أَتُه كر كھڑا ہو گيا اور رِاكفل كا زُخ أَس فوجى كى طرف كركے ثرائيكر دباديا _ يى

ر لولیاں اُس کے جمم میں پیوست ہو گئیں۔ اسی وقت در ختوں کی طرف سے بھی فائر مگ کی

^{اواز}یں سائی دینے لکیں۔

ہوئے کہدر ہاتھا۔''ابھی تھوڑی دیر میں بیرسارالباس تمہارےجسم سے الگ کر دُول گااورار کے بعد تمہار ہے ساتھ جو کچھ ہو گااس کاتم تصور بھی نہیں کرسکتیں ۔میرے بیآ دمی کئی مہینوں پر ا یے گھروں سے دُور ہیں۔عورت کوتریں گئے ہیں۔تم جیسی ناری کوتو یہ لوگ جیر پھاڑ کر کی عائیں گے۔لیکن'' وہ چند کھوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔'' پہلے میں یہ جاننا حیا ہوں گا کرز لوگوں کے ساتھ اور کتنے آ دمی ہیں اور کہاں چھیے ہوئے ہیں؟'' " ہمارے ساتھ اور کوئی نہیں۔ اگر ہوتے تو اب تک آ چکے ہوتے۔" انگوری نے مضوط لیر میں جواب دیا۔ میں اب تک أے ایک کمزور ہی لڑ کی مجھ رہا تھا۔ رائفل چلانا اور بات تھی اوران طرح تشدد کا سامنا کرنا دوسری بات۔ایں نے تسی طرح اپنے آپ کو کمزور ثابت ہیں کیا تھا۔ ''تم بناؤتمهارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟'' کیفٹینٹ میری طرف تھوم گیا۔''ان بڑھے کا انجام دکیورہے ہو۔اس نے بھی چھ بتانے سے انکارکر دیا تھا۔صرف ایک ہی بات ہ اڑار ہا کہ یہاں اس کے سوا کوئی نہیں رہتا۔اگریہ نمیں سب کچھے بتا دیتا تو اس کا بیرحشر نہ ہوتا۔ گر بڑا سخت حان بڑھا ہےابھی تک زندہ ہے۔میرا خیال ہےتم الیک مار برداشت نہیں کرمکو گے۔ جب شریر پر چوٹ پڑتی ہے تو ہڑی تکایف ہولی ہے۔اگرتم اس تکلیف سے بچنا جا ہے ہو تو اپنے ساتھیوں کے بارے میں بنا دوا میں وعدہ کرتا ہوں کہ مہیں اور اس کبوتر ی کوزیادہ تکایف جیس پہنچائی جائے گی۔' میں انگوری کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے کفی میں گردن ہلا دی۔ میں نے لیفٹینٹ کی طرف د یکھا۔'' ہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے۔اگر کوئی ہوتا بھی تو منہیں نہ بتا تا کہوہ کتنے لوگ ہیں اور کہاں چھے ہوئے ہیں۔'' میں نے کہا۔'' کیا تم پیشجھتے ہو کہاس طرح تشدد کا نشانہ بنا کرآم ہمارے حوصلے بیت کرسکو گے؟ یاد رکھوآفیسر! اس وادی کا بچہ بچیا بنی جان تو دے سکتا ہے کم تح یک سے غداری نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہاس کی قربا کی اس وادی کوتم جیسے بھیڑیول سے نحات دلاسکتی ہے۔'' نجات دلاستی ہے۔'' ''بردا گھمنڈ ہے مہیں۔'' لیفٹینٹ غرایا۔'' دیکھا ہوں تم زبان کیے نہیں کھولتے۔ابھی فرفر ''

بو لنے لگو گے۔''
اس نے دونو جیوں کواشارہ کیا۔ وہ انگوری کو بانہوں سے پکڑ کر تھیٹے ہوئے ایک طرف کے ۔''
جانے لگے۔ میں کانپ اُٹھا۔ مجھے بیجھنے میں دینہیں لگی تھی کہ وہ میری زبان کھلوانے کے لئے ؟
جانے دوری اور عبداللہ ہم سے بیجھے رہ گئے تھے اور میرا خیال تھا کہ اُنہوں نے دُور سے بھا، صور تحال دکھے لگا۔ جب ہم اس طرف آ رہ صور تحال دکھے لی تھی اور کہیں جھپ گئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی کارروائی خارد کریں گئے۔ گئے ایک تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کے انہوں سے بگڑ کر گھیٹ دیا ہور ہا تھا کہ اُنہیں دیر ہوگئ تو کارروائی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

کریں گے۔لیکن میں پریشان ہور ہا تھا کہ اُنہیں دیر ہوگئ تو کارروائی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔
دونوں نوجی انگوری کو بانہوں سے بگڑ کر گھیٹ رہے تھے اور انگوری اپنے آپ کو چھڑا نے اُ

14

144

میں بابا عبدالفتح کی طرف ایکالیکن میں اُس کی کوئی مد ذہیں کرسکتا تھا۔ لیفٹینٹ کا پھڑا،

تخنجراُس کے حلق میں پیوست تھااوروہ بےحس وحرکت ہو چکا تھا۔

پر کے مصوم اور بے گناہ کشمیری عوام پر ڈھایا جانے والا بیظلم کب ختم ہوگا؟ ظالموں کے ہاتھ کون روکے گا۔۔۔۔؟ مظلوموں کی دادری کون کرے گا؟

طرح گھر گئی تھی کہ اُس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ اُس نے آخری دم تک اُن بھیڑ یوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اپنی آبرو بچانے کے لئے وہ ہوش وحواس کی آخری صدتک مزاحت کرتی رہی تھی اور جب وہ میری طرف دوڑی تو اُس کے حواس جواب دے گئے تھے اور وہ مجھ سے لیٹ کر بے ہوئی ہوگئ تھی۔

میں گھٹوں کے بل انگوری کے پاس جھک گیا اور اُس کے گال تھپتھیا کر اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر نے بال انگوری کے پیالے لانے کی کوشش کرنے لگالیکن کامیابی نہ ہوئی تو دوڑ کرندی پر پہنچ گیا۔ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں پانی بجران اور انگوری کے قریب پہنچ کر پانی اُس کے منہ میں پڑکانے لگا۔ پچھے چھینٹے اُس کے چرے پر بھی ڈالے۔ ججھے دوسری مرتبہ پھر چلو میں پانی لایا پڑا۔

اں مرتبہ نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ وہ پہلے تو کسمسائی، پھر آئکھیں کھول دیں۔ چند کھے متوحش می نگاہوں سے میرے چبرے کو تکتی رہی۔ پھر اُسے سب پچھ یاد آگیا اور وہ اُٹھیل کرچیختی ہوئی مجھ نے لیٹ گئ۔ وہ جھنگے سے جب اُٹھی تو قمیض اُس کے جسم پر سے ہٹ گئ تھی لیکن اُسے ابھی اپنی بہنگی کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔

صورتحال نہایت علین ہونے کے باو جود میں اس سے چتم پوتی نہ کر سکا۔ اُس روز جب میں

نہ بہل مرتبہ انگوری کے گھر میں اُسے دیکھا تھا تو قمیض کے بیچے اُبھاروں کود کھے کر میرا دل بجیب
طرن سے مجلا تھا اور میں جتنی دیر وہاں رہا تھا کن انگھیوں سے اُس کی طرف دیکھا رہا تھا۔ پھر
میری آنگھوں
میر گھرگ چلا گیا۔ میں کئی روز اُس سے دُور رہائیکن اُس کی تصویر ایک لمحے کو بھی میری آنگھوں
سے اوجھل نہیں ہوئی تھی۔ اور جب وہ دوبارہ کی تو بھی میں اُسے دیکھا رہتا تھا۔ ابھی پچھ دیر
پہلے بن واپس آتے ہوئے وہ ایک مرتبہ پیرریٹ جانے سے گرگئ تھی اور میں اُسے اُٹھانے کے
سے جھا تھا تو میری نظریں اُس کے گریبان کے اندرتک ریک گئی تھیں اور میں این آپ میں
ایک بچرب میں سننی محسوس کرنے لگا تھا۔۔۔۔۔ اور اب وہ برہنہ حالت میں مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔
ایک بچرب میں سننی محسوس کرنے لگا تھا۔۔۔۔۔ اور اب وہ برہنہ حالت میں مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔
ایک بچرب کی سننی خون کی گردش میں تیزی آئی تھی۔ البتہ زندگی کے جس سننی خیز اور خونیٰ کرتر بین تجرب

سئاک وقت ہم گز رے تھے اُس سے میرے د ماغ میں بھی سنسنا ہٹ ہور ہی تھی۔ انگوری میرے ساتھ لپٹی سسکیاں بھر رہی تھی۔ زندگی کے اس خوفناک تجربے نے اُس پر

میں نے دوڑ کرایک درخت کی آڑیں پوزیشن لے لی۔ پہلے میں سمجھاتھا کہ جوفو جی انگون کو قابو میں کرنے کی کوشش کرر ہے تھے فائزنگ اُنہوں نے کی تھی کیکن یہ فائزنگ سامنے درخت_{وں} میں چھپے ہوئے نوری اورعبداللہ کرر ہے تھے۔ انگوری نے جس فو جی کو لات مار کر دُور گرایا تھا وہ اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ عبدالنہ ُ گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ دوسرا فو جی انگوری کوچھوڑ کر دوڑتا ہوا ایک درخت کی آڑ میں بوزیڈ

گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ دوسرانو بی انگوری کو چھوڑ کر دوڑتا ہوا ایک درخت کی آڑ میں پوزیش لے کر بیٹھ گیا تھااورنوری کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ نوری نے حماقت یہ کی کہ فائرنگ کرتے ہوئے چین ہوئی آگے کی طرف دوڑ پڑی جہال انگوری پڑی ہوئی تھی۔لیکن وہ چند قدم سے زیادہ آگے نہیں آسکی۔ بھارتی فوجی کی ایک گول اُس کی پیٹانی پرگی اور وہ چین ہوئی گری۔عبداللہ درخت کی آڑ سے نکل کر اُس کی طرف لیکاؤ

وہ بھی بھارتی فوجی کی گولیوں کا نشانہ بن گیا..... میراد ماغ گھوم رہا تھا.....آنکھوں کے سامنے اندھیر اسا چھانے لگا اور پھرانگوری کی چیخ کو کر میں ہوش میں آ گیا۔وہ چیخی ہوئی میری طرف دوزی آ رہی تھی۔اور پھروہ ٹھوکر کھا کرمئہ کے بل جھاڑیوں میں گری۔اس کمھے گولیوں کی ایک بو چھاڑ انگوری کے اُوپر سے گزرگئی تھی۔ اگروہ ٹھوکر کھا کرنہ گرتی تو بھارتی فوجی کی گولیاں اُسے بھی چھلنی کردیتیں۔

انکوری بر فائرنگ کرنے کے لئے اُس بھارتی فوجی کو درخت کی آڑ سے نکلنا بڑا تھا۔ال

طرح وہ میرے سامنے آگیا اور میں نے فائر کھول دیا۔ بھارتی فوجی نے بھی ٹرائیگر دبایا گرائی کی رائفل خالی ہو چکی تھی۔ اُس نے رائفل بھینک دی اور اُٹھ کرخوفز دہ انداز میں چنتا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ گرزیا دہ دُورنہیں جا سکا۔ میری رائفل سے نکلنے والی لا تعداد گولیاں اُئ کی پشت میں بیوست ہو گئیں اور وہ اوندھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ میں اُٹھ کرائلوری کی طرف لیکا۔ الا بھی اُٹھ کرمیری طرف دوڑی۔ وہ وحشیا نہ انداز میں جینتے ہوئے مجھے سے لیٹ گئی۔ میں نے بھی اُسے اپنی بانہوں کی لیٹ میں لے لیا۔ وہ چند کھے چین رہی اور پھر یکا یک خاموش ہو کرمیر کی بانہوں میں جھول گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

ہ اوں میں اور میں اور اس اور اس اور اور اور اور کے دھڑ سے بر ہنتھی اور اُس کے بینے کا ایک جینوں کے انتہا کے اور اُس کے بینے کا دیا۔ وہ اُو پر کے دھڑ سے بر ہنتھی اور اُس کے بینے کا ایک جیموٹا سا زخم بھی تھا جس سے خون اِس رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک متوحش نگاہوں سے اِدھم اُدھر دیکھتار ہا۔ انگوری کی کچھی ہوئی قمیض ایک طرف جیماز یوں میں کچھنی ہوئی تھی۔ میں نے دائم میض اُٹھا کر جیسے تیسے کر کے اُس کے جسم پراس طرح ڈال دی کہ برہنگی جیسے گئی۔ میں دوڑتا ہوا عبداللہ کے باس بہنچ گیا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ چندگر یر نے نوری کی لاش بہائ

سیں دور ماہ اور مور فلد کے بول میں بیادہ ہا ، اور چا سات پیمر روپ کے دروں ماہ کہ ہے۔ تھی۔اُس کی آنکھیں تھلی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آسان کی طرف دیکھتے ہوئے یو چھ^{ر نق} آنسواُس کے رُخساروں کو تر کررہے تھے۔

''یہ سب یہ کیا ہوگیا شمروز؟'' اُس نے سسکی بھرتے ہوئے اپنا سرمیرے سینے پر ٹکا دیا۔ ''حوصلہ رکھوانگوری! ثم تو بہت با ہمت لڑکی ہو۔'' میں نے اُس کا کندھا تصبحیایا۔'' پہلے ہمیں ان لاشوں کا ہندو بست کرنا ہوگا۔اس کے بعد کوئی اور بات کریں گے۔'' وہ جیسے ہی چھیے ہٹی تو کیڑا پھراُس کے بدن پر سے سرک گیا۔ میں رُخ بدل کر کھڑا ہوگیا اور اپنا کر تہ اُتا رکراُس کی طرف بڑھا دیا۔''فی الحال یہ پہن لو! بعد میں دیکھیں گے کہ بابا کے جھونپڑے سے تن ڈھانینے کی کوئی چیز مل ھائے۔''

اُس نے میرے ہاتھ سے کرتہ لے لیا اور تین منٹ بعد کرتا پہن کر سامنے آگئ۔ اُس کے سینے پر معمولی سازخم تھا جس سے خون رس رہا تھا۔ میرا خیال ہے جب وہ بھارتی نو جیوں سے نبرد آزماتھی تو یہ زخم اُس وقت لگا ہو گایا جب وہ گری تھی تو کوئی نوک دار پھر لگ گیا ہو گا۔ اور جب وہ مجھ سے کپٹی تھی تو خون کا معمولی سا دھبہ میر ہے کرتے پر بھی لگ گیا تھا اور میرا کرتا پہن لینے کے بعد تو وہ سرخ دھبہ کچھ پھیل بھی گیا تھا لیکن انگوری کو ابھی تک شاید چوٹ کی تکلیف کا اصار نہیں ، ہوا تھا۔

ہم دونوں نوری اورعبداللہ کی لاشیں اُٹھا کرجھو نپڑے کے قریب لے آئے اور اُنہیں بھی بابا عبدالفتح کی لاش کے قریب لٹا دیا۔ بھارتی فوجیوں کی لاشیں اُٹھا کر وہاں سے وُ ور ڈال دیں۔ میں نے تمام رائفلیں بھی ایک جگہ جمع کرلی تھیں۔

اب سب سے بڑا مسکہ ان لاشوں کی تدفین کا تھا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس عقبر کھودی جاتی ۔اگر کوئی چیز ہوتی بھی تو پھر پیلی زمین پر قبر کھود ناممکن نہیں تھا۔

میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں ادھرادھر گھوم رہا تھا۔ چنشے کے دوسری طرف چندگز آگے ایک گڑھا نظر آگیا۔ میں نے انگوری کو بھی وہیں بلالیا اور اُس گڑھے کے بارے میں مشورہ کرنے لگا۔ پھر میں گڑھے میں اُتر کرنچے پھرصاف کرنے لگا۔

گُڑھا کافی بڑا تھا۔نوری کی لاش کوائی نمدے میں لبیٹ کرایک کونے میں ڈال دیا گیا۔ اُس کے ساتھ عبداللہ کی لاش کوجھی ایک چا در میں لبیٹ کرانا دیا گیا۔ دوسری طرف بایا عبدالشق فُالاَثُ کوجھی چا در ہی میں لبیٹ کر ڈال دیا گیا۔ درختوں کی موٹی موثی شاخوں سے کڑ ھے کو فُتائپ کراُوپر پیچررکھ دیئے تا کہ جنگلی جانورائییں کوئی اقتصان نہ پہنچا شکیں۔ زیادہ اثر کیا تھا۔ وہ خونخو اربھیٹریوں کی ہوں اور موت کا شکار ہوتے ہوتے بجی تھی۔ ''ہوش میں آؤانگوری'' میں نے اُس کی پشت تقبیتیاتے ہوئے کہا۔''سب پھوُرُز گیا۔ اب اینے آپ کوسنجالو! ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔''

اُس نے آب بھی مجھے بانہوں کے علقے میں کس رکھا تھا۔ وہ گرفت ڈھیلی کر کے ذرا_{م ان}ا ہٹی تو اُسے اپنی برہنگی کا احساس ہو گیا۔ وہ چینی ہوئی اُسچیل کر چیھیے ہٹ گی۔ دونوں ہاتھ سِراً لپیٹ لئے اور متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے گی۔ اُس کی پھٹی ہوئی فمیض قریب ہیں۔ تھی۔ میں نے فمیض اُٹھا کر اُس کی طرف بڑھادی۔

''اسے تم بہن نہیں سکتیں۔ فی الحال ایسے ہی لیپ لو!'' میں اُٹھ کر دوسری طرف ویکھنے اُ انگوری نے وہ پھٹی ہوئی قمیض کس طرح اپنی برہنگی چھپاننے کے لئے جسم پر کیپٹی تھی میں اس تفصیل میں نہیں جانا چا ہتا۔ البتہ دو تین منٹ بعدوہ میرے قریب کھڑی تھی۔ میں نے اُس طرف دیکھا تو اُس نے نظریں جھکا لیں اور جسم چھپانے لگی۔ وہ برہنگی پوری طرح نہیں چھپا تھی۔

000

کے ہوئے کہنے لگی۔''بابا عبدالفتح کے کہنے کے مطابق سرینگر میں رستم کے ہاتھوں ایک فوجی اور پھرمیرے ساتھ انگوری نے بھی دونوں ہاتھ اُٹھا دیئے۔ دُعا مانکتے ہوئے اُس کی تئ_{الی ا}یا تھا۔ سرینگر کے شہری اُس روزسرینگر کی پولیس اور نوخ کے مظالم کے خلاف لال چوک پر ﴾ ، ہرر ہے تھے۔ پولیس نے پرُ امن مظاہرین پر لاٹھی چارج کر دیا جس پر مظاہرین بھڑک اس کے آ دھے گھنٹے بعد ہم جھونیڑے کے سامنے چٹائی پر ہیٹھےصورتحال کا جائزہ لے اس کے آباد رولیس پر پھراؤ شروع کردیا۔نوج نے پولیس کی حمایت میں مظاہرین پر گولی جلا دی۔

ا موجود تھا۔ اُس نے گولی جلا دی جوایک فوجی کی پیٹانی میں لگی اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ رہتم وہاں '' یہ بھارتی فوجی زیادہ تعداد میں بھی پہاڑوں کے اندر تک نہیں جاتے۔حیرت ہے ماک فکا لیکن آس رات فوجیوں نے اُس کے گھر کو کھیرے میں لے لیا۔رشم نے مکان ، جہت ہے نو جیوں پر پستول ہے فائر نگ کر دی۔ وہ تو کسی فوجی کا مجھے نہ بگاڑ سکاالبتہ فوجیوں ''بابا عبدائفتج بہت عرصہ سے یہاں تھا۔'' میں نے کہا۔''ایک مجاہد کی حثیت ہے اس نے اس کے مکان کوآگ لگا دی۔رشم تو زخمی ہوکر بھا گئے میں کامیاب ہو گیالیکن اُس کی ہوی

ر بزی کی وُ کان تھلوا دی۔

۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''انگوری بولی۔''لیکن انہیں کیسے پتہ چلا کہ بابا عبدالفتح کےعلاوہ یہاں باباعبدالفتّح بھی اُس سے ال چکا تھا اور پتہ نہیں رستم پر بابا کو کیوں شبہ ہونے لگا؟ بابا کے کہنے بُ مطابق آخری مرتبہ جب اپنی ضرورت کی چیزیں لینے کے لئے بستی گِیا تو رستم کی وُ کان بند ''یہاں بہت می ایسی چیزیں بھی موجود ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں اکھ کا۔ایک آدمی سے پوچھنے پر پیۃ چلا کہ وہ سرینگر گیا ہوا ہے۔ بابا عبدالفتح کے کہنے کے مطابق سے زیادہ افرادر ہائش پذیر ہیں۔' میں نے جواب دیا۔''وہ صرف بابا عبدالقتے کو پکڑنے 🔭 کان کا شبہ کھے اور بھی قوی ہو گیا کیونکہ اُس آدمی سے آیکھی معلوم ہوا تھا کہ اس بستی میں

ن وکل کیا ہو،خود اُس کے گھر اور بیوی بچول کوجلا کر را کھ کر ڈالا گیا ہووہ اس طرح بار بار ' ٹیر کسے جاسکتا ہے؟ بابا نے کہاتھا کہا ہو وہتی جائے گاتو اس بارے میں تحقیقات کرے ا المیکن' وہ خاموش ہوکرسسکیاں بھرنے لگی۔

ا با عبدائق کا شبہ غلط نہیں ہوسکتا۔ ' میں نے اُس کے خاموش ہونے پر کہا۔ 'اس کا عب ہے کہ اب ہمیں پہلے اس بستی ہی کا زُخ کرنا چاہئے۔اگریہ ثابت ہو گیا کہ بابا کے ''' نے بی اس نے ہی کی تھی تو میں بہتی کے چوک پر اُسے پھندے سے اِنکا وُولِ گا۔''

تمہارا مطلب ہے کہ ابتم اس بہتی میں جاؤ گے؟''اٹلوری نے اُنجھی ہوئی نظروں ہے

حاری تھیں ۔میری آنکھول ہے بھی آنسو بہہ نکلے۔ تھے۔ شروع میں جب ہمیں گھیرا گیا تھا تو میں سمجھا تھا کہ ان فوجیوں کے اور ساتھی بھی ہو گئے۔ نشمیری شہید ہو گئے۔مظاہرین میں رہتم بھی شامل تھا۔ اور اُس کی جیب میں پستول گے ۔لیکن میرا بیخد شہ بے بنیاد نکلا۔صرف وہی جاروں تھے جومہم سرکرنے نکلے تھے۔

یہ جاروں یہاں تک کیے آگئے تھے؟ "انگوری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ماضی میں بھار تیوں کو نا قابل تلا فی نقصان پہنچایا تھا وہ وادی تشمیر میں بھارتیوں کوس ردنوں بیچے ہلاک ہو گئے اور مکان کے ساتھ جل کررا کھ ہو گئے ۔ ے زیادہ مطلوب تھا۔ ہوسکتا ہے کسی نے اُس کی مخبری کر دی ہو۔ بھارتی فوج کی ہائی کالاستم سی نہتی ملی پہنچ گیا۔بستی والے اُپس کی کہائی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں اور سرینگر کی کھٹے تیلی حکومت نے اُس کے سرکی لاکھوں رویے قیمت مقرر کر رکھی تھی۔ سبہوا کہ تھے۔ وادی کا ہر دوسرا شخص بھارتیوں کے ایسے ہی طلم وستم کا شکار ہے۔ وہ سب حسب ہے اس لیفٹینٹ کو اُس کے بارے میں اطلاع ملی ہواور وہ صرف تین آ دمیوں کو لے کرا نی ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں پہتی والوں نے رشتم کی بھی مدد کی۔اُسے رہنے کے عبدائقتح کو پکڑنے کے لئے یہاں آگیا تھا تا کہ بہادری کے اس کارنامے پرسرکار ہے افعالے دو کمروں کا ایک مکان دے دیا اور تھوڑے بہت پیمے جمع کر کے اُسے بہتی کے چوک پر حاصل کر سکے۔''

کوئی اور بھی موجود ہے؟''

کئے آئے ہوں گےلیکن یہاں پہنچ کرانہیں اندازہ ہوا ہو گا کہ پچھاورلوگ بھی ہیں۔ باباعبدا ؓ نے کے بعدر ستم تین عیار مرتبہ سرینگر جا چکا ہے۔'' نے بے پناہ تشدد برداشت کرلیالیکن ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولی۔ اور پھرا تفاق۔ 💎 انگوری خاموش ہوگئی۔ کچھ دیر تک ادھر اُدھر دیکھتی رہی، پھر بولی۔ ''تم لوگوں کے آنے اس وقت ہم بھی پہنچ گئے اور ہماری آوازیں من کروہ جھونپڑے میں حجب گئے اور اس طرح نسٹے کیلے بابا نے مجھ سے کہاتھا کہ اُسے رستم پر شبہ ہے۔ کیونکہ جس آ دمی نے سرینگر میں ایک اُن کے کھیرے میں آ گئے۔''

''لیکن سوال بیہ پیدا ہوتا ہے کہ بابا عبدالفتح کے بارے میںمخبری کس نے کی ہوگی؟ ال ك توسب لوگاوه 'انگوري کچھ كہتے كہتے رُك گئی۔

"كوئى خاص بات؟" مين نے سواليد نگامول سے أس كى طرف ديكھا۔

''رستم مجھے اُس پر شبہ ہے۔''انگوری نے کہا۔ ''رستم کون؟'' میں نے یو حیصا۔ '

'''بستی کاایک ؤ کاندار ہے۔'' انگوری نے جواب دیا۔'' بابا عبدالفتح نے ایک روز بتایا تھا' رستم تقریباً حار میپنے پہلےبہتی میں آیا تھا۔وہ زخمی تھا اور بہت بری حالت میں تھا۔ اُس کی کہا اُس کی حالت ہے بھی زیادہ درد تاک تھی۔'' انگوری چندلمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات ^{جازن}

_{ن کے دو}کرتے لے لیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟''

انگوری چند کھیج خاموش رہی، پھر افسر دہ ہی آواز میں بولی۔''میرا خیال ہے یہ چوری نہیں بی ایک روز مجھانے کیڑے دھونے تھے۔ میں نے پہننے کے لئے بابا سے ایک کرتہ ا الله المراب في كما كرسب كيهم مى لوگول كا بي حص جيز كي ضرورت مو بلا تكلف استعال

رن یو چینے کی ضرورت مہیں ۔اور میرا خیال ہے کہ اگر ہم بابا کے کیٹر ے استعال کر لیں تو کوئی ر انہیں موگا۔ ویے بھی میں اُن کے ٹریک سے مرہم کی ڈیپر نکالنا جا ہتی ہوں۔ میں جب اس

ر زے سے اینے آپ کوچھڑا کر بھا گی تھی تو گرنے سے کوئی نوک دار پھر چبھا گیا تھا۔ زخم تو عمولی ساہے مکرا**ب تکلیف ہور ہی ہے۔''**

میں انگوری کی برداشت کی داد دیئے بغیر نه ره سکا۔ وہ اتنی دیر خاموش رہی تھی اور اب اُس نے این تکلیف کا اظہار کر ہی دیا تھا۔

ہم دونوں اُٹھ کرٹرنک کے قریب گئے جوجھونیزے کے ایک کونے میں پڑا ہوا تھا۔ انگوری غ ارز تے ہاتھوں سے وہ پرانا سا ٹرنگ کھولا۔ اُس میں تین چار جوڑے وُ ھلے ہوئے رکھے

تھ۔ اِنگوری نے ایک جوڑا مجھے دیے دیا۔ نیلے رنگ کی میض اور اُس سے ذرا ملکے رنگ کی لموار کمیض کندهوں اور بشت پر ہے تھی ہوئی تھی۔ "تم بھی رخم پر مرہم لگا کر کیڑے بدل لوا میں باہر جار ہا ہوں چشے پر پانی میں ایک

امداگالوں گا تو د ماغ کی تیش بھی کم ہو گی۔'' میں نے کہااور کپڑے لے کرجھو نپڑے سے باہر ل گِیا۔ میں نے ایک سب مشین کن بھی اُٹھا کی اور وہاں سے تقریباً پندرہ گر وُور چشمے پر پہنچ لا۔ کن کنارے پر رکھی ، إدهر أدهر و يکھتے ہوئے كيڑے أتارے اور پاني ميں كود كيا۔

بالى بہت شندا تھا۔ ایک لمحہ کو تو کیکی سی چھڑ گئے۔ میں نے بالی میں بیٹھ کرجسم کو ملاء دو تین ا مطے لگائے اور باہر آ گیا۔ کپڑے پہن کر جب میں واپس آیا تو اتکوری جھونپڑے کے سامنے

> "كيابات به ستم نے كبر تهيں بدلي؟" ميں نے يو چھا۔ َ مِن بِهِي نَهَا مَا حِيامِتَي مِولابتم يهال بيثير جاوَاور ميس''

" أُمُ رَكُن بول يانى برك سے میں نے انگوری کی بات كاتی تھی اُس نے ميري بات

چھیں ہوتا۔' و ہ یولی۔'ان درندوں کے غلیظ ہاتھوں کالمس محسوں کر کے مجھے کراہت ئِرِ اللهِ اللهِ اللهِ مِن وه ایک لمحه کو خاموش ہوئی چیر بولی۔''بابا کا خیال تھا کہ ہم دن کی ا بیتے یہ آ جائیں گے اور ہمیں بھوک لگ رہی ہوگی۔ أنہوں نے مارے لئے حاول يكا

شہے بتیلی جمونیزٹ کے بیچیے جو لیم کے قریبِ رکھی ہوئی ہے۔'' مل ہے ... تم آؤنو کچھ کھالیں گے۔ بھوک لگ رہی ہے۔ ' میں نے جواب دیا۔

''ہاں ''''' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔''غداروں کا پیۃ لگنا ضروری ہے۔ بابا عبدالفتح جیے لوگ ہمارا سرمایہ بیں۔ اُن کا نقصان ہمارے لئے نا قابل تلافی ہے۔ اگر مخرکا پید ندلگایا گیا تو و ہ اندر ہی اندر ہماری جڑیں کا ثمّا رہے گا۔'' میں چندلمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔'' ایک زمانہ تھا جب مسلمان آ دھی سے زیادہ وینا پر حکومت کرتے تھے۔ لیکن پھراپنوں ہی کی غداریوں کی وجہ سے اسلامی سلطنت کا شیراز ہ بلھرتا گیا اور آج مسلمان دنیا بھر میں ذلیل وخوار ہور ہے ہیں ۔مسلمانوں کی تباہی و ہر بادی میں اپنوں کا زیادہ ہاتھ ہے۔اس وفت وادی میں آزادی کی تح کیک زوروں پر ہے۔ مجاہدین چھاپہ مار کارروائیوں میں بھارتی فوج کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ بھارتی سور ما ہمارے مجاہدین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب وہ وہی ہتھکنڈے استعال کررہے ہیں۔وہ غداروں کے ذریعے ہارے کاز کونقصان پہنچانے اور ہمارے حوصلے پست کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ان غداروں کو اُن کے انجام تک پہنچانا ضروری ہے۔اگر انہیں چھوٹ مل گئی تو مجاہدین کو جگہ جگہ بھاری جاتی نقصان پہنچے گا اور ہماری تحریک دم تو ڑ دے

''لیکن اگررشتم بےقصور نکلاتو؟''انگوری بولی۔ ''بابا عبدالفتح تجربه کارمجامد تھا۔ اُس کی زندگی جہاد کرتے ہوئے گزری ہے۔ اگر اُسے رہتم ير غداري كا شبه تعاتويه غلط تبين موسكتا ليكن بالفرض يس في الكوري كي طرف ويمح موے جواب دیا۔ ' سکن بالفرِض رستم پرشبه غلط نکا اوروہ بے تصور ثابت ہوا تو بھی ہم اُس غدار کو تلاش کریں گے۔ بیصرف کسی مخری ہی کا نتیجہ ہے کہ صرف حیار فوجی بابا کو پکڑنے کے لئے يهال آئے تھے۔اگر اُنہيں يهال مجاہدين كے كسي ٹھكانے كاشبہ ہوتا تو صرف حيار نوجي نه آتے، يوري پلٽن آئي۔''

''ٹھیک کہہر ہے ہو۔''انگوری بولی۔''ابھی چلیں؟'' ''اہھی تہیں'' میں نے جواب دیا۔''ہم یہاں ہے اس طرح روانہ ہوں گے کہ شام کا

کی ۔ہمیں آج ہی بستی پہنچنا ہو گا۔''

اندهیرا چھلنے کے بعدبہتی میں داخل ہوں۔ویےوہ کون تھی تھا جس نے بابا کورسم کے سریکگر آنے جانے کے بارے میں بتایا تھا؟''

''بابائے اُس کا نام ولی محمد بنایا تھا و ابستی میں برطفی کا کام کرتا ہے۔'' انگوری نے

' ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔'' تم بابا کی ساری چیزیں احتیاط سے سمیث کرر کھ دو! ہوسکتا ہے ہارے بعد مجاہدین کی کوئی پارٹی اس طرف نکل آئے تو یہ سب کچھ اُن کے کام آ جائے۔ ویسےتم برانہ مانوتوایک بات کہوں؟''

''ہاں کہو!''انگوری سوالیہ نگا ہوں سے میری طرف دیکھنے گی۔

" اباعبداللح تواب اس دنیا ہے رُخصت ہو گیا۔ اس کی یہ چیزیں میرا مطلب ہے اگر ہم

راصل سب مشین گنیں تھیں جن سے طوفانی بارش کی طرح گولیوں کی بوچھاڑ کی جاسی تھی۔

ہراصل سب مشین گنیں تھیں جن سے طوفانی بارش کی طرح گولیوں کی بوچھاڑ کی جاسی تھی۔

ہراں آیا۔ بیس نے ممیض کے نیچے شلوار کے نیفے میں اڑ سا ہوا ریوالور نکال کر کھولا اُس میں مرنی بین گولیاں تھیں۔ میں اُٹھ کر لیفٹینٹ کی لاش کے قریب چلا گیا جوجھاڑ یوں میں اوندھی بڑی ہوئی تھی۔

ہری ہوئی تھی۔ میں نے پیرسے اُسے سیدھا کیا اور اُس کے بولسٹر کے فلیپ پر گی ہوئی گولیاں بڑی ہوئی تھیں۔ میں تحقیر آمیز نظروں بہال کر ریوالور بیل جرنے لگا۔ لاشوں بہلا تعداد کھیاں بھنمینا رہی تھیں۔ میں تحقیر آمیز نظروں بہال کر ریوالور بیل جو بھی اُسے سیدھا کیا تعداد کھیاں بھنمینا رہی تھیں۔ میں تحقیر آمیز نظروں بہال

ے لاشوں کود کھتا ہوا دوبارہ اپنی جگہ پرآگیا۔ پانچ بجے کے قریب ہم روائگ کے لئے تیار ہو گئے۔ تینوں شہداء کی قبر پر جاکر فاتحہ پڑھی اور باباعبدائق کے جھونپڑے پرالودائی نظریں ڈالے ہوئے ایک طرف چل پڑے۔

''اُس بہتی کو راستہ اس طرف سے جاتا ہے۔ چٹانوں کے اندر ہے' انگوری نے ایک طرف ٹارہ کیا۔

ہم آس طرف مُڑ گئے۔ وہ بستی تقریباً پانچ میل کے فاصلے پڑتھی۔ راستہ خاصا دُ**شوارگزار تھا** ادر میراخیال تھا کہ ہم شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے وہاں بہنچ جائیں گے۔

رر پر میں میں اس میں اس میں ہور پہلے ہے جہے وہاں بن جا یں ہے۔ تقریباً ایک گفتے تک تو ہم اُو کِی چَی چٹانوں پر اُتر تے چڑھتے رہے۔ مجھے جمرت تھی کہ اتنا وز ہامور نے کے اور دیا اور الفتح فول وہاں سے کہ جاری ہے۔

ریبہ کیا ہے گئے ہوئی ہوں پہارے پر سے رہے۔ بھے بیرت می اداعا براها ہونے کے باوجود باباعبدالفتح یہ خطرناک راستہ کیسے طے کیا کرتا تھا؟ یہ بالآخریم چٹانوں سے نکل کر تھلی جگہ پرآ گئے۔ سامنے نشیب میں وسیع و عریضِ سرسبز وادی

بھی ہوئی تھی اور مغرب کی طرف جھکتے ہوئے سورج کی دُھوپ میں ایک سرمئی کیر بھی چملق بولُ نظراً آرہی تھی۔وہ کوئی چوڑی ندی تھی جس کا پانی دُھوپ میں چمک رہاتھا۔ چنار اور پوکپٹسِ کے درخت بکشرت تھے۔قد آ دم جھاڑیاں تھیں۔ہم سنجل سنجل کر ان

بلانیوں میں نشیب کی طرف اُتر تے رہے۔ بلائیوں میں نشیب کی طرف اُتر تے رہے۔

وادی میں اُتر تے ہی دھان کے تھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں کی بالیاں اگر چہ ابھی اُن کیس مگر خوشہو سے بوری فضا مہک رہی تھی۔ کا شتکاروں کو فصل پکنے کے لئے ابھی کم از کم دو اپنے انظار کرنا تھا۔ میر انعلق بھی کا شتکار گھرانے سے تھا اور میں جانتا تھا کہ تشمیر کے کا شتکاروں بنی انظار کرنا تھا۔ کہ تشمیر کے کا شتکاروں بنزمین کا سینہ چیر کرانا ہے اُ گانے میں تتنی دُشواریاں پیش آتی ہیں۔ اور اس جیسے علاقوں میں تو بنزمین کا سینہ چیر کرانا ہے اُ گانے میں تتنی دُشواریاں پیش آتی ہیں۔ اور اس جیسے علاقوں میں تو بنزمین کا حدود کیا ہے۔ یہ کوئی میدانی علاقہ اس کے بعد پھر یلا میدان ۔ پھر تھوڑی میں جگہہ جہاں جج وال دیا ہے۔ ہی

ہ بہتا ہے۔ یہ دھان کے کھیت بھی ایے ہی تھے۔ کوئی اُو نجی جگہ پر اور کوئی بہت نشیب میں۔ آئم اُن کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے ایک چٹان کے ساتھ دائیں طرف کھوم سکے۔ آئیسسلسنے ایک گہری ندی تھی۔ اُس کا پاٹ دوسونٹ کے قریب ضرور ہوگا اور چٹانوں میں آئیب بڑاک نٹ نیچے ندی کا پانی پر شور آواز کے ساتھ بہدر ہا تھا۔ میں إدهر اُدهر د کیمنے لگا۔

میں گن سنجا لے جھونپڑے کے سامنے بیٹھار ہا۔ میری نظر بار بار چشنے کی طرف اُٹھ رہی تھی اور میں اس کے کنار سے بہاں اور میں اسے آپ کو اس حرکت پر سرزنش بھی کرر ہا تھا۔ چشمہ بلندی پر تھا اور اُس کے کنار سے بہیں ویکھا جا سکتا تھا گر میر سے خیال میں اس طرح ویکھا بہتھے ہوئے سی خص کو بھی کہا اور اس غیرا خلاقی حرکت سے بیچنے کے لئے میں رُخ بدل کر میٹھ گیا۔ انگوری تقریباً آدھے گھٹے بعد آئی تھی۔ اُس نے بابا عبدالفتح کے ٹرنک سے نکالا ہوا جوڑا کہن رکھا تھا۔ انگوری تھا۔ انگوری کے بین رکھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا تھا تھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا تھا۔ انہوں کے بین رکھا تھا۔ انہوں کے بین رک

ے اس چہ باں بورے کی سرت باعد ہائے ہے سران سے برے واقا پول سرون پر بہا ہوا کرتے میں جذب ہور ہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں مرہم کی وہ ڈید تھی جو اُس نے بابا کے سوٹ کیس میں سے نکالی تھی۔ ''میمرہم بہت اثر انگیز ہے۔''وہ ڈبید کھاتے ہوئے بولی۔''عبداللہ کی ٹا تگ پر چوٹ گی تھی تو بابانے بھی مرہم لگا با تھا۔وہ دو دن میں ٹھک ہوگیا تھا۔''

سیم م بہت امر اسیر ہے۔ وہ ذہید دھانے ہوئے بوں۔ عبدالقد ن تا نک پر چوٹ ی تھی تو بابانے بہی مرہم لگایا تھا۔وہ دو دن میں ٹھیک ہو گیا تھا۔'' اُس نے ڈبید کرتے کے پہلو کی جب میں رکھ کی اور جھو نیٹرے کے بیچھے جا کر بیٹلی اُٹھا لاک ۔ بیٹلی اُو پر تک چاولوں سے بھری ہوئی تھی اور پانچے چھآ دی پیٹ بھر کے کھا تھے تھے۔ اس وقت شابد بارہ زج رہے ہوں گے۔سورج عین سر پر چک رہا تھا۔ بھوک سے واقعی

بری حالت ہورہی تھی۔ انگوری نے ایک بن بلیٹ میں چاول نگانے تھے۔ وہ پلیٹ ہم دونوں کے نتج میں رکھنے کے لئے ذرا سا کے نتج میں رکھی ہوئی تھی۔ انگوری اُنگیوں میں چاول اُٹھاتی ، نوالہ منہ میں رکھنے کے لئے ذرا سا آگے کو جھکی تو میری گتاخ نظریں اُس کے فراخ گریبان کے اندر تک ریک جا تیںاس وقت میں بھول گیا تھا کہ ہم کس قتم کی صورتحال سے دو چار ہیں۔ میرے دماغ میں سنسنا ہے ہو رہی تھی اور کنیٹیاں سکگنے گئی تھیں۔ ''کیا بات ہے۔...۔ چاول کو نہیں کھارہے؟''

کیابات ہے ۔۔۔۔۔ چاول یوں ہیں کھارہے؟
انگوری کی آوازین کر میں جیسے ہوش میں آگیا۔''اوہ۔۔۔۔۔ کھے نہیں ۔۔۔۔'' میں نے کہااوراُس
کے سامنے سے پلیٹ اُٹھا کر وہاں سے ؤور ہٹ گیا۔''تم پٹیلی میں ہی کھالو۔ میں تہارے
سامنے بیٹھ کرنہیں کھا سکتا۔'' میری بات کا مطلب بچھ کر انگوری کا چبرہ تمتما اُٹھا فظریں جھک
گئیں اور پھراُس نے پتیلی اپنی طرف تھینچ لی۔
گئیں اور پھراُس نے پتیلی اپنی طرف تھینچ لی۔
کھانا کھانے کے بعد انگوری نے میرے والی پلیٹ دھوکر اور پتیلی ڈھک کر رکھ دی اور اس

کھانا کھانے کے بعد انگوری نے میرے والی پلیٹ دھوکر اور پتلی ڈھک کر رکھ دی اور اس کے بعد ہم دونوں جمو نپڑے میں کھس کر بابا عبدالفت کی چیزیں سمیٹنے گئے۔تمام کپڑے تہہ کر کے ٹرنگ میں رکھ دیئے۔ٹرنگ میں کچھ رقم بھی موجود تھی جے ہم نے نہیں چھوا۔ باقی چیزیں بھی ٹرنگ کے قریب ہی رکھ دی گئیں۔ میں باہر سے بھارتی فوجیوں کی تمام راتفلیں بھی اُٹھالایا۔ لیفٹینٹ والا ریوالور میں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ دوراتفلیں ہم نے اپنے لئے منتخب کرلیں۔اُن کے میگزین چیک کئے اور ایک ایک فاضل میگزین اپنے لباس میں چھیالیا۔ یہ آٹو مینگ راتفلیں

ندی میں اُتر نے کا کوئی راستہبیں تھا۔

حارآ دمی کھڑ ہے ہو سکتے تھے۔

ہے رسول کو پکڑ رکھا تھا۔

نے اُویر والے رہے کو پکڑ کر تھنیجنا شروع کر دیا ڈولی حرکت میں آگئی۔

ندی کے دوسری طرف سیبوں کا باغ تھا اور اُس کے پیچھے وہ بستی تھی جو بلندی ہے تو ہمیں نظرآ رہی تھی لیکن اب محجان درختوں کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"جم دوسری طرف کیسے جائیں گے؟ یہاں تو ندی میں اُترنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا۔" انگوری نے إدھر أدھر ديھتے ہوئے کہا۔

'' کوئی راستہ تو ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔''اس طرف کھیت ہیں اوربستی دوسری طرف 💄

کا شتکاریہاں کسی راہتے ہے تو آتے ہول گے۔ آؤ اس طرف چلتے ہیں کوئی راستہ ضرور ہوگا۔'' دائیں طرف تقریباً سوکز آ گے ندی چٹانوں میں گھوم کئی تھی۔ چند کز آ گے ہمیں ایک پگڈیڈی

مل کئی اور جب ہم اُس پگڈیڈی پر چلتے ہوئے دوسری طرف پنچے تو میرا اندازہ درست نکلا۔ یہاں ندی کا یاٹ زیادہ چوڑ انہیں تھا اور آمد ورفت کے لئے ایک راستہ بھی موجود تھا۔وہ ایک

ڈولی سی تھی جس کا پلیٹ فارم لکڑی کا تھا اور اُوپر رسوں سے کٹہرا سا بنا دیا گیا تھا جس میں تین چٹان پر بلیٹ فارم سابنا ہوا تھا جس پرلکڑی کی دوموٹی موٹی بلیاں ستونوں کی طرح گڑھی

ہوئی تھیں۔ایک بلی ان پراُ فقی رُخ پرئی ہوئی تھی جس میں لوہے کی ایک ریل بھی تھینسی ہوئی تھی اورا یک موٹارسا اُس ریل پر لپٹا ہوا تھا۔وہ ڈولی اُس رہے کے نچلے جھے میں نٹلی ہوئی تھی۔ آ ہنی ریل سے لیٹ کر بیرسہ دورسوں کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایک اُوپر اور ایک پنچے اور یہ دونوں رائے ندی کے دوسرے کنارے تک چلے گئے تھے جہاں ایک چٹان پر کچھالیا ہی

وادی تشمیر میں رہنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ وادی میں ندی نا لے اور بعض مقامات پر دریا یار کرنے کے لئے رسوں کے بل بنائے گئے ہیں۔اس فنم کی ڈولیاں بنائی کئی ہیں۔ہم دونوں اُس ڈولی میں بیٹھ گئے۔انگوری کٹہرے کے رہے کومضبوطی سے پکڑ کر کھڑی ہوگئے۔ میں

میں رے کو کھینچتا رہا، رسہ دونوی طرف آہنی ریلویں پر گھوم رہا تھا اور ڈولی آہتہ آہتہ دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہاں ہوا تیزتھی جس سے ڈولی بری طرح ہلکورے

لے رہی تھی۔ بعض او قات تو یوں لگتا کہ ڈولی اب اُلٹی کہ تب اُلٹی۔ انگوری نے بڑی مضبوطی بالآخر ڈولی دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ میں نے پہلے انگوری کو چٹانی پلیٹ فارم پر اُ تارااور

پھر خود بھی چھلانگ لگا کر چٹان پر پہنچ گیا۔ ہم سیبوں والے باغ کے اُوپر سے کھومتے ہوئے ا یک جگه زک گئے۔اس وقت سورج غروب ہور ہا تھا۔ ہم قدرے بلندی پر تھے اور بہتی نشیب

میں۔ابھی غروب ہوتے ہوئے سورج کی کچھ روشنی باقی تھی اور ہم دن کی روشنی میں بہتی میں

افر نہیں ہونا جا ہتے تھے۔

مبرے ایدازے کے مطابق وہ بستی ڈھائی تین سوگھروںِ پرمشمل ہوگی۔سامنے ہی ایک گلی

ی نظر آری تھی اور فاصلہ تقریباً دوسو گز ہونے کے باوجود گلی میں لوگوں کی آمد و رفت دکھائی

ہم ایک اُو کچی جگد پر پودوں کی آڑ میں بیٹھے ہوئے تھے اس لئے ہمیں دیکھ لئے جانے کا

الدیشنیں تھا۔ دراصل میں اندھیرا گہرا ہونے کے بعدبتی میں داخل ہونا جا ہتا تھا تا کہ کم سے کملوگوں ہے آمنا سامنا ہو سکے۔

ہم تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھے رے اور پھر لبتی میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ مجھے

بچھ نہیں تھا کہ وہاں س قتم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا؟ رائفلیں ہم دونو یں کے کندھوں ر نیں اور ایک کمھ کے نوٹس پر رانفلیں کندھوں سے اُنز کر جمارے ہاتھوں میں آسکتی تھیں۔

اُونچے پنچے راستے پر اندھیرے میں ٹھوکر لگنے کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے انگوری کا ہاتھ فام رکھا تھا اور اُس نے بھی کوئی اعتر اض نہیں کیا تھا۔بستی کے پہلے مکان کے قریب پہنچ کر ہم

اگئے۔مکان کے آئن سے بکریوں کے ممیانے کی آوازیں آرہی تھیں کلی میں اندھیرا تھا۔ لی نے اب بھی انگوری کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ہم دونوں آ ہتے آ ہتے گلی میں چلتے رہے۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ لیکن

الها مك الك كركا دروازه كلا اورتين جاريح برآمد موئ اورشور ميات موغ ايك امرے کے چھے دوڑتے چلے گئے۔ اُنہوں نے ہماری طرف توجہ ہیں دی تھی۔ غالبًا تاریکی کی نے دونیں دیکھ سکے تھے کہ ہم اجنبی ہیں۔اور پھرسامنے سے دوعور تیں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ بك نے كى شير خوار يح كو كود ميں أشاركها تھا اور دوسرى نے ٹوكرى ہاتھ ميں لئكا ركھى تھى۔ وہ آرے بالکل قریب سے گزریں۔ایک کمھے کو وہ تھٹکیں اور پھراپنے رائے پر چلتی رہیں۔

ہم بھی آگے بڑھتے رہے۔اور پھر چندگز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد زک گئے۔وہ غالبًا الرائکان تھی جس کے دروازے سے روشنی دکھائی دے رہی تھی اور اندر سے دو تین آ دمیوں کی الزیں بھی سائی دے رہی تھیں۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں دروازے ا منامنے آگئے۔میرا اندازہ درست نکلا۔ وہ ایک چھوٹی سی دُ کان ہی تھی۔ دُ کان کا سامان

ن الله ليجي تقار آ م يحد كل جله تلى جهال دوآ دمي بينه موئ تصرايك خالى كنستر بر لكا موا الرومرالکڑی کی اُونچی چوکی پر ببیٹها ہوا تھا۔ وُ کا ندار اپنے سامان کے دوسری طریف ایک ار بہ میماہوا تھا۔ ٹین کے کنستر، بوریاں، شیشے کے مرتبان اور ایسی ہی چیزیں بے تربیمی ہے بُنْ ہُونَ مِیں۔ کی بھی کنستر یا بوری میں زیادہ ساماِن نہیں تھا۔ وُ کان کی اس اُجڑی ہوئی ئِشْرُورِ کِيْ کُرُوُ کَا مُدارِ کَي ما لَيْ بُورِ بِيْنِ کَا امْدازِهِ لِكَايا جَاسَكَنَا تَقَالِ الْكِينَ جل وَبُرُ الْمُعْرِدُ كَا مُدارِ كَي ما لَيْ بُورِ بِيْنِ كَا امْدازِهِ لِكَايا جَاسَكَنا تَقَالِ الْكِينِ جَلِّ مِنْ اللَّهِ مِنْ اللَّهِ مِنْ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّهِ اللَّه ن کورون کان میں کو گار ہے۔ ناکس کی الٹین وُ کان میں روشیٰ کاواحد ذریعہ تھی۔وُ کان کی پچھلی دیوار میں کوئی درواز ہ بھی ا بک درواز ه کهنگه نایا - تقریباً دومنٹ بعد درواز ه کھلا ۔ ولی محمد اندر داخل ہو گیا۔ چند کمبحے سرگوشیوں

میں کسی سے سے باتیں کرتا رہا، پھر ہمیں اندر بلالیا۔ میں نے ایک سابی آئٹن میں دائیں طرف

جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ولی محمر ہمیں ایک کمرے کے سامنے چھوڑ کرخود بھی اُسی طرف چلا گیا۔

" آؤمیرے ساتھ!" ولی محمد کہتے ہوئے ا یا۔

ہم وُ كان سے نكل رہے تھے كدا يك بوڑ ھاكوئى سودا لينے كے لئے آ گيا۔ أس نے عجيب ى

نظروں ہے ہماری طرف دیکھا تھا۔ ہم ذکان سے نکل کرولی محمد کے ساتھ اُس کلی میں آگے چلتے رہے اور پھر ایک اور تنگ سی گلی

لگا کر بیٹھ گئے ۔

میں مُرد کئے ۔ اُس کلی میں زیادہ تاریکی تھی مگر ہمیں زیادہ دُورنہیں جاتا بڑا۔ ولی محمد نے زُک کر

ر ہے ۔ '' گھبرا پے نہیں'' میں نے باری باری اُن تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ہم آپ

کے لئے کئی پریشانی کا باعث نہیں بنیں گے۔ہم دراصل یہاں باباعبداللی سے ملنے آئے ہیں۔

تھا جس کے سامنے ٹاپ کا پر دہ پڑا ہوا تھا۔ سامنے والے جھے میں بیٹھے ہوئے دونوں آ دمیوں کے پچ میں ایک حقہ بھی موجود تھا۔ بلکہ حقیقت پیھی کہ جب ہم وُ کان میں داخل ہوئے تو ایک

آدمی پیثاوری طرز کے اُس حقے سے جے چلم کہا جاتا ہے کش لگار ہا تھا۔ ہمیں و کھ کر اُس نے

حقہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ تینوں آ دمی ہمیں دیکھ کر کچھ تھیرا سے گئے اور پریشان نگاہوں سے ایک

كياآ پاوك بتا كية بي كيان ع كبال ملاقات بوعلى ع؟"

دوسریے کی طرف دیکھنے لگے۔

'' گرتم تو کمانڈرمحتِ اللہ کے ساتھ تھے؟''

وہ بھی بھی یہاں آتا ہے۔''

نظرون سےمیری طرف دیکھا۔

ہو سکتے ہیں۔''میں نے کہا۔

د بلھتے ہوئے کہا۔

میرے اس استفسار پر انگوری نے بھیبسی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

" إباعبدالفتح؟" وكاندار چوتك كيا_" كون موتم لوك اوركهال سے آئے مو؟" باتی دونوں آ دی بھی مشتبہ نظروں سے ہماری طرف دیکھر ہے تھے۔

''ہم پرشک نہ کریں۔'' میں نے باری باری اُن تینوں کی طرف دیکھا اور پھراہیے اور انگوری کے بارے میں بتانے لگا۔ ہم نے اُنہیں اس امرکی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی کہ ہم دس بارہ دن

باباعبدائح کےمہمان رہے ہیں اورآج اُسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اُتار کرآ رہے ہیں۔

''اوہتو تم مولوی رسول بخش لون کے بیٹے ہو۔' کنستر پر بیٹھے ہوئے آ دی نے کہا۔

'' ہاں'' میں نے جواب دیا۔'' گلمر گ والے کیمپ پر کارروائی کے بعد مجھے پتہ جلا کہ

بھارتی فوجیوں نے انگوری کی بہتی پر بلہ بول دیا تھا۔ کی افراد کومل اور تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد کئی گھروں کو جلا کر را کھ کر دیا گیا تھا۔ میں انگوری کی تلاش میں اس طرف آگیا تھا۔''

'' يتوروز كامعمول بن چكا ہے۔'' أس محض نے گہرا سائس ليتے ہوئے كہا۔'' بے گنا ہوب کوتشد د کا نشانہ بنا کرفل کر دیا جاتا ہے اور گھروں کوآگ لگا دی جاتی ہے۔تم لوگ بابا عبداللَّ

یے مِلنے آئے ہو مگر وہ تو بہتی میں نہیں ہے۔ اُس کا ٹھکا نہتو یہاں سے دُور پہاڑوں میں ہے۔ ''ولی محمد تو استی میں ہوگا۔ وہ اس بستی کا بڑھی ہے۔ ہمیں اُس سے ملوا دو۔'' میں نے کہا۔

''و کی محد میرا ہی نام ہے۔ کہو کیا کہنا جا ہتے ہو؟'' کنستر پر بیٹھے ہوئے مخص نے اُلجھی ہو کی

'' پہلے علیحد کی میں بات کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد آپ دونوں بھی ہماری گفتگو میں شامل

''تم انہیں گھر لے کر چلو ہم آتے ہیں تھوڑی دیر میں۔'' دوسرے آ درُ نے ولی محمد کی طرف

چندمن بعدوه ایک جلتی ہوئی لالٹین لے آیا۔ کمرہ کھول کرجمیں اندر بٹھایا اور لالٹین رکھ کر باہر چلا گیا۔ ولی محمد اگرچہ برمھئی تھا مگر اُس کے گھر میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر بوری اور پرانے سے نمدے بچھے ہوئے تھے۔ہم نے رانفلیں ایک طرف رکھ دیں اور دیوار سے ٹیک ولى محد تقرياً آو هے گھنے بعد جارے لئے كھانا لے آيا۔ ايك پليث ميں أبلے ہوئے جاول اور پیالے میں یانی کی طرح بتل می دال تھی۔ حیاول کی بلیٹ میں دو چھیے بھی لگے ہوئے تھے۔

" تم لوگ شاید بہت دُور ہے آئے ہو۔ پہلے کھا تا کھالو پھر بات ہو گی۔ میں پانی لے کر آتا ہوں تم لوگ شروع کرو۔' ولی محمد ایک بار پھر باہر چلا گیا۔اس مرتبدأس کی واپسی دومنٹ میں بی ہوئی تھی۔ اُس نے یانی سے جرے ہوئے ایلومیٹیم کے دوگلاس جارے قریب رکھ دیئے اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ کھانے کے دوران ہم وادی کے حالات کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ جھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس بستی کے لوگ بھارتی فوجیوں کے خلاف چھایہ مار

کارروائیوں کے حوالے سے میرے نام سے واقف ہو چکے تھے۔ کھانے کے فورا ہی بعد ولی محمد بکری کے زودھ کی جائے بھی لے آیا۔ اس کے دوسرے 'دونوں ساتھی ابھی نہیں آئے تھے اور میں اُن کے آنے سے پہلے پہلے ولی محمد سے بات کر لیما عابهٔ اتفالیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات س طرح شروع کروں؟

''مُم چھ کہنا جاہتے تھے۔''ولی محمد نے کہا۔ الله المناتومين تم سے بى جا ہتا تھا۔ بات دراصل يہ ہے كه، " ميں نے جائے كا كھون ا مُرْكَرِ بِياله ينچِ ركاد بيا_ چند لمح خاموش ربااور پھر مدهم لبج ميں اُے سب پچھ بتانے لگا۔ ولى تُمُر كا چېره دُ هوال ہور ہا تھا۔اور پھر اُس كى آئىھيں بھيگ لىنيں۔

المیراخیال ہے کدرہتم پر بابا عبدالقی کا شبد درست تھا۔ 'میں کبدر ہاتھا۔ وہ ایسی جگہ ہے ^{نبال مُخ}رَیٰ کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ بھارتی فوجی تو ویسے بھی پہاڑوں کے اندر تک جاتے مُوسَةُ ذَرِتَ مِيں۔ مگر وہ ليفٹينٹ اپنے تين آدميوں كو لے كر پہنچ گيا۔ اُن كے لئے ہماري طرف بھی دیکھا تھا۔ مجھےاندازہ لگانے میں دیزئیں لگی کہ اُسے سی طرح بابا عبدالفتح کی شہادت كى خبرمل كئ تھى اور وہ تصديق كرنے آيا تھا۔ ميں نے أسے يہ بھى بتا ديا كہ جو جار بھارتى فوجى

مایا کو بکڑنے آئے تھے وہ ہمارے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ اُس کے چہرے پر عجیب سے

تأثرات أبحرآئ تھے۔ تقریباً آدھے کھنے بعدر سم چلا گیا۔ اُس کے ساتھ آنے والے بھی تھوڑی دہر بعدرُ خصت ہو گئے۔

''اب میں اسے موقع نہیں دینا جا ہتا۔'' میں نے ولی محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا پروکرام ہے؟''اُس نے اُلجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''ابھی چلتے ہیں۔ اگر ہمارا شبہ درست نکا تو اُسے معاف نہیں کیا جائے گا۔'' میں نے

انگوری بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیارتھی۔تھوڑی دیر بعد ہی ہم ولی محمد کے گھر ہے نکل آئے۔ بہتی کی گلیال سنسان پڑی تھیں۔ کہیں کہیں کول نے بھونک کر ہمارا راستہ رو کئے کی کوشش کی مگر و لی محمد نے اُنہیں ڈانٹ کر بھٹا دیا۔

رشم کا مکان بستی ہے تقریباً سوگز دُور ایک چھوٹی می ندی کے کنارے پر تھا۔ مکان کے

قریب چھچ کرہم بہت زیادہ مختاط ہو گئے۔

چار دیواری زیادہ أو کی نہیں تھی۔ ہم بہت احتیاط سے اندر کود گئے۔ بید دو کمروں کا مکان تھا۔ ایک کمرے کے دروازے کے ساتھ ہی کھڑ کی تھی جس کے بٹ بند تھے لیکن اُس میں بہت

معمولی می درزتھی۔ میں نے آ گے بڑھ کر اُس جھری سے آنکھ لگا دی۔اور پھرا ندر کامنظر دیکھ کر ميرادل أنهل كرحلق مين آگيا.....

سامنے ہی لکڑی کی ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔ چوکی پر ایک طرفِ لالٹین تھی اور اُس کے ساتھ ہی دس بائی آٹھ انچے کے لکڑی کے فریم میں کالی دیوی کی تصویر رکھی ہوئی تھی اور رستم چوکی کے سامنے زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کا سرئسی قدر جھکا ہوا تھا اور دونوں ہاتھ جوڑ

صرف ایک منٹ بعد ہی اُس نے تصویر دوسری طرف پڑے ہوئے ٹرنگ میں احتیاط سے لِبُرُولِ کے نیچے رکھ دی اور اُس ٹرنگ میں سے جار بائی چھ ایج مجم کا ایک ڈبہ نکال کر اپنے

میری کنیٹیاںسلگیے اُٹھیں اور د ماغ میں سنسنا ہٹ ہونے لگی۔ وہ ٹرانسمیر تھا۔ میں نے بڑی آ ہتگی سے اپنی جگہ ہے حرکت کر کے ولی محد کواشارہ کیا، اُس نے جھک کر ن^{زی ک}ی جمری سے آنکو لگا دی اور پھر ایک جھکے سے سیدھا ہو گیا۔ انگوری بھی ہمارے قریب

نُنْ فَمْرِنَ تَقَى أَس نِے بھی کھڑ کی کی جھری ہے آئکھ لگا کراندر کا منظر دیکھ لیا۔ صورتحال کچھ یوں تھی کہ وہاں ساٹا تھا۔اگر ہم سرگوشی میں بھی بات کرتے تو آواز اندر تک

''ابتم کیا کرنا جاہتے ہو؟''بالآ خرو کی محمد نے یو حیما۔ '' آج رات'' میں نے جواب دیا۔''رشم کے کھر پر چھاپیہ مارنا ہے۔اس کے ساتھ_{ال}ہ

موجود کی کا انکشاف تو بعد میں ہوا تھا۔ ہمیں بے جدافسو*ں ہے کہ ہم نہ*تو بابا عبد**ائ ک**ے کئی ہ_{و۔}

سکے اور نہ ہی عبداللہ اور نوری کو بچا سکے۔'' کئی کمحوں تک خاموثی رہی۔ ولی محمد کے چرہے۔

کرب کے آثار نمایاں تھے۔ صاف لگ رہاتھا کہ وہ اس صدے کو برداشت کرنے کی کوشش

ر ہاتھا۔ میں نے اُس کے کندھے یہ ہاتھ رکھ دیا اور اُسے صبر اور ضبط کی ملفین کرنے لگا۔

''وہ اکیلا ہی رہتا ہے۔'' و لی محمد نے جواب دیا۔'' اُس کا مکان کہتی کے دوسری طرف زیا

ہٹ کر ندی کے کنارے پر ہے۔ وہ شام کا اندھیرا تھلتے ہی اپنی وُ کان بند کر کے چلا جاتا یہ اور پھر گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اُس سے کوئی ملنے بھی جاتا ہے تو ٹال دیتا ہے۔' وہ چند لحول اُ خاموش ہوا پھر بولا۔''اب تو مجھے بھی اُس پر شبہ ہونے لگا ہے۔ اُس کے آنے سے پہلے گڑ محامدین بناہ لینے کے لئےبہتی میں آتے رہتے تھے اور ایک آ دھ دن گز ارکر حلے جاتے تھے گر مجھلے جا رمہینوں کے دوران تین مرتبہ مجاہدین پناہ لینے کے لئے یہاں آئے اور ہرمرتبہ یمی 🖟

کہ چند تھنٹوں بعد ہی بھار لی نو جی بستی کو کھیر لیتے ۔اس طرح کم از کم سات مجاہدین اس بہتی ہم بھار بی فوجیوں کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیںاور تین کھروں کوجلا کررا کھ کیا گیا ہے۔'' دروازے پر دستک کی آ وازین کروہ خاموش ہو گیا۔ میں نے اُس کو ہدایت کر دی کہ بابا کا شہادت کے بارے میں تو بے شک اپنے ساتھیوں کو بتا دے کیکن رستم کا نام اُس کی زبان پہلر آنا جاہئے۔ولی محمد اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

وہ دونوں اُس کے ساتھی تھے۔ولی محمد نے اُنہیں بابا کے بارے میں بتانے میں زیادہ رہ نہیں لگائی تھی۔اُن دونو ں کی آئٹھیں بھی بھگ کئیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعدوہ دونوں واپس چلے گئے اور ولی محمد ہمارے ساتھ میشا یا تیں کرنارہا۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد مختلف لوگول کی آمد دردنت شروع ہوئی۔ رات گیارہ کے کےقریب تین اور آ دمی آئے۔اُن میں ایک قدرے بھاری بھرکم آ دمی ہی

شامل تھا۔عمر حیالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی ۔گول داڑھی جس کے آ دھے سے زیاد ہ ہال^{ے نی}ہ ہو چکے تھے۔سریر سفید کپڑے کی گول ٹو لی ، ہاتھ میں سبیح اور کندھوں برسرخ چیک دارزوالہ '' یہ بابارستم ہیں ۔'' ولی محمد نے اُس کا تعارف کرایا۔'' بہت نیک، پر ہیز گاراورشریف^{آدل}

ہیں۔ بھار کی نو جیوں نے ان کے بیوی بچوں کوشہید کر دیا۔ گھر جلا ڈالا۔ یہ بچھلے چندمہینوں 🗝 یہاں رہ رہے ہیں۔''

رستم نے بڑی گرمجوثی سے مجھ سے ہاتھ ملایا تھا۔ اُس نے عجیب سی نظروں سے انگور^{ی د}

پہنچ عتی تھی۔ولی محمہ نے مجھےا شارے ہے بتایا کہاں کمرے کے پھپل طرف بھی ایک کوڑ ے_ میں نے انگوری کو اُس طرف بھیج دیا تا کہ اگر رشم اُس کھڑ کی کے راہتے فرار ہوئے'' کوشش کرے تو اُسے روکا جا سکیے۔انگوری کے پاس رائفل تھی اور وہ اس سے کام لیٹا بھی جائج تھی۔ دوسری رانفل میرے یاس ھی۔ و کی محمد خالی ہاتھ تھا۔

میں نے ایک بار پھر کھڑ کی کی جمری ہے آ نکھ لگا کر دیکھا۔ رستم ہاتھ میں پکڑے ہوئے اُر و به كا و حكنا كھول چيكا تھا۔ أس نے پہلے ريديوانينا كى طرح كا ايك إنج كمبارا و بابر لكا ايد انٹینا ہی کی طرح اُسے ھینچ کر کھولتا چلا گیا۔ وہ پتلا سا انٹینا راڈ تقریباً دونٹ اُوپر تک چلا گیا۔

اب وہ ڈیے کے اندر دوباریک سی تاروں کوآپیں میں جوڑنے لگا۔ میرے جسم میں سنسنی کی لہریں ہی دوڑ رہی تھیں۔ د ماغ میں دھاکے سے ہور ہے تھے۔ مجھ سجھنے میں دیرینہ کئی کہ وہ ٹرانسمیر پر کسی کو بابا عبدالفتح کی موت اور بہتی میں ہماری موجود گی کی

اطلاع دینا جا ہتا تھا۔اب ایک بھی لمحه ضائع کرنا مناسب میں تھا۔ میں دروازے کے سامے أ گیا اور دو قدم پیچے ہٹ کر کندھے کی ایک بھر پور مکر دروازے بچ ماری۔ اندر سے لگا او دروازے کا کنڈ ازیادہ مضبوط تبین تھا۔ پہلی بی مکر میں دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔

دروازے کے دھاکے کی آوازین کررہتم اُنھیل پڑا۔ٹراسمیٹر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر جار یائی بر گر گیا۔ وہ بری طرح بد حواس ہو گیا تھا لیکن میں دل ہی دل میں اُس کے مضوط اعصاب کی داد دیجے بغیر تہیں رہ سکا تھا۔ کوئی اور جوتا تو اس اچا تک افتاد پر سکتے میں آ جا تالار

مچھ دریتک اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے قابل ندر ہتا ۔ لیکن رستم نے تمیں سینڈ سے بھی کم وقت میں نہ صرف اپنے حواس پر قابو پالیا بلکہ اس ہے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کرتے کے نیچے ہاتھ ڈال کرریوالورنکال لیا

دروازے کو مکر مارتے ہوئے میں نے رائفل کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا۔ جھٹکا گلئے جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ہے میں بھی لو کھڑایا تھا لیکن سنجل گیا اور اس کے ساتھ ہی رائفل کو بھی گھما دیا۔ رائفل کا بنہ رتتم کے ربوالور والے ہاتھ پر لگا۔ اُس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ ربوالور ہوا میں اُڑٹا ہوا

دروازے کے پٹ سے ٹکرا کر دہلیز کے قریب کرا۔ رستم نے کھڑکی کی طرف چھلا نگ لگا دی۔ میں رائفل کواتی طرح کیڑے کھڑا رہا۔آگ

پڑھنے کی کوشش نہیں گی۔

''تمہارا راز کھل چکا ہے رستم ۔۔۔۔تم بھاگ کر کہیں نہیں جا کتے۔ بہتر یہ ہے کہا پنے آپ ہمارے حوالے کر دو! ''میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔

''اگرتم نے مجھےرو کنے کی کوشش کی تو اس بہتی پر ایسی تباہی نازل ہو گی جس کاتم تصور^{ات} نہیں کر سکو گے۔'' اُس نے کھڑ کی کی چنخیٰ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اُس کا خیال تھا ^{کہ} مجھے باتوں میں لگا کر کھڑ کی کے رائے فرار ہو جائے گا۔ میں بھی اطمینان سے اپنی جکہ پ^ھ

ن ' تم میرا راستهٔ بین روک سکتے ۔ کوئی میرا راستهٔ بین روک سکتا۔ کالی مائی میری رکھشا کررہی [۔] ہے۔ جوبھی میراراستہ رو کے گاجل کرجسم ہو جائے گا۔''

آئ نے کھڑی کھول لی۔ ہیں اس وقت اظمینان سے کھڑا تھا۔ رہتم کا خیال تھا کہ ہیں اُس

ی کالی مانی کے نام سے و رکیا ہوں اس لئے اپنی جگہ سے حرکت مہیں کررہا۔ اس نے دونوں ہاتھ کھڑی کی چوکھٹ پرٹکا دیے اور دوسری طرف کود نے کے لئے اُچھلا۔ لیکن آی لمحہ وہ بھیا تک انداز میں چیختا ہوا اندر کی طرف گرا۔ باہر کھڑی ہوئی اٹکوری نے رانفل

كاب يورى قوت سے أس كے كند ھے پر رسيد كر ديا تھا اوروہ كتے كى طرح بلبلا أٹھا تھا۔ '' کیوں رستم' میں نے رائفل سیدھی کرتے ہوئے کہا۔'' تمہاری کالی مائی کا جادد اُلٹا

''تتتم لوگتم لوگ چ نہیں سکو گے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔اسی دوران ولی

مجربھی کمرے میں آ گیا اور اُس نے جھک کررہتم والا ریوالوربھی اُٹھالیا تھا۔ عقبی کھڑ کی کے باہر ائلوری کھڑی تھی اور اُس نے راکفل کی نال کھڑ کی کی چوکھٹ پر ٹکا کررستم کوز دیر لے لیا تھا۔ ''بابا عبدالقتح كاشبةم ير درست تھا۔'' ميں نے اُس كے چيرے ير نظريں جماتے ہوئے کہا۔''تم لوگ وادی میں جو کچھ بھی گر رہے ہو، بے گنا ہ لوگوں کو جس طرح طلم وستم کا نشانہ بنا رہے ہواس کا حساب تو تم لوگوں سے لیا ہی جائے گالیکن اس وقت تو اس بہتی والے تم سے حباب لیں گے۔ اِنہوں نے مظلوم سمجھ کرتمہیں پناہ دی،ر ہنے کو مکان اور کام دھندے کو پینے جمع کر کے دیئے۔ یہ نیلی اگروہ اپنے نسی مسلمان بھائی کے ساتھ کرتے تو ان کی آئندہ تسلیں بھی ان کی شکر گزار رہیں ۔ مگرتمتمہارے دھرم میں وفا نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں ۔تم ان کا دیا کھاتے رہےاورانبی کے ساتھ غداری کرتے رہے۔'' میں چند محوں کو خاموش ہوا پھر بات

"باباعبدالفتح كوتو شبرتهاليكن بهميل اب يقين مو چكائ كيتم با قاعده بلانك كتحت يهال اے تھے یا تہمیں بھیجا گیا تھا۔ اس کے لئے ایک کہانی گھڑی گئی۔ تشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ و برموں سے بیظلم ہور ہا ہے۔ کسی معمو لی ہی بات بران کے گھروں کوجلا کررا کھ کر دیا جاتا ہے ، ^{ان} ئے بیوی بچوں کو بیدردی ہےموت کے گھاٹ **اُ تار دیا جاتا ہےاوراس بستی والوں ک**ی سادہ وَنَا إِنَّ يَعْمُوتم نے یہاں آ کرانہیں ایک درد نا ک جھوٹی کہالی سائی اور انہوں نے یقین کر ^{گیا۔ می}ن کرنے کی ضرورت شایداس لئے نہیں جھی کہ دادی میں ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ یہی پھیمور ہا ہے۔انہوں نے تمہاری کہائی برجھی یقین کرلیا۔اورتم ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھا

''تمہارااصل مثن شاید بابا عبدالفتح کا سراغ لگانا تھا۔اس کے لئے تم نے پہلے بہت نیک المرافي انسان اور يكامسلمان بن كربستي والوں كا اعتاد حاصل كيا۔ بابا عبداللح لبنتي ميں آتا ہی سجھا تھا کہ بھارتی فوجیوں کومیرے بارے میں پتہ چل گیا ہے اور وہ مجھے پکڑنے کے لئے

آئے ہیں۔ اس لئے میں نے بھا گنے کی کوشش کی۔
''اوروہ ٹرانسمیٹر 'نہیں ٹرانسسٹر ہے۔'' رشم نے جواب دیا۔'' میں خبریں سننے کے لئے ریڈیو
آن کرنے کی کوشش کررہاتھا کہ ہم''
''ال وقت کسی ریڈیو میٹیشن سے خبری نہیں آئیں۔'' میں نے اُس کی بات کا نے دی۔
''ال انڈیاریڈیو سے تقریباً ہر گھنٹے بعد خبروں کا بلیٹن نشر ہوتا ہے جس سے حالات کا پتہ پہار ہتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ تم لوگوں کو غلط نہی ہوئی ہے۔ میں سلمان ہوں اور''
کیے مسلمان ہو؟'' میں نے ایک بارپھر اُس کی بات کا نے دی۔'' مسلمان خدا کے سوا کسی اور سے مدذ نہیں ما نگا۔ کی مشکل کے وقت بھی اُس کے منہ سے خدا ہی کا نام نگاتا ہے۔ اور
'' میں ما نگا۔ کی مشکل کے وقت بھی اُس کے منہ سے خدا ہی کا نام نگاتا ہے۔ اور
'' میں ما نگا۔ کی مشکل کے وقت بھی اُس کے منہ سے خدا ہی کا نام نگاتا ہے۔ اور
'' میں ما نگا۔ می مشکل کے وقت بھی اُس کے منہ سے خدا ہی کا نام نگاتا ہے۔ اور

م یے میں ہو لہ سے ہیں اور وہیں پلا بڑھا ہوں 'رستم نے جواب دیا۔ وہ بلاشبہ آئنی اعصاب کا ما لک تھا۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود اُس نے اپنے آپ پر قابو پالیا تھا اور اس واقعہ کوکوئی اور رنگ دینے کی کوشش کر رہا تھا اور میرے خیال میں اُس کی بات من لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ 'ہمارے محلے میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ میں بجین ہی ہے اُن کے میں رہا ہوں ہندی شبد (الفاظ) بولنے اور ہندو دیوی دیوتاؤں کے نام لینے کی عادت ہو

''ایسے مسلمان کوتو ڈوب مرنا چا ہے جو پھر کی مورتوں کو بھی خدا مان کر اُن کا نام زبان پر التا ہو۔'' میں نے اُسے گھورا۔''تم ہندوؤں کے بچھ لیلے بڑھے ہولیکن کیا آج تک تم نے کسی ہندو کے منہ سے اللہ کانام فکلتے سنا ہے۔۔۔۔۔کیا بھی کسی ہندو کو بسم اللہ یا ماشاء اللہ یا انشاء اللہ کہتے سنا ہے؟ نہیں رستم! تمہاری پر کہانی ایک دلچسپ لطیفہ تو ہو عمق ہے گراس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھرتمہارے اس بیان کی نفی کر اور پھرتمہارے اس بیان کی نفی کر رہی شدہ تصویر تمہارے اس بیان کی نفی کر رہی ہے۔''

''کیسی تقویر؟'' اُس کے لہج میں جرت تھی۔میری بات من کر اُس کے چبرے کا رنگ تغیر بوگیا تھالیکن اُس نے فورا ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا تھا۔ میں نے جھک کر چار پائی کے نیچے سے ٹرنگ ہاہر چینچ لیا ،ابس کا ڈھکن اُٹھایا اور کیٹر ہے کے نیچے سے وہ فریم نکال لیا۔ ''نہ میری پر سرال کی تقدر جس کرتے ہا۔ ترین سرال میں کی سے '' معد

'' یہ ہے تمہاری کالی مائی کی تصویر جس کی تم ہمارے آنے سے پہلے پو جا کررہے تھے۔'' میں ساتھوں اُس کے ساتھ کے بیا ساتھوں اُس کے سامنے بھینک دی۔

'' یہ سسہ پیت مات ہیں۔'' وہ پہلی مرتبہ ہکا یا۔ گر نور آئی سنجل گیا۔'' تقریباً ہیں دن پہلے مراقبہ میں اس سنجی پر ریڈ کیا تھا۔ اُن کے ٹرک اس طرف سے مجاہدین کی تلاش میں اس سنجی پر ریڈ کیا تھا۔ اُن کے ٹرک اس طرف سے

رہتا تھا۔ تم اُن کا اعتاد بھی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور کہتی کے بعض لوکوں ہے ہا۔
ان کے ٹھکانے کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن بستی کے لوگ غدار نہیں ہو رہوں ان کے ٹھکا نے کیے بتا دیتے؟ ای دوران تم نے اپنی دوسری سرگرمیاں جاری رکھیں اور بہتی فوقت بستی میں پناہ لینے والے مجاہدین کے بارے میں اپنے آتاؤں کو اطلاع دیتے رہے۔
جھے نہیں معلوم تم نے بابا عبدالقتے کا ٹھکانہ کس طرح معلوم کر لیا تھا؟ ہوسکتا ہے بستی کے ہے۔

تخص کے منہ سے تعظی سے کوئی الی بات نکل کئی ہوجس سے مہیں بابا کے ٹھکانے کا پہتہ ہوائی۔
اورتم نے اپنے آ قاول کو اطلاع دے دی۔ بابا عبدالفتح نے مجاہدا نہ زندگی گزاری تھی۔ اس ایک مجاہد ہی کی طرح موت کو گلے لگایا۔ وہ تو شہادت کے بُہ ہتے پر فائز ہوا اور ہر مجاہد کی خواہر یہی ہوتی ہے۔ لیکن وہ جو چار بھیڑ ہے اُسے گھیرنے کے لئے آئے تھے اُن میں سے کوئی ہم زندہ واپس نہیں جا سکا۔ وہ چاروں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ اُن کی لاشیں بھیڑ یوں کی خوراک بن چکی ہوں گی۔'' میں خاموش ہو گیا۔ میری نظریں رستم کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ فرش ہ خاموش بیٹھا ابھی تک کندھا سہلار ہاتھا جہاں انگوری کے رائفل کے بٹ کی ضرب لگی تھی۔

''تم نے جو کہنا تھا کہہ چکے۔''رشم نے اپنی جگہ سے اُتھتے ہوئے کہا،اس وقت اُس کَ چہرے برادر کہجے میںاطمینان کی جھلک دیکھ کرمیں چو نکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ''تاگہ انتہاں یہ اس بھی کہنے کہ کجہ سر'' میں نا سے گھوںا

''تو گویاتمہارے پاس بھی کہنے کو بچھ ہے۔'' میں نے اُسے گھورا۔ ''ہاں'' اُس نے جواب دیا۔''یہ جو بچھ بھی ہوا کی غلط نہی کا متیجہ ہے۔ میں مطمالا

ہوں۔اس وادی کی مٹی سے جنم کیا ہے۔ میں بھی اس زمین کا اتنا ہی وفا دار ہوں جینے تم یا ک^{ائ} اور مسلمان ہوسکتا ہے۔ میں اس سرزمین سے غداری کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تہہیں شاید غلط^{ان} ہوئی ہے۔ تم اگر آرام سے بیٹھ کر بات کروتو میں اپنے مؤقف کو بچ ٹابت کرسکتا ہوں کہ جم نے کوئی غلط کا منہیں کیا۔''

''تو پھرتم نے بھا گئے کی کوشش کیوں کی تھی؟'' میں نے اُسے گھورا۔ دریش میں میں اس کے اس میں میں میں اس کا میں ہے۔

'' ہر تشمیری مسلمان کی طرح میں بھی ڈرا ہوا ہوں۔ زندگی کا ایک ایک لیے خوف کے سائ میں گزرتا ہے۔میری کہانی تم من چکے ہو۔ وہ غلط نہیں ہے۔میرے ساتھ واقعی ظلم ہوا ہے۔''' چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔''سرینگر میں میرے ساتھ جوظلم ہوا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔تم سرینگر کے لا ہوری محلے میں جا کرتھ دیت کر سکتے ہو۔میرے ہاتھوں ایک بھارتی فوجی مارا گیا تھا۔ میں حجیب کریہاں زندگی گزار رہا ہوں۔تم نے جب مکر مارکر دروازہ کھولا تو ثبی

164

میں جیجنے کی جرأت نہیں کریں گے۔'' ولی محمد نے اُسے چھوڑ دیا۔ اسی دوران انگوری بھی کمرے میں آگئ تھی۔ رستم کا نجلا دھڑ سندتھا۔ انگوری رُخ بدل کر کھڑی ہوگئی اور ولی محمد نے رستم کا پاجامہ اُوپر کھینچ کر کمر بند ہاندھ

وی موسط است پر در روید کا ورون کا درون کا درون کا برات میں است در کا با جامه اُو پر کافیج کر کمر بند با ندھ ر بہتر تنا کے سامنے آگیا۔ رہا۔ میں من کی ضربہ تا نہیں سمبید کس نا تصدیر ان ترا رواد کا است '' معرب نا کہ میں ا

" مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ تمہیں کس نے بھیجا تھایا تمہارا نام کیا ہے۔'' میں نے اُس کے چرے برنظریں جمائے ہوئے کہا۔'' میں صرف بیہ جاننا چاہتا ہوں کہ اب تک تم ایسے کتنے مٹی اسٹکیل تک پہنچا تھے ہواور تمہاری وجہ سے ہمارے کتنے محامدین تمہارے سور ماؤں کے

ے پار سیستان کے بہنچا ہے ہواور تمہاری وجہ سے ہمارے کتنے مجاہدین تمہارے سور ماؤں کے فول شہید ہوئے ہیں؟ ''نفول شہید ہوئے ہیں؟ 'کتنے گھر جلائے ہیں اور کتنے ہے گنا ہوں کوظلم کا نشانہ بنایا ہے؟'' ''ستمند ان کھر گنز کرتان نہیں تھا کیکر میں بھی خامہ ثانہیں ، سال تھا۔ میں ادھ اُدھ ، کھنز

ہوں ہیں اور اس کی اس کی سرائے ہیں ہوں کے سب ماروں کا سات ہوں اور کیا ہے۔ رسم زبان کھولنے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن میں بھی خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ میں اوھراُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی ایک چیٹری مل گئی۔ شہوت کی میڈچیٹری تقریبا تین کا کہ تھا کہ میں میں میں کہ کے ایم کی بھی کا ایم کی بھی کا ایم کی بھی کا کہ تھا ہے۔

نے کمی تھی۔ میں نے وہ چھڑی اُٹھا کر دیکھی ، پھر و لی محمد کواشارہ کیا۔ ہم دونوں نے رستم کو چار پائی پرسیدھالٹا کررتی سے باندھ دیا اور میں چھڑی اُٹھا کر پائینتی کاطرف آگیا۔ رستم کی آٹھوں میں وحشت بھرگئی۔

کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میں چند لمحے اُس کی طرف دیکھا رہا اور پھر چھڑی زور سے اُس کے پیروں کے تلووں پر اری۔وہ چیخ اُٹھا۔۔۔۔۔گر میں رُکے بغیر چھڑی سے ضربیں لگا تا رہا۔ اگر اُس کے ہاتھ پیر بندھے برئے نہ ہوتے تو وہ یقینا فرش برگر کریانی سے نکالی ہوئی مجھلی کی طرح ترمینے لگتا۔ گررتی کی

بنر شول نے اُسے ایسا موقع نہیں دیا۔ ''تھٹھ۔۔۔۔۔تھہرو۔۔۔۔۔ میں بتا تا ہوں۔۔۔۔'' وہ چیخ اُٹھا۔

000

گزرے تھے۔واپسی پر بیفریم شاید کسی ٹرک سے گر گیا تھا۔تم جانتے ہو ہندونو جی اپنے دین دیوناؤں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں میا اُن کی تصویریں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ بیتصویر بھی ثاہر ٹرک پرنگی ہوگی جو جھٹکا لگنے سے گر گئی اور میں اسے اُٹھا کر لے آیا تھا۔'' ''ٹھیک کہا تم نے ''میں نے کہا۔''میں آخری حد تک تمہاری بات سننے کو تیار ہوں۔ایک

مستعمل کہا م کے۔ یک لے کہا۔ یں اس کا ملائک ہماری جات ہے ہو اور ان میں تسلسل قائم نہیں رہتا۔ میں ہم جھوٹ نبھانے حموم نبھانے کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور ان میں تسلسل قائم نہیں رہتا۔ میں ہطرح سے ثابت کرسکتا ہوں کہتم مسلمان نہیں ہندو ہواور ایک پلاننگ کے تحت مخبری کے لئے مہاں آئے ہوئے تھے۔''

یہاں ہے ، دسے والے ہے۔ ''دسمہیں میری بات کا یقین کرنا پڑے گا۔۔۔۔ میں مسلمان ہ۔۔۔'' میں نے ولی محمد کو اشارہ کیا۔ وہ نے تلے قدم اُٹھا تا ہوا رسم کے پیچھے چلا گیا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا تھا اس کے لئے انگوری کی موجودگی مناسب نہیں تھی۔ میں نے اُسے اشارہ کیا، وہ کھڑکی سے ایک طرف ہٹ گئی۔

و کی محمد نے اچا تک ہی رستم کو بیتھیے سے بانہوں میں جگڑ لیا۔رستم بھی شاید سمجھ گیا تھا کہ ٹل کیا کرنے والا ہوں۔وہ مزاحت کرنے لگا جس کے نتیجہ میں وہ دونوں فرش پر گر گئے۔ولی ثم کے ہاتھ سے ریوالورچھوٹ کر گر گیا تھا مگر اُس نے رستم پراپنی گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دی۔ میں بھی آ گے بڑھ آیا۔رستم بری طرح لاتیں چلار ہا تھا لیکن میں اُس کے پاجا ہے کا بند کھو لئے میں کامیاب ہو گیا اور پھر میں بیتھیے ہٹ گیا تھا۔اب کی اور ثبوت کی ضرورت نہیں

''چھوڑ دوا ہے۔'' میں نے ولی محمد کواشارہ کیا۔ ولی محمد اُس کوچھوڑ کرا لگ ہٹا ہی تھا کہ اُس نے اپنی بر بٹکگی کی پرواہ کئے بغیر بڑی تیزی ہے پہتول کی طرف چھلانگ لگا دی۔ پہتول ہاتھ میں آتے ہی اُس نے فائر کر دیا۔۔۔۔۔گولی ممپر

سرے چندانچ کے فاصلے سے گزرگی اوراس سے پہلے کدرتتم کو دوسری گولی چلانے کا موقع آلا کھڑکی کی طرف سے فائر ہوا اور رہتم چنتا ہوا ڈھیر ہو گیا

انگوری کی چاہئی ہوئی گولی رستم کے ریوالور والے بازو پر کلائی سے ذرا اُوپر لکی تھی اور ہُلُک تو ڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا جے ولی محمد نے جھپٹ کراُنُّ لیا۔ رستم کے بازو سے خون کی دھار بہہ نکی تھی اور وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ ولی محمد نے آگ بڑھ کراس برٹھوکروں کی بارش کر دی۔

''تم نے ہمارے کی مجاہدوں کو دھو کے سے مروا دیا۔ ہمارے بابا عبدالفتح کو شہید کروادیا' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بتا کون ہے تو ۔؟''ولی محمداُس پر تھوکریں برسا تا ہوا چیخ رہا تھا۔ ''اسے چھوڑ دو ولی محمد۔'' میں نے کہا۔'' بیراس طرح نہیں بتائے گا۔ اس کے لئے دائر طریقہ اختیار کرنا ہوگا اور اسے سزا تو ایسی دی جائے گی کہ آئندہ وہ لوگ اپنا کوئی جاسوس سی ا چندر پال کو بیمشن دے کر یہاں بھیجا گیا۔ بابا عبدالفتح نے ماضی میں بھارتی نوجیوں کو بہت اللہ نقصانات پہنچائے تھے۔ اُس کی گرفتاری پرفوج کی طرف سے اور سرینگر کی کئے تیلی کارکی طرف سے اور سرینگر کی کئے تیلی کی کے انعام مقرر کئے گئے تھے۔ چندر پال سے وعدہ کیا گیا تھا کہ ہاراس کی فراہم کردہ اطلاع پر عبدالفتح گرفتار ہوگیا تو تمام انعامی رقوم اُسے دے دی جائیں گی۔ چندر پال کے کہنے کے مطابق وہ ایک مہینے کے اندر اندر بستی والوں کا اعتباد حاصل کر چکا بیارہ وہ اُس کی موجودگی میں مجاہدین کی سرگرمیوں کے بارے میں کھل کر بات کرتے لیکن بابا بھرافتح خود بھی ہفتے دو ہفتے برائے جدبتی کا جدبتی کا جدبتی کا جدبتی کا چکرافتا تارہتا تھا۔

چندر پال کو یہ تو پہ چل گیا تھا کہ بابا عبدالفتح کا بہتی والوں سے تعلق ہے اور وہ یہاں آتا ہی ہے کین اُس کا اصل ٹھکا نہ کوشش کے باو جود اُسے معلوم نہیں ہوسکا۔ اُس کا بہتی میں آنے کا کوئی دن بھی مقرر نہیں تھا ظاہر ہے وہ کرنل کو اُس کے بارے میں کوئی حتی اطلاع نہیں دے سکتا غا۔ اور پھر وہ بستی کے ایک خص سے بابا عبدالفتح کا ٹھکا نہ معلوم نہیں تھا کہ بابا عبدالفتح کے اس غا۔ اور پھر وہ بستی کے ایک خوادر لوگ بھی موجود ہیں۔ اُس نے کرنل کو بیم بتایا تھا کہ بابا عبدالفتح اکیار ہتا خیات کی اطلاع پر کرنل نے صرف چار تو جیوں پر مشمل ایک ٹیم اُن پہاڑوں میں بھیج دی۔ اُس کی اطلاع پر کرنل نے صرف چار تو جیوں پر مشمل ایک ٹیم اُن پہاڑوں میں بھیج دی۔ اُن کے خیال میں ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے چار تو جی کافی متھے۔ لیکن اُن چاروں کی بوت تی اُنہیں گھر کروہاں لے گئے تھی۔

چندر پال کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بابا عبدالفتح کے خفیہ ٹھکانے پر ریڈس دن ہوگا۔ چندر پال ملاطور پستی کی مجد میں عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آجا تا تھا۔ لیکن آج گھر آنے کے بعد المراب کی مجد میں عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آجا تا تھا۔ لیکن آج گھر آنے کے بعد اور بابا بالمریث کیے نئے اور بابا نمبر کی شہادت کی اطلاع بھی بستی کے بیشتر لوگوں تک پہنچ چک تھی۔ چندر پال جس دُکان پر مریث کی شہادت کی اطلاع بھی سے اطلاع وہیں سے ملی تھی۔ وہ کافی دریت وہیں بیشا کرنے کے لئے گیا تھا اُسے بھی سے اطلاع وہیں سے مکان پر آگیا۔ وہ اپنے آقادُں کو بنا کی مران پر آگیا۔ وہ اپنے آقادُں کو بنا کی مران پر آگیا۔ اگر جمیں یہاں بنا کی مریخ دے چکا ہوتا۔ اگر جمیں یہاں بنا کی بند منٹ کی تا خیر ہوجاتی تو وہ ٹر اسمیٹر پر اپنے آقادُں کو اطلاع دے چکا ہوتا۔

جہتیں پیکرمنٹ کی تا گیر ہوجائی کو وہ ترا میٹر پراپنے آقادی لواطلاع دے چکا ہوتا۔ ''فیک ہے۔۔۔۔'' میں نے چندر پال کے خاموش ہونے برکہا۔''یوں تو تم نے پوری وادی '' ملمانوں کو تا قابل تلافی نقصان پنچایا ہے۔ بابا عبدالفتے بھی پوری وادی کے لوگوں کا ہیرو '''نا اس بیتی سے خاص لگاؤ تھا۔ اس بستی کوبھی تم تا قابل تلافی نقصان پنچا چکے ہو۔ ''' رائیا فوٹنا پناہ لینے والے مجموعی طور پر آٹھ مجاہدین کے علاوہ بستی کے دو ہے گناہ نو جوان بھی ''' کا جانچکے ہیں اس لئے تمہاری تقدر کیا فیصلہ بھی بستی والے کریں گے۔'' میں نے ہاتھ روک لیا۔ اُس کا بازو پہلے ہی زخی تھا۔ انگوری کی چلائی ہوئی گوئی ہڑی ہوئی ہوئی تول ہڑی ہوئی نکل گئی اوراب پیروں پر گئے والی ضربوں نے اُسے زبان کھو لئے پرمجور کر دیا تھا۔
اُس کا نام چندر پال تھا۔ وہ سرینگر ہی کا رہنے والا تھا۔ پہلے پولیس کے لئے مخبر کی حثیت سے کام کرتا رہا تھا۔ اُس کی فراہم کر دہ اطلاعات پر پولیس نے گئی بہگنا ہوں کو پکڑ کر تشدہ کا شانہ بنایا تھا اور اس تشدہ سے دو آدمی شہید بھی ہوگے تھے۔شہر میں رہتے ہوئے اُس کا سب سے مکروہ اور سیاہ کا رنامہ وہ تھا جب اُس نے اپنی تی محلے کی ایک خوبصورت مسلمان لڑکی کے فلاف پولیس میں مخبری کی تھی۔ وہ لڑکی پہلگام کی رہنے والی تھی اور مہینے میں ایک دومر تبدا پنا ماموں کے گھر آیا کرتی تھی جو اُسے کپڑوں پر کڑھائی کا کام لے کر دیا گرتا تھا۔ ایک مرتبہ چندر بال نے اُسے چھیڑ دیا تھا۔ جو اُس کی طلاق تھا کہ اُس وقت گل سندان تھی۔ اگر کوئی مسلمان چندر پال کوئر کی وجھیڑتے ہوئے دکھ لیتا تو چندر پال زندہ نہ بچتا۔ بال نے اُسے جھوٹی اطلاع فراہم کردی کہ یولیس کوئر کے دوسرینگر میں اپنے ماموں سے پولیس اور فوج کی حبدر پولیس نے اُسی دراصل مجاہدین کی مخبر سے جو سرینگر میں اپنے ماموں سے پولیس اور فوج کی مرگرمیوں کی رپورٹس لے کر مجاہدین کی مخبر سے جو سرینگر میں اپنے ماموں سے پولیس اور فوج کی مرگرمیوں کی رپورٹس لے کر مجاہدین کی مخبر سے جو سرینگر میں اپنے ماموں سے پولیس اور فوج کی پولیس نے آسی راسے عبدالستار نا می اُس خض کے گھر چھاپے مار کرعبدالستار اور اُس کی بھائی

زرینہ کو گرفتار کرلیا۔ عبدالتار کو پوچھ کچھ کے دوران اس قدرتشد دکا نشانہ بنایا گیا کہ وہ زندگی جمر کے لئے مفلوج ہو گیا اور زرینہ نامی اس لڑکی کو اجها می طور پر ہوس کا شکار بنایا گیا۔ جب اُے چھوڑا گیا تو وہ اپنے حواس کھو جیٹھی تھی۔ دوسرے ہی روز اُس نے زریو برج سے دریا جس چھلا نگ لگا کرخود کئی کر لی۔ چندر پال کئی سال تک سرینگر شہر میں پولیس کے لئے مخبری کرتا رہا، چھرفوج تک پہنچ گیا۔ اب وہ فوج کے لئے مخبر کا کام کرنے لگا۔ اُسے ہر مرتبہ نئی کہانی دے کر کئی ایس کیسے جو تا۔ ایس کیسے جو یا جاتا جہاں مجاہدین کی خفیہ سرگرمیوں کا شیہ ہوتا۔ چندر پال مسلمان کے بھیس میں اس بستی میں پہنچ جاتا اور بھارتی فوجیوں کے ظلم کی فرضی کہائی

سنا کربستی والوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیتا اور وہاں رہ کر اُنٹمی کی جڑیں کھو کھلی کرنے لگتا۔ چار پانچ مہینے پہلے فوج کے ڈیفنس انٹملی جنس کے ایک کرنل نے اُسے ایک نیامشن سونپا تھا۔ اُس کرنل کو اپنے ذرائع سے اطلاعات ملی تھیں کہ عبدالفتح اس بستی کے آس پاس کہیں رویوش زندگی گزار رہا ہے لیکن کوشش کے باوجوداُس کے ٹھکانے کا پیتے نہیں چکل سکا تھا۔ 10

چندر پال کا چېره دُ هوال ہو گيا۔

اس دوران باہر سے شور کی آوازیں سنائی دیے لگیں ۔ لگتا تھا جیسے بہت سے لوگ جمع ہوں۔ اور پھر باہر والا درواز ہ زور زور سے دھڑ دھڑ ایا جانے لگا۔اس کے ساتھ ہی کوئی رستم کا ٹام لے رہے۔ کہ بیار از

میں نے ولی محمد کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اُس کی واپسی چند منٹ بھر ہوئی تھی۔ اُس کے ساتھ بستی کے تین چار آدمی بھی تھے۔ کسی کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، کسی کر ہاتھ میں کلہاڑی، ایک کے ہاتھ میں رائفل بھی تھی۔

اور پھراُن کی بات من کر اُن لوگوں کے یہاں جمع ہونے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔بہتی والوں نے دو گولیاں چلنے کی آواز سی تھی۔ پہلے وہ سمجھے کہ بھارتی فوجیّوں کے کسی دستے نے بہتی پرتملہ کر دیا ہے کیکن اس کے بعد فائر نگ کی آواز سائی نہیں دی۔البتہ چندر پال کی چیوں کی آواز مر سے پہلے گائے تھے سیتے ہوئے سے میں تاریخ کی کردہ خوستے سے میں گھے ہے۔

اُن تک بھی گئی گئی تھی۔بستی والے میہ مجھے تھے کہ شاید کوئی چور وغیر ہ رستم کے گھر میں کھس گئے ہیں۔ فو جیوں کے بارے میں اُن کا شبہ ختم ہو گیا تھا کیونکہ بستی میں یا باہر بھی فوج کی کوئی گاڑی وغیرہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

'' بیہ ہے تمہارار ستم'' ہیں نے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''اس کا اصل رُوپ بیہ ہے۔'' میں نے زمین پر پڑی ہوئی کالی دیوی کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔'' بیمسلمان کے مجیس میں ہماری بستیوں میں جا کرمخبری کرتا رہا۔ کئی مجاہدین اس کی وجہ سے شہید ہوئے۔ گئ معصوم عورتوں کی عزت لوٹی گئی۔ کئی گھر جلا کر را کھ کر دیتے گئے۔آج ہمارا بابا عبد اِنقتے بھی اس

کی وجہ سے شہید ہوا۔نوری اورعبداللہ کی زند گیوں کے چراغ بھی اس کی وجہ سے گل ہوئے۔ یوں تو یہ وادی کے تمام مسلمانوں کا مجرم ہے لیکن اسے سزا دینے کا حق تم لوگوں کو ہے۔اس ہتی کے لوگ ہی اس کے لئے سِزا تجویز کریں گے۔''

ایک دوآدی چندریال کو مار نے کے لئے لیکے تھے لیکن میں نے انہیں روک دیا۔اور بھی گا لوگ اندرآ گئے تھے۔ اُنہوں نے کالی کی تصویر بھی دیکھ لی تھی اورٹرانسمیٹر بھی۔اس کے علاوہ ٹرنگ سے ایک دومزیدالی چیزیں برآ مدہوئی تھیں جنہیں چندریال کے خلاف ہوت کے طور پر استعال کیا جاسکتا تھا۔

وہ تمام چیزیں میں نے اپنے قبضے میں لے لیں اور چندر پال کوئستی میں لے آئے۔اُس کے مکان کو تالا لگا دیا گیا تھا۔اگر چہ آدھی رات بیت چکی تھی۔گاؤں، دیہا توں اور ایسی بسیوں میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد ہی سنا تا چھا جا تا تھا مگرر ستم کے پکڑے جانے کی خبر رات کو بھی جنگل کی آگ کی طرح پوری بستی میں پھیل گئ تھی اور بہت سے لوگ بستی کے مرکز کا چورا ہے پر جمع ہو گئے تھے۔وہ سب لوگ چندر پال کے خلاف غصے کا اظہار کررہے تھے اور گئ لوگ اُسے مارنے کو لیک رہے تھے۔

چندر پال کو با ندھ کرو کی محمد کے گھر کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ صبح فجر کی نماز کے فور ا ہی بعد بہتی کے لوگ ایک بار پھر مرکز کی چورا ہے پر جمع ہو گئے اور چندر پال کو بھی وہاں پہنچا دیا گیا۔ بہتی والوں نے چندر پال کے خلاف اپنا فیصلہ شا دیا۔

پیورا ہے پراخروٹ کے درخت کی اُو نجی شاخ پر رسا باندھ کر چندر پال کو پھندے پر انکا د با گیا اور اُس کی لاش دو پہر تک درخت پر جھولتی رہی اور پھر گاؤں کے چندلڑ کوں نے وہ لاش بھندے ہے اُٹارکربستی سے بہت دُور کھیتوں میں لے جاکر پھینک دی

بہتی والے میرے اور انگوری کے کرویدہ ہو گئے تھے۔ ہم تو اُسی روز جانا چاہتے تھے مُر انہوں نے ہمیں روک لیا۔ دوآدی بابا عبدائع کے پہاڑی ٹھکانے پر چلے گئے تھے۔ اُن کی واپسی تقریباً حیار مکھنٹوں بعد ہوئی تھی اور وہ لوگ بھارتی فوجیوں کی تمام رانقلیس اُٹھالائے تھے۔ ہارا خیال تھا کہ بابا عبداللہ کے خفیہ ٹھانے پر ریڈ کرنے والے نوجیوں کے واپس نہ پہنچنے اور چندر یال کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہ ملنے پر کوئی نہ کوئی نو جی دستہ اس بستی پر ہلہ بول دےگا۔ مگروہ رات خیریت سے گزر کئی۔ا گلے روز بھی کوئی روٹمل سامنے نہیں آیا۔ اُس روز بھی ہم نیں جا سکے۔اس سے اکلی رات شبہ تھا کہ بھارتی فوجیوں کی طرف سے کوئی نہ کوئی کارروائی خرور ہو گی ۔بستی والوں کے باس اب حیار پانچ سب مشین کنیں آ چکی تھیں ۔ پہلے بھی اُن کے ^ا پاس دو عارتقری نامنهٔ تقری کی رانقلیس موجود تھیں جنہیں ہمیشہ چھیا کر رکھا جاتا تھا۔اوراب وہ رالفلیں بھی باہر نگل آئی تھیں۔ چند لوگوں نے رات کے وقت بہتی کی حفاظت کی ذمہ داری سنبال لی۔ اُن میں انگوری بھی شامل تھی اور میں بھی۔ ہمارا پروگرام پیرتھا کہ اگر رات کو بھارتی وجیوں کی کوئی گاڑی بستی میں داخل ہوتو اُن پر چاروں طرف سے فائر کھول دیا جائے اور اُن لوجیول کوجہنم رسید کر کے اُن کے اسلحہ پر قبضہ کرلیا جائے لیکناُس رات بھی مجھنہیں ہوا۔ رات کے آخری پہر مجھے اور انگوری کو پچھ دریرسونے کا موقع مل گیا تھا اس لئے صبح ہم سی للرمازه دم تھے۔ ناشتہ ہم نے ولی محمد کے گھریر ہی کیا تھا۔ اور بھی بہت سے لوگ جمع تھے۔ میں کلمرگ کی طرف جانا جا ہتا تھا تا کہ کمانڈ رمحب اللہ یا کمانڈررشید سے اسی طرح رابطہ کیا

مرازادہ دم سے۔ ناشتہ ہم نے وق حمد نے ھر بر ہی لیا تھا۔ اور بی بہت سے بوت ہی تھے۔
میں گلمرگ کی طرف جانا چا ہتا تھا تا کہ کمانڈر محب اللہ یا کمانڈررشید سے کسی طرح رابط کیا
ہاسکے۔ وہ اُس طرف بھارتی فوجیوں کے خلاف چھاپہ مار سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ کیکن
انورک ہندواڑہ جانا چاہتی تھی جہاں اُس کی خالدر ہائش پذرتھی۔ اُس کا خیال تھا کہ دو چار روز
ہندواڑہ میں رہنے کے بعد ہم بارہ مولا کی طرف آ جائیں گے اور وہاں سے گلمرگ کی طرف نکل
ہندواڑہ میں رہنے کے بعد ہم بارہ مولا کی طرف آ جائیں گے اور وہاں سے گلمرگ کی طرف نکل

ر ہمیں بہتی سے دو خچرمل گئے۔ ہم بہتی والوں سے رخصت ہوکر پہاڑوں کی طرف روانہ ہو شکسبتی والوں نے ہمیں بچھ کھانا بھی دے دیا تھا جو کم از کم دووقت ہمارے کام آسکتا تھا۔ ''لکے دوآ دمی تقریباً تین میل تک ہمارے ساتھ آئے تھے پھر اُنہوں نے ہمیں آگے جانے کا راستہ مجھا دیا۔ ہمیں واپس جانے کے لئے بھی وہ دریا پار کرنا تھا جس پر سے رہے کا پل پار کر اں کا ایک ہاتھ کرتے کے اندرتھا۔ شاید وہ زخم پر مرہم لگاری تھی۔ میں پھرسیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چندمنٹ بعد انگوری بھی اپنی جگہ ہے اُٹھ کرمیرے قریب آگئی۔

"زاراض ہو گئے؟" اُس نے مسکراتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں میں میں ماری کا مسکراتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

'' کیوں میں تم سے ناراض کیوں ہونے لگا؟'' میں نے کہا۔ ... : تمہیر مین دراتی ہاں'' در بیاقی ہے کہا۔

‹‹میں نے مہمیں ڈانٹ دیا تھا نا۔۔۔۔'' وہ میرے قریب ہی پتھر پر بیٹھ کئی اور جھک کر ہاتھ ۔ گ

نے نگی۔ ''میں نے تمہاری ڈانٹ کا برانہیں مانا۔غلطی میری ہی تھی۔ مجھے ایسی بات کہنی ہی نہیں

پار کے میں تو ۔۔۔۔۔ پار بے گئی۔ میں تو ۔۔۔۔۔''

'' ''میں جانتی ہوں۔'' اُس نے میری بات کاٹ دی۔'' مجھے تمہاری نیت پر کوئی شبہ نہیں۔ انھابس، اب اس بات کوختم کرو مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ پچھ کھانے کے بارے میں کیا

نبال ہے؟'' بحوک تو جھے بھی لگ رہی تھی۔ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے درختوں کا ساریہ و ہاں تک پہنچ رہا

جول ہو جھے بی لک رہی ہی۔ ہم ، س جلہ بھے ہوئے سے درسوں کا سامید وہاں تک ہی رہا فا۔ میں وہ اوٹلی اُٹھالایا جس میں ولی محمد کی بیوی نے کھانا باندھ دیا تھا۔ چاول کے آئے کی موٹی موٹی روٹیاں تھیں۔ایک اور پوٹی میں بھنے ہوئے چاول بھی تھے جن میں گڑ ملا ہوا تھا۔ دئیوں پر مرچوں کا اچار رکھا ہوا تھا۔ میں نے کپڑے کو ہیں دستر خوان کی طرح بچھا دیا اور ہم ''۔ یہ ب

"اُول آ ہے سامنے بیٹھ کراچار کے ساتھ روئی کھانے لگے۔ ''اگر تنہیں دوتین دن آ رام مل جائے تو تمہارا زخم ٹھیک ہوسکتا ہے۔اوراگراسی طرح بھاگ ''ک آب ہے تہ بنچے سے بھیا ہے : کردینہ شد '' معربہ ناب

«زگرتی رہی تو زخم کے پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔''میں نے کہا۔ ''ہندواڑ ہیں خالہ کے ہاں شید آرام کا موقع مل جائے۔''انگوری نے منہ میں نوالہ رکھتے انے جواب دیا۔''لیکن میں نے طے کر رکھا ہے کہ اب زندگی بھر آرام سے نہیں بیٹھوں گی۔ لائے نئول بھٹریں سے بنان نے لائی میں ان کے جہاں میں معرب سابطے میں میں میں

اُن فَوْخُوار بھیٹریوں کے خلاف لڑتی رہوں گی جو ہماری سر زمین پر قابض ہیں اور ہمارے بہن بلائوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔'' ''

"میرابھی یمی مثن ہے۔" میں نے جواب دیا۔" بابا عبدالفتح کی شخصیت نے مجھے بے حد ترکیا تھا۔ یوں تو ہر شمیری مسلمان کامشن یہی ہے کہ ان غاصب اور متعصب ہندوؤں کواس " کُل تھا۔ یوں تو ہر شمیری مسلمان کامشن یہی ہے کہ ان غاصب اور متعصب ہندوؤں کواس " کُل ساٹھ " کُل ساٹھ ان کے اس بابا عبدالفتح زندگی استے زیادہ شمیری مسلمان اس کا زکے لئے اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔ بابا عبدالفتح زندگی آئی ماراج کے خلاف برسر پیکار رہا۔ اُس نے بھی اپنی جان دے دی۔ اُس کے مشن کو میں میں میں کو ساٹھ کے خلاف برسر پیکار رہا۔ اُس نے بھی اپنی جان دے دی۔ اُس کے مشن کو میں میں گاور وطن کی آزادی کے لئے لاتے ہوئے جان دے دُوں گا۔"

ائوری خاموثی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔اور پھر ہم دیر تک بابا عبدالفتح ہی کے بارے انٹی کریہ تر سب تماوہاں سے دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا اور ہم خچروں سے اُٹرے بغیر دریا یار کر سکتے تھے۔ ہم بتائے ہوئے راستے پر دھان کے کھیتوں میں چلتے رہے۔ بالآخر کھیتوں کا سلسلہ ختم ہر گیا اور ہم بہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ دو پہر تک ہمارا سفر جاری رہا۔ اب ہم دریا کے ساتھ ساتھ سفر کررہے تھے۔ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے دریا کا یاٹ بتدر تکح چوڑا ہوتا جارہا تھا۔

ے ہم اس طرف آئے تھے لیکن ہمیں جوراستہ بتایا گیا تھا اور جہال سے دریا پار کرنے کو کہا گر

مسلسل کی گھنٹوں تک خچر کی بشت پر بیٹھ بیٹھ میری کمراکز گئ تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ انگوری بھی خچر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے بار بارسید بھی سہلا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح اکڑ کر مسلسل کی گھنٹوں تک بیٹھے رہنے اور جھنکوں کی وجہ سے اُس کے سینے

کے دخم میں تکلیف شروع ہوئی تھی۔ اب ہم دریا میں اُٹر چکے تھے۔ یہاں دریا کا پاٹ تقریباً ہزارگز چوڑا تھا۔اس طرح پانی بھی پھیلا ہوا تھا۔وسط میں ممکن ہے اس کی گہرائی دوڑھائی نٹ کے قریب ہو مگر کنارے کے ساتھ ساتھ پانی نخنوں سے زیادہ گہرائیس تھا۔

میری نظر سامنے بہت و ور درختوں کے ایک جھنڈ پر مرکوزتھی۔ وہ جھنڈ دریا کے کنارے کے بالکل ساتھ تھااور میں سوچ رہا تھا کہ وہاں پہنچ کر پچھ دیر آ رام کرلیا جائے گا۔

با سی طبطی اور میں موجی رہا تھا کہ وہاں چی کر پھو دیرا ارام کرتیا جائے گا۔ ہم تقریباً ہمیں منٹ ہیں وہاں پہنچ سکتے تھے۔ وہ خوبانی کے درخت تھے۔ پھول جھڑ رہے تھے اور پھل انجمی آنا شروع ہوا تھا۔ میں اپنا خچر روک کرینچے اُتر آیا اور انگوری کوبھی سہارا دے کرینچے اُنارلیا۔ انگوری خجر ہے اُتر تے ہی چھوٹے چھوٹے پھروں میں اُگی ہوئی مملی گھاس پر لیٹ گئی۔ وہ ایک ہاتھ ہے مسلسل سینے کوسہلا رہی تھی۔

''زیادہ تکلیف ہوری ہے؟''میں نے اُس کے قریب بیٹھ کر پوچھا۔ ''ہاں۔۔۔۔'' اُس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔'' اکڑ کر بیٹھے رہنے اور جھکے لگنے سے در د ہور ہا ہے۔''

''مرہم والی وہ ڈبیے کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''جے میں کھی میں ابھی زیال انس دیں میں میں ایرانی

'' ج**یب میں ر**ھی ہے۔! بھی ذرا سانس درست ہو جائے تو میں نکالتی ہوں۔'' انگوری نے یہ دویا

۔ ''لاؤ۔۔۔۔۔ن**کالوڈ بیہ میں لگا دُوں** مرہم ۔'' میں نے روانی میں کہددیا۔اس میں میری بدنیتی کو کوئی خ**ل نہیں تھا اور میر**ے ذہن میں ایسا کوئی خیال بھی نہیں تھا۔

لوق دش ہیں تھا اور میرے ذہن میں ایبا کول خیال بی ہیں تھا۔ '' ک**یا۔۔۔۔۔؟'' نگور**ی نے مجھے گھورا۔'' کیاتم ۔۔۔۔؟''

''سوری اظوری!'' میں گڑ بڑا گیا۔''میرا یہ مطلب ہر گزنہیں تھا۔'' مجھے اپنی بات پر شرمند کی ہوری تھے۔ ہی ہے ہی ہوری تھی۔ میں آئے کہ جوری تھی۔ میں نے پہلے جی میری کے بیائی میں ذال دیئے اور مُورک انگوری کی طرف دیکھنے لگا۔ مجر کے بانی بیا مجر جوتے اُتار کر ہیر بانی میں ذال دیئے اور مُورکر انگوری کی طرف دیکھنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد ہم روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ ہمارے فچر گھاں چے تے ہوئے تیجھ دُور چلے گئے تھے۔ میں انہیں پکڑ لایا۔انگوری کوسہارا دے کر اُس کے نچر پر بٹھایا اورخود بھی اپنے فچر پر سوار ہو گیا۔

. ولی محد نے ہمیں بتایا تھا کیہ بیراستہ اگر چہ بہت طویل پڑے گا تگر اس کحاظ سے محفوظ ہے کہ اس طرف بھارتی فوج کی کسی ستی پارئی ہے آ منا سامنا ہونے کی تو قع نہیں۔اور ہم دو پہر کے بعد شکرام پہنچ جا میں گے۔

رہ | ق جا یں صف عنگرام ایک بڑا قصبہ تھا اور میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ یہ قصبہ ان شاہراہوں کے سنگم پر واقع تھا جہاں سے ایک سوک بارہ مولا کی طرف، دوسری سرینگر اور تیسری سوک سوپور ہے ہوئی ہوئی ہندواڑہ کی طرف چلی کئی تھی۔

سو پور.....میرا گھر....میری جائے پیدائش.....میرا وہ قصبہ جے بھارتی غاصبوں نے جلا کر را کھ کر دیا تھا،میرے باں باپ کوشہید کر دیا تھا،میری ایک بہن گولیوں سے چھلنی ہوگئ تھی اور دوسری بہن لا پتہ ہوئی تھیسوپور میں میرے خاندان کے کئی لوگ تھے۔ ہم کسی کے ہاں

دو پہر دھل رہی تھی۔ ہم اس وقت خطرناک پہاڑی راستوں پرسفر کررہے تھے۔ خچر بڑے ستعلق قتم کے تھے اور بوے آرام سے چل رہے تھے۔ اُن کی ست رفاری کی وجہ سے بھی جاراسفرطویل تر ہوتا جار ہاتھا۔

اور پھرایک جگہ جمیں رُک جانا پڑا۔ ہارے سفر کا خطرناک ترین مرحلہ ہمارے سامنے تھا اور ولی محمد نے اُس کے بارے میں ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا۔ وہ راستہ بہت ہی خطرناک تھا۔ ایک طرف بالکل عودی چٹان تھی۔اُس کے ساتھ تقریباً عارف چوڑی ایک پٹی تھی جس کے دوسری

طرف سینکروں فٹ گہرے کھٹر تھے اور نیجے بہت دُور دریا کا یا لی دُھوپ میں چیک رہا تھا۔ بیخطرناک راسته تقریباً بچاس گز طویل تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ایک کارنس سی عمودی چنان

سے باہر کونقی ہوئی ہو۔ ہم دونوں اینے اپنے تجروں سے اُتر آئے۔ وہاں ہوا بھی تیز ھی۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا ، اُس کے چہرے پرخوف کے تاثراتِ اُنجرے ہوئے تھے۔

'' یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے۔ کوئی اور راستہ نہیں؟'' انگوری نے میری طرف دیکھتے

"میلوں و ورتک تو ہم تک سے در ے میں سفر کرتے آئے ہیں کوئی اور راستہ تو نظر تیں

''میرا خیال ہے کہ راستہ یار کر لینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ بس ذرا مخاط رہنے کی ضرورت

ہے۔'' میں نے کہا۔' 'فچروں پر سوار ہو کر تو ہم اس رائے پر ٹہیں جا سکتے ہم فچر کی لگام پکڑ کر چٹان کے ساتھ ساتھ چلتی رہنا۔ میں آ گے چلنا ہوں اورتم میرے پیچھے رہنا۔''

آیا۔''میں نے جواب دیا۔اوراس خطرناک رائے کو ویلھنے لگا۔

انگوری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ متوحش می نظروں سے اس راستے کو دیکھے رہی تھی۔ ایک انحانا ساخوف میرے ذہنِ میں بھی تھا۔ اُس بل صراط ہے گزرتے ہوئے کوئی معمولی سی لغزش منس تحت الثري ميں پہنچاسلتی تھی۔

ہم دونوں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرلیا۔ پہلے میں آگے بروھا۔ میں نے فچر کی لگام انے ہاتھ میں بکر لی اور چنان کے ساتھ رگڑ کھا تا ہوا آگے بردھنے لگا۔ میں نے لگام ایک طرف

ے دبار می می تا کہ چرجی جٹان کے قریب ہی رہے۔ ''ورومت انگوری' میں نے انگوری کی حوصلہ افز ائی کرتے ہوئے چیخ کر کہا۔' دہس

ای طرح چٹان کے ساتھ ساتھ آ جاؤ!''

انگوری بڑی بھکچاہٹ کے بعد خجر کی لگام کیڑے چٹان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ میں اُس ے تقریباً دیں گز آ کے تھا۔ تیز ہوا ہمیں بیچیے دھیل رہی تھی۔ بینچے بینکڑوں فٹ گہرائی تھی اور اں طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف آتا تھا۔ میں اس طرف دیکھنے سے بھی کتر ارہا تھا اور جیخ کیخ کرانگوری کوبھی مدایات دیتا جار ہاتھا۔

ہم نے تقریباً چالیس گز کا فاصلہ طے کرلیا۔ آ گے صرف دس گز فاصلہ رہ گیا تھا۔ لیکن آ گے چدنٹ تک وہ راستہ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے وہاں سے اُس راستے کی چوڑ انی تین ن سے زیادہ جہیں تھی۔ بیہ ہمارے اس سفر کا تھن ترین مرحلہ تھا۔ میں نے انگوری کو پیچیے ہی رُ کنے کو کہد یا اور خود بہت محتاط انداز میں دیوار کے ساتھ چیک

كرآ كے سركنے لگا۔ خچركو بھى ميں نے چنان كى طرف ركھا تھا۔ آٹھ دس فث كابيا فاصلہ بہت تیامت خیز ٹابت ہوا۔ باتی راستہ طے کرنے میں مجھے زیادہ دُشواری پیش نہیں آئی۔ خچر کو کھلی جِكُم پرآ گے ہا نک كرييں واپس آ گيا۔ابھى ميں أس تنگ راستے سے چند فٹ دُور ہى تھا كه ^{یلور}ک کے خچر کے ہنہنانے کی آواز س کر چونک گیا۔ پی*ۃ نہیں کس وجہ سے خچر بچل گی*ا تھااور سر کو بھٹے دے کرانگوری سے لگام چیزانے کی کوشش کر رہا تھا۔انگوری نے لگام کو دونوں ہاتھوں ہے پگزرکھا تھااور خچرکو قابو میں کرنے کی کوشش کرر ہی تھی۔

''انگوري!لگام حچوز دو۔'' ٹچر کے ہنہنانے کے شور میں میری آواز انگوری کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اُس نے لگام چھوڑ 'لُولگام چھوٹتے ہی خچرمزید جیچھے ہٹا۔ اس کا ایک پیرکھڈے کنارے سے اُتر گیا اور پھر دوسرا

انگوری بھی لگام چھوڑتے ہی لڑ کھڑا گئی تھی۔ میں نے اپنی جگہ ہے چھلا تک لگا دی اور انگوری ^{ا بہاتھ} لیتا ہوا عمودٰی چنان کے قریب گرا۔انگوری میرے پنچ تھی اور میں نے اُسے بانہوں من د بوج رکھا تھا۔

کچر کے آگے والے دونوں پیر ایک لمحہ کو أو پر اُٹھتے ہوئے نظر آئے اور پھر وہ کھڈ ک^{ی عم}یق

حجمرائيوں ميں غائب ہو گيا.....

میں نے آئکھیں بند کرلیں۔انگوری کو جب میں ساتھ لے کر گرا تھا تو اُس کے منہ پر اُ

سی چیخ نکل گئی تھی اور میرے نیچے د بی وہ اب بھی ہولے ہولے چیخ رہی تھی لیکن میں نے اُر

چ رکھا۔ بالآخر جب میں نے محسوں کیا اِنگوری پڑ سکون ہوگئ ہے تو میں اُس کے اُوپر سے ہن ہُ کیکن اُس کا ایک ہاتھ تھا ہے رکھا۔انگوری کا چبرہ خوف سے پیلا پڑ چکا تھا۔آنکھوں میں ہے'' وحشت تھی۔ اُس نے ایک نظر کھڈ کی طرف دیکھا، پھر اُس کی نظریں میری طرف اُٹھے کئیں ا دوسرے ہی کمحے وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لیٹ گئیوہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ پر

نے اُسے اپنی بانہوں میں سمولیا۔

کئی منٹ گزر گئے میں انگوری ہے الگ ہو گیا اور اُسے سہارا دے کراُٹھا دیا۔ اُس نے نیجے جمانک کر دیکھا اور میرے ساتھ جز کر کھڑی ہوگئ ۔ وہ اب بھی ہولے ہولے کانپ رؤ

تھی۔ میں نے بھی نیچے جھک کر دیکھاسٹٹلزوں نٹ گہرے کھڈ میں فچر کالہیں نام ونشان تکہ د کھائی نہیں دیے رہاتھا۔

میں انگوری کا ہاتھ تھا ہے جٹان کے ساتھ ساتھ سر کتار ہا۔ تیز ہوا ہمیں پیچھے دھکیل رہی گی۔ انگوری نے نیچے کی طرف دیکھااور پھرایک ہاتھ سے سرتھام کر بیٹھ گئے۔

'' نیچے مت دیکھو چکرآ جائے گا۔'' میں نے کہااور اُس کا ہاتھ تھا ہے کھڑار ہا۔

انگوری کی وجہ ہے وہ بل صراط عبور کرنے میں کئی منٹ لگ گئے۔اس خوفنا ک ترین رائے ك اختيّام برتعلى جكه تقى _ چندگز آ كے دوتين درخت تھے ميرا خچر أس طرف گھاس چرر ہا تا۔

میں انگوری کو لے کران درختوں کے نیچے آگیا۔انگوری ایک پھریر میٹھ کر گہرے گہرے سالی لینے لگی۔ میں اُس کے قریب کھڑا ادھرادھر و یکتار ہا۔ پچھ دُور کہیں بلندی سے پانی گرنے کا آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں خچر کو پکڑ کر لے آیا۔انگوری کوسہارا دے کر خچر پر بٹھایا اور خود لگام پکڑ کر پیدل چلنے گا۔ ہمیں زیادہ وُ ورٹہیں جانا پڑا۔ میں بچیس کز آ گے ایک موڑ کھومتے ہی ہم زک گئے ۔ سامنے ف دس بارہ فٹ کی بلندی سے پانی کی ایک جار پانچ فٹ چوڑی جاوری گررہی تھی۔ نیچ جمع ہو^ہ

والا یائی ایک ندی کی صورت میں مخالف سمت میں بہدر ہا تھا۔ اس آبشار کے آس باس رہی برنگے پھول اپنی بہار دکھار ہے تھے۔

انگوری فچر سے اُتر آئی۔ جی جرکر پائی پینے کے بعد ہم چند مند وہاں زے اور پھرآ کے ج پڑے۔انکوری میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اُس نے نچر پر بیٹھنے ہےا نکار کرِ دیا تھا۔ ''تم أس وقت دوڑے كيوں تھےا كر تمہارا پير چسل جا تا تو؟'' انگورى نے 🗧

طع میری طرف د می<u>ص</u>تے ہوئے کہا_۔

"تو کیا ہوتا؟" میں نے مسراتے ہوئے جواب دیا۔" فچر سے پہلے میں اُس کا میں

''آئندہ ایس کوئی بات منہ ہے مت نکالنا۔''انگوری نے مجھے **گورا۔**

"اگریس دوڑ نہ لگا تا تو خچر کے ساتھ تم بھی یا تال میں پہنچ چکی ہوتیں ہم تو خچر کی لگام

چوزنے کو تیار ہی تہیں تھیں۔'' میں نے کہا۔

''تو تم نے میری خاطرا پی زندگی بھی خطرے میں ڈال دی تھی۔'' **انگوری نے کہتے ہوئے**

عجیب تانظروں ہے میری طرف ویکھا۔ میں جواب میں بہت کچھ کہنا جا ہتا تھا مگر دل کی بات زبان پر لانے کی ہمت نہ کر سکا۔

"تم نے جواب ہیں دیا میری بات کا؟" انگوری بولی۔

"فاموقى بى بعض باتون كا بهترين جواب موتى ب-" ين في اور چند محول كى خاموقى کے بعد بولا۔''تم تھک جاؤ کی۔ فچر پر بیٹھ جاؤ!''

"اورتم؟" أس نے عجيب ي نگامول سے ميري طرف ديكھا۔" نگام كرو سے بيدل

''ہاں میں پیدل چلنے کا عادی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

پھر یہ طے ہوا کہ ہم دونوں چر پر بیٹھ جائیں۔ میں نے ایک بڑے پچر کے قریب تجرروک لیا۔ پہلے خود سوار ہوا اور پھر انگوری بھی پھر پر چڑھ کر میرے بیچھے بیٹھ گئ۔ خچر کی کاتھی کافی مفبوط تھی۔ وہ ہمارا بوجھ اُٹھائے آ رام سے جلتار ہا۔

نلے پھروں کی سنگلاخ چٹانیں دُھوپ میں تپ رہی تھیں لیکن سبزے کی کثرت اور ہوا کی جہ سے کرمی کا احساس نہیں ہور ہاتھا۔ ہم جٹانوں کے پچ بل **کھاتے ہوئے تک راتے پر**سفر کرتے رہے۔ کی جگہوں پرہمیں خچرے اُٹر کرپیدل چلنا پڑا تھا۔

مورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ ولی محد نے کہا تھا کہ دوپہر کے تعوری دیر بعد ہم المُنْ جَائِين گے۔لیکن ہم مسلسل اُونے پہاڑوں میں سفر کررہے تھے اور آبادی کا کہیں یام تانِ تک نظر مبین آ رہا تھامیرے دل میں اب طرح طرح کے خدشے سر **أبحار نے لگے** تحصیر نہیں ہم راستہ تو نہیں بھٹک گئے؟

نھوڑی بی دیر بعد انگوری نے بھی اس خدشے کا اظہار کیا۔

الربم راسته بھول گئے تو ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں **گے اور ہمیں رات بھی بہیں گزار نی** النساكي ' الكوري نے كہا۔

، پہاڑول میں رات گزارنے سے ڈرتی ہو؟''میں بولات رُراورخوف ' انگوری نے جواب دیا۔ '' یہ دونوں چزیں تو میں نے أى روز ذبن

1

ے اندر آ گئے۔ میں دہانے کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ٹائکیں آ گے کو پھیلا لیں۔انگوری بھی میرے ساتھ ہی دیوار ہے ٹیک لگا کر بیٹھ گئ تھی۔

177

یں گہری تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دے رہا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وحشت می ہو رہی تھی۔ غار کے اندراگر چہ تیز ہوا ہے نئ گئے تھے مگر سردی بہر حال تھی۔انگوری میرے ساتھ کے مذہبی

ری تھی۔ غارئے اندرا از چہیز ہوائے جی کئے تھے مرسر دی جہر حال کی۔ اندوری میرے ساتھ گی بیٹھی تھی۔اور پھراُس نے اپناسر میرے کندھے پر نکادیا۔ انگوری ہے میری ملاقات کو کئی روز ہو چکے تھے اور اس وقت ہے ہم ساتھ ہی رہے تھے۔

آگوری ہے میری ملا قات کو گئی روز ہو چکے تھے اور اس وقت سے ہم ساتھ ہی رہے تھے۔ شروع میں تو ہمارے درمیان با تو ں میں بھی کچھ تکلف رہا تھالیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ ہم غیر محسوس انداز میں ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔جس طرح ہم دونوں نے ایک ہی خچر پر سفر کیا تھا اور جس طرح اب وہ میرے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی اس سے انداز ہ لگایا جا سکتا

سوں ہوار میں بیٹ رو سرمے سے (یب اوپ ہوت کی چرپ سفر کیا تھا اور جس طرح اب وہ میرے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی اس سے انداز ہ لگایا جا سکتا تھا کہ انگوری بھی غیرمحسوں انداز میں میرے اور اپنے بچ فاصلہ کم کر رہی تھی ۔ سر دی مڑھ گئے تھی۔ ہوا ہے : بحنے کے لئے ہم غار کے آخری سرے سرحلے گئے۔ انگوری

سردی بڑھ گئی ہی۔ ہوا ہے نیچنے کے لئے ہم غار کے آخری سرے پر چلے گئے۔ انگوری میرے ساتھ جڑی بیٹھی تھی۔ باتیں کرتے کرتے وہ سوگئی۔ اُس کا سربار بارمیرے کندھے ہے کار بازی معرف نے مار سے کہ اس کر کیا ہے۔

نگرار ہاتھا۔ میں نے سہارا دے کراُس کا سرا پی گود میں رکھ لیا۔ دن بھر خچر کی سواری اور پیدل چلنے ہے میں بھی بری طرح تھک گیا تھا۔ میری آ تکھیں بند

ہور ہی تھیں اور میرا سربھی بار بار سینے پر جھک رہا تھا۔ میں جاگتے رہنے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہو سکا اور بالآخر میں بھی نیند کی وادی میں اُتر گیا۔ ریستی کھا تیں ساتھ کھا تیں سے سے ساتھ کھی شیند کے دور کھیں اُتر گیا۔

میری آ کھ کھی تو میں گڑ بڑا سا گیا۔ باہر دُھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اندر بھی روثنی ہور ہی تھی۔ انگوری اب بھی میری گود میں سرر کھے سور ہی تھی۔ اُس نے ٹائلیں اس طرح سمیٹ رکھی تھیں کہ گھنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے۔میراایک ہاتھ اُس کے سینے پرتھا اور انگوری کا ہاتھ میرے سر پر سسمیں اس صور تحال پر گڑ بڑا سا گیا۔ میں نے آئتگی سے اپنا ہاتھ ہٹانا چاہا تو انگوری نے

پ……یں اس صورتحال پر کر بڑا سا گیا۔ میں ہے انہ سی اپنے ہاتھ سے میرا ہاتھ دیالیا۔ وہ نیند میں تھی۔

''انگوری....'' میں نے ہولے ہے اُسے پکارا۔'' دن چڑھآیا ہے۔اب اُٹھ جاؤ!'' ''اونہوںسونے دونا! نیندآر ہی ہے۔'' وہ نیند ہی میں بزبرا کی۔

'' دن چڑھ آیا ہے۔۔۔۔اب اُٹھ جاؤ!'' میں نے کہا۔''ہم سارا دن اس ویرانے میں نہیں بھے کتے ''

یکھے۔ انگوری نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے میرا ہاتھ اب بھی اپنے سینے پر دبار کھا تھا۔ آنکھیں کھولنے کے بعد بھی دیر تک اُس کے دماغ پر نیند کا خمار طاری رہا۔ وہ خمار آلودی نظروں سے کی کی طرف دیکھتی رہی لیکن پھر حقیقت کا ادراک ہوتے ہی اُس نے میرا ہاتھ ہٹایا اور ایک جنگے سے اُٹھ کر بدٹھ گئی۔

''اوہ میں شاید گہری نیند سوگئی تھی۔'' وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی۔اُس کے چہرے

ے زکال دی تھیں جب ہاتھوں میں رائفل اُٹھائی تھی۔''انگوری نے جواب دیا۔ ''اس وقت ہم دونوں خچر پرسوار تھے۔انگوری میرے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ایک جگہ چھوہ، گڑھا تھا۔ خچر نے کڑھا پار کرنے کے لئے ملکی سی چھلانگ لگائی تو انگوری اپنی جگہ پراُچھی،

پھر وہ آ گے کو جھک کرمیر ہے ساتھ جڑ گئی۔ اُس نے دونوں ہاتھ میری بغلوں کے بینچے سے لگا کرمیرے سینے پر لپیٹ لئے تھے۔

ا نی پشت پرانگوری کے بدن کا گدازلمس محسوں کر کے میں اپنے آپ میں عجیب ٹائمنی محسوں کرنے لگا۔ میرا خیال تھا انگوری پہلے کی طرح سنجل کر بیٹھ جائے گی کیکن اُس نے قول سربھی میرے شانے پر ٹکا دیا تھا۔

ر بھی ممیرے شاہے پر ٹکا دیا تھا۔ میں نے فچرروک لیا۔انگوری سیدھی ہو کر بیٹھ گئا۔ دوس میں نئیس نام جا

'' کیا ہوا؟'' اُس نے بوچھا۔ ''ہم واقعی راستہ بھوِل گئے ہیں۔'' میں نے ادھراُِدھر د مکھتے ہوئے جواب دیا۔

'' ہوا کا داستہ اول سے بیات میں دحشت سی تھی۔ '' اب کیا ہوگا؟'' انگوری کے لہج میں دحشت سی تھی۔

ہب یا اون ہسکت کے کوشش کرتے ہیں۔بصورت دیگر اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے ہمیں ''راستہ تلاش کرنی پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

وں رکھ ہمت کا روں پوک فی ہے۔ ہم ایک بار پھر چل پڑے۔ نچر بھی تھک گیا تھا۔ اُس کے چلنے کی رفتار بھی بہت کم ہوگئ تھا۔ ایک جگہ ہم وونوں نچر سے اُنر آئے۔ بیس نے نچر کی لگام پکڑ کیہم پیدل چلتے رہے۔ ہ

ا پنایہ سفر مزیدا یک گھنٹے ہے زیادہ جاری نہیں رکھ سکے۔ شام کا دھند لکا پھلنے لگا تھا۔ پانی کے ایک جھرنے کے قریب ہمیں ایک مناسب جگہ بگال گئر جوں سے بیٹر کی اسکتر تھی میں کہ کھی جو حزان میں اپنچ جھوف اندر کی طرف

گئی جہاں رات گزاری جاعتی تھی۔ وہ ایک کھوہ می تھی جو چٹان میں پانچ چھونٹ اندر کی طرن چلی گئی تھی۔ اُس کھوہ میں ہم ہوا ہے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔ ہم نے وہیں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ اندھیرے میں ان چٹانوں میں سفر جاری رکھا

ہم نے وہیں رائے سرارمے کا میں ہوئیا۔ اند میر سے یں ان پہلو وں میں سر جات خطرے سے خالی نہیں تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ کھانے والی پوٹلی میرے والے فچر کی زین کے ساتھ بوتی تو ہمیں بھو کے رہنا پڑتا۔ جم ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اگر وہ پوٹلی دوسرے فچر کے ساتھ ہوتی تو ہمیں بھو کے رہنا پڑتا۔ جم نے وہ پوٹلی اُ تار کی اور فچر کو کھلا مجھوڑ دیا۔

ہم نے جھرنے کے قریب بیٹھ کر کھانا کھایا، پھر میں نے اس کھوہ کا جائزہ لیا۔ اندر کائ کشادہ جگہ تھی۔ ایک طرف کونے میں جلی ہوئی لکڑیاں اور کو کلے بھی نظر آئے جس سے اندائا لگایا جاسکتا تھا کہ کسی وقت یہاں کوئی تُشہرا ہوگا۔

لگایا جا منا طالہ کا وقت یہاں وق جر 1969۔ خچر کی لگام میں نے درخت کی ایک جنگی ہوئی شاخ کے ساتھ باندھ دی اور ہم دیر تک آنہ کھوہ کے سامنے پھروں پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

ہ ہے ساتے پر دون پر ہے ہا میں رہے رہا۔ رات گہری ہوتی جار بی تھی۔ تیز ہوا کی وجہ سے سردی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ہم اُٹھ م^{ر تھ}

اجازت دوتو، عيس نے جان بوجه كر جمله ادهور المحصور ويا۔ وه میرا مطلب سمجھ گئے۔ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی، پھر آ نکھیں بند کر لیں اور میرا ہاتھ

یز کر سنے پرر کھ لیا۔ یہ

ر سے پر سیا۔ میں نے بڑی آ ہنگی سے انگوری کی قمیض اُوپر اُٹھا دی۔ مجھ پر اس وقت عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ د ماغ میں سنسناہٹ می ہونے لگی اور رگوں میں خون کی گردش تیز ہوتی ہوئی محسوس

انگوری کے سینے پر دائیں طرف زخم تھا۔ زخم زیادہ بڑانہیں تھا مگر اس کے آس پاس کی جلد م خہورہی تھی۔ میں نے انگوری کی جیب سے مرہم کی ڈبیدنکالی اور اُنگلی برمرہم نکال کراس

ے زخم پر لگانے لگا۔میرا ہاتھ واضح طور پر کانپ رہا تھا۔ میں نے آتکھیں بند کر لیں _ انگوری نے میرا ہاتھ بکڑ کر ہٹا دیا۔ میں نے آئھیں کھول دیں۔ وہ عجیب ی نظروں سے میری طرف د کیچه رہی تھی۔ پھراُس نے فوراُ ہی آئھیں بند کر لیں۔ میں نے اُس کی قمیض نیچے کر

دی اوراُس کے چیرے کو تکنے لگا۔ "دمتهيں مناسب آرام اور علاج كى ضرورت بيس" ميں نے كہا۔" وعاكرومميں ان پہاڑوں سے نکلنے کا راستہ مل جائے۔ کسی بستی میں بہتی جائیں تو سب سے پہلے.....''

''میراعلاج کراؤ گے۔''انگوری نے میری بات ململ کر دی۔ "بال سن"میں نے جواب دیا۔

ہم نقریباً آ دھے گھنٹے تک وہاں رُ کے اور ایک بار پھرآ کیے چلنے لگے۔ایک گھنٹہ اور گزرگیا۔ انگوری ہے اب بالکل نہیں چلا جارہا تھا۔ وہ بار بارلز کھڑا رہی تھی۔اب اُسے آگے لے جانے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ میں نے دونوں رانفلیں اپنے ایک کندھے پراٹکا لیں اور اٹکوری کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

'میری بشت پر بیٹھ جاؤابتم سے چلاہیں جارہا۔''

انلوری کا چبرہ سرخ ہو گیا۔ وہ انکار کرتی رہی مگر میں نے اُسے زبرد تی اپنی پشت پر لا دلیا۔ نے دونوں ہاتھ میرے سینے پر لپیٹ لئے اور میں نے دونوں ہاتھ پیچھے لے جا کر أے ^{مبارا د}یئے رکھا۔

یقریباً آ دھے گھنٹے بعد ہم اُن چٹانوں ہے نکل آئے۔ نیچےنشیب میں پھیلی ہوئی واِدی میں میں جگہ سے دُھویں کی لکیرا مُتھتی و کچھ کرمیری آنکھوں میں چیک می اُنھر آئی۔ میں نے انگوری کو

'وه دیکھوانگوری'' میں نے اِشارہ کیا۔'' وہ وہاں کوئی مکان ہے۔ہمیں وہاں پہنچنے ئُرابِ زیادہ در نہیں گگے گی ۔ بس چندمنِٹ یُرک جاؤ پھر چلتے ہیں ۔'' انگوری کے چبرے پر بھی رونق می آگئی تھی وہ ایک پھر پر بیٹھ کر گہرے گہرے سالس

ىرىىرخىسىتچىل ئىكھى۔ میں چند کمجے اُس کی طرف دیکتار ہااور پھر غارے باہرآ گیا۔ وُھوپ خاصی تیز تھی۔ پر منٹ بعدانگوری بھی ماہرا گئی۔

''ارے خچر کہاں گیا؟''وہ إدهراُ دهر د مکھتے ہوئے بولی۔ میں اُنھل پڑا میں نے خچر کی عدم موجود کی کا خیال ہی نہیں کیا تھا۔ میں درخت کی اُن

شاخ کی طرف دیکھنے لگا جس سے نچرکی لگام بازرهی تھی۔ وہاں ہے پچھ پے ٹوٹے ہوئے ، جس سے اندازہ لگانے میں دُشواری پیش میں آئی کدرات کو یا مجم می وقت خجرنے وہاں ہے دُورِ مِنْنے کی کوشش کی ہوگی جس سے لگام اس شاخ سے نکل گئی ہو۔

میں خیر کو إدهر أدهر تلاش كرتا رہا مگر أس كا كہيں نام ونشان نظر نہيں آيا۔ ميرا خيال قال چٹانوں میں نہیں دُورنکل گیا تھااوراب اُسے تلاش کرنا برکارتھا۔ میں جھرنے کے قریب واپراً گیا۔انگوری اس وقت کچھ قد آدم جھاڑیوں سے باہرآ رہی تھی۔

ہم نے جھرنے کے قریب بیٹھ کر بکی ہوئی روٹی کھائی۔ جی تھر کے پاٹی پیا اوراینی رائفلیر

سنھال کر وہاں سے روانہ ہو گئے ۔ دو گھنٹے گز ر گئے ۔ نہایت وُشوار راستہ تھا۔ چٹانوں پر اُڑنے چڑھنے سے انگوری بری طرح ہانپ کئ تھی۔ اُس کی وجہ سے بار بارز کنایڑ رہا تھا۔ ا یک موقع پر میں نے انگوری کا ہاتھ بکڑا تو چونک گیا.....اُس کا ہاتھ گرم ہور ہاتھا۔ میں نے اُس کی بیشانی کوخھوکر دیکھا۔

''جہمہیں گرمی کی وجہ ہے الیامحسوں ہور ہاہے میں ٹھیک ہوں۔'' انگوری نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

کیکن اُس کی بیرترارت موسم کی گری کی وجہ ہے نہیں تھی۔ رات کی سردی ، اُس کے بینے کے زخم اور مھلن کی وجہ ہے اُسے حرارت ہو گئ تھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ اور گزر گیا۔ سورج سریر چیک ا تھا۔انگوری نڈ ھال ہور ہی تھی ۔اب اُس کے لئے چلنا بھی دوکھر ہور ہا تھا.....

ا لیک جھوٹی سی ندی کے قریب ہم زک گئے۔انگوری یانی کے چند گھونٹ کی کرندگی ک کنار ہے ہی گھاس پر لیٹ کئی اور میں إدھر اُدھر پھر کر کوئی راستہ تلاش کرنے لگا مگر کوئی راش

میں انگوری کے باس آ کر میڑھ گیا۔ بخار تیز ہو گیا تھا۔اس کے ساتھ ہی میری پریشالِی بھ بڑھتی جا رہی تھی ۔انگوری ایک ہاتھ سے بار بارسینہ سہلا رہی تھی۔ مجھے بیجھنے میں دیر نہیں ^{لگی ا}، اُسے بخار بھی سینے کے اِس زخم کی وجہ ہے چڑھا تھا۔

''ایک بات کہوں انگوری برا تونہیں مانو گی؟''میں نے مرحم کہجے میں کہا۔ ''کہو!''وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ '' جہیں بخار سینے کے زخم کی وجہ ہے چڑھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ انفیکشن نہ ہو گیا ہو-

'' اپنی جگہ ہے حرکت مت کرنا …. ورنہ گولیوں ہے بھون دیئے جاؤ گے۔'' محب … ملس دن انس کی تابیامجستا ہو نہ اگا تھا۔ ملس نرکن انکھوں

مجھے سینے میں اپنا سانس رُ کتا ہوا محسوں ہونے لگا تھا..... میں نے کن انکھیوں سے انگورزُ طرف دیکھا اُس کا چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح زرد ہور ہا تھا۔ اور پھر رائفل کی تال ہر پشت کوچھونے لگی میں نے اپنی جگہ ہے حرکت کئے بغیر دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا دیئے اوراً۔ والے کھات کا انتظار کرنے لگا.....

000

میرے دیاغ میں آندھیاں ی چل رہی تھیں

اس غراتی ہوئی آواز نے جس طرح بجھے بینڈز آپ کروایا تھا اس سے میں نے یہی اندازہ اس غراقی ہوئی آواز نے جس طرح بجھے بینڈز آپ کروایا تھا اس سے میں نے یہی اندازہ بہتا کہ وہ بھارتی نوجی جو ہوار میں تھے اور ہاں کوئی فوجی چوگی یانیا کیمپ بھی تھا۔ اور بینوجی گشت کرتے ہوے اس طرف آ گئے تھے۔ چند من پہلے انگوری کو بھانے کے بعد میں نے اپنے کندھے پرلئکی ہوئی دونوں رائفلیں بہتر میں نے اپنے کندھے پرلئکی ہوئی دونوں رائفلیں بہتر میں نے اپنے کندھے پرلئکی ہوئی دونوں رائفلیں بہتر میں نے تو کوئی موقع نہیں تھا۔ میرے لئے تو کوئی

عمولی تی حرکت کرنا بھی خطرناک ہوسکتا تھا۔ راکفل کی نال گردن ہے ہٹ کراب میری پشت پرنگ گئ تھی ۔لیکن اس سے کوئی فرق نہیں ڈاقیا۔ میں اب بھی موت کے بھیا تک جبڑوں میں تھا۔

ہا ہا۔ یں اب می وے سے بھیا ہیں بہروں میں سات دفعتہ وریانہ فائر کی آواز ہے گونج اٹھا ۔۔۔۔۔ اور رائفل کی بید گولی ہمارے بیچھے کئی گز کے اصلے پر چلائی گئی تھی۔ پہاڑیوں میں دریتک فائر کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔اس کے فوراً ہی عدالک چینی ہوئی آواز سنائی دی۔

یے سی بین از کرنے کوئع کیا تھا یہ گولی کس نے چلائی ہے؟'' ''میں نے فائر کرنے کوئع کیا تھا یہ گولی کس نے چلائی ہے؟'' لہجہ اور الفاظ سو فیصد کشمیری تھے کوئی بھارتی فوجی اس طرح خالی کشمیری کہتے میں بات نہیں

ئرسكتا قعابه

'' مناطعی ہے ٹرائیگر دب گیا تھا۔۔۔'' جواب میں ایک اور آ واز سنائی دی۔ پہلجہ بھی خالص بری تھا۔

، اب میں سمھ گیا کہ یہ بھارتی فوجی نہیں تھے۔جس نے فائر ہونے پر جواب طبی کی تھی اُس یُن نے رائفل میری پشت سے لگار کھی تھی ۔ ایک لیمجے کے لئے رائفل میری پشت سے ہٹ گئ نُمااوران طرح مجھے کردن گھما کر چیجیے دیکھنے کا موقع ل گیا۔

وہ درمیانے قد کا دُبلا پتلا سا آدئی تھا۔ سر کے بال بگھرے ہوئے اور شیو بڑھا ہوا تھا۔ ''نمول میں سرخی تھی۔ اُس نے پرانی ہی جینز اور میلی ہی شرٹ پہن رکھی تھی۔ کمر پر راکفل کی ''لیول سے بھرا ہوا بیلٹ تھا جس میں دومیگزین بھی اڑھے ہوئے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں ''مثینِ گن تھی جس کا رُخ میری طرف تھا۔

جم شخص نے انگوری کورائفل کی زد پر لے رکھا تھا وہ قدرے دراز قامت اور بھاری بھر کم

102

آ دمی تھا۔ اُس کی عمر مجھی تمیں سے زیاد ونہیں تھی۔

''میری ساتھی انگوری کو بہت تیز بخار ہے۔'' میں نے گل فراز کو بتایا۔''اس کے سینے پر معبی سازخم ہے جس کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔اسے فوری طور پرطبتی امداد کی ضرورت ہے۔ بئن میری مجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔اب اتفاق سے تم لوگوں سے ملاقات ہوگئی ہے۔ نبیتم لوگ ہماری پچھ مدد کرسکو۔''

روٹیاں عیں۔ ''انگوری بہن! تھوڑی می روٹی کھالو..... پھریہ گولی کھالینا۔'' اُس نے کہتے ہوئے قمیض کی بب ہے پیراسینامول کی گولیوں کا بتا زکال کر اُس میں ہے ایک گولی میرے ہاتھ برر کھ دی۔

بہے پیراسینامول کی گولیوں کا پتا نکال کر اس میں سے ایک گولی میرے ہاتھ پرر کھ دی۔ گل فراز کے ساتھی بھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ وہ تعداد میں چار تھے اور ہماری طرح ان پاڑوں میں سفر کرتے ہوئے ہندواڑہ کی طرف ہی جا رہے تھے۔ ایک آدمی نے پانی کی

ٹیا گل بھی کندھے ہے اُتار کر ہمارے قریب رکھ دی۔ انگوری دو تین نوالوں سے زیادہ نہیں کھا سکی تھی۔ میں نے اُسے گو لی بھی کھلا دی اور رو ٹی کے دو جار نوالے خود بھی کھائے۔

گل فراز بتار ہاتھا کہ ہم شکرام ہے بہت ؤورنکل چکے ہیں۔اُس طرف جانا اب بیکار ہے۔ ابتہ پانزل وہاں سے چندمیل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں انگوری کوطتی امداد بھی مل جائے گی اور

مردوچارروز وہاں آ رام بھی کرعیں گے۔ انگوری سے اپنے بیروں پر کھڑے بھی نہیں ہوا جارہا تھا۔ میں نے اُسے پھر پشت پر لا دلیا ''رائن طرح ہماراسفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ گل فراز اوراُس کا ایک ساتھی آ کے تھا۔ اُن کے بیچھے نُہ اور دوآ دمی ہمارے بیچھے تھے۔ ہماری رائفلیں بھی گل فراز ہی کے ایک آ دمی نے اُٹھار کھی ''دراستہ خاصا خطرناک اور آ ڑھا تر چھاتھا۔ ہم مسلسل نشیب کی طرف جارہے تھے۔ کوئی 'دراستہ خاصا خطرناک اور آ ڑھا تر چھاتھا۔ ہم مسلسل نشیب کی طرف جارہے تھے۔ کوئی

''نولی کا ملطی ہمیں کسی کا دیے ہے دو حار ترسکتی تھی'۔ ایک جگیہ میں نے انگوری کو ایک پھر پر بٹھا دیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔گل فراز نے بیٹنٹ کی تھی کہ کچھ دُور تک وہ انگوری کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیتا ہے لیکن انگوری نے نفی میں سر

پنررہ منٹ بعد ہم ایک بار پھر چل پڑے۔اس مرتبہ کچھ زیادہ فاصلہ طے کر لیالیکن بالآخر

''تم لوگ کون ہواور جمیں اس طرح ۔۔۔۔''
''بہلے تو ہم تم سے پوچھیں گے کہ تم لوگ کون ہو؟'' اُس نے میری بات کاٹ دی۔''اوران پہاڑوں میں کس طرح پنچے؟'' اُس نے میری طرف دیکھا اور پھرانگوری کی طرف دیکھنے لگا۔
انگوری کو میں نے پھر سے ٹیک لگا کر بٹھایا تھا اور وہ پھسلتی ہوئی ذرا نیچے ہوگئ تھی۔ اُس نے مردانہ کیڑے ہین رکھے تھے اُس کا چہرہ بھی دوسری طرف تھا اس لئے وہ لوگ ابھی تک اُس پھرہ نہیں دیکھ سے گی۔

''میرا نام شمروز ہے۔۔۔۔۔اور بیرمیری ساتھی انگوری ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''ہم کروڑ سے شگرام کی طرف جارہے تھے۔ وہاں سے سوپور سے ہوتے ہوئے ہندواڑہ کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔لیکن پہاڑوں میں راستہ بھٹک گئے۔''

''شمروز'' اُس تخفی کی آنگھوں میں اُ بچھن می تیر گئے۔ وہ گہری نظروں سے میری طرف د کیے رہا تھا۔''تم لوگ کروڑ میں ولی ثحد کے پاس تو نہیں تھہر ہے ہوئے تھے کیا؟'' ''ہاں ہاں'' میں نے جلدی ہے اُس کی بات کاٹ دی۔''ہم ولی محمد کے پاس ہی تھے

ہاں ہاں یں یے جلدی ہے اس ں بات قائے دی۔ 'م وں تمد سے پا ں ہی ہے اور وہاں ہم نے ایک بھارتی ایجنٹ کو بھی ٹھ کانے لگایا تھا جو'' ''جو بابا عبدالفتح کی شہادت کا ذمہ کا ذمہ دارتھا۔'' وہ خفص بولا۔

'' ہاں وہ مسلمان کے بھیس میں کئی مہینوں ہے اُس گاؤں میں رہ کرمجاہدین کےخلاف جاسوی کرر ہاتھا اور بالآخراپنے انجام کو پہنچ گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

جا وی طروع ما اور باط کراچی با با اوق عیات میں میں انتخاب ایک پھر کے سہارے اُس کی آنکھوں میں عجیب می جبک اُ بھر آئی۔اُس نے اپنی رانفل ایک پھر کے سہارے کھڑی کر دی اور دونوں بانہیں بھیلا دیں۔

''معاف کرنا دوست ''' وہ آگ بڑھ کر مجھ سے لیٹ گیا۔'' تمہارا نام تو پوری وادی میں گونج رہا ہے۔ تمہیں اگر چہ بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے لیکن سب نے تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ کررکھی ہیں۔ چندروز پہلے کمانڈ رمحبّ اللہ سے تمہارے بارے میں سنا تھا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج تم سے ملاقات ہوگئی۔'' وہ چندلمحوں کو خاموش ہوا پھر اپنے اس رویج ہم معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''بھارتی فوجی اور اُن کے ایجنٹ تشمیری مجاہدین کا بھیس بدل کر مجاہدین کے شرکانوں کا سراغ لگانے کے لئے پہاڑوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ہم اُن لوگوں سے پچھ نقصان بھی اُٹھا چکے ہیں۔اس لئے ہمیں مختاط رہنا پڑتا ہے۔''

پ ہیں۔ اُس کا نام گل فراز تھا۔ وہ لوگ کل شام ہی کو کروڑ نامی اُس بستی ہے ہو کر آئے تھے جہا^ں ہم نے رستم نامی مسلمان کے بھیس میں ہندوا یجنٹ کوٹھانے لگایا تھا۔ کروڑ میں ابھی تک سکو^ن تھا۔ بھارتی فوجیوں کو ابھی تک اپنے ایجنٹ کے مارنے جانے کی خبرنہیں پیچی تھی۔

درختوں کے ایک جھنڈ میں رُک گئے۔ چند منٹ آرام کرنے کے بعدگل فراز اور اُس کے ساتھی درختوں سے موفی اور باریک شاخیں تو ڑنے گئے۔ اُن درختوں کی پتلی شاخیں بہت کچک دار اور گھنے پتوں والی تھیں۔ گل فراز نے دوموئی شاخیں تقریباً دوفٹ کے فاصلے پر ایک دوسرے کے متوازی زمین پر

علی مرارعے دو توں منا یں سریبا دوس سے بات پہیں در مرک سے سون ہوں ہا ہا۔ رکھ دیں اور پہلی اور کچکدار شاخوں ہے باندھنے لگے۔ میں توجہ ہے اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آ و ھے گھنٹے بعد آرام دہ سڑیج تیار ہو چکا تھا۔انگوری کو اُس سڑیجر پرلٹا دیا گیا۔گل فراز کے دہ ساتھیوں نے سڑیج کو آ گے بیچھے ہے اُٹھایا اور ہماراسفرایک بار پھرشروع ہوگیا۔

ہم مسلسل نشیب میں اُر تے ہوئے بالآخر ایک وادی میں بننی گئے جہاں بہت وُورایک بستی وکھائی دے رہی تھی بعض گھروں کی جِنیوں ہے وُھواں بھی اُٹھتا ہوانظر آر ہاتھا۔

گل فراز زُک گیا۔ سٹر بچر بھی آ ہتگی ہے نیچے رکھ دیا گیا۔ میں سٹر پچر کے قریب بٹھ گیا۔ انگوری کی پیشانی بدستورت رہی تھی۔ اُس انگوری کی پیشانی کو چھوکر دیکھا مجھے کوئی فرق محسوں نہیں ہوا۔ پیشانی بدستورت رہی تھی۔ اُس کی آ تکھیں بھی بخار کی شدت ہے سرخ ہورہی تھیں اور چپرے پر مردنی می چھائی ہوئی تھی۔ میں انگوری ہے باتیں کرتے ہوئے اُسے تسلیاں دیتار ہا۔ انگوری کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔

''تم میرے گئے بہت پریثان ہو؟'' اُس کے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے مدھم می آ دازنگل۔ '' فطری بات ہے۔۔۔۔۔ مجھے تمہارے لئے پریثان ہونا ہی چاہئے۔'' میں نے جواب دیا۔ '' کیوں۔۔۔۔۔؟'' اُس کی نظریں میرے چہرے پرم کوزتھیں۔

''اس کئے کہتم کشمیر کی بیٹی ہو۔اور تم نے اس دھرتی کی آن کے لئے اپنی جان وآبروداؤپر لگار کھی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ''اُس کے منہ سے بے اختیار نکل۔''صرف اس کئے کہ''

'' '' بنب میں تمہاری بستی ہے زُخصت ہوا تو میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ شابھ دوبارہ تمہیں نہ دیکھ سکوں۔ بیتو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم دوبارہ اس طرح ملیں گے کہ ہمیں موت ہی ایک دوسرے ہے جدا کر کے گی۔ابتم سمجھ گئی ہو کہ میں تمہارے لئے پریشان

یوں ہوں۔ انگوری کی سرخ آنکھیں چبک اُٹھیں۔ چبرے پر رونق می آ گئی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ _{گبری ہو}گئی۔اُس نے میراایک ہاتھ دونوں ہاتھوں سے بکڑلیا اور پچھ کھے بغیر میرے چبرے

رں ۔ ب چند من اور گزر گئے ۔ گل فراز اور اُس کے ساتھ روائگی کی تیاری کرنے لگے۔اس مزنبہ یز پچ کو پچھلی طرف سے میں نے اُٹھالیا۔انگوری سٹریچر پراس طرح لیٹی جو کی تھی کہ اُس کا چہرہ بری طرف تھااور میں اُس سے باتیں بھی کررہا تھا۔

' بہتی ہے دوفرلانگ وُور ہم گنجان درختوں میں رُک گئے ۔گل فراز کا ایک ساتھی درختوں میں چھپتا ہوابستی کی طرف چلا گیا اور ہم سب اپنی اپنی رائفلیں اُٹھا کرمختلف جگہوں پر پوزیشن لے کر بیٹھ گئے ۔

مارے سامنے پازل نام کی وہ بستی تھی جومیرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ بیستی سوپور سے ہارے سامنے پازل نام کی وہ بستی تھی جومیرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ بیستی سوپور سے اٹھارہ ہیں میل کے فاصلے برتھی اور میں بچپن میں اپنے والد کے ساتھ کئی مرتبہ یہاں آ چکا تھا۔ نلج پہاڑوں میں گھری ہوئی اس بستی کے چاروں طرف کی زمین بردی زرخیزتھی۔ یہاں سیب اور خوانی کے باغات تھے اور یہاں دنیا کا بہترین زعفران بھی پیدا ہوتا تھا۔ تھوڑی بہت گیہوں کی کاشت بھی ہوتی تھی البتہ چاول یہاں کی مرکزی قصل تھی اور یہ قصل سال میں دومر تبہ حاصل کی حاتی تھی۔

پازل نام کی بیستی سوپور سے بارہ مولا کی طرف جانے والی شاہراہ سے تین چارمیل ہٹ کرتھی۔ یوں تو تشمیر کی کوئی بھی بہتی بھارتی فوجیوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں تھی کیکن پازل کے بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ شاہراہ سے ہٹ کر ہونے کی وجہ سے بھارتی فوجیوں کی آمد کی نہوجاتی تھی اور یہاں پناہ گزین مجاہدین کو بھارتی فوجیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی بستی سے کال کر پہاڑ دں میں سی محفوظ جگہ پر پہنچادیا جاتا تھا۔

فن کے بیاہے بھارتی فوجیوں نے نہ صرف اُن مجامدین کو گھیرے میں لے کر گولیوں ہے

بھون ڈالا بلکہ بنتی کوبھی جلا کررا کھ کردیا۔ بنتی کے سات آ دمی شہید ہوئے تھے اور در جنوں زخمی۔ اس وقت نظر آنے والی بنتی اگر چہ پڑ سکون تھی۔ کسی گڑ بڑ کے آٹار دکھائی نہیں دے رہے تھے مگر گل فراز احتیاط کا دامن ہاتھ ہے نہیں جھوڑ نا چاہتا تھا اور اُس نے اپنے ایک ساتھی کو صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے بستی کی طرف تھیج دیا۔ م

اُس کی واپسی تقریباً آ دھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔اُس کے ساتھ دوآ دمی اور بھی تھے۔اُنہوں نے بڑی گرمجوشی سے ہم سب سے ہاتھ ملایا۔اُن کی اطلاع کے مطابق کئی روز سے سکون تھا اور کسی بھارتی فوجی نے ادھر کا رُخ نہیں کیا تھا۔اُنہی دونوں آ دمیوں نے انگوری کا سٹریچر اُٹھالیا اور ہم لوگ درختوں کے جھنڈ سے نکل کربستی کی طرف روانہ ہو گئے۔

کبنتی کے کئی مکان اب بھی خاکسر ملبے کی صورت میں نظر آ رہے تھے۔ یہ اُن غریب کا شتکاروں کے مکان تھے جوانہیں دوبارہ تغیر کرانے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ وادی کی معیشت جاہ ہو چگی تھی۔ شہروں میں ہر شیم کا کاروبار شہب ہو گیا تھا۔ گھتی باڑی بھی بدحالی کا شکار تھے۔ اُن کے علاقوں میں بھارتی فوجی کھڑی فصلیس تباہ کر جاتے تھے۔ کسان بھی بدحالی کا شکار تھے۔ اُن کے پاس پیٹ بھر کر کھانے کو اناح تک نہیں تھا نئے مکان کیسے تغیر کرتے؟ وہ لوگ یا تو جھونپڑوں میں وقت گزارر ہے تھے یا دوبروں کے گھروں میں پڑے ہوئے تھے۔

ہمیں غلام دین نامی ایک مخص کے کھر میں پہنچا دیا گیا۔ ہماری آمد کی خبر آنا فانا پوری بہتی میں پھیل گئے۔ یہاں چند دلچیپ انکشافات بھی ہوئے ۔ بہتی کے لوگوں کو میہ پیتہ چل گیا کہ میں سو پور کے مولوی رسول بخش لون کا بیٹا ہوں۔ اور دوسرا دلچیپ انکشاف یہ ہوا کہ بہتی کے لوگ میرے اور انگوری کے کارناموں سے بھی واقف تھے۔ اس حوالے سے بھی وہ ہمیں دیکھنے کے لئے آرہے تھے۔

غلام دین اُس بستی کا سب سے معتبر آ دمی تھا۔ میرے والد کی طرح وہ بھی مجاہدین کی مالی اور اخلاقی امداد کرتار ہتا تھا۔ یوں تو بستی کے سب ہی لوگ مجاہدین کے بمدرد تھے مگر مجاہدین کی کوئی پارٹی جب بھی اس طرف آتی ، اُن کا قیام خواہ بستی کے سی بھی گھر میں ہوتا وہ مہمان غلام دین ہی کے ہوتے تھے۔ ہی کے ہوتے تھے۔

انگوری کی حالت دیکھ کر غلام دین نے فوراً ہی ایک آدمی کوڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھیج دیا۔ سیف اللّہ کئی سال پہلے سرینگر کے ایک سرکاری سپتال میں کمپاؤنڈر تھا۔اُس نے نوکری جھوڑ دی اور گاؤں واپس آگیا۔ یہاں اُس کی تھوڑی بہت آبائی زمین تھی جواُس نے غلام دین کو دے رکھی تھی۔غلام دین اُسے تھوڑا بہت حصہ دے دیتا تھا۔

سیف اللہ ادھیڑ عمر آ دمی تھا۔ اُس نے گاؤں میں اپنے مکان کے ایک جھے میں جھوٹا سا کلینک کھول لیا تھا۔ وہ بہت جلد ڈاکٹر کے نام ہے مشہور ہو گیا تھا۔ اُس کی وجہ ہے گاؤں کے لوگوں کوعلاج معالجے کے سلسلے میں بڑی سہولتیں حاصل ہوگئ تھیں ۔ سیف اللہ نے کئی سال تک

ہنال میں کام کیا تھا۔ ڈاکٹر نہ ہونے کے باوجوداُسے ڈاکٹروں سے زیادہ تجربے تھا۔ سیف اللّٰہ کواطلاع مل چکی تھی کہ ستی میں آنے الے مجاہدین کے ساتھ ایک زخمی بھی ہے۔ اطلاع ملتے ہی وہ اپناتھیلا اُٹھا کر یہاں آنے کے لئے چل پڑا تھا۔ غلام دین کے بھیجے ہوئے آدی ہے اُس کی ملاقات راستے ہی میں ہوگئ تھی۔

, تھیے میں سے الجلشن نکال کر تیار کرنے لگا۔انگوری بے چین سی ہوگئی۔ ''بالکل نکلیف نہیں ہوگی۔'' سیف اللہ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''انجکشن لگا نا مردری ہے۔اگر بخار د ماغ کو چڑھ گیا تو معالمہ شکین ہوجائے گا۔''

مرون ہے۔ اور الماری کی گئی۔ از وہیں سوئی چھی تو آس کے منہ ہے۔ کاری سی نکل گئی۔ "اس کے سینے پرایک زخم ہے۔" میں نے انجکشن لگنے کے بعد سیف اللہ کی طرف ویجھتے ہوئے کہا۔" زخم اگر چہ معمولی سا ہے لیکن میرا خیال ہے افیکشن ہوگیا ہے اور بخار اس وجہ ہے الما ہے۔"

سیف الله زخم د کیمنا حیا ہتا تھا اور انگوری چکچار ہی تھی۔

''ایک کہاوت ہے کہ ڈاکٹر اور وکیل ہے چھ چھپانا اپنے لئے ہی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''سیف اللہ نے کہا۔

جود سے مدت ہو۔ اُس نے بڑے سلیقے سے اپنی بات کی وضاحت کردی تھی۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔اُس نے آئکھیں بند کر کے خود ہی اپنی قمیض اُو پراُ ٹھادی۔

ڈاکٹر سیف اللہ نے جب کر زخم کا معائد کیا اور پھر تھلے میں سے ایک ٹیوب نکال کر زخم اپرٹ سے صاف کرنے کے بعد کریم نگا کر بینڈ ت کا دی۔سپرٹ لگنے سے شدید قتم کی جلن بول کی اور انگوری نے تخی سے دانت جھنچ لئے تھے۔

مان دو رون کے ماہ اور کا میں ہے۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔' ڈاکٹر نے سیدھاہوتے ہوئے کہا۔

ر ''دو چاردن آرام کرے گی تو تھیک ہو جائے گی۔ بیرکیم دن میں دومر تبدلگانی ہے۔اور بیر اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ بیرکیم دن میں دومر تبدلگانی ہے۔اور بیر اللہ اللہ '' اس نے تھلے میں سے ایک پلسٹر اسٹر پ نکال لیا۔'' شاید اس کے لئے بچی رہ گئی میں۔ ان میں ایک تھیں۔ جن میں سے پچھے مجھے مل میں ایک تولیاں اتفاق سے بچی رہ گئی تھیں۔ ان میں ایک تولیاں اور بخار کے لئے میں میں ایک تولیاں اتفاق سے بچی رہ گئی تھیں۔ آج رات بی کو بخار اُر جائے گا۔'' میں نہونے دولیاں کا میں چھے سوایم بی کی چھے میں میں کا میں میں کا جیسوایم بی کی چھے ان کی سے میں ایک تولیاں عام بیاری سے بیدا ہونے والی میں کی تھیں۔ یا کی تھیں۔ یا رہ بیکی سے بیدا ہونے والی میں ایک کئی بہترین تھیں۔ اُلیاں میں کا میں بہترین تھیں۔ اُلیاں کے لئے بہترین تھیں۔

ڈ اکٹر سیف اللہ کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد انگوری سوگئی۔ بیشا بدانجکشن کا اثر تھا۔ شام ڈھل چکی تھی پہنتی کے لوگوں کی آمد ورفت جاری تھی۔ لوگ مجھے اور انگوری کو دیکھنے

ب کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میرے ساتھ اُنہوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ بھارتی فرجیوں نے اگر صرف تلاشی لینے ہر ہی اکتفا کیا تو وہ مزاحمت نہیں کریں گے۔ اور اگر بات اس نے برھی تو وہ فائر کر کے ہمیں سکنل دے دیں گے۔ اور ایس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہم جہاں چھے ہوئے تھے وہاں سے بستی صاف نظر آر ہی تھی۔ تقریباً ایک گھٹے بعد دوفوجی برک بستی کی طرف تھا۔ برک بستی کی طرف تھا۔ فرجیوں نے نیچے اُر کر یوزیش سنجال کی تھی۔ اُن کی سب مشین گنوں کا رُخ بستی کی طرف تھا۔ فرجیوں نے بیچے اُر کر یوزیش سنجال کی تھیں اور دونوں گنرز الرٹ نظر آر ہے تھے۔ دوسرا ٹرک بستی بی جا کر ہماری نگاہوں سے او جھل ہوگیا تھا۔ میں رائفل سنجالے چٹان سے میک لگائے بیٹھا

استی کی طرف دیکتارہا۔
میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ تین دن کہلے یہ اطلاع ملی تھی کہ میراتی فوجیوں کو کروڑ نا می بستی میں اپنے ایجنٹ چندر پال عرف رستم اور بستی سے پانچ میل دُور بھارتی فوجیوں کو کروڑ نا می بستی میں اپنے ایجنٹ چندر پال عرف رستم اور بستی سے پانچ میل دُور بہاڑوں میں بابا عبدالفتح کے خفیہ ٹھکا نے پر چار فوجیوں کے مارے جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔ فوج کا ایک دستہ اُس بستی میں بہتج گیا تھا کین جرت انگیز طور پر اُنہوں نے بستی والوں کے خلاف کوئی کا دروائی نہیں کی تھی۔ لیکن اس سے انگلے روز اُنہیں کسی طرح سے یہ اطلاع مل گئی تھی کہتی میں چندر پال اور پہاڑوں میں چار فوجیوں کے تل کا ذمہ دار شمروز (لیعنی میں) ہے۔ فوجی انگلوالیا تھا کہ شمروز اور انگوری ہندواڑہ کی طرف کئے تھے جہاں کیمپ میں تشدد کر کے اُس سے یہ اُنگوالیا تھا کہ شمروز اور انگوری ہندواڑہ کی طرف کئے ہیں۔ بعد میں اُس نو جوان کوچھوڑ دیا گیا تھا جو شدید زخی حالت میں کسی نہ کسی طرح بستی تک تو بہتی گیا لیکن زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور تھا جو شدید زخی حالت میں کسی نہ کسی طرح بستی تک تو بہتی گیا لیکن زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور تھا جو شدید زخی حالت میں کسی نہ کسی طرح بستی تک تو بہتی گیا لیکن زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور تھا جو شدید زخی حالت میں کسی نہ کسی طرح بستی تک تو بہتی گیا لیکن زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور تھا جو شدید زخی حالت میں کسی نہ کسی طرح بستی تک تو بہتی گیا لیکن زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور

أى ثام أس كا انقال مو گيا.....

میں سوچ رہا تھا کہ فوجیوں کو شاید یہ اطلاع ملی ہو گی کہ میں اور انگوری یہاں چھپے ہوئے بیں۔انگوری بہتی میں تھی اور مجھاس کی فکرتھی۔ دو گھنٹے گزر گئے بہتی کی کسی کسی گلی میں جوہمیں نظرآ رہی تھی ، فوجیوں کی سرگرمیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ کوئی غیر معمولی بات ادرافر اتفری نظر نہیں آئی۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا اور پھرلبتی والا ٹرک بھی واپس آتا ہوا دکھائی دیا۔ باہر کھڑے ہوئے فوئی بھی اپنی وے کی طرف چلے فوئی بھی اپنی ہی اپنی اور وہ دونوں ٹرک تیز رفقاری سے ہائی وے کی طرف چلے شئے۔ٹرکول کے جانے کے بعد بھی ہم اپنی کمین گاہ میں دیکے رہے۔ اور پھرتقریبا آوھے گھنٹے بعد بھی کے ایک آدمی نے وہاں آ کرخطرہ ٹل جانے کی اطلاع دی اور ہم چٹانوں سے نکل کر بہتی میں آگئے۔

اُن بھارتی فوجیوں کو اسلح کی تلاش تھی۔بعض گھروں کی تلاشی لیتے ہوئے اُنہوں نے تو ڑ پُورُبھی کی تھی۔مظلوم تشمیری مسلمانوں کو وہ اپنا زرخرید غلام سجھتے تھے۔اُن کے ساتھ بدتمیزی کے لئے آرہے تھے۔ انگوری کے پاس کسی کوئمیں جانے دیا گیا البتہ میں بستی کے لوگوں سے
ملاقاتیں کرتارہا۔
گل فراز اور اُس کے ساتھی اگلے روز سہ پہر کے قریب بستی سے چلے گئے۔ مجھے اور انگوہ کی
کواس وقت تک یہاں رہنا تھا جب تک وہ مکمل طور پرصحت یاب نہ ہو جاتی ۔ اور ڈاکٹر سیف
اللہ نے بتایا تھا کہ ممیں کم از کم پندرہ دن یہاں رُ کنا پڑے گا۔ گل فراز نے بستی سے ردانہ ہونے
سے پہلے مجھے کہہ دیا تھا کہ میں جب بھی ہندواڑہ پہنچوں وہاں شرافت حسین تا می ایک وُ کاندار
سے ضرور مل لوں۔
سے مرور مل لوں۔
سے مرور میں بوار دن تو انگوری کی حالت تشویش ناک رہی۔ بخار بھی ہلکا ہو جاتا اور بھی تیز۔

ڈاکٹر سیف اللہ دن میں دو تین ہار اُسے دیکھنے کے لئے ضرور آتا۔ شروع کی تین را تیں تو اُس نے بھی میر ہے ساتھ انگوری کے پاس بیٹھ کر گزاری تھیں۔ اُسے بھی خاصی تشویش تھی۔ وہ اپنے وسائل کے مطابق انگوری کا علاج کر رہا تھا۔ اُس نے دومر تبد دوابد کی تھی۔ اور ہالآخر پانچویں روز انگوری کی طبیعت سنجلنا شروع ہوئی۔ اب تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ انگوری کا چارج اب گھر کی عورتوں نے سنجل لیا تھا جس سے میری پریشانی بھی پچھ کم ہوگئ تھی۔ اور پھر اُس روز بستی کے ایک آ دی نے اطلاع دی کہ دونو جی ٹرک بستی کی طرف آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ والوں کے پاس ما تنا اسلح نہیں تھا کہ بھارتی فوجیوں کا مقابلہ کر کتھے۔ چندلوگوں کے پاس تھری نائے تھری کی فرسودہ می رانفلیں تھیں لیکن ظاہر ہے کہ ان چند دقیانوسی رائفلوں

ہے جدیدترین سب مثین گنوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بھارتی فوجی یا تو مجاہدین کی موجودگی کی اطلاع پر کسی ہتی پر ہلد ہو لتے تھے یا اسلحہ کی تلاش کے بہانے گھروں کا فیمتی سامان لوٹ لے جاتے اور عورتوں کے ساتھ ماتمیزی کرتے۔موقع ملتا تو نسمی جوان لڑکی کو بھی اُٹھا لے جانے کی کوشش کرتے جس ہے بہتی والوں کی طرف سے مزاحمت ہوتی اور اس طرح یہ بھارتی سور ما نہتے لوگوں پر فائر کھول دیتے اور بستی کے گھروں کو

ٹرکوں تے بارے میں اطلاع ملتے ہی بہتی والے سرگرم عمل ہو گئے۔ مجھے اور بہتی کے پانگ چھ نوعمر اور جوان لڑکوں کو بہتی سے تقریباً پانچ سوگز دُور چٹانوں میں ایک مفوظ جگہ پر پہنچا^{دیا} گیا۔ سی بہتی میں رہنے والے نوعمر اور جوان لڑئے بھی بھارتی فوجیوں کی آنکھوں میں کھکتے تھے۔ اُنہیں اُگر وادی (باغی) کہ کر پکڑلیا جاتا اور کیمبوں میں لیے جاکرتشد دکا نشانہ بنایا جاتا۔

میری اور انگوری کی رائفل بھی میرے حوالے کر دی گئی تھی یہتی والوں نے اپنی د قیانوی تھری نائے تھری کی رائفلیں بھی اپنے لڑکوں کے حوالے کر دی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہنتی والے اور حقارت سے پیش آنامعمول کی بات تھی اور بیچارے کشمیری اچھے دنوں کی اُمید پریہ سب پُر برداشت کررہے تھے۔ آج بھی اس بستی کے لوگوں کے ساتھ الیا ہی تحقیر آمیز رویدا ختیار _{کیا}' تھااور وہ برداشت کر گئے تھے۔

تھااور وہ برداشت کر گئے تھے۔ میں غلام دین کے گھر میں داخل ہو کرانگوری والے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں دو تین مورتی اور بھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر دو مورتیں باہر چلی گئیں جبکہ ایک مورت چارپائی کی پئی پر بیٹھی رہی۔ میں ککڑی کے تختوں والی ایک سالخور دہ می کری گھسیٹ کر چارپائی کے سامنے بیٹیر گیا۔ میں طرف دیکھتے ہوئے انگوری کے ہونٹوں پر خفیف می مسکراہٹ آگئی۔

'' کوئی پراہلم؟'' میں نے سوالیہ نگا ہوں سے انگوری کی طرف دیکھا۔

''نہیں'' اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔'' دو فوجی اس کمرے میں بھی آئ تھے۔ الماریوں کا سامان پھیلا کر چلے گئے۔'' اُس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے بہا مرتبہ بائمیں طرف دیکھا وہاں دیوار میں دوہضمی الماریاں بنی ہوئی تھیں جن میں کپڑے وہ_{یں} تھے جواب سنجال لئے گئے تھے۔

تھے جواب سنبھال لئے گئے تھے۔ ''اس کے علاوہ''انگوری نے بات جاری رکھی۔'' اُنہوں نے مجھے بھی چار پائی ہےاُٹا دیا تھا اور بستر کا گدا وغیرہ اُٹھا کر دیکھا تھا کہ یہاں میں نے کوئی مثین گن وغیرہ تو نہیں چہا کھی ؟''

ں. ہم باتیں کررہے تھے کہ غلام دین بھی آگیا اور ہم بھارتی فوجیوں کی اس کارروائی پرتغرا سرنے گئے۔

پندرہ دن گزر گئے ڈاکٹر سیف اللہ کی توجہ ہے انگوری کے سینے کا زخم ٹھیک ہو چکا تھا۔
اب بخار بھی بالکل نہیں تھا۔ لیکن کمزوری اس قدر بڑھ گئ تھی کہ انگوری سہارے کے بغیر چند قدام
ہے زیادہ نہیں چل سکتی تھی۔ ہمیں ایک ہفتہ مزید پانزل ہی میں گزارنا پڑا۔ اس دوران ادھ اُدھر کی کھا طلاعات ملتی رہی تھیں۔ ایک اہم اطلاع بیتھی کہ کمانڈر محتِ اللہ اور کمانڈررشید نے مشتر کہ طور پرکارروائی کرتے ہوئے سرینگر کے قریب بڑگام کے ایک بڑے فوجی کمپ پر ہملہ کم کے اُسے تباہ کردیا تھا۔ اس کارروائی میں چھ مجاہدین شہید ہوئے تھے جبکہ ایک کرئل اورائیک مجم

سمیت ہیں بھارلی فوجی جہنم کا ایندھن ہے تھے۔ ہمیں پازل میں آئے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہونے والا تھا۔ میں بیکار پڑے پڑے اُ^{کن} گیا تھا۔انگوری بھی اب بالکل ٹھیک تھی اوراب ہم وہاں سے جانا چاہتے تھے۔

یہ ہم نے غلام دین اورنستی کے دوسر بے لوگوں کی مہمان نوازی اور محبوں کا شکریہ اداکیاالئ ا گلے روز صبح سویر بے بہتی ہے رخصت ہو گئے۔ اُس وقت دن کا اُجالا بھی نہیں پھیلا تھا۔ سرگی دھند لکا تھا۔ بستی سے نکل کرخوبانیوں والے باغ سے ہوتے ہوئے ہم پہاڑیوں کی طرف ' رہے متھے جہاں سے ایک راستہ سوپور کی طرف نکلتا تھا۔

یہ کوئی با قاعدہ راستہنیں تھا،ٹریک ساتھا۔ اُس راستے پرصرف خچر ہی چل سکتے تھے یا جن ، کے ماس موٹرسائنگل ہوتی وہ شارٹ کٹ کے خیال سے یہ راستہ اختیار کرتے ۔

الموں کے پاس موٹرسائیکل ہوتی وہ شارٹ کٹ کے خیال سے بدراستہ اختیار کرتے۔
الزئین میں کئی مرتبہ پانزل اور سوپور کے درمیان سفر کر چکا تھا۔ ان بہاڑیوں کے راستوں کے تو میں اپنے ہاتھ کی کلیروں کی طرح واقف تھا اس لئے یہاں بھول جانے کا کوئی اندیشہیں تھا اور اس لئے میں اصل راستہ چھوڑ کر پہاڑیوں میں تنگ می گیڈنڈیوں پر چل رہا تھا۔ انگوری بھی میرےساتھ چل رہی تھی۔ کی وقت وہ بیچھے رہ جاتی تو مجھے تھوڑی دیر کے لئے رُک جانا پڑتا۔
میرےساتھ چل رہی تھی اور پھر ڈھوپ بھی نکل آئی۔ دھوپ کی وجہ ہے ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ ان پہاڑیوں پر چنار، چیڑ اور دوسرے درختوں کی بہتات تھی۔سوپور کا فاصلہ نہیں ہوئی کیونکہ ان پہاڑیوں پر چنار، چیڑ اور دوسرے درختوں کی بہتات تھی۔سوپور کا فاصلہ

الهاره میل سے زیادہ نہیں تھااور میراخیال تھا کہ ہم دو پہرتک وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہم نے دُھوپ تیز ہونے تک خاصا فاصلہ طے کر لیا تھا۔انگوری تھک کر ایک چھوٹی سی ندی کے قریب بیٹھ ٹی۔اُس نے چند گھونٹ پانی بیااور پھرمیری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے بھوک لگ رہی ہے بڑے زور کی۔''

ے بوت بساران ہے بر کے دراراں۔
''کیا۔۔۔۔؟'' میں نے اُسے گھورا۔ روانہ ہونے سے پہلےتم نے دوروٹیاں کھائی تھیں۔
''دہ ہضم ہو گئیں۔''انگوری مسکرائی۔''پوٹی کھولو۔۔۔۔۔ کچھ کھائے بغیر میں آگے نہیں جاسکتی۔''
میں اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ انگوری کے لئے تھوڑی دریآ رام کر لینا بھی ضروری تھا۔ وہ
طویل پہاری سے اُتھی تھی اور پہاڑیوں میں مسلسل چلتے رہنے سے اُس کی طبیعت دوبارہ خراب

ری پیران ہے ہی کی اور پہاریوں میں میں بہت رہے ہے ، میں ایست دوہارہ راب وسکتی تھی۔ میں نے پوٹلی کھول کی۔ چارموٹی موٹی روٹیاں اور اُن کے ساتھ بھیٹر کے گوشت کے تلے وٹ قتلے تھے ہم نراک ایک وٹی کھائی کچھ گوشہ۔ بھی بحال میں نر بوٹلی ماندہ کر

ہوئے قتلے تھے۔ ہم نے ایک ایک روئی کھائی، کچھ گوشت بھی بچالیا۔ میں نے پوٹی باندھ کر رائفل کی نال پر لاکا کی اوراس طرح تقریباً آ دھے گھنے بعد ہم دوبارہ چل پڑے۔
مشہر تھر کرچلتے ہوئے دو بجے کے قریب ہمیں ایک بارپھر زک جانا پڑا۔ یہاں پر ایک چشمے مشریب بیٹھ کر ہم نے بجی ہوئی روٹی کھائی۔ جس جگہ ہم بیٹھے تھے وہاں سے دوفر لانگ آگے برہ موال کو ہندواڑہ سے ملانے والی ہائی و سے تھی اور اُس ہائی و سے کے دوسری طرف کچھ ہی باسلے برمیرا قصیہ مو اور قعا۔

اُس بانی و نے پر اُن دونوں شہروں کے درمیان بسوں اور جیپوں کا ٹریفک جاری رہتا تھا ''فونی گاڑیاں بھی گشت کرتی رہتی تھیں۔ہم تازہ دم ہوکر چٹانوں میں چلتے ہوئے ہائی و بے ''قیب آگئے۔اس طرح ایک فوجی ٹرک اور جیپ تیز رفتاری ہے گزرتے ہوئے نظر آئے۔ ''اول تو چاہا کہ فائر کھول دُوں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ہم محض دورائفلوں ہے اُن کا پچھنیں '''کٹنے تھے البتہ بیضرور ہوتا کہ ہم اُن درندوں کے گھیرے میں آجاتے اور وہ ہمیں گولیوں سے نُہائی کرد ہے۔

جیب اور ٹرک کافی وُ ورنگل جانے کے بعد میں نے ایک بار پھر محتاط نگاہوں سے دائم ہائیں دیکھا اور چٹانوں سے نکل کرتیزی ہے دوڑتے ہوئے سڑک یارکر کے دوسری طرف ﴿ چٹانوں میں پہنچ گئے اور تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے چلنے لگے۔

اس طرف جھوٹی پہاڑیاں تھیں جوسزے سے ذھکی ہوئی تھیں۔ میں نے انگوری کا ہاتھ ؟ رکھا تھااور ہم مسلسل بلندی کی طرف جازہے تھے۔ پہاڑیوں پر چنار کے درختوں کے نیچے آگا؟ ہم زک گئے اور دوسری طرف و کیھتے ہی میرا دل اُسپل کرحلق میں آگیا

نشیب میں تقریباً دومیل کے فاصلے پرمیرا گاؤں تھاسوپور کے قصبے میں جگہ جگہ سے _{بلا} وُھویں کے بادل *اُٹھ رہے تھے*۔۔۔۔۔

سويورجل رياتها.....ميرا گاؤل جل رياتها.....ميرانشميرجل رياتها....!

میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑا گیا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے اردکرد پہاڑیل ٹائب ہو گیا تھا۔۔۔۔میں نے اُس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ اور چنار و چیڑ کے درخت بڑی تیزی ہے کردش کر رہے ہوں۔ انگوری نے میرا ہاتھ پکڑ کر تھے ا کی بچر پر بٹھا دیا۔ میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ انگوری میرے کندھے ہ باتھ رکھے کھڑی ھی۔

کئی منٹ بعد میرے حواسِ بحال ہو سکے تھے۔ اور پھر فضا میں گرر کرر کی آواز س کر میں چونک گیا اور سرا تھیا کر إدهرا دهرو كيھنے لگا۔انگوري بھي تبحسس نگابوں سے إدهرا دهرو كيور بي گل-''وہ……وہ دیکھو……'' اُس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں نے کردن تھما کر اس طرف دیکھا جس جگہ ہے ہم نے سڑک یار کی تھی۔ وہاں 🗢 تقریباً دومیل آ گے ایک ذیلی سڑک ہمارے قصبے کی طرف مُر بی تھی اور اُس سڑک پر چارٹونگ ٹرک اور دوجیپیں نظر آ رہی تھیں۔ اُن کا ِرُخ قصبے سے ہائی وے کی طرف تھا جس کا مطلب اُ کہ وحثی درند ہے سوپور میں اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد واپس جارہے تھے۔ چند منے بھ جیپیں اور ٹرک چٹانوں کے پیچی ہماری نگاہوں سے او بھل ہو چکے تھے مگر فضا میں گرر کررنگ آ وازیدستور سائی دیےرہی تھی۔

''وحثی بھیڑیے۔۔۔''میرے منہ ہے غراہٹ ی نکلی۔میری مٹھیاں بھنچ گئے تھیں۔' انگوری نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیئے اور پھر اُس کے ہاتھ پھسکتے ہوئے مہرہ بانہوں میں آ گئے ۔ میں نے جھکا ہوا سراُٹھا کراس کی طرف دیکھا۔اُس کی آئیھیں نم آلودھیں؟ ''حوصلہ رکھوشمروز!'' وہ میرے چبرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔'' آج پورگا 🖖 میں ہمارے بہن بھائی ، ہزرگ اور بچ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ کیلن وہ دن ضرورانکم جب ہم ان غاصبوں کو وادی ہے نکا لئے میں کامیاب ہو جائیں گے۔اور مجھے یقین ہے^{وووں} بہت جلد آئے گا۔''

"اناء الله" من كت بوك اني جله عد أنه ركيا اور قصيد كي طرف و يكهن لكاركي عَلَبُونِ ہے میاہ دُھواں اُٹھتا ہوانظرآ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اُن شیطانوں نے جی بھر کے ن ی میانی تھی۔ پچھلے چندمہینوں کے دوران سوپور دوسری مرتبدانسا کے پجاریوں کے ہاتھوں تاہی و ہر بادی کا نشانہ بنا تھا ۔۔۔۔ میں نے قوجی ٹرکوں کو واپس جاتے ہوئے دیکھیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ ان وحشیول نے بہتے سوہرے قصبے پر ہلہ بولا ہو گا اور اب اپنی کارروائی ممل کرنے ئے بعد والیں جارے تھے۔

میں انگوری کا ہاتھ کی کر کرنشیب میں اُڑنے لگا۔ میرا خیال ہے ہم نے و صائی تین سو گر کا فاصلہ طے کیا ہوگا۔اس وقت ہم چند بڑے بڑے بھروں کی آ ڑمیں تھے۔ان کےاویر سے گھوم ا کر جیسے ہی دوسری طرف پہنچے ایک طرف ہے جھوٹے جھوٹے بیٹھرلڑ ھکنے کی آ واز سنائی دی میں نے اس طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اُ چھل پڑا۔ ایک آ دمی دوڑتا ہوا چٹانوں کے بیچھے

میں نے انکوری کو وہیں زکنے کا اشارہ کیا اور اُس طرف دوڑ لگا دی۔ چٹان کے دوسری طرف وه آ دی نظر آگیا جو قد آدم پودوں میں چھپنے کی کوشش کرر ہا تھا۔

''زک جاؤ..... ورنہ گولی مار دُول گا۔'' میں اُس کے بیچھے دوڑتا ہوا چیجا۔ اُس محص کے ارے میں میرایہلا خیال سے تھا کہ شاید وہ بھارتی فوج کا کوئی مخبر ہوگا جس نے قصبے میں مجاہدین کاموجود کی کی اطلاع دی ہو گی اور اب یہاں جھیاا پی فراہم کر دہ اطلاع کا متیجہ دیکھیر ہاتھا۔ میں ایک بار پھر چیخا تو وہ حض رُک گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ کردن پر رکھ لئے۔ میں رائفل انے اُس کے پیچھے جہیج گیا۔

" كُون ہوتم؟" ميں نے غراتے ہوئے كہا۔ ميرى طرف كھوم جاؤ! اور اگر كوني چالاكى بھانے کی کوشش کی تو بھون کے رکھ دُوں گا۔''

وه محص آسته آسته ميري طرف محوم گيا.... أس كا چېره د تيميته بي مين أنهيل پرا.....وه الرئے تھے کا ادھیر عمر موچی برکت علی تھا۔ یوں تو تھے میں تین چار موچی تھے مگر برکت علی نارے تحکے کا تھااس لئے میں اُسے پہچان گیا۔

ٔ چاچائم؟''میرے منہ سے جیرت زدہ ی آواز نگل تم یبال کیا کررہے ہو؟'' اُوہ....!'' برکت علی کے منہ ہے گہرا سالس نکل گیا۔ میں توسیمجھا تھا کہ وہ خونخوار مُ يُحَالَ طرف بهي آگئے ہيں۔ آؤميرے ساتھ آؤ!''

ر الرئت على كے بارے ميں مجھے كوئى شبہ نہيں تھا۔ ميں نے رائفل پنچ كر لى۔ دومنك بعد ^{ارن جم} اس طرف آگئے۔ وہ بھی اُ تجھی ہوئی نظروں سے چاچا برکت علی کود کی<u>ھ</u>ر ہی تھی۔ یرسب کیا ہے جا جااورتم یہاں کیا کررہے ہو؟'' میں نے برکت علی کی طرف سوالیہ

''تم اپنی آنھوں ہے دکھ چے ہو کہ سب کیا ہورہا ہے ۔۔۔۔۔۔اور پیسلمانہ آس وقت تکہ چتا رہے گا جب تک وادی کو ان خاصب ہندوؤں کے ناپاک وجود سے صاف نہ کر ہا جائے۔'' چا چا برکت علی کہہ رہا تھا۔۔'' آج صبح فجر کی اذان کے فوراً ہی بعد تین چارٹرک جائے۔' چا چا برکت علی کہہ رہا تھا۔۔'' آج صبح فجر کی اذان کے فوراً ہی بعد تین چارٹرک دنیا تے ہوئے گھروں پر ہلہ بول دنیا تے ہوئے گھروں پر ہلہ بول دیا۔ قیامت صغریٰ کا ساماں تھا۔۔۔۔گھروں کو آگ لگائی جارہی تھی۔عورتیں اور بچوں گھر میں جمع کر لیا اور بوٹ اوھرا دھر دوڑ رہے تھے۔ میں نے کچھورتوں اور بچوں کو عمر دین کے گھر میں جمع کر لیا اور بوٹ ہو کا وہ جھہ اور کی میں حد تک محفوظ تھا۔ ہم عورتوں ، بچوں اور چند بوڑھوں کو لے کر قصبے کا وہ جھہ ابھی کسی حد تک محفوظ تھا۔ ہم عورتوں ، بچوں اور چند بوڑھوں کو لے کر قصبے سے نکل آئے اور باغ میں سے ہوئے ہوئے ان بہاڑیوں میں آگئے اور اس طرف ایک غار میں بناہ لی۔'' وہ چند کھوں کو خاموش ہوا گھر بات جاری کر کھتے ہوئے کہنے لگا۔۔

ب رہ میں اسمی یہی د ٹیھنے کے لئے غار ہے نکلا تھا کہ وہ شیطان واپس چلے گئے یا نہیں؟ال طرف تم لوگوں کی باتیں من کر میں سمجھا تھا کہ شاید وہ درند ہے ہماری تلاش میں اس طرف آگے ہیں۔ میں اپنے ساتھیوں کواطلاع دینے کے لئے بھا گا تھا۔''

ر کہاں ہیں وہ لوگ؟'' میں نے یو چھا۔ ''کہاں ہیں وہ لوگ؟'' میں نے یو چھا۔

''اس طرف ایک غار میں۔''اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔''میرے ساتھ آؤ۔۔۔''
ہم اُس کے پیچھے چھتے رہے اور بالآخر ایک غار میں داخل ہو گئے۔ وہاں ہیں بالم اور عزان عورتیں تھیں۔ دس بارہ بیچ اور باق خرایک عار میں داخل ہو گئے۔ وہاں ہیں بالم ادھیڑ عمر اور جوان عورتیں تھیں۔ دس بارہ بیچ اور باق چھادھڑ عمر آ دمی تھے۔ وہ سب مجھے بیچا نے تھے۔ کئی عورتیں مجھ سے لیٹ کررونے لگیں۔ میں بھی آ نسوضبط نہ کرسکا۔انگورئ بھی رورہی تھی۔ تقریباً آ دھے گھنے بعد ہم اُن عورتوں اور بیچوں کو لے کر غار سے روانہ ہوگئے اور قصبے تک پہنچنے میں بھی ہمیں آ دھے گھنے سے زیادہ نہیں لگا۔ قصبے کی حالت دیکھ کر میں کانچ اور قصبے تک بہنچنے میں بھی ہمیں آ دھے گھنے سے زیادہ نہیں لگا۔ قصبے کی حالت دیکھ کر میں کانچ اُن میں سے آ تار بھر سے ہوئے تھے۔ کئی مکانوں سے اب بھی دُھوال اُنھی رہا تھا۔ ہر طرف تا ہی و بربادی کے آ تار بھر ہے ہوئے تھے۔ اُن میں دو بیچ اور تین عورتیں بھی شامل میں وشانہ خار تگھے۔ اُن میں دو بیچ اور تین عورتیں بھی شامل میں وشانہ خار تگھے۔ اُن میں دو بیچ اور تین عورتیں بھی شامل میں

جبکہ تمیں کے قریب افراد زخمی ہوئے تھے۔ قصبے میں کہرام مجا ہوا تھا۔لوگ اپنی اس تباہی و بربادی پر ایک دوسرے سے لیٹ کرا رہے تھے۔ میں اور انگوری دوسروں کے ساتھ الدادی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ فہیں ہونے والوں کوشام سے پہلے دفن کر دیا گیا۔زخمیوں کو ہر مکنہ حد تک طبی ایداد دی جارہی گی لوگ مکانوں کے ملبوں کے ڈھیر میں اپنا سامان تلاش کررہے تھے لیکن کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ س

جل کررا کھ ہو گیا تھا۔ سوپور میں اس تباہی کی خبر پوری وادی میں چھیل گئی تھی۔ وادی کے کونے کونے می^{س غم د پیج}

ی اہر دوڑ گئی۔ بڑتال کی کال دیے دی گئی اور شدید روِمل کے طور پر بھارتی غاصبوں کے خلاف علایت کی سرگرمیاں تیز ہو سکیں۔

'' بھارتی فو جی بھی اگر چیتناط ہو گئے تھے۔ کیمپوں پر حفاظتی انتظامات بخت کردیئے گئے تھے۔ لیکن اُسی رات مجاہدین کے ایک گروپ نے سرینگر کے قریب ایک فوجی کیمپ پرحملہ کر کے اُسے ممل طور سرتاہ کردیا۔ اس حملے میں بھارتی فوج کا ایک بریگیڈیئر بھی مارا گیا تھا۔

کمل طور پر تباہ کردیا۔ اس حملے میں بھارتی فون کا ایک بریگیڈیئر بھی مارا گیا تھا۔
وہ رات ہم نے برکت علی کے گھر میں گزاری تھی۔ دوسرے دن بھی میں اور انگوری قصبے
والوں کے ساتھ امدادی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ جن کے گھر کے افرادشہید ہو چکے تھے وہ
عورتیں دھاڑیں مار مارکررورہی تھیں۔ بھارتی فوجی پانچ کڑکوں کو بھی پکڑ کر لے گئے تھے۔ اُن
کے گھر کی عورتوں کو تو قابو میں کرنامشکل ہور ہاتھا۔ کی طرح سنجا لے نہیں سنجمل رہی تھیں۔
میرا خیال تھا کہ یہاں کچھ مجاہدین نے پناہ لی ہوگی جس کی اطلاع پر فوجیوں نے یہاں ہلہ
بولا تھا۔ کیکن یہ جان کر جمھے زیادہ حیرت بھی نہیں ہوئی کہ پچھلے کی روز سے مجاہدین کی کسی پارٹی
نے اس طرف کا زخ نہیں کیا تھا۔ فوجیوں نے محف شبے کی بناء پر یہاں ہلہ بول دیا تھا اور تباہی و

ہم تقریبا ایک ہفتہ سوپور میں رہے۔ اس دوران ہم دونوں قصبے والوں کے ساتھ امدادی برگرمیوں میں مصروف رہے تھے۔ آس پاس کی بستیوں سے پچھ اورلوگ بھی آگئے تھے جو ہر مکن صد تک قصبے والوں سے ہمدردی کا اظہار اورامدادی کا موں میں اُن کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ اور بالآخر ایک روز صبح سویرے ہم ہندواڑہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہمارے ساتھ قصبے کا ایک آدی اور بھی تھا۔ ہم تیوں خچروں پر سوار تھے اور اس مرتبہ ہم نے اُو نیچ پہاڑوں کا زُن کرنے کی بجائے وریا کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بیراستہ اگر چہ طویل تھا لیکن کی صد تک محفوظ بھی تھا۔

بربادی پھیلا کر چلے گئے تھے۔

ہم منج سویرے روانہ ہوئے تھے۔ شام کا اندھرا پھیلنے سے پہلے لانگیات نامی گاؤں کے ایب بنج گئے۔ یہ گاؤں ہندواڑہ سے چندمیل پہلے بائی وے کے قریب دریا کے کنارے پر اف تھا۔ ہم گاؤں میں داخل ہونے کی بجائے نصف میل پہلے ایک فارم ہاؤس پرزک گئے۔ یہاں ایک بوڑھے مرداورایک بوڑھی عورت نے بمارااستقبال کیا۔ ہم نے وہ رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا جبکہ ساتھ آنے والا تیسرا آدئ تھوڑی دیرز کئے کے بعد گاڑی کی طرف چلا گیا۔ اُسے دراصل جانا بھی اُسی گاڑی میں تھا۔

جمال نامی وہ بوڑھا آ دمی اپنے دد جوان بیٹوں کو دطن کی آن پر قربان کر چکا تھا۔ وہ خود ''جہ بوڑھاہو چکا تھا مگر پس منظر میں رہ کرمجاہدین کی مدد کرتار ہتا تھا۔

وہ میرے اور انگوری کے نام ہے واقف تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے ہمارے آنے پر "کُنٹوش کا اظہار کیا۔

اُس رات ہم میں دیر تک آزادی کے بارے میں یا تیں ہوتی رہیں۔اُس کا بیداندہ غلو نہیں تھا کہ تحریک آزادی کی اس لہر میں کچھ تیزی آئی تھی۔ مجاہدین کی کی تنظیمیں بھارگی سامراج کے خلاف سرگرم عمل تھیں۔ بھارتی فوجی کیمپوں اور فوجی قافلوں کو جگہ جگہ نشانہ بنایا جا رہا تھااور آنہیں شدید نقصان پہنچایا جارہا تھا۔ شمیری مجاہدین آزادی کی بیہ جنگ بے سروسامانی کی حالت میں لڑر ہے تھے۔ وہ کئی کی

وقت فاقے کرنتے۔اسلحہ اور ایمونیشن کے حصول میں بھی اُنہیں شدید دُشوار یوں کا سامنا تھا۔
بھارتی فوجیوں سے چھینا اور کیمپوں سے لوٹا ہوا اسلحہ ہی استعال ہور ہا تھا۔اس کے برعکس وادی
میں پھیلی ہوئی سات لا کھ بھارتی فوج جدید ترین اسلحے سے لیمن تھی۔ اُن کے پاس ہرقسم کے
وسائل تھے اور وہ تمام وسائل کو بروئے کار لا رہے تھے۔اس کے باوجود اُنہیں مجاہدین کے
ہاتھوں شدید زک اُٹھائی پڑ رہی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تشمیری مجاہدین کے پاس استے وسائل
اور اتنا گولہ بارود ہوتا تو وہ عملاً پہلے بھارتی غاصبوں کو نہ صرف تشمیر سے نکال چکے ہوتے بلکہ
ہندوستان کے کچھاور جھے پر بھی ان کا قبضہ ہو چکا ہوتا۔

ئے میں اخیال تھا کہ ہم صبح سویر ہے ہی ہندواڑ ہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے مگر جمال نے ہمیں میں ا

''شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں ۔۔۔۔'' اُس نے کہا۔''سوپور والے واقعہ کے بعد پورئ وادی میں ہنگا ہے بڑھ گئے ہیں۔ سرینگر سرکار اور فوج کے خلاف جگہ جگہ مظاہر ہے ہور ہے ہیں۔لوگ تو پڑ امن احتجاج کرنا چاہتے ہیں مگر فوج اور پولیس خود وادی کا امن وامان خراب کر رہی ہے۔مظاہرین کو دیکھتے ہی گولی چلا دی جاتی ہے۔ بے گناہ نو جوانوں کو پکڑ کران پرائ قدر تشدد کیا جاتا ہے کہ وہ زندگی ہمر کے لئے مفلوج ہو کررہ جاتے ہیں۔' وہ چند کھوں کو خاموث ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔''اجنبیوں کو کسی شہر میں زیادہ مشکلات پیش آسکی ہیں۔اس لئے میرامشورہ ہے کہتم لوگ دو تین دن یہیں رہو! حالات پڑسکون ہو جائیں تو چلے

ب باب الله میرے لئے اجنبی نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''اس وادی کا کوئی بھی گوشہ ''ہندواڑہ میرے لئے اجنبی نہیں ہے۔ ویسے ہندواڑہ میں انگوری کی خالہ میں۔ہم اُنہی کے ہاں جائیں گر ''

'' پھر بھیمیرامشورہ ہے کہتم لوگ دوتین دن پہیں رُک جاؤ۔'' جمال دین نے اصرار کیا۔'' تم جیسے نو جوان ہمارا سرمایہ ہیں۔تم لوگوں سے تو تشمیری عوام نے بہت می اُمید ہیں باندھ رکھی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان ہنگاموں میں تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔اس لئے''

ر را بال میں میں نے گہرا سائس کیتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔'' آپ کہتے ہاں'' ''مھیک ہے۔۔۔۔'' میں نے گہرا سائس لیتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔'' آپ کہتے ہاں

میں نے انگوری کی طرف دیکھا۔ أی نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

کے ساتھ ساتھ طومتا اس کے کام میں ہاتھ بھی بٹاتار ہااور با میں بھی ہوئی رہیں۔ اگلے تین دنوں میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔البتہ ہندواڑ ویسے یلنے والی خبروں سے

پید چلنا تھا کہ دہاں اب پہلے جیسے ہنگا ہے ہمیں رہے تھے تا ہم کشید کی پائی جائی تھی۔ ایک دن مزید فارم ہاؤیں میں رُ کئے کے بعد ہم صبح سوبرے گاؤں کے لئے روانہ ہو گئے۔

ایک دن مزید قارم ہاوئ میں زینے کے بعد ہم کی سویرے کا وَل کے لئے روانہ ہو گئے۔ خچراور رانفلیں ہم نے جمال کے پاس ہی جیموڑ دی تھیں۔ خچرتو و ہیں رہتے البتہ رائفلیں ہمیں ہندواڑہ پہنجادی جاتیں۔

جمال ٹے ہاں رہتے ہوئے ہم نے کپڑے بھی بدل لئے تھے۔ میں نے جمال کا ایک جوڑا پہن لیا تھا اور اُس کی بیوی نے انگوری کو اپنا ایک جوڑا دے دیا تھا جواُس کے جسم پر خاصا میں انت

ر بیوسات لانگیات کے لاری اڈ بے پر ہمیں تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ ہماری طرح کچھاورلوگ بھی بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

ں من سے مطاوریں طرح ہے۔ بارہ مولا کی طرف ہے آنے والی بس تھچا تھچ بھری ہوئی تھی۔ مگر کچھ مسافروں کے اُتر جانے ہے ہمیں بس میں سوار ہونے کا موقع مل گیا۔ انگوری کوتو ایک آ دمی نے اپنی سیٹ دے بر لئے تھے ہمیں بس میں سوار ہونے کا موقع مل گیا۔ انگوری کوتو ایک آ دمی نے اپنی سیٹ دے

دی کیلن مجھے کھڑے ہی رہنا پڑائے مسافروں کے رش کی وجہ سے میرادم کھٹا جارہا تھا۔ یہ مختر ساسفر پینٹالیس منٹ میں طے ہوا۔ بس جیسے ہی ہندواڑہ کے لاری اڈے پر زکی درجن مجر فوجیوں نے اُسے گھیر لیا۔ مسافر ایک ایک کر کے اُتر تے رہے۔ فوجی بڑی گہری نظروں سے بس سے اُتر نے والے مسافروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ میرا خیال ہے اُنہیں کی عائں آدی کی تلاشر تھی۔

میں نے بس میں ہی صورتحال کا جائزہ لگالیا تھا اور انگوری کے قریب جھک کر اُس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بتایا تھا کہ جمیں یہاں سے کس طرح تکلنا ہے۔

بس کے آ دھے مسافر اُمْر چکے تھے۔ ہیں نے انگوری کا ہاتھ پکڑلیا اور اُسے سہارا دے کر نیخے اُتاا۔ وہ اس طرح جھکی جارہی تھی جیسے بہت یمار ہواور اپنے پیروں پر کھڑے نہ ہوا جارہا بوایک فوجی جوشاید سینڈ لیفٹینٹ تھا گہری نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پھروہ تیز تیز قدم اُٹھا تا ہوا ہمارے قریب آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ میرے ول کی دھڑکن تیز بوگن ا

''اے۔۔۔۔تم رُک جاوُ!'' سیکنڈ لیفٹینٹ نے تحکمانہ کہج میں کہااور ہماراراستہ روک کر کھڑا

19

انگوری ایک دم سیدهی ہوگئ۔اب نہ تو اُس کے چہرے پر پیلا ہٹ نظر آر رہی تھی اور نہ ہی سی طرح کمزورلگ رہی تھی۔اس کے برعکس اُس کے چہرے پر نہ صرف سرخی تھی بلکہ ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

بھی مسلراہٹ میں۔ ''تم تو بہت بڑی اداکارہ ہو۔'' میں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''وہاں تو یوں لگ رہاتھا جیسے ابھی بے ہوش ہوکر گر پڑوگ۔''

رہا گاہے ، اس بے محل اللہ میں ہوئے ۔ اس نے مسکراتے ہوئے ، اس نے مسکراتے ہوئے ، اس نے مسکراتے ہوئے ، اس دیا۔ '' ویسے حیرت ہے جب وہ میری تلاشی لینے کے لئے آگے بڑھا تھا تو تمہارے اکڑ

عَلَيْ بِرِوهِ خِيامُوشُ ہُوگياِ تھا۔''

بِ ﴿ وَمِهِ بِهِ مِهِ لِمَا تَوْ مِينِ نَائِجَ كَى بِرُواهِ كَئَةِ بِغِيرِ أَسِ كَا بِالْحَدِلُورُ ويَا ۖ ' مِين نَائِجَ كَى بِرُواهِ كَئَةِ بِغِيرِ أَسِ كَا بِالْحَدِلُورُ ويَا ۖ ' مِين نَايدِ جِوابِ دِيا ۔ ' ويسے وہ خاموشِ اس لئے ہوگیا تھا کہ شہر کےلوگ پہلے ہی بھیرے ہوئے ہیں شاید جواب دیا ہے اس کے خواب کے ایک ایک کے ایک کا ایک ایک ایک کا کا ایک کا ایک کا ایک کا کا ایک کا کا ایک کار

یہ بات اُس کی سمجھ میں آئی تھی کہ اِس کی علظی ہے کوئی نیا ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔'' شہر کی فضا میں کشیدگی نمایاں تھی۔ جگہ جگہ فوجی ٹرک کھڑے تھے جن پر مشین گنیں نصب تھیں۔ پولیس کی مسلح پارٹیاں بھی گشت کررہی تھیں۔

یں۔ پیساں کی پوری کی میں داخل ہو گئے اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں چلتے رہے۔ تقریباً ہم بازار سے نکل کرایک گلی میں داخل ہو گئے اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں جو ہاتھ کی اُنگلیوں کی آدھے گھٹے بعد انگوری ایک جگہ رک گئی۔ ہمارے سامنے تین گلیاں تھیں جو ہاتھ کی اُنگلیوں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ انگوریِ تبخس نظروں سے اِدھراُدھرد کمید ہی تھی۔

'' کیا ہواراستہ بھول کنیں کیا؟'' میں نے بوچھا۔ ''میں کئی سال پہلے یہاں آئی تھی۔'' انگوری نے جواب دیا۔'' اس طرف آؤمیرا خیال

''میں کئی سال پہلے یہاں آلی تھی۔''انگوری نے جواب دیا۔''اس طرف آؤ۔۔۔۔۔میرا خیالہ ہے دہ گھرائ گلی میں ہے۔''

ہم دائیں طرف والی گلی میں مُڑ گئے۔انگوری مکانوں کے درواز وں کو دیکھتی ہوئی چل رہی تمی۔اور پھر وہ ایک مکان کے سامنے رُک گئی۔اُس نے ایک بار پھر اِدھراُدھر دیکھا اور پھر اُگے بڑھ کر دروازے کی زنجیر کھنگھٹانے لگی۔

ایک منٹ بعد درداز ہ کھل گیا۔ وہ بارہ تیرہ سال کی عمر کا ایک لڑ کا تھا جس نے لمبا ساکرتا پُن رکھا تھا۔ سرگنجا تھا۔ وہ اُلجھی ہوئی نظروں ہے ہماری طرف دیکھتار ہا۔

> ''ارے.....َثَمَّ گڈو ہونا؟' ُ اَگوری نے کہا تو لڑکے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''خالہ کہاں ہیں جاؤ! اُنہیں بتاؤ انگوری آئی ہے۔''

لڑکا اندر دوڑ آلیا۔ انگوری نے مجھے اشارہ کیا، میں بھی اُس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ انگوری نے دروازہ بند کر دیا اور خالہ خالہ کہتی ہوئی صحن میں آگے چلنے لگی۔ میں دروازے کے ت

⁄ئب اپی جگہ پر کھڑارہا۔ چنز سینڈ بعد ہی کمرے سے ایک ادھیڑ عمر بھاری بھر کم عورت برآ مد ہوئی اور ایک جھٹکے سے وہ گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ پھراُس کی نظریں انگوری کی طرف اُٹھ گئیں۔
انگوری نے چادراس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ اُس کا پوراجہم ڈھکا ہوا تھا اور چہرہ بھی چھپا ہوا تھا۔
لیفٹینٹ نے اُس کے چہرے پر سے چادر ہٹا دی میں آگے بڑھا تو اُس نے ریوالور تان لیا۔۔۔
'' اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔۔۔۔۔ کر ت مت کرنا۔'' اُس کے حلق سے غراہ شیک نگل ۔ دواور
فوجی میرے قریب آگئے تھے۔ اُن دونوں نے مجھے اپنی سب مشین گنوں کی زد میں لے لیا۔
لیفٹین میں نگوری کی طرف متوجہ ہوگیا۔۔۔

لیفٹینٹ انگوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انگوری کا چہرہ ایک دم پیلا ہو گیا تھا اور وہ واقعی برسوں کی بیارنظر آر ہی تھی۔ ''کون ہوتم.....کہاں ہے آئے ہو اور یہاں کہاں 'خانا ہے؟'' کیفٹینٹ نے میرے

چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پو چھا۔ ''لگیات ہے آئے ہیں جی'' میں نے جواب دیا۔'' یہ میری خاِلہ زاد ہے۔ بیار ہے

اے ڈاکٹر کے پاس لے جار ہا ہوں۔ دوائی لے کرہم واپس چلے جائیں گے۔'' لیفٹینٹ نے ایک فوجی کواشارہ کیا وہ آگے بڑھ کرمیری تلاثی لیننے لگا اور پھر سیدھا ہوکر کن

میں سر ہلا دیا۔

''اُورتم نے اپنے لباس میں کیا چھپار کھا ہے؟''لیفٹینٹ نے انگوری کو گھورا۔ لیفٹینٹ شاید خود اُس کی تلاشی لینا جا ہتا تھا لیکن میں کسی قسم کی پرواہ کئے بغیر تیزی ہے . برس

ساسے اسیا۔ ''اس کی حلاقی لینی ہے تو کسی لیڈی سرچر کو بلاؤ!'' میں نے بے خوفی سے کہا۔''تم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے ۔اس سے دُ وررہو!''

ہ طابی واقعت میں مسام ایک دم سرخ ہو گیا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اقدام کرتا آس پال کھڑے ہوئے لوگ قریب آنے لگے۔لوگوں کے تیور دیکھ کرلیفٹینٹ کے چبرے کے تاثرات بدل گئے۔اُس نے ایک فوجی کواشارہ کیا وہ تیز تیز قدم اُٹھا تا ہواایک طرف چلا گیا۔

چند منٹ بعد ہی اُس فو جی کے ساتھ تین پولیس اَہلکار وہاں پہنچ گئے۔ اُن میں ہے ایک عورت تھی۔لیفٹینٹ کا اشارہ پا کرلیڈی کانشیبل آ گے بڑھ کر انگوری کی تلاثی لینے لگی اور پھر سیدھی ہوکر کھڑی ہوگئے۔

ن کی نہیں سر!''اُس نے لیفٹینٹ کیطر ف دیکھتے ہوئے کہا۔'' کی نہیں ہے۔'' ''میک ہے'' لیفٹینٹ نے گہرا سانس لیتے ہوئے میری طرف دیکھا۔''تم لوگ '

سکتے ہولیکن میں تمہارا چہرہ یا در کھوں گا۔'' میں انگوری کا ہاتھ کیڑ کر وہاں ہے چل پڑا۔ مجھے اُس لیفٹینٹ کی نظریں اپنی پشت پر چپنی ہوئی محسوس ہورہی تھیں ۔ تقریباً میں گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک بازار میں مُڑ گئے ' مشاق منڈی میں اناج کا بیو پاری تھا مگر کاروبار کی حالت بہت ہی ڈگرگوں تھی۔ آئے , ن زک گئی جیسے زمین نے اُس کے پیر پکڑ گئے ہوں وہ پلک جھیکے بغیر بےحس وحرکت کون یکاموں اور ہز تالوں نے ہرقیم کا کاروبار تباہ کررکھا تھا۔ ا گوری کی طرف دیکھتی رہی۔لگیا تھا جیسے اُس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو ۔۔۔۔۔اور پھر''میری بنی'' کرز

ہوئے وہ دوڑ کرانگوری سے لیٹ گئی۔ وہ دونوں دھاڑیں مار مار کررور ہی تھیں۔اس دوران گھر کے دوبیرے افراد بھی کمروں ہے نکل آئے تھے۔اُن میں ایک جوان لڑکی اور ایک بہت بوڑھی عورت ھی۔جھر پولیا نے اُس کہ چہرے برمکڑی کا جالا سابن رکھا تھا۔ وہ بھی باری باری انگوری ہے لیٹ کررو نےلکیس۔وہ نوز گنجالز کا قریب کھڑ احبرت ہے اُن کی طرف دیکھیر ہاتھا۔

برارقت آمیز منظر تھا۔ میرا بھی دل بھر آیا۔ آئکھیں بھیگ گئی، مگر میں نے آنسو ضبط کر لئے۔ ماں کے انتقال کے بعد انگوری کی اینے کسی قریبی رشتے ذیار سے مہلی ملا قات تھی۔ ضبط کہ سارے بندھنٹوٹ گئے تھے اوروہ پھوٹ پھوٹ کررور ہی تھی۔

خالہ نے مجھے دروازے کے قریب کھڑے دیکھا تو چونک می گئی۔ انگوری نے اپنے آپ اُ سنھالنے کی کوشش کرتے ہوئے میرے بارے میں بتایا۔ خالہ میرے فریب آگئ، سریہ پار ے ہاتھ پھیرا اور مجھے ایک کمرے میں لے کی جو بیٹھیک کے طور پرسجا ہوا تھا۔ فرش پر گہر۔ رنگ کا نمدہ سجا ہوا تھا۔ تین کرسیاں بھی بڑی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار کے قریب نمدے ب

چوڑ ہے کشن رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر طغرے بھی لگنے ہوئے تھے۔ خالہ مجھے کمرے میں جھوڑ کر چلی گئی۔ وہ گنجالڑ کا گڈومیرے پاس ایک کریں پر بیٹھ کر ہاٹمل كرنے لگا۔ أس كى يہ بات من كر ميں چونك كيا كه تين دن يہلے بھار في فوجي فل كے ايك مكان ہے ایک لڑے کو بکڑ کر لے گئے تھے۔اُس کے بارے میں ابھی تک پیۃ نہیں چلا کہ وہ اُے

کہاں لے گئے ہیں۔ '' شمروز کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔'' خالومشاق نے کہا۔''اس کا نام ہ اس کاتفصیلی تعارف ہے۔اور وادی میں اس کے نام کے ساتھ تمہارے نام کی باز کشت بھی کونڈ ر ہی ہے۔ ہم سب کی وُعالیں تمہارے ساتھ ہیں۔قوم نے تم جیسے نو جوانوں سے بڑی اُمید ہر وابسة كررهي ہيں۔''

میں خاموش رہا۔میرے بارے میں بہت کچھ کہا جارہا تھالیکن مجھے اس کا احساس نہیں ^بھ كه ميرانام كيا ابميت اختيار كركيا بي؟ مين تواپيز آپ كوايك مجامد بي جمحتا تقار مين تو آپي أف اورا پنے وطن کی آ زادی کے لئے لڑ رہا تھا۔ میری طرح اور بھی ہزاروں تشمیری نو جوان آ ^{زادئ} کی میہ جنگ لڑ رہے تھے۔ سب نے اپنی زند گیاں داؤ پر لگا رکھی تھیں۔ سب ہی سرفروش تھی۔ میری نظرول میں نسی کا رتبہ کم نہیں تھا۔

تھوڑی دیرِ بعد انگوِری کی کزن عائشہ چائے بنا کر لے آئی۔سب لوگ اُس کمرے م^{یں ج}ج ہو گئے تھے۔ چبرے برمکڑی کے جال والی وہ بوڑھیعورت مشاق کی والدہ تھیں۔

انگوری کی خالہان لوگوں کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں اور مشتاق بیٹھک میں ا کیے رہ گئے اور ہم کافی دیر تک تازہ ترین صورتحال پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

دو دن ہم گھر میں ہی بندر ہے۔ تیسرے دن میں شرافت حسین سے ملاقات کے لئے چلا گیا۔ بیدوہی ؤ کا ندار تھا جس سے ملنے کا مشورہ مجھے گل فراز نے دیا تھا۔ اُس کی وُ کان تلاش کرنے میں مجھے زیادہ وُشواری پیش نہیں آئی تھی۔شرافت حسین نے بتایا کہ ہماری رانفلیں اُس کے پاس بیٹی چکی ہیں۔اُس نے دودن بعد مجھے رابطہ قائم کرنے کو کہا تھا۔

میں دالیں آ رہا تھا کہ شہر میں احا تک ہی ہنگا ہے شروع ہو گئے ایک آ دمی ہے پتہ چلا کہ چندروز پہلے فوجی مشاق کے پڑوی ہے جس نوجوان کو اُٹھا کر لے گئے تھے اُسے تشد د کر کے شہید کر دیا گیا تھا۔ اُس کی لاش ایک سڑک پریڑی ہوئی ملی تھی۔

میں حانتا تھا کہ لوگ اب اس کل میں جمع ہوں گے جہاں اُس نو جوان کا مکان تھا یعنی مشاق والی کلی ۔ میں تیز تیز چل رہا تھا تا کہ وقت سے پہلے وہاں پہنچ سکوں ۔

ا ایک سڑک پرمُڑ نے ہی سڑک کے کنارے پربیٹھی ایک عورت کو دیکھ کرتھٹھک گیا۔۔۔۔میلا كيلا پھنا ہوا لباس جس سے أس كا جسم جھلك رہا تھا۔ ألجھے ہوئے كرد آلود بال، يكيكے ہوئے گال اور اندر کو دهنسی ہوئی ہونگی ہیں۔...اُس کی حرکات دیکھ کر ہی لگتا تھا کہ اُس کا ذہنی تو از ن درست نہیں ہے۔

میں اُس کے قریب رُک گیا۔ اُس کے چبرے کے نقوش جانے بیجانے سے لگتے تھے اور میں اُسے بیجاننے کی کوشش کرر ہاتھا۔اور پھر دوسرے بی کمھے میرا دل اُنچیل کرحلق میں آگیا۔

میں نے اُسے پیچان لیا تھا..... وہ میری بہن زینب تھی جسے کی مہینے پہلے سو پور پر حملے کے دوران بھارتی فوجی اُٹھا کر كِ لِنْ تِح!

CCC

'' وہ اُحیل پڑا۔'' تمہاری بہن؟'' اُس کے کہج میں شِدید جرت تھی۔''یہ تو '' بھلے تین مبینوں ہے اس شہر میں ہے۔ بھی ایک سڑک پرنظر آتی ہے اور بھی دوسری سڑک پر۔ ج زس کھا کراہے کچھ نہ کچھ کھانے کو دے دیتے ہیں۔تم کہدرہے ہو کہ تمہاری بہن ہے۔ سيكهال تصمّ ؟ " ووقع مجهاس طرح محورر باتها جيم ميري بات كالقين نه آر بامو-"میرانام شمروز ہے میں ایک مجاہد ہوں۔" میں نے جواب دیا۔" چند مہینے پہلے بھارتی و بیوں نے ہمارے گاؤں سوپور پرحملہ کر دیا تھامیرے ماں باپ اور ایک بہن شہید ہو گئے تھے اور اسے وہ درندے اُٹھا کر لے گئے تھے۔ میں اسے تلاش کرتا رہا مگر اس کا سراغ نہیں ملا۔

۔ _{رأ}ں شخص کی طرف دیکھا۔

مں دودن پہلے یہاں آیا ہوں اور اتفاق سے یہ مجھے نظر آگئے۔'' '' سوپور....'' وہ محص میرے چہرے پرنظریں جماتے ہوئے بولا۔'' کیا نام بتایاتم نے؟'' ''شمروز'' میں نے جواب دیا۔

"م مولوی رسول بخش کے بیٹے تو نہیں جو بعد میں کمانڈ رمحب اللہ کی پارٹی میں شامل ہو گیا تنا؟'' اُس تخص نے کہا۔ اُس کی نظریں بدستورمیرے چہرے پرمرکوز تھیں۔ '' إن …'' ميں نے اثبات ميں سر ہلا ديا۔

اُس تحص نے بے اختیار آ گے بڑھ کرمیری پیشانی جوم لی۔ اور پھر ایک جھٹکے سے الگ ہو گیا۔شہر کے شالی علاقے سے فائزنگ کی آوازیں سائی دے رہی تھیں۔

"اے اُٹھا کر میرے ساتھ آؤ ۔۔۔۔۔جلدی کرو! بوراشہر ہنگاموں کی لبیٹ میں آ رہا ہے۔ میں فورا یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

«میں لوہاری محلے میں تھہرا ہوا ہوں۔ وہاں تک کیسے[،]

"أي طرف جانے كا موقع نہيں ہے۔ ميرے ساتھ آؤ جلدى۔ ' وہ مخص بولا۔ ميں نے پھرتی سے جیک کر زینب کو کند سے پر لادلیا اور ہم ایک کل میں داخل ہو گئے۔ زینب نے پېلے تو مزاحمت کی تھی لیکن پھر پر سکون ہوگئی۔

ہم ایک اور گلی میں مُو گئے اور اس کیچے تر ترااہٹ کی آواز سنائی دی پولیس یا فوج کی لولی گاڑی فائز تک کرتی ہوئی تیز رفتاری سے سڑک پر سے گز رکئی۔

لوہاری محلّہ مین روڈ کے دوسری طرف شہر کے شالی علاقے میں تھا اور فائرنگ کی وازیں ب سے سلے أى طرف سے سائى دى تھيں۔ ايسے حالات ميں انگورى كى خالد كے المرتك

ہم مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے وہاں ہے کافی دُورنکل آئے۔ ہر جگہ افراتفری نظرِ آتی ئى بعض ئو جوانوں كومند بر ڈھاٹے يا ندھے مين روڈ كى طرف جاتے ديكھا تھا۔ أن ميں كسى ت بالعول میں رائفل جھی نظر ہیں آئی تھی۔ مجھے اپنی آنکھوں پریفین نہیں آر ہا تھالیکن حقیقت کو جھٹلا نا میرے اختیار میں نہیں تھا زینب ہی تھی۔

مجھ پرسکتہ کی سی کیفیت طاریِ ہورہی تھی ۔ سوچنے سجھنے کی تمام قوتیں سلب ہوچکی تھیں ... میرے ہونٹ کیکیار ہے تھے اور ٹائلول میں بھی جیسے کھڑے دننے کی سکت تہیں رہی تھی ۔ میں کئی کموں تک بلک جھیکے بغیراُس کی طرف دیکھتار ہا۔ جبکہ اُس نے ایک مرتبہ بھی میر ہ طرف ہیں دیکھا تھا۔اُسے شایداحساس ہی ہیں تھا کہ کوئی اس کے قریب آئ کر کھڑا ہے۔ وہ ایک ہاتھ سے شہادت والی اُنگل ہے آ ڑھی تر پھی لکیریں کھینچنے کے بعد وہ تھیلی پھیر کر بیاری لکیریں ملا

دیتی اور کئیریں کھینچنے کا ممل دوبارہ شروع کردیتی۔ساتھ ہی وہ بار بار ہنس بھی رہی تھی۔ ''زینب.....!''میرے کیکیاتے ہوئے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آ وازنکلی اور میں ایک گھٹا ٹیک کراُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''زینب إدهر د مکیه! میری طرف میں جول تبهارا شروز'' میں نے کتے ہوئے اُس کا ہاتھ پکڑلیا۔

ِ''اے ہٹ ''''' اُس نے میرا ہاتھ جھنک دیا ادِراس طرح ہاتھ اُٹھایا جیسے تھیٹر مارنا حاہتی مو ِ نیکن اُس کا ہاتھ زُک گیا اور وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

میں کانپ اُٹھاِ.....اُس کی ویران آنکھوں میں مکمل اجنبیت تھی۔ وہ چند کمجے مجھے گھور آ ر ہی پھر قبقہے لگانے گئی۔ اور پھراچانک ہی منھی بھرمٹی اُٹھا کراپنے سریرڈال لی۔

'' یہ کیا کر رہی ہو.....؟'' میں نے اُس کا ہاتھ کیڑ لیا۔'' مجھے پہچانو زینب! میں تمہارا بھالیا ہوں شمروزہوش میں آ وُ زینب!''

وہ قبیقیے لگاتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی رہی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مکمل ذہنی طور پرمفلوج ہو چی تھی ۔ وہ تو شایداب اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتی تھی۔

آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ ہماری طرف و کیھ رہے تھے۔ ایک ادھیز عمر آدگ ہارے قریب رُک گیا۔

'' کیوں پریشان کر رہے ہو بیچاری کو؟ اِسے جھوڑ دواس کے حال پر۔'' اُس نے مم^{رق} طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کے لیج میں سرزنش تھی۔

''م میں اے پریثان نہیں کر رہا۔ یہ یہ میری بہن ہے نینب۔'' میں نے سراتھ

وہ څخص ایک تنگ ی گلی میں ایک مکان کے سامنے رُک گیا۔ گلی پُلی تھی اور کیچڑ پھ_{لا۔} تھا۔ایک مرتبہ میرا پیر پھسلا اور میں کرتے کرتے بچا تھا۔

اُس شخص نے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ چنڈ سینڈ بعد ہی ایک جوان عورت نے _{درواز} کھول دیا۔ اُس نے ایک ہاتھ ہے جھ سات ماہ کے ایک بچے کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ وہ تُمُ اندر داخل ہو گیا اور میرے لئے دروازے کے دونوں بٹ کھول دیئے۔ میرے اندرواگا ہوتے ہی اُس شخص نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور مجھے اشارہ کرتا ہوا آئلن کے دورز طرف ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ے بیب سرے ں برت رہے ہوں۔ ''اہے یہاں اس حیاریائی پرڈال دو۔''اُس شخص نے حیاریائی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے آہتلی ہے زینب کو جاریانی پر لٹا دیا۔ میرا خیال تھا کہ دہ ہنگامہ کرے گی۔ مگرو

آرام ہے لیٹی بنستی رہی ۔ بھی وہ میری طرف دیکھتی اور بھی اُس محص کی طرف۔

اور پھر اُس نے ایکِ ایسی حرکت کی کہ میں تھرا اُٹھا۔۔۔۔اُس نے اپن پھٹی ہوئی میض اُن أِٹھا دی اور کمر بند کھو لنے لکی۔ میں نے جلدی سے جھک کر اُس کے ہاتھ بکڑ لئے اور ممیض نئے

ا پیکیا کررہی ہو۔.... یاگل ہوگئ ہوکیا؟'' میں چیخا۔

''ہاں یہ پاکل ہی ہو چی ہے۔''میر قریب کھڑے ہوئے تحص نے کہا۔''میں بعد میں نسی وقت بتاؤں گا۔اس وقت تم اسے سنھالو۔''

میراِخیال ہے اُسے کچھ بتاینے کی ضرورت نہیں تھی۔ زینب کی اس حرکت ہی ہے میں سمھا اِللہ اُلما تھا۔ اُس کی بیحالت دیکھ کرمیرا دل خون کے آنسورور ہاتھا۔ تھا کہ وہ کن حالات ہے کزری تھی۔

زینب نے دوبارہ وہ حرکت نہیں کی تھی لیکن میری طرف دیکھ کر ہنستی رہی۔ دروازے ٹیل وہ عورت بھی بیچے کو اُٹھیائے کھڑی تھی۔ وہ خص بھی میرے قریب ہی کھڑا تھا۔ زینب اب برلی حد تک پڑسکون ہو چکی تھی۔ وہ چار پائی پر لیٹی ویران سی نظروں سے کمرے میں ادھراُدھرد کج

''میرا نام ظہوراحمہ ہے۔''میرے قریب کھڑے ہوئے شخص نے اپنا تعارف کرایا۔''اور ہ میری بہن سلمی ہے۔ ہیوہ ہےاس کا شوہرا پنے بچے کی پیدائش ہے دومہینے پہلے باندی پورہ مگا ا کیے جھڑپ کے دوران بھارتی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا بڑا دلیرآ دمی تھا۔ ایک ہے جاہد کی طرح اُس نے ساری گولیاں سینے پر کھائی تھیں۔''

میں نے سلمٰی کی طِرف دیکھا۔ شوہر کے ذکر پر اُس کی آٹکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ اُس ک شاید غیرارادی طور پر بچے کو سینے ہے جینچ لیا تھا۔صرف سلمی ہی ایک ایسی عورت نہیں تھی جس^{اگا} جوانی میں سہا گِ اُجڑا تھا۔ وادی کے ہر دوسرے گھرِ کا کوئی نہ کوئی فرد وطن کی آ زادی کی خاکم جان لٹا چکا تھا۔نسی بہن کےسرے دو پٹہ چھن گیا تھا،نسی کا سہاگ اُجڑ گیا تھا اورنسی ما^{ں کی لو}

، اور اللی ا' نظہور احمد کہدر ہاتھا۔ ' نہم کل ہی شمروز اور انگوری کے بارے میں باتیں کر

ے تھے۔ اور یہ بھاری خوش سمتی ہے کیے یہ عظیم مجاہدا آج بھارے گھر میں موجود ہے۔'' سلمٰ چونک سی کئی اور میری طرف دیلھنے لگی۔

‹ مَمْ سَلطان کو مجھے دیے دواور پہلے جائے بنا دو۔اس کے بعد کھانے کا بندواست کرنا۔''

الإراه في آسك بره كريج كوأس ع ليا-"میں ابھی چائے بناتی ہوں۔ مگرتم اس نگلی کو کیوں لے آئے ہو بھائی ؟"مللی نے زینب

کاطرف دیلھتے ہوئے کہا۔ یہ نگل ' ظہوراحمہ کے منیہ ہے گہرا سائس نکل گیا۔'' بیشمروز کی بہن ہے جسے چند مہینے

بلے موپور پر حملے کے دوران بھارتی فوجی اُٹھا کر لے گئے تھے۔اسے تین مہینے پہلے یہاں بازار بن ریکھا گیا تھا۔ پیچنبیں کن حالات ہے گزری ہے؟ بہرحال تم جائے بنا کرلاؤ!"

سلمٰی کا چہرہ ایک لمحہ کو دُھواں سِا ہو گیا۔ اُھے شاید اپنے بھِائی کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ روچند کھیے بھٹی بھٹی می نظروں ہے بھی مجھے اور بھی زینب کو دیکھتی رہی اور پھر کمرے سے نکل الله میں جار پائی کی پٹی پر بیٹھ گیا اور زینب کا ہاتھ بکڑ کرآ ہستہ آ ہستہ سبلانے لگا۔ میں میتوسمجھ یًا تھا کہ اُس پر کیا بیتی تھی اور اپنے ساتھ ہونے والی زیاد تیوں کی وجہ ہے اُس کا ذہمی تو از ن

ظہوراحمدایک کری پر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کی گود میں بچیہ قلقاریاں بھرر ہا تھا۔ "اس بے چاری کے ساتھ بڑی ٹر بجٹری ہوئی ہے۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر کہدر ہا تھا۔ من مہينے پہلے، پہلی مرتباے لاری او ے کے قریب دیکھا گیا تھا۔ پھر بیشہر کے مختلف علاقوں مُناظراً نے لئی ۔ بھی یہاں بھی وہاںاوگ اے لاوارث اور یا گل سمجھ کر پچھے نہ پچھے کھانے کو دیتے۔ نجانے ہماری قوم کی نتنی بٹیاں اس طرح اپناذہنی توازن کھوبیتھی ہیں؟ کیکن لاوارث

کھران کے ساتھ کچھاورز ہاد تیاں بھی ہوئی رہیں۔شہر کے بعض او ہاش کڑ کے 'بن بسآ کے بچھ مت کہو۔' میں نے ہاتھ اُٹھا کرا سے مزید بچھ کہنے سے روک دیا۔ نمادیته کی ضرورت نبیس تھی ۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا جا ہتا تھا؟ اور بیتو زینب کی حالت ہی تربي تھی کہ اُس پر کیا بیتی تھی۔

کھور پر بعد سکٹی جائے لے آئی۔اُس نے ٹرےایک میز پر رکھ دی اور ایک پیالی اُٹھا کر ا بال کے قریب آئی۔ میں سمجھ گیا اور اُٹھ کرظہور احد کے قریب دوسری کری پر بیٹھ گیا۔ سمکی ہ ہان کی ٹی پر بیٹھ گئی۔

نسنب خود بی اُٹھ کر بیٹھ گئی اور سلمٰی کے ہاتھ سے پیالی لے لی۔ اُسِ نے بیالی کو دونوں ^{ہل} میں بکڑ رکھا تھا اور ندیدوں کی طرح جائے چینے لگی۔ جائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے

اُس کے منہ سے سڑ سڑ کی آ وازیں نکل رہی تھیں۔ اور پھر چائے ختم ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد سلمٰی بنے زینب کا ہاتھ پکڑ کراُسے چارہارُ

اور پر چاہے ، وقع کے درس کرتیا بعد اور پار چاہے ، وقع کے اور پار کے گئی۔ نیاب کی گئی۔ انہاں کی گئی۔

میں آورظہور کمرے میں بیٹھے شہر کی تازہ ترین صورتحال پر بحث کرنے لگے۔ باہرے کج مجھی فائزنگ کی آوازیں سائی دے جاتی تھیں۔

''وہ لڑکا عبدالحمید'' ظہوراحمد کہد ہاتھا۔'' چندروز پہلے کام سے واپس آ رہاتھا کہ چڑہ پر چند نو جوانوں کی پولیس کی ایک پارٹی ہے جھڑپ ہوگئی۔ اس دوران فوجیوں کی ایک پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی اور فائر کھول دیا۔ فائرنگ ہے کوئی ہلاک پارخی تونہیں ہوالیکن بھگدڑ گج گئی۔ وہ لڑکے إدھر اُدھر بھاگ نکلے۔عبدالحمیداگر چہ اُن سے الگ تھلگ تھالیکن وہ فوجیوں کے ہتھے

پر تا ہے۔ تین دن تک کچھ پیة نہیں چلا کہ عبدالحمید کو کہاں رکھا گیا ہے۔ آئ اُس کی زخموں سے پڑر لاش ملی ہے ۔ لوگ بھر گئے ہیں۔ پوراشہر ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا ہے اور مجھے لگتا ہے آئ بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔''

''مزاحت ہونی چاہئے۔ ہرسطح پر'' میں نے اُس کے خاموش ہونے پر کہا۔''شہروں میں، گاؤں دیہاتوں میں، وادی کے کونے کونے میں مزاحت ہونی چاہئے تا کہ ان غاصبوں کو یہ پچہ چل جائے کہ تشمیری اب بے بس نہیں رہے۔ ان کی آٹکھیں کھل چکی ہیں۔ وہ مزید ظم برداشت نہیں کر سکتے اور غلامی کی زنجیریں تو ڑپھینکیس گے۔''

برداست میں سر سنتے اورغلای بی زبیریں بور پہلیں ہے۔ عبدالحمید وہی لؤ کا تھا جسے فوجیوں نے مشاق والی گلی سے اُٹھایا تھا اور اب اُس کی لاش کو تھی جس پر ہنگا مے شروع ہو گئے تھے۔

ی ب ن پر ہوں سے مرون ہوئے ہے۔ میں اور ظہور احمد باتیں کرتے رہے۔ ہمیں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں رہا۔ اور غالبا ایک گھنٹے بعد سلمٰی زینب کو لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو میں چونک گیا۔ اُس ایک گھنٹے جم سلمٰی نے زینب کو نہلا دھلا کر اُس کے کپڑے تبدیل کر دیئے تھے اور بالوں کی بھی چیٹیا بناز^ان

سی بے زینب یونہلا دھلا کرا تک نے پیر ہے بیر کے بیر کے بیر کے بھیا گیر ہوں گا جی بھیا گیر ہوں تھی۔ زینب چار پائی پرآلتی پالتی مار کر بیٹھ گئ۔ وہ بار بارا پنے کپٹروں کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ جھ ہننے گئی اور بھی کم سم ہی ہو جاتی۔

' کے گھنٹہ اور گزر گیا اور پھرسلمٰی نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ ہم دوسرے کمر ' میں آ گئے ۔ میں نے زینب کا ہاتھ پکڑر کھا تھا۔

کی سے میں بچھی ہوئی دری پر دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ دال چاول تھے۔ زینب ہم سے پہلے ہی دستر خوان پر بیٹھ گئ اور ندیدوں کی طرح چاول کھانے لگی جیسے عرصہ سے پچھ نہ کھایا ہم' میر ہے دل پر گھونسا سالگا۔ آنکھوں میں آنسوآ گئے۔ میں نے زینب کی طرف و یکھا۔ ہمارے کھی کیا پچھنیں تھا۔۔۔۔۔ ہر چیز کی فراوانی تھی۔ بھی کسی چیز کی تنگی نہیں ہوئی تھی۔ جو چیز چاہے کھا۔

تھے۔اوراب زینب کود کھ کرمبری آنکھوں ہے بےاختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ کھانے کے بعد سلمی زینب کو اپنے کمرے میں لے گئی اور میں ظہور احمد کے ساتھذائی کمرے میں آگیا۔تقریبا آدھے گھنے بعد دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ظہور احمد اُٹھ

ر باہر چلا گیا۔اُس کی واپسی لقریباً دس منٹ بعد ہوئی ہی۔ ''صورتحال بڑی علین ہے ۔۔۔۔'' اُس نے کری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔''پولیس اور فوج سے ھے ول میں شہر کے مختلف علاقوں میں اب تک تین نوجوان شہید ہو چکے ہیں۔ ہنگاہے اب

ں پین سہر سے سلف علا یوں یں اب یک ین و بورس ہمیز ہو ہے ہیں۔ ہما ہے۔'' برهیں گے۔'' سے بر بہت ملہ عبر سے سے چینے محریم کے زاگل نہتر کشمہری نوجہان وحشی در نہوں

تیں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔ نہتے کشمیری نوجوان وحثی درندوں بے برسر پیکار تھے۔ سروکوں پراُن کا خون بہدر ہا تھا اور میں بہاں بیٹھا ہوا تھا۔

شام ہونے کوتھی۔اور پھریہ اطلاع ملی کہ شہر میں کر فیولگا دیا گیا تھا۔ بیداعلان کر دیا گیا تھا کہ کر فیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دیکھتے ہی گولی ہے اُڑا دیا جائے گا۔

۔ اب میری پریشانی بڑھ رہی تھی۔ میں صبح نو بجے کے قریب گھر نے نکلاتھا اور انگوری ہے کہہ کر آیا تھا کہ دو ڈھائی گھنٹوں میں واپس آ جاؤں گا۔ مگر اب شام ہور ہی تھی۔ انگوری اور اُس کے خالو وغیرہ یقیناً پریشان ہورہے ہول گے۔

ے در پر دیں پرید کی اور ہے۔ میں نے ظہور احمد سے اس پریشانی کا ذکر کیا تو وہ بولا۔'' کوئی بات نہیں۔ میں مشاق حسین کے گھر اطلاع بھجوادیتا ہوں کہتم خیریت ہے ہو۔''

'' کر فیولگ چکا ہے ۔۔۔۔ باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔'' میں نے کہا۔ '' نا یہ میں برد ک

"اس کی تم پرواہ مت کرو" ظہور احمد مسکرا دیا۔" ہماں نے نوجوان ایسے راستوں سے داتف ہیں کہ وہ کر فیو میں بھی شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ کتے ہیں۔" واقف ہیں کہ وہ اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اُس کی واپسی تقریباً آ دھے گھٹے بعد ہوئی تھی۔" میں نے دولڑ کوں کو میں اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اُس کی واپسی تقریباً آ دھے گھٹے بعد ہوئی تھی۔" میں نے دولڑ کوں کو

ووا کھ کر باہر چلا کیا۔اس کی واپسی تقریبا ا دھے صفے بعد ہوئی گ۔ میں بے دوکڑلوں تو مجتی دیا ہے۔'' اُس نے میر ہے سامنے کری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔'' زیادہ سے زیادہ آ دھے گھنٹے ٹی دومشاق کے گھر پراطلاع پہنچادیں گے۔''

باہر شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ سلمی نے ہمیں جائے لاکر دے دی اور رات کے کھانے کُ تاری کرنے لگی۔ زینب سوئی تھی میں جائے کی چسکیاں لیتے ہوئے زینب ہی کے بارے

سُموچْنار ہاکہ کیااب یہ بھی ٹھیک ہوسکے گی؟ تقریباً دو گھنٹوں بعد دروازے پر دستک کی آواز اُبھری۔ میں بھی ظبور احمد کے ساتھ ہی مُرے سے باہر نکل آیا۔ میں تو برآ مدے میں رُک گیا اور ظبور احمد نے آگے بڑھ کر باہر کا

''اوازہ کھول دیا۔ ایک نو جوان لڑکے کے ساتھ انگوری کواندر داخل ہوتے دیکھ کرمیں اُٹھل بڑا۔ ''ارئے میں۔۔۔؟'' میں تیزی ہے آگے بڑھا۔''تم کیوں آگئیں۔۔۔۔۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ''مِمُل کرفیولگا ہوا ہے اور۔۔۔۔''

''ان باتوں کی پرواہ کون کرتا ہے؟'' انگوری نے میری بات کاٹ دی۔''تم صبح ہے غائب تھے۔ مجھے پریشانی ہور بی تھی۔ اور پھر جب بیلوگ اطلاع لے کرآئے تو میں بھی ان

۔ آوازیں سن کرسلنی بھی باور چی خانے سے نکل آئی تھی۔اور میں نے جب بتایا کہ بیا نگوری ہے تو وہ دوڑ کر اُس سے لیٹ گئی۔

' میں نے انگوری سے نتللی اور ظہور احمد کا بھی تعارف کروا دیا۔ اور اُسے زینب کے بارے میں بتایا جس کی وجہ ہے میں گھر واپس نہیں جاسکا تھا۔

''اوہکہاں ہےوہ؟''انگوری کی آتکھوں میں چیک بی انجرآئی۔

''اُس کمرے میں وہ سورہی ہے۔'' میں نے بتایا۔

انگوری نے کمرے میں جھا نک کر دیکھا۔ ہم لوگ اس وقت تک باہر ہی کھڑے تھے۔ کچر سلمٰی انگوری کو لے کر کچن میں چلی گئی۔ میں اور ظہور اپنے کمرے میں آگئے۔

کھانے کے وقت تک زیب بھی جاگ چگی تھی۔ انگوری زینب کے بازیاب ہونے کی اطلاع پر جس طرح خوش ہو کی تھی اُسے دیکھیراس ہے کہیں زیادہ افسردہ اور ملول ہوگئی۔

وہ رات ہم نے ظہوراحمہ کے گھر پر ہی گزاری۔ اگلے روز جمعہ تھا۔ گزشتہ روز کے ہنگاموں میں تین نوجوان شہید ہوئے تھے۔ چوتھا عبدالحمید تھا جو فوجیوں کی حراست میں تشدد ہے جاں بحق ہوا تھا۔ نماز جمعہ کے لئے کرفیو میں

وقفہ وینے کا اعلان نہیں کیا گیا تھالیکن اندر ہی اندریہ اطلاع پورے شہر میں گشت کر رہی تھی کہ اُن چاروں شہداء کی نمازِ جنازہ مرکزی جامع معجد میں نمازِ جمعہ کے بعد ادا کی جائے گی۔شہر کے معززین کی طرف ہے کرفیو کی خلاف ورزی کا اعلان بھی کردیا گیا تھا۔ ساڑھے بارہ ہج میں اور ظہور بھی گھرے نکل کھڑے ہوئے۔اور بھی بہت ہے لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل رہے اور ظہور بھی گھرے نکل کھڑے ہوئے۔اور بھی بہت ہے لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل رہے

اور بہور می طرح کی طرح ہور ہی ہے ۔ در می بہت کے رق کے بیتی کر میں روڈ پر پہنچے تو ہمارے گروپ تھے۔سب ساتھ ملتے گئے اس طرح جب ہم گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر پہنچے تو ہمارے گروپ میں ساٹھ ستر آ دمی شامل ہو چکے تھے۔ مین روڈ پر ہر گلی کے موڑ پر پولیس اور فوج کے مسلح سابات موجود تھے۔ یوں بھی لا تعداد فوجی اور پولیس والے پورے شہر میں تھلیے ہوئے تھے لیکن کسی نے

موجود ھے۔ یوں می لا معداد و بی اور پویس واسے پورے ہمریں پیے ہوئے کے من ک ہماراراستہ رو کنے کی کوشش نہیں گی۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ فوج کی ہائی کمان نے نماز جعد کے لئے کرفیو میں دو گھنے کا وقفہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔لیکن اس کا با قاعدہ اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ کرفیو میں وقفے کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا تھا کہ اگر شہر یوں کی طرف سے ہنگامہ کرنے ک

کوشش کی جائے تو اُن پرِ بلا جھجک فائر کھول دیا جائے۔ جامع مسجد شہر کے مرکز می چورا ہے کے قریب ہی تھی۔ مرکز می چورا ہے پر ہزاروں لوگ جی

تھے۔ پولیس اور فوج نے ملاقے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ چاروں شہداء کے جنازے بھی ایک طرف سائے میں رکھے ہوئے تھے۔ ہر چیرہ افسرد'

تھا۔ ہرروزشہر کے جار چیونو جوان بھارتی درندون کے ہاتھوںشہید ہور ہے تھے۔ بھارتی سامراح کے خلف مولوی صاحب کا وعظ بڑا پڑ اثر تھا۔ ایک موقع پر اُنہوں نے مُکا _{لہ ا}تے ہوئے کہا تھا۔

" ن آج ہمیں ان غاصبوں سے نمٹنے کے لئے کما تذر محب اللہ، کما تذر رشید، کما تذر عبد الحق، کما تذر عبد الحق، کما تذر سیف الرحمٰن، شمروز جیسے جری و دلیر نو جوانوں اور انگوری جیسی تذر اور حوصلہ مند بیٹیوں کی کیلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ بیسر پھر نو جوان ہی بھارتی غاصبوں کو اس سرز مین سے نکال نمجے مناز سب کوایئے حفظ وامان میں رکھے۔"

سلتے ہیں۔ عداان سب واپے حفظ وہ ان کی رہے۔
مولوی صاحب کے وعظ میں اپنا اور انگوری کا نام من کر جھ پر عجیب ہی کیفیت طاری ہوگئ فی فی طہور احمد نے میری طرف و یکھا۔ اُس نے اپنی جگہ سے اُٹھنا چاہا مگر میں نے اُسے ہاتھ ہے پکڑ کر بٹھائے رکھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ میری موجودگی کا اعلان کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اے مناسب نہیں سمجھا۔ نماز کے بعد شہداء کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ اور پھر نو جوانوں نے جنازے کندھوں پر اُٹھا گئے اور بھارتی سامراج کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے شہر کی سرکوں پر گئاتے ہوئے شہر کی سرکوں پر گئاتے ہوئے شہر کی سرکوں پر گئے۔

جنازے میں ہزاروں لوگ شریک تھے۔ جنازے کے جلوں کو چاروں طرف سے پولیس اور فوج کی بھارتی سامراج کے اور فوج کی بھارتی سامراج کے خلاف نعروں کے ساتھ مجاہدین کے کمانڈر کے نام لے لیے کر زندہ باد کے نعرے بھی لگا رہے تھے۔اُن میں میرااور انگوری کا نام بھی بار بارآر ہاتھا۔

ایک جلہ بولیس نے جنازے کوروک لیا۔اس طرف چندسوگز آگے فوج کے مقامی کمانڈنٹ کی رہائش گاہ تھی۔ اور جنازے کے جلوس کے شرکاء اُس کے سامنے مظاہرہ کر کے اُسے یہ اِساس دلانا چاہتے تھے کہ فوج کی وحثیانہ کارروائیوں سے مس طرح گھر اُجڑ رہے ہیںگر فرج اور پولیس نے جلوس کوآگے جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

بات بڑھ رہی تھی۔نو جوان جناز ول کو اُس راستے سے لیے جانا جا ہتے تھے۔وہ اِس بات پھند تھے کہ اُن کاراستہ جھوڑ دیا جائے۔

پولیس نے پہلے لاتھی چارج کیا اور پھرفوج نے گولی چلا دی پہلے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے ہوائی فائزنگ کی گئی۔ پھرلوگوں کو نشانہ بنایا جانے لگا۔ کئی لوگ زخمی ہو کر گر ہے..... بنگلرڈ مج گئی۔ اوگ اورفوج پر پھراؤ شروع کر گئیں جدید ترین رائفلوں کے سامنے پھراؤ کیا حیثیت رکھتا تھا؟ کئی نوجوان زخمی ہو کر گر ہے۔ بنگامہ تقریباً ایک گھنے بنگامہ تقریباً ایک گھنے کئی نوبوری کے جنازے اُٹھا کر لے بیم ایک فون پر اعلان کیا کہ وہ لوگ جنازے اُٹھا کر لے بیم ایک اور متبادل راستہ اختیار کریں۔ اگر اس تھم کی خلاف ورزی کی کوشش کی گئی تو ان پر براہ

راست فائر کھول دیا جائے گا۔

سب سے پہلے میں اور ظہور احمد اُس طرف بڑھے تھے جہاں سڑک پر چاروں جناز _ رکھے ہوئے تھے۔ ہماری دیکھا ریکھی دوسر بے لوگ بھی جمع ہونا شروع ہوگئے۔ بعض جوشلے نو جوان اب بھی جنازے کے جلوس کو کمانڈنٹ کی رہائش گاہ کی طرف ہی لے جانا چاہتے تھے۔

کین میرے خیال میں بیضد ریارتھی۔اس سے نہتے شہریوں کومزید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے کھڑے ہوکر مختصری تقریر کی۔

'' کیاتم لوگ اس تخص کواپ اُو پر ہونے والے ظلم کا احساس دلانا چاہتے ہوجس کے تھم پر بیسب کچھ ہور ہا ہے؟ کیاتم ایک خونخوار بھیڑئے سے بید کہنا چاہتے ہو کہ وہ چیر بھاڑنہ کرے؟ نہیں میرے دوستو! بیانسان نہیں بھیڑئے ہیںان کے اندر رقم کا جذبہ پیدائہیں ہوسکتانہ

بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ متیوں کی بے حرمتی نہ ہو۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان درندوں ہے ہم شہداء کے خون کے ایک ایک قطرے کا بدلہ لیں گے۔ اب شہداء کوان کی منزل تک پہنچانے میں دیر نہ کرو دوستو!''

ہی انہیں کوئی احساس ولایا جا سکتا ہے۔اس کئے اس وقت کوئی ضد کرنا بیکار ہے۔ ہمیں اس

میں کوئی مقرریا موعظ نہیں ہوں لیکن مجھے خوثی ہے کہ میرے ان الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا رنو جوانوں نے جنازے اٹھا کر راستہ بدل لیا۔

اورنو جوانوں نے جنازے اُٹھا کر راستہ بدل لیا۔ شاید ظہور احمد نے اپنے قریب کھڑے ہوئے کی شخص کو بتا دیا تھا کہ میں کون ہوں ۔۔۔۔۔اور پھریپے خبر جنگل کی آگ کی طرح ہزاروں لوگوںِ کے جلوس میں پھیل گئی کہ شمروز بھی جنازے کے

اں جلوں میں شریک ہےاورتقریراُ ی نے کی تھی۔ میرے نام کے زندہ باد کے نعرے لگنا شروع ہو گئے ۔۔۔۔قبرستان میں بھی میرے نام کے نہ ساکات جب اگل نے محمد آقا کی تنہ سری اتنا میں بھی میرے نام کے

نعرے لگتے رہے۔ جن لوگوں نے بمجھے تقریر کرتے ہوئے دیکھا تھا وہ میرے گرد جمع ہو گئے۔ اور پھریہ دیکھ کرسب ہی لوگ چونک گئے کہ فوج نے قبرستان کو گھیرے میں لے لیا تھا۔۔۔ جنازے کے اس جلوس میں میری موجودگی کی اطلاع فوج تک بھی پہنچ گئی تھی۔ پچھ عرصے ہے

میں بھی فوج کی مطلوبہ لسٹ پرتھا۔ کروڑ نامی بستی میں چندر پال عرف رستم اور بابا عبدانھی سے ڈیرے پر چارفوجیوں کی ہلاکت کے بعد تو میں فوج کے لئے زیادہ اہم ہو گیا تھا۔اوراس وقت اُنہیں موقع مل گیا تھا۔اُنہوں نے قبرستان کو گھیرے میں لے لیا تھا۔۔۔۔۔

ظہور احمد کو شاید اپی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر ندامت کے تاثرات نمایاں طور پرنظر آرہے تھے۔

ں پن کردپر مزر کہا گئے!'' میں نے کہا۔''ہم بڑے آ رام سے نکل جائیں گے اور بیونوجی ''گھبراؤ نہیں ظہور بھائی!'' میں نے کہا۔''ہم بڑے آ رام سے نکل جائیں گے۔'' یہاں ٹاپتے رہ جائیں گے۔''

قبرستان میں ہزاروں لوگ تھے۔ جن لوگوں نے مجھے تقریر کرتے ہوئے ویکھا تھا وہ اب

جھے بیچان گئے تھے۔ اُنہوں نے مجھے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اور پھر وہ لوگ مجھے ای طرح گھیرے میں لئے ہوئے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھے گئے ۔ درختوں کے نیچ بھی قبریں

نہیں۔اور وہ لوگ اس طرح زک زک کر چل رہے تھے جیسے قبریں دیکھ رہے ہوں۔ درخوں کے جینڈ کے آس پاس بھی چند فوجی موجود تھے۔ اُنہوں نے لوگوں کو روکنے کی کوشش کی اور ایک فوجی نے چینتے ہوئے کہا کہ لوگ والیسی کے لئے وہی راستہ استعال کریں جن طرف ہے آئے تھے۔لیکن ٹین نوجوان مجھے اپنے ساتھ لے کر درختوں کے جینڈ میں داخل

ہو کھے تھے۔

ہو ہے ہے۔ درخت بہت منجان تھے۔اُن کی شاخیں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں۔ہم اُن کے اندر ہی اندر چلتے ہوئے قبرستان سے وُور آ گئے اور بالآخر درختوں سے نکل کرتیز تیز چلتے ہوئے گنجان آبادی میں پہنچ گئے۔اس طرح آ دھے گھنٹے میں ہم ظہوراحمد کے مکان پر پہنچ گئے۔وہ مینوں نوجوان مجھے

دردازے کے سامنے جھوڑ کر واپس چلے گئے۔ تقریباً ایک گھنے بعد ظہورا حمر بھی آگیا۔ اُس کی اطلاع کے مطابق قبرستان کے داخلی راستے پر بھی فوجوں کی ایک مسلح پارٹی کھڑی تھی۔ اُن کے ساتھ سول لباس میں دوایسے آدمی بھی موجود تھے جن کے چبروں پر نقاب تھے۔ صرف آنکھوں کی جگہ پر سوراخ تھے۔ وہ اپنے سامنے سے گزرنے والے ہر مخص کوغور ہے دیکھ رہے تھے۔ ظہورا حمد کے خیال کے مطابق وہ دونوں نقاب پوٹی وہ بے خمیر اور غدار تھے جنہوں نے مجھے جنازے کے جلوس میں دیکھ کرفوج کوخبر دی تھی اور میری شاخت کے لئے وہ فوجیوں کے ساتھ موجود تھے۔ مگر اُنہیں بڑی ما بوی ہوئی تھی کیونکہ میں

تودہاں سے نکل آیا تھا۔
اگلے دو دنوں میں شہر میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوالیکن کشیدگی برقر ارتھی۔ اس دوران میں ایک مرتبہ بھی گھر سے با ہر نہیں نکلا تھا۔ انگوری بھی میر ے ساتھ تھی اور ہماری تمام تر توجہ زینب پر مرکوز تھی۔ اُس کی حالت دیکھی کر مجھے وُ کھ ہور ہا تھا۔ وہ بھی قبقہ لگانے گئی، بھی رونا شروع کر دیت اور بھی خاموش بیٹھی رہتی۔ اُن دو دنوں میں اُس نے ہر مرتبہ اپنے کیٹر ہے بھی بھاڑ ڈالے تھے۔ تاربہ کی خامہ کیا کہ اے انگوری کی خالہ کے ہاں منتقل کر دیا جائے۔ وہاں اُس کی دیکھ بھال کرنے وہاں اُس کی دیکھ بھال کرنے والے موجود تھے یہاں سلمی اکیلی تھی۔ اُس کا شیر خوار بچہ بھی تھا اُس کے لئے زینب کوسنجالنا مشکل ہور ہاتھا۔

اور پھرا گلے روز نا شتے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم ظہور احمد کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ظبور احمد بھی ہمارے ساتھ تھا۔ زینب کوا یک طرف سے میں نے اور دوسری طرف سے انگوری نے سہارا دے رکھا تھا۔ ہمیں اُسے ساتھ لے جانے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔ وہ بڑے اُرام سے ہمارے ساتھ چل رہی تھی۔ ہم گلیوں سے نکل کر جیسے ہی مین روڈ پر ہنچے تو زینب نے اُوا مک ہی جھٹکا دے کراپنے آپ کو ہم سے چھڑالیا اور قبقتے لگاتی ہوئی سڑک کی طرف دوڑی۔

دائیں طرف ہے فوج کی ایک تیز رقبار جیپ آ رہی تھی۔ نینب سڑک کے وسط میں پہنچ چکی تھی۔ میں اُسے پکڑنے کے لئے اُس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اور پھرایک زور دار دھا کہ ہوا.... وہ فوجی جیپ زینب سے نکرائی اور اُسے اپنے ساتھ تھنٹی ہوئی لے گئی.... میں ایک جھنگے سے زک گیا۔ میراد ماغ من ہورہا تھا اور میں پھٹی پھٹی نظروں سے جیپ کے پنچے نینب کی کچلی ہوئی لاش کود کھر رہا تھا.....!

)

جیپ تقریباً دس گزآگے جاکر رُی تھی اوروہ زیب کو بھی ساتھ تھینی ہوئی لے گئی تھی۔ جیپ پر چار فوجی تھے۔ ایک ڈرائیور اور نین چیچے۔ اُن متیوں میں سے ایک جیپ کے سامنے نصب لائٹ مشین گن کے ساتھ کھڑا تھا اور دوسب مشین گنیں سنجالے آمنے سامنے وال سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ جیپ کے زور دار جھٹکے لگنے سے وہ اپنی سیٹوں پرلڑ ھک گئے تھے لیکن فورا ہی سنجل بھی گئے تھے۔

میرے دماغ میں دھاکے ہے ہور ہے تھے۔ میں نے فوراً ہی اپنے آپ کوسنبھال لیاادر دوسرے ہی کمحے میں نے جیب کی طرف دوڑ لگا دی میں خون میں لت بت زینب کو جیپ کے پنچے سے نکالنا چاہتا تھا۔لیکن جیب کی بچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے فوجی غالبًا یہ سمجھے تھے کہ

اپی سیٹ پر کھڑ استجھلنے کی کوشش کرر ہاتھا۔ وہ پھلنی ہوکر ڈرائیور کے اُوپر گرا۔
میں نے اپنے نینچ د بے ہوئے فوجی کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا اور عین ای وقت کچھادر
لوگ جیپ کی طرف دوڑ پڑے۔ ظہوراحمد اورائگوری اُن میں سب ہے آگے تھے۔ ظہوراحمہ نے
آتے ہی دوسر نے فوجی کی رائفل چھین لی۔انگوری ڈرائیور کی طرف کیکی جوسیٹ ہے اُتر نے کا
کوشش کررہا تھا۔ لیکن اُسی وقت دواور آ دمی اس طرف پہنچ گئے اورائنہوں نے ڈرائیورکوگرفٹ
میں لے کیا اور لاتوں اور گھونسوں ہے اُس کی تواضع کرنے گئے۔

سے جا اور ما وں اور و کوں ہے ، من اور کر دوسر نے فوجی کی کھوپڑی پاش باش کر دی تھی۔ اُ^{ال} ظہور احمد نے راکفل کے بٹ مار مار کر دوسر نے فوجی کی کھوپڑی پاش باش کر دی تھی۔ اُ^{ال}

کا خون بوری جیپ میں بکھر رہا تھا۔ میں نے اپنے حریف فوجی ہے اُس کی راکفل چھین لی تھی اوراُس فوجی کو دھا ویتا ہوا جیپ سے نیچے اُتر آیا۔ اس دوران انگوری نے سیٹ پر کھڑ ہے ہو کر لائٹ مثین گن سنجال لی۔

اتفاق ہے اُسی وقت ایک اور فوجی جیب سامنے والی کشادہ گلی ہے اس طرف نکل آئی۔
اُس پر بھی لائٹ مشین گن نصب تھی۔ گنر نے لوگوں کوخوفزدہ کرنے کے لئے ہوائی برسٹ مار
ایر اُس جیپ کے فوجی صورتحال کواچھی طرح نہیں سمجھ سکے تھے۔ گنر نے لوگوں کوخوفزدہ کرنے
اور منتشر کرنے کے لئے ہوائی برسٹ مارا تھالیکن انگوری نے بڑی پھرتی سے اپنی لائٹ مشین
گن کا رُخ موڑ کر فائر کھول دیا۔ دوسری جیپ کا گنرچھانی ہوکر ڈھیر ہوگیا۔

اُس جیپ میں ایک میجر، ایک کرنل اور دونو جی اور تھے۔ ایک نو جی نے کھڑے ہوکر اپنی سبہ شین گن سے فائز کرنا چاہا مگر اُس کے رائفل سیدھی کرنے سے پہلے ہی میں نے فائز نگ کر کے اُسے ڈھیر کر دیا۔ اس کے ساتھ اور دوسرے نو جی نے اپنی رائفل بھینک دی اور اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ سرے اُور اُٹھا دیئے تھے۔

مر'اد عیاد' ن کے دووں ہا تھ مرے او پر اعلادیے ہے۔ ''انگوری.....رُک جاؤ! فائر مت کرنا۔'' میں چیخ اٹھا۔

سینکڑوں لوگ جمع ہوگئے تھے۔لیکن سب دور دور تھے۔البتہ ہمارے والی جیپ کے گردمجمع لگ گیا تھا۔ چند آ دمی زینب کی لاش اُٹھا کر گلی میں دوڑ گئے تھے۔ظہور احمد بھی ایک فوجی سے چینی ہوئی سب مشین گن سنجالے جیپ کے پیچھے آ ڑ لئے کھڑا تھا۔ میں اپنی سب مشین گن سنجالے دوسری جیپ کے قریب آ گیا اور جیپ کی چیملی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے ایک میجر اور کرئل کود کھرکر میری آنکھوں میں چیک می اُنجر آئی

دہ موت کے فرشتے تھے۔ اُنہوں نے بے درری ہے بے گناہ ، مظلوم اور نہتے لوگوں کوموت کے گھاٹ اُ تارا تھا۔معصوم اور بے گناہ لوگوں پر گولیاں برساتے ہوئے اُنہوں نے بھی جھجک کموں نہیں کی تھی۔لیکن اب اپنی موت کوسامنے دیکھ کراُن کے چہرے دُھواں ہو گئے تھے اور وہ تُمرِّم کانپ رہے تھے۔

'' نیخ آو!'' میں اُنہیں گن کی زد پر لیتے ہوئے دھاڑا۔ وہ نو جی اور دونوں آفیسر ہاتھ اُٹھا کرنے آو!'' میں اُنہیں گن کی زد پر لیتے ہوئے دھاڑا۔ وہ نو جی اور دونوں آفیسر ہاتھ اُٹھا کرنے گئے۔ اسٹے میں تین نو جوان دوڑتے ہوئے میرے قریب بہنج گئے۔ یہ تینوں وہی تنظیم روز مجھے قبرستان میں فوج کے گھیرے سے نکال کر لائے تھے۔ اُن میں سے دونے اُن آفیسرز کے ریوالور نکال لئے ، تیسرے نے ایک سب مشین گن کندھے پر لاکا لی، دوسری میسٹین گن کندھے پر لاکا لی، دوسری میسٹین گن کندھے پر لاکا لی، دوسری سیسٹین گن سے اُن سب کوز د پر لے لیا۔ اُن میں اب جیپ کا ڈرائیور بھی شامل ہو گیا تھا۔ ایک اور نو جوان دوڑتا ہوا ہمارے قریب آگیا۔ اُس نے جیپ کی ڈرائیونگ میٹ سنھال ہا دونوں جیپوں کا زخ مخالف نافرائے دوسری سیٹ پر کھڑے ہوکر لائٹ مشین گن سنھال لی۔ دونوں جیپوں کا زخ مخالف

ستوں میں تھا اور اس ِطرح وہ سڑک دونوں طرف سے لائٹ مِتین گنول کی زو بر بھی۔ ایک

مثین گن پروہ نو جوان کھڑا تھا اور دوسری انگوری نے سنجال رکھی تھی۔

کرٹل نے سکنڈ کیفٹیننٹ کو قریب بلا کرمیرا حکم اُس تک پہنچا دیا۔اس دوران کچھ نوجوان جروں پر ڈھائے باندھے کلیوں سے نکل آئے تھے۔ اُن میں ہے سی کے پاس رائفل تھی، سی کے ہاں پتول اور کسی نے پھر اُٹھار کھے تھے۔ میں نے کینج کر اُٹہیں علم دیا کہ میری اجازت ے بغیر وہ لوگ کوئی غلط حرکت نہ کریں۔

لفٹینٹ ٹرک پرسوار ہو گیا اور وائرلیس پر کمانڈنٹ ہے بات کرنے لگا۔ میں ایک مرتبہ پھر کہوں گا کہ میں نے بہت بڑارِسک لیا تھا۔لیکن مجھے تو قع تھی کہ بھارتی فوج کی ہائی کمان اپنے ووافسروں کواس طرح مروانا پسندئہیں کرے گی۔

اس دوران تین اورٹرک وہاں آ گئے تھے اور فوجیوں نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

لفٹینٹ ٹرک سے اُٹر کر بار بار ہارے پاس آرہا تھا اور میں کرٹل کے ذریعے اپنی بات اُس

اور پھرٹھک تیسویں منٹ پر تمیرا مطالبہ مان لیا گیا۔ میں نے ایک اور مطالبہ پیش کر دیا کہ نوج اس وقت تک شہر سے نگل جائے جب تک زینب کی **تد قین اور ان کڑکوں کی رہائی ممل می**ں نہیں آ جانی ۔اورا گراس دوران شہر میں لہیں ایک گو لی بھی چلی تو ان افسروں کوموت کے گھاٹ اُ تاردیا جائے گا۔ یہ مطالبہ بھی مان لیا گیا اور چندمنٹ کے اندراندرتمام ٹرک واپس چلے گئے۔ لوگ گلیوں اور کونوں کھدروں سے نگل کر سڑک پر جمع ہو گئے اور میرے اور انگوری کے نام

کے نعروں ہے فضا گوبج اُتھی۔ دونوں آفیسروں اور فوجیوں کی آتھوں پر پٹیاں اور اُن کے ہاتھ پشت پر باندھ کر وہی تیوں نو جوان اُنہیں اپنی گرائی میں کسی نا معلوم مقام پر لے گئے۔ پچھے اور لوگ بھی اُن کے

جیپوں پر ہے اسلحہ قبضے میں لے کر دونوں جیپوں کوسڑک پر آگ لگا دی گئی تھی۔لوگوں نے بچھاورانکوری کوکھیرے میں لےرکھا تھااوراُن کے نعروں سے فضا کو بج رہی تھی۔ ہم دونوں کو کمانڈر کا خطاب مل گیا تھا اور انگوری کوتو دختر تشمیر، دختر وطن، تشمیر کی شیر نی اور

نجانے کن کن خطابات سے نوازا جار ہاتھا۔انگوری کی دلیری اور حوصلہ مندی وہ دیکھ جیکے تھے۔ اس نے جس طرح لائٹ مشین گن استعال کر کے دوسری جیب پر آنے والے فوجی افسروں کو ئرنمُر ہونے پرمجبور کیا تھاوہ اُس کا قابل تعریف کارنامہ تھا۔

ہمیں تقریباً ایک تھنے تک وہاں رو کے رکھا گیا۔اس دوران بازار کی ساری وُ کا نیں بھی ا

پھر ہم مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے ظہوراحمہ کے گھر آ گئے ۔ زینب کی زخموں سے چور چور ^{اا}کر اُٹھا کر بہبیں لائی گئی تھی۔لوگوں کو پیۃ چل گیا تھا کہ شہر کی مختلف سڑ کوں پر دکھائی دینے والی 'ا پل میری بہن تھی۔لوگ جوق در جوق ظہور احمد کے گھر کے سامنے جمع ہورہے تھے۔ گلیوں

میں اُن تنیوں نو جوانوں کے ساتھ دونوں بھار لی افسروں اور اُن کے دونوں مانختوں کو ہائل ہوا پہلی جیپ کے پایس لے آیا۔ بازار بند ہو چکا تھا۔سڑک پر سناٹا چھا گیا تھا۔لوگ آس پایس کی گلیوں میں کھس گئے تھے۔ بیرسب کچھ اچا تک اور اتفاقیہ طور برِ بی ہوا تھا۔ دو برے فوجی افسروں کا ہمارے قبضے میں آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کیلن میں ابھی یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کیا کرنا جا ہے کہ انگوری کی آواز س کر چونک گیا

''شمروز ہوشیار....فوجی ٹرک آ رہا ہے۔'' وہ دونوں آفیسرمیرا نام ن کر چونک گئے۔انگوری کی آوالا نے بھی انہیں اُچھلنے پرمجبور کردیا تھا۔ اُنہوں نے پہلی مرتبدد یکھا تھا کہ اُن کی مقبوضہ جیپ پر ایک جوان اور حسین اثر کی مثین گن سنجالے کھڑی ہے۔ میں اُن آفیسروں کی طرف دیکھ کرمسکرا دیا اور مُؤکر اُس ٹرک کی طرف د تکھنے لگا جوسامنے ایک سڑک سے مُو کراس طرف آ رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو پچھ مدایات دیں اور اُن دونوں افسروں اور دوسرے فوجیول کو

ا بنے آگے کھڑا کر کے اُنہیں رائفلوں کی زو پر لے لیا۔ میری رائفل کی نال کرتل کے پہلو ہے لگی ہوئی تھی اور دوسر نے جوان نے میجر کو بے بس کر رکھا تھا۔ اُن سب کے ہاتھ کر دنو ل پر تھے۔ میں نے بہت بردارسک لیا تھالیکن اس وقت اچا تک جوصور تحال بیدا ہوتی تھی اس کے بیش نظراس کے سواکوئی جارہ بھی نہیں تھا۔ آنے والے ٹرک کے فوجیوں نے شاید صورتحال کا إندازہ

لگالیا تھا۔ٹرک ہم سے تقریباً ہیں گز کے فاصلے پر زک گیا اور فوجیوں نے ینچے اُتر کرراتفلیں

تان لیں ۔اس پارتی کا انجارج ایک سینڈ لیفٹینٹ تھا۔ ''ان ہے کہوآ گے بوضے کی کوشش نہ کریں۔'' میں نے کرنل کے پہلو میں رائفل کی نال ے کچوکا دیتے ہوئے کہا۔'' ایگرایک گو لی بھی چلی تو تم لوگوں کوچھلنی کر دیا جائے گا۔''

کرنل نے میرے تھم کی معمیل میں زیادہ در نہیں لگائی تھی۔ اُس نے چیخ کر تھم دیا اور تما^م فوجی و ہیں رُک گئے۔

"كيا چاہتے ہوتم لوك؟" كريل نے ميرى طرف د كھتے ہوئے يو چھا۔ ''اس جیب نے میری بہن کو چل ریا تھا۔'' میں نے کہا۔''اس کی تدفین کے لئے پر سکون فضا اور ان بے گناہ لڑکوں کی رہائی جنہیں پچھلے چندرِ وز کے دوران پکڑا گیا ہے۔''

"اس کے لئے ہانی کمان سے بات کرنی پڑے گی۔" کرٹل نے جواب دیا۔ ''اینے لیفٹینٹ ہے کہو کہ وہ وائرلیس پر مقامی کمانڈنٹ سے بات کرے۔ ہمارے با^س زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ آ دھا گھنٹہ دے سکتا ہوں۔ تیسویں منٹ کے بعد

فیصله ہمارے حق میں نہ ہوا تو تم لوگوں کو پھلنی کر دیا جائے گا۔''

میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ ہم بردی مشکل سے راستہ بناتے ہوئے آگے برور رہے تھے۔

پوٹ پڑ جاتی۔ کمانڈنٹ کو اس دباؤ میں آ کرتمہارا مطالبہ ماننا پڑا۔ تم نے کیکی مرتبہ فوج کانڈنٹ کو اپنے قدموں پر جھکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میتمہاری بہت بڑی کامیابی ہے۔ اُوپر والے تم سے بہت خوش ہیں۔''

رائے میں نے جب دو مرتبہ اُوپر والوں کا ذکر کیا تھا۔ اور میں نہیں مجھ سکا تھا کہ اُوپر والے شرافت حسین نے دو مرتبہ اُوپر والوں کا ذکر کیا تھا۔ اور میں نہیں مجھ سکا تھا کہ اُوپر والے کون ہیں؟ میں نے جب جہاد کے لئے ہاتھ میں رائفل اُٹھائی تھی تو پچھ عرصہ تک کمانڈر محب اللہ کے ساتھ رہا تھا۔ اس کے بعد میں اور انگوری آزادانہ طور پر بھارتی فوجیوں کے خلاف کاروائیاں کرتے رہے تھے۔ یوں تو وادی میں مجاہدین کی کئی شظیمیں بھارتی سامرات کے خلاف برس پیکارتھیں۔ ہم با قاعدہ طور پر کی ایک نظیم سے وابستہ نہیں تھے۔ پازل میں گل فراز ای مجمد سے ابھا کہ ہندواڑہ بہنچ کر میں شرافت حسین سے رابطہ کرلوں اور اب شرافت حسین اوپر والوں کی بات کرر ہا تھا اور بیاد پر والے میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے کہ کون تھے؟ میں شرافت حسین سے بچھ پوچھنا جا ہتا تھا کہ دوآ دمی ہمارے قریب آگئے اور ہماری گفتگو کارخ بدل گیا۔

گھر پہنچ تو شام تک لوگوں کا جھوم رہا۔ وہ تینوں نو جوان بھی میرے آس پاس منڈلاتے پھر رہے تھے۔ اُن میں سے سعید نامی نو جوان میرے قریب آگیا۔ وہ دُبلا پتلا سالڑ کا تھا عمر تئیس جہیں کے لگ بھگ رہی ہوگی۔

"ہم عشاکی نماز کے بعد یہاں ہے نکلیں گے کمانڈر.....!" اُس نے میرے کان میں اوڑی "

"فوج کی حراست میں اپنے نو جوانوں اور فوجیوں کے تباد لے کا کیا ہوگا؟"میں نے پو چھا۔
"اس سلسلے میں ہمارے کچھ آ دمی فوجی اور پولیس حکام سے گفت وشنید کر رہے ہیں۔"
سعید نے جواب دیا۔" تباد لے کے لئے کل دن میں کوئی وقت مقرر کیا جائے گا۔ ہندوؤں کی
انہت سے سب ہی لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ اپنے آفیسروں کی رہائی کے بعدوہ تہمیں اور
انگوری کو گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ اُن کا بعض گھروں پر چھاپے مارنے کا پروگرام بھی ہے۔
ان کئے ہم آج ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔"

مجھے یہ ہم اندیشہ تھا کہ اپنے افسروں کی رہائی کے بعد بھارتی فوتکی بے گناہ نہتے شہریوں کے خلاف انقامی کارروائیاں شروع کر دیں گے۔ میں نے سعید کے سامنے بھی اپنے اس نسشے کا اظہار کر دیا۔

سے ہاہم ارردیا۔ ''وہ فی الحال ایسانہیں کریں گے۔''سعید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''تم نے اُنہیں اُنگا چوٹ لگائی ہے جے وہ کئی روز تک سہلاتے رہیں گے اوراب وہ اپنی تحکمت عملی بھی تبدیل ''کرل گے۔ فوجی افسروں کی گرفتاری کا ذمہ دار مقامی کمانڈنٹ کو تھمبرایا جارہا ہے۔ فوج میں 'ہمتاُ اُو پر تک ہلچل مچے گئی ہے اور ممکن ہے اس کمانڈنٹ کو ایک دوروز میں یہاں ہے تبدیل کر ظہور احمد کے آس پاس کے کئی مکان خالی کر دیئے گئے تھے۔ وہاں وہ لوگ بھرے ہوئے تھے جو بہی استھے جو بھی سے جو بھی سامنے والے ایک مکان میں پہنچا دیا گیا۔ لا تعدا دلوگ حمن کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے لئے بھی جگہ بنا دی گئی۔ انگوری ظہور احمد کے مکان میں جلی گئی تھی۔ علی سے بیار ہوگئی جے جلوس کی صورت میں شہر کے مرکزی چوک کی جائے ہے اور بھی کے ایک جائے ہے۔

چار ہیج کے فریب میت تیار ہوئی جسے جنوسی می صورت میں سہر کے مرکز کی پوک کی جاگا مسجد لے جایا گیا اور عصر کی نماز کے بعد جناز سے کا جلوس قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر کی سؤکوں پر پولیس کی تو بحر مارتھی گر کسی فو جی کا نام ونشان تک نظر نہیں آر ہاتھا۔ یہ ثاید پہلا موقع تھا کہ اس شہر میں کوئی فوجی دکھائی نہیں وے رہا تھا اور پولیس والے بھی لوگوں سے

پہلا وں ملا مداں ہمرمیں دن رہارے تیفے میں سات ہوتے تو صورتحال مختلف ہوتی۔ دُور دُور ہی تھے۔اگر وہ فوجی آفیسرز ہمارے قبفے میں نہ آئے ہوتے تو صورتحال مختلف ہوتی۔ ہم تدفین کے بعد واپس آرہے تھے کہ ایک آدئی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے مُوکر دیکھا وہ شرافت حسین تھا۔ اُس روز میں اُسی سے ملنے گیا تھا اور واپسی پر ہنگاہے شروع ہو گئے تھے۔شرافت حسین نے دو دن بعد ملاقات کے لئے کہا تھا مگر ہنگاہے طول تھنچ گئے تھے اور میں زینب کی وجہ ہے بھی ظہور احمد کے گھر میں محصور ہوکررہ گیا تھا۔

شرافت حسین میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اُس نے مناسب الفاظ میں تعزیت کی اور پھر سرگوشانہ کیچے میں بولا۔

'' پرسوں شام تمہاری باندی بورہ میں افضل عباس نامی ایک تخص سے ملاقات کرانی ہے۔ تم آج ہی رات یہاں سے روانہ ہو جاؤ! وہ تینوں تمہارے ساتھ جائیں گے جو اُس روز تمہیں قبرستان سے نکال کر لے گئے تھے اور آج صبح بھی تمہارے ساتھ تھے۔''

جرس کے لان کر اس کی طرف و کیھنے لگا۔ شرافت حسین کے ہونٹوں پر خفیف می مسکراہٹ آ میں چونک کر اُس کی طرف و کیھنے لگا۔ شرافت حسین کے ہونٹوں پر خفیف می مسکراہٹ آ گئے۔'' جبتم پہلی بار مجھ سے ملا قات کر کے میری وُ کان سے نکلے تو تمہاری حفاظت کے لئے اُن مینوں کو اُسی وفت تمہارے پیچھے لگا دیا تھا۔'' اُس نے سر گوشیانہ لیجے میں بتایا۔'' وہ مینوں تم سے وُ ور رہ کرتمہاری مگرانی کرتے رہے ہیں۔ اس لئے آج میج حادثہ رونما ہوتے ہی وہ مینوں تمہارے قریب پہنچ گئے تھے۔''

"پروگرام کیا ہے؟" میں نے پوجھا۔

رورہ ہیں ہوں۔ اس کے بیارے اس ''باندی پورہ بینچ کر ہی پہ چلے گا۔''شرافت حسین نے جواب دیا۔''ویسے تہارے ا^س کارنا ہے کی اطلاع بھی اُوپر تک بینچ بچل ہے۔تم نے اگر چہ بہت بڑا رِسک لیا تھا۔ فوج پورے شہر کو جلا کر را کھ کرسکتی تھی لیکن فوج کے مقامی کمانڈنٹ پر اُوپر سے بہت دباؤ پڑ گیا تھا۔ یہا^ل بھی اسی رینک کے آفیسرز کمانڈنٹ پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ ان دونوں افسروں کو بچایا جائے۔ اگر کمانڈنٹ اُن کی بات مانتے ہے انکار کر کے کسی کارروائی کا حکم دے دیتا تو بھارتی فوج جم

کے ہیڈ کوارٹر یانسی اور جگہ جیج دیا جائے۔''

نے اپنی خالہ تک کونہیں بتایا تھا کہ ہم یہاں ہے جار ہے ہیں بلکہ وہ تو کسی کو بتائے بغیر ہی گھر نکانھی

ے 00۔ تقریباً ایک گھنے تک ہم بنگ اور پرُ آج گلیوں میں گھو منے کے بعد گنجان آبادی ہے باہرنکل آئے۔ آگے آبادی جھدری تھی۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے آبادی مزید کم ہوتی گئی۔ اب

ہاڑیوں پر نہیں نہیں اِکا وُکا مکان نظر آ رہے تھے۔ ہم گہری تاریکی میں چلتے ہوئے قبرستان کی طرف نکل آئے لیکن قبرستان میں داخل ہونے کی بجائے اُس کے دائیں طرف سے ہوتے ہوئے گنجان درختوں میں داخل ہوگئے۔ بیصنو بر کے درختوں کا وہی مختصر ساجنگل تھا جو ایک طرف قبرستان سے ملا ہوا تھا اور دوسری طرف پہاڑی کے دامن تک چلا گیا تھا۔ اُس جنگل میں چنار اور چیڑ کے درخت بھی بکثرت موجود تھے۔

ے دائن تک چلا کیا تھا۔ اس محمل میں چناراور پیڑ نے در حق بی بسرے مو بودھے۔ جنگل سے نکل کر ہم پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ سعید چند قدم آگے تھا۔ میں نے انگوری کا ایک ہاتھ کیٹر رکھا تھا۔ ہم دونوں کے کندھوں پر رائفلیں لنکی ہوئی تھیں۔ انگوری کی رائفل جا در میں چھپی ہوئی تھی جبکہ ہم سے آگے جلنے والے سعید نے اپنی رائفل ہاتھ میں اُٹھا

رہ ں۔ ایک جگہ ہم رُک گئے۔ میں نے بیچھے مُو کر دیکھا شہر بہت دُوررہ گیا تھا۔امن اورسکون ہوتا تو پہ چھوٹا سا شہر روشنیوں سے جگمگار ہا ہوتا مگر ہند د غاصبوں نے بوری وادی کا امن وسکون برباد کررکھا تھا۔شام کا اندھیرا بھیلنے کے تھوڑی دیر بعد بازار بھی بند ہو جاتے تھے اورلوگ بھی اپنے گھروں میں بند ہوکر رہ جاتے تھے۔ تا ہم اس وقت شہر میں کہیں کہیں روشنیاں چمکتی ہوئی نظر آ

راں یں۔ ہم جہاں کھڑے تھے وہ جگہ خاصی بلندی پرتھی ادر وہاں سے شہر کے بائیں طرف والی بہاڑی کے دامن میں اُونجی جگہ پر واقع بھارتی فوجی کیمپ کی روشنیاں جگمگانی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

سود من میں اوپی جد پرواں بھاری و بن یپ ارد میں بھی ہمیں اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہم بھی اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہم بھی اس کے بچھے چل پڑے۔ تقریباً ایک فرانا نگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سعید پھر رُک گیا۔ بہاں اطراف میں بڑے بڑے بھر بھرے ہوئے تھے اور جھاڑیوں اور قد آدم پودوں کی بہات تھی۔ سعید ایک طرف رُخ کر کے منہ ہے بہاڑی بحرے کی آواز نکا لئے لگا۔ جواب میں بہاڑی دوسرے بہاڑی بحرے کی آواز سائی دی۔ ہم پودوں میں دبک کر بیٹھ گئے اور را نفلیس بھی نے اور را نفلیس بیٹو کے اور را نفلیس بھی نے کندھوں سے آتار کر ہاتھوں میں لے لی تھیں۔ چندسکنڈ بعد ہی تاریکی میں چھوٹے بھی بھی ہے بھی میں جھوٹے بھی میں جھوٹے بھی میں جھوٹے بھی دور کی میں جھوٹے بھی میں جھوٹے بھی میں بھی کے بیٹر میٹ کی میں جھوٹے کے بھی ان وہ دوآ دی ہی تھے جو پھروں کی آڑے سعید کا نام لے کر پکارا اور ہم پودوں سے نکل کر سامنے آگئے۔ میں ایک خیرے نظر نہیں آرے سے لیکن آوازوں سے میں نے آئیس بھیان میں ایک عیرے نظر نہیں آرے سے لیکن آوازوں سے میں نے آئیس بھیان

جھے سعید تی اس بات سے ذرا بھی اختلاف نہیں تھا۔ ہمارے ہاتھوں فوج کے دو ہو۔
افسروں کی گرفتاری کوئی معمولی بات نہیں تھی۔فوج میں یقینا اُوپر تک تصلیلی کی گئی ہوگی۔
'' تنہارے لئے بھی خطرات بڑھ گئے ہیں۔'' سعید کہدر ہا تھا۔'' بھارتی فوج کومطلوب
افراد کی فہرست میں تو تم پہلے ہی سے تھ لیکن اب تمہارا نام اس فہرست میں سب سے اُوپر آگر ہے۔اس لئے اُوپر سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ تمہیں اورانگوری کوآج ہی رات یہاں سے نکال ایکسال میں اورانگوری کوآج ہی رات یہاں سے نکال ایکسال ہے۔

جائے۔ '' بیاُو پر والے کون ہیں؟'' میں نے وہ سوال کر ڈالا جوبٹرافت حسین سے بوچھنا چاہتا تو گراس کا موقع نہیں ملاتھا۔

'' کمانڈر محبّ الله'' سعید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ '' کمانڈر محبّ الله؟'' میرے لہج میں حیرت تھی۔ ''ہاں'' سعید کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئے۔'' وہ کسی بھی وقت تہماری طرف ،

ے غافل نہیں رہا۔ تمہاری سرگر میوں کی رپورٹیں بھی مختلف ذرائع سے اُس تک پہنچی رہا ہیں۔ پانزل میں گل فراز نے تمہیں ہندواڑہ میں شرافت حسین سے ملا قات کا مشورہ دیا تھا۔ یہ دراصل کمانڈ رمحتِ اللہ ہی کا حکم تھا جس کی گل فراز نے قمیل کی تھی۔ گل فراز کی بجائے کسی اور جگہ کوئی اور مجاہد بھی تم سے ملتا تو یہ پیغام تم تک پہنچادیتا۔''

روی اور عامر میں مصطفحات کو نیے چیاہ ہے ۔ ''لیکن شرافت حسین نے کوئی خاص بات تو نہیں گی۔''میں نے کہا۔

'' یہاں کے حالات کی وجہ سے پروگرام بدل دیا گیا ہے۔ اس لئے اب باندی بورہ کا انتخاب کیا جائے گا جس کا انتخاب کیا جائے گا جس کا انتخاب کیا جائے گا جس کا اطلاع ہمیں مل جائے گا۔''

وہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے لیکن ہم دونوں اس طرح با تیں کر رہے تھے کہ لی لا ہم پر شبہ نہیں ہو سکا کہ ہم کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ویسے میرے سرے ایک بہت برابو جھ اُڑ کیا تھا۔ بچھ یہ جان کرخوشی ہوئی تھی کہ کمانڈ رمحت اللہ میری طرف سے عافل نہیں تھا۔ عشاء کی نماز ہم نے مرکزی چوک کی جامع مبحد ہی میں پڑھی تھی۔ نماز کے بعد ظہورا حمد کھر آئر ہم نے کھانا کھایا۔ اُس وقت بھی بہت سے لوگ جمع تھے۔ جب میں ظہور کے گھر ہمی داخل ہوا تو انگوری کی خالہ اور اُن کی بیٹی عائشہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ خالہ تو جمجھے سینے سے پٹا داخل ہوا تو انگوری کی خالہ اور اُن کی بیٹی عائشہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ خالہ تو جمجھے سینے سے پٹا کر ویڈی تھی۔ میں نے انگوری کو الگ لے جاکر بتا دیا کہ آ دھے گھٹے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جاکر بیا دیا کہ آ دھے گھٹے بعد ہم یہاں سے روانہ مو جائیں گے۔

ر با یں گے۔ اور بھرٹھیک ساڑھےنو بجے میں سعید کے ساتھ اُس مکان سے نکل آیا۔ اُس کے دونوں ساتھی پہلے ہی جا چکے تھے۔ انگوری بھی سیاہ چا در اوڑ ھے ظہور احمد کے گھر سے نکل آئی۔ اُ^س م ہمیں کیا کرنا جا<u>ہئے؟</u>

''یو میرابھی تجربہ ہے کہ خونی بھیڑئے کی ستی پر دوسری مرتبہ ضرور حملہ آور ہوتے ہیں۔''

م_{یں} نے کہا۔'' جمیں ان کی بات مان لینی چاہئے۔ اور اگر آج کا دن ہم یہیں رُک جا ئیں تو ٹایداس میں ہماری بھلائی ہو۔''

معدادراً س كے ساتھى مجھ سے اختلاف نہيں كر سكے۔ ہم جيپ سے اُتر كر مكان ميں داخل ، گئے۔انوراسٹیئرنگ کے سامنے ہی ہیشار ہا۔ وہ تحص جمیں مکان کے اندر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ہن کے تھوڑی ہی دیر بعد جیپ کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔

تقریاً بندرہ منك بعد وہ دونوں بھی والی آگئے۔ ہم جس كمرے ميں بيٹھ تھے وہ خاصا کٹادہ تھا۔فرش پر دری ہی چھی ہوئی تھی۔ایک کونے میں لکڑی کی ایک سالخوردہ چھوئی میزیر

النين ركھي ہوئي تھي ۔ وہ تحص كمرے ميں إدهر أدهر ديكيتا ہوا معذرت كرنے لگا كماس وقت اس ے بہتر کوئی اور جگہنییں مل عتی رئین جب انگوری کود کھے کر اُسے پچھا حساس ہوا تو وہ بولا۔

''معاف کرنا بٹیآؤ! میں تمہیں دوسرے گھر میں خواتین کے باس چھوڑ وُوں۔''

"میں سہیں ٹھیک ہوں۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" انگوری نے جواب دیا۔ ''دراصل بات سے کہ میں یہاں اکیلائی رہتا ہوں۔میرے گھر والے دوسرے مکان

يْنِ بِن -'' وه بولا -'' مَجِهِ كَها وُ كَيْمَ لُوكَ ما قَهُوه بناليس؟''

''اب وقت تو صرف قہوہ ہی چلے گا۔''سعیدنے جواب دیا۔

اُس حَقْمِ کا نام حنیف تھا اور وہ مجاہدین کے لئے مخبر کی حیثیت سے خد مات انجام دیتا تھا۔

ے اطلاع تھی کہ ہم آج رات کسی وقت یہاں ^{پیچی}یں گے اس لئے وہ ہمارے انتظار میں جاگ

حنیف کمرے سے باہر چلا گیا۔ ہم دیواروں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ٹانکیں سامنے کو قبلار کھی تھیں۔ جیب کے اس سِفر نے ہمارے انج_ر پنجر ڈھیلے کر دیئے تھے۔اگر پیدل <u>جیل</u>تے تو بنایرائ تھلن نہ ہوتی ۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے اونکھ رہی تھی۔

مریبا ہمیں منٹ بعد حنیف قہوہ لے کرآ گیا۔انگوری بھی جاگ گئے۔ کرم کرم قہوہ پینے کے بعد ہمارے حواس کچھ بحال ہوئے کیکن ہم زیادہ دیر تک ای طرح ٹئ پیٹھےرہ سکے یشھکن بری طرح سوار تھی اور نیندغلبہ پانے کی کوشش کر رہی تھی۔سب سے ہٹا آوری جا دراوڑ ھے کرآ ڑھی تر کچھی فرش پر لیٹ گئی اوراس کے بعد دوسر بے بھی لڑ ھکتے گئے ۔

اگلادن ہم نے مقام نامی اس بستی میں گزارا، شام سے ذرا پہلے باندی پورہ ہے آنے ِ مُلاَيكَ آ دِی ہے''سب ٹھیک ہے'' کا پیغام مل گیا اور شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد

اُلِمُنْ بِوِره کی طرف روانه ہو گئے۔ لیک کھنٹے میں ہم باندی پورہ چھنچ گئے ۔افضل عباسی ہمارامنتظرتھا۔اُس نے جیب اینے ایک

لیا۔ وہ انور اور اشرف نام کے وہی دونو جوان تھے جوسیعید کے ساتھ میر ہے آس پاس منڈلا_{ئے} رہتے تھے اور ہم ہے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ظہور احمد کے گھرے رخصت ہو گئے تھے۔

ہم اُن کے بیاتھ چلتے ہوئے چٹانوں کے دوسری طرف آ گئے جہاں کھلی جگہ پر بغیر ہر ک ایک جیپ کھڑی تھی۔ انور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انٹرفِ نے اُس کے ساتھ والی سین سنبعال کی اور ہم تنیوں آ منے سامنے کی سیٹوں پر بیٹھ گئے ۔انگوری میرے ساتھ تھی اور سو_{ید} ہارے سامنے بیٹھا تھا۔

جیبے شارے ہوئی تو سنائے میں آ واز چٹانوں میں بازگشت می ہیدا کرنے لگی۔انور نے مُر كرسعيد سے يجھ كہا جمھ ميں نہيں بن سكا۔ جيب ايك جھنگے ہے حركت ميں آگئ۔

جیب کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ غیر ہموار راستے پر ق^دہ مینڈک کی طرح أچھلتي ہوئی چل رہی تھی۔تقریباً آ و ھے گھنٹے بعد چٹانوں میں کھو منے کے بعدایک کشادہ راستے پرآ گئی۔ یہ کونی با قاعده سرُک مہیں تھی۔غیر ہموار پیھریلا راستہ تھا۔

ہندواڑہ سے بختہ سڑک کے راہتے باندی پورہ جانا ہوتو پہلے بارہ مولا ہائی وے پرسفرکرہ یڑتا ہے۔سویور سے کئی میل آ گے ایک اور پختہ سڑک ووکر جھیل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوتی باندن یورہ ادر پھر جھیل کے اُویر سے تھوئتی ہوئی سمبال سے ہو کر سرینگریک چلی گئی تھی۔

پختہ سڑک والا راستہ اختیار کرنا ہجارے لئے اس لئے بھی ممکن نہیں تھا کہ ایک تو وہ بہت طویل تھااور پھرراہتے میں فوج کی کسی تشتی یارئی ہے تصادم ہونے کا خطرہ تھا۔ کیکن بیراستہ جو ہم نے اختیار کیا تھا نا ہموار ضرور تھا گر ایک تو فاصلہ کم تھا اور دوسرے بیطاقہ سطح زمین ہے تقریباً تین ہزارمیٹر کی بلندی پر واقع تھا۔ان وُشوار گزار پہاڑوں میں بھار بی فوجی دن کے ونت بھی آنے ہے کتراتے تھے اور رات کے ونت تو ان ہے آمنا سامنا ہونے کا سوال ہی پیل

کئی گھنٹوں تک ان اُو نیچے پہاڑوں میں نا ہمواراورنہایت دُشوارراستے پرسفر کرتے ہوئے ہم بالآخر رات کے آخری پہر تین ہج کے قریب مقام نامی گاؤں میں پہنچ گئے۔ باندی لورہ وہاں ہے چندمیل کے فاصلے پررہ گیا تھا۔

مقام نامی اس گاؤں میں ہم صرف چندمنٹ کے لئے رُکے تھے۔سعید نے بستی کے باہر گل جیب رکوا کر ایک مکان کا دروازہ کھنکھٹایا۔ دروازہ فوراْ ہی کھل گیا جس سے اندازہ ہوا کہ صاحب مکان جاگ رہاتھا۔ وہ ادھیڑ عمر تھی سعید کے ساتھ ہی جیپ کے قریب آگیا۔

'' ابھی کل بی فوج کے ایک دیتے نے باندی پورہ پرریڈ کیا تھا۔'' وہ حض کہدر ہاتھا۔''ادرام جانتے ہو کہ جب کسی بنتی ہے **نوج ک**و کچھ نہ ملے تو وہ دوسرے تیسرے دن پھر ہلہ بول ^{جس} ہیں۔ بہتر ہے کہ آج کا دن تم لوگ ادھر کا رُخ ہی مت کرو۔ یا تو یہیں رُک جاؤیا' ''ہم یہاں ہیں رُک سکتے۔'' سعید نے اُس کی بات کاٹ دی پھر مجھ سے مشورہ کرنے لگا

آدمی کے حوالے کر دی اور ہمیں لے کر ایک مکان میں پہنچ گیا۔ ایک گھنٹے بعد دواور آدمی وہاں گئے اور ہمیں بتایا گیا کہ اگلے روز شام سے پہلے ہمیں گندر بل پہنچنا ہے جہاں کمانڈ رمحت اللہ ہمارا منتظر ہوگا۔ ہمارا منتظر ہوگا۔

میں چو نکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے بھی دیر نہیں گئی کہ کوئی بڑا منصوبہ ہے جس کے لئے مجھے اتنی راز داری سے گندربل بلایا جارہا ہے اور کمانڈ رمحتِ الله خود بھی وہاں پہنچ رہا ہے۔ ہم رات دو ہجے تک باتیں کرتے رہے پھر انصل عباسی اور اُس کے ساتھی چلے گئے اور ہم بھی سونے کی تیاری کرنے گئے۔ میں گہری نیند میں تھا کہ سعید نے ہمیں جمنجھوڑ کر جگا دیا۔ اُس

> وقت دن کا مدهم سا اُجالا پھیل رہا تھا۔ '' کیا بات ہے؟'' میں نے خمار آلود کہیجے میں یو چھا۔

'' اُتَّهُوْ....جلْدُی کرو.....!''سعید چیخا۔'' فوج نے گاؤں کو چاروں طرف ہے گھیرے میں اللہ میں ''

یں ہے۔ میں ایک جھنگے ہے اُٹھ کر بیٹھ گیامیرے د ماغ میں سنسنا ہٹ می ہور ہی تھی!

000

میرے دماغ میں سنسنا ہٹ بڑھتی جارہی تھیسعید کے علاوہ انٹرف اور انور بھی جاگ بچے تھے اور اپنی اپنی رائفلیں چیک کررہے تھے۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھاوہ ابھی تک سو ری تھی۔ سعید نے مجھے تو جھنجھوڑ کر جگا دیا تھالیکن انگوری کو اُس نے محض آوازیں دینے پر ہی انتفاکیا تھا۔ میں نے انگوری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے جھنجھوڑ دیا۔

نا ایا هادیں ہے ، ورق سے تدھے پر ہا ھر ھراھے بھور دیا۔ ''انگوریاُ مھوجلدی کرو!'' میں نے چیخ کر کہا۔'' فوج نے گاؤں کو گھیرے میں لے لیا حال میں میٹر سارا''

' انگوری نے بھی اُٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ اُس نے فوراْ ہی اپنی راکفل سنجهال لی۔ ای دفت افضل عباسی دوڑتا ہوا مکان میں داخل ہوا۔

اذان ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ فضا تڑ تڑا ہٹ کی آواز ہے گونے اُٹھی۔اس کے ساتھ ہی گؤزن کی آواز خاموش ہوگئی مجھے بجھنے میں دیر نہیں گلی کہ بھارتی فو جیوں نے مسجد میں گھس مُرمُؤزن کوشہد کر دیا تھا۔

میں رُک گیا۔ اب گاؤں کی مرکزی معجد ہے اذان کی آواز سنائی دیے گئی تھی۔ میرے بڑنچہ انگوری اور انور تھے۔ وہ بھی رُک گئے۔ افضل عباس نے مُو کر بماری طرف دیکھا اور انرے کی کھوڑ کی ہے۔ افضل عباس نے مُو کر بماری طرف دیکھا اور انرے کی لیے اس کی چیخ بھوئی آواز سنائی دی۔

''رُکومت کمانڈر۔۔۔۔۔آ گے چلتے رہو!'' ''انہوں نے مؤذن کوشہید کردیا ہے۔'' میں نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ ''انہوں نے سے ضرب سے سرب سے میں ہونا

''اں وقت ہم کچھنہیں کر سکتے کمانڈر! میرے ساتھ آؤ۔'' افضل عباسی نے کہا۔ ہم سامنے ''ایک اور گلی میں داخل ہو گئے اور پھرایک مکان میں گھس گئے۔ اُس مکان میں عورتیں بھی تھیں اور بیچ بھی۔ دواد هیڑعمرآ دمی تھے اور ایک جوان لڑ کا تھا۔ تینوں مردوں کے ہاتھوں مر آٹو میٹک رانقلیں نظر آ رہی تھیں۔صرف ایک منٹ بعد ایک اور نوعمر لڑ کا دوڑتا ہوا مکان م_ر

'' ہاں کتنے لوگ ہیں اور کہاں کہاں پوزیشن کی ہے اُنہوں نے؟'' افضل عبای نے أس كڑ کے سے يو حيما۔

'' دوٹرکوں پر تقریباً تمیں فوجی ہیں۔ایک جیپ ہے جس پر دولیفٹینٹ اورایک میجر ہے۔" لڑ کا بتا رہا تھا۔''ایکٹرک گاؤں کے مرکزی چوراہے پر کھڑا ہے۔ فوجیوں نے چارول طرف رانفلیں تان رکھی ہیں ۔ایکٹرک اڈے کے پاس ہے۔ آبنہوں نے اڈے کے ساتھ والی مجہ

کے پیش امام کو کولیاں مار کرشہید کر دیا ہے۔'' '' ٹھیک ہے ۔۔۔۔ تم جاؤ اور فقیر حسین ہے کہوا ہے آ دمیوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر ہی مرا

ا تظار کر ہے۔'' فضل عماسی نے کہا اورلڑ کا دوڑتا ہوا مکان سے باہرنگل گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہ گاؤں والے مقابلے کے موڈ میں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اُن کے پاس ایمونیشن بھی کافی مقدار میں موجود ہوگا۔ میں نے فعال

کردارادا کرنے کا فیصلہ کرلیا..... '' یہاں تمہارے پاس کتنے آ دی ہیں، اور ایمونیشن کی صورتحال کیا ہے؟'' میں نے افغل

" كم از كم بيس آدى بين جومرتے دم تك مقابله كر كتے بيں _"افضل عباس نے جواب دا۔ " ہمارے پاس گولہ بارود بھی کافی مقدار میں موجود ہے۔ چندروز پہلے ایک جھڑپ میں بھارل فوجی اسلحہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے جس پر ہم نے قبضہ کر لیا تھا۔''

''مُعیک ہے۔۔۔۔ہم اُن کا مقابلہ کریں گے۔'' میں نے کہا۔'' کیا ہم کسی الیی جگہ پر جائے۔

ہں جہاں ہے مرکزی چوک کا جائز ولیا جا سکے؟'' " ہاںمیرے ساتھ آؤ!" افضل نے کہا۔

ا کے دوگلیوں اور پھر مکانوں کی چھتوں پر ہے ہوتے ہوئے ہم ایک دومنزلہ مکان کی جھٹ پر پہنچ گئے۔ اُس مکان کی حبیت پر خنگ لکڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ عالباً بہت بہلے در ختوں کی نکڑیاں کا ب کریہاں ڈال دی گئی تھیں جواب خشک ہو چکی تھیں۔ اُن میں چند بڑے

میں نے انگوری اور سعید وغیرہ کو سٹر حیوں کے قریب ہی رُ کنے کا اشارہ کیا اور افضل ^{کے} ساتھ لکڑیوں کی آڑ میں سینے کے بل رینگتا ہوا منڈیر کے قریب پہنچ گیا۔

منڈ پر تقریباً دوفٹ اُو پکی تھی۔اس کے ساتھ بھی لکڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ہم منڈیر کے اُویرلگڑیوں کی آ ڑے سامنے دیکھنے لگا۔

جوک وہاں سے نقریباً بچاس کز دُورتھا۔ اخروٹ کے ایک بہت بڑے دِرخت کے نیجے _{یک بڑ}ا ٹرک ادراُس کے ساتھ ہی ایک جیب کھڑی تھی۔ دونوں پر لائٹ مشین کنیں نصب تھیں ۔ ۔ اور گنراُن لائٹ مشین کنول کے سامنے مستعد گھڑے تھے۔

وہ تقریباً اٹھارہ فوجی تھے جومختلف متوں میں زُخِ کر کے بوزیشن لئے بیٹھے تھے۔ ایک میجر بب پر بیشا ہوا تھا۔ اُس کے قریب ہی ایک لیفٹینٹ کھڑا تھا جبکہ دوسرالیفٹینٹ اُن سے دوتین

ئز زورا يك ميگا فون كئے كھڑا إدھراُ دھرد كيور ہاتھا۔

لچھ ہی در بعد دونوجی مین چار مقامی آ دمیوں کے ساتھ چوک کے دوسری طرف والی کلی ہے نمودار ہوئے۔ گاؤں کے وہ چاروں آ دمی بوڑھے تھے اور قوجیوں نے اُنہیں رائفلوں کی زو بر لے رکھا تھا۔ وہ لوگ جیپ کے قریب آ کر رُک گئے۔ میجر اُن سے باتیں کر رہا تھا اور وہ ماروں مسلسل انکار میں سر ہلا رہے تھے۔اس کے کچھ ہی دیر بعد دوسرا کیفٹینٹ بھی اُن کے ا قریب آگیا۔ وہ بھی اُن ہے کچھ دریہ باتیں کرتار ہا پھر میگا فون پراعلان کرنے لگا۔

'' گاؤں والو'' وہ کہدر ہاتھا۔''جمیں اطلاع ملی ہے کہ کما نڈر شمروز، کمانڈر انگوری اور اُن کے چند ساتھی گزشتہ رات ہندواڑہ ہے یہاں پہنچ گئے ہیں اوراُنہوں نے گاؤں کے کسی کھر یں پناہ لے رکھی ہے۔'' وہ ایک کمبحے کو خاموش ہو گیا۔ میں اپنا اور انگوری کا نام س کر اُ چیل ، یڑا.....انہیں ہمارے ہندواڑہ ہے نگلنے اور یہاں پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔وہ کہدر ہاتھا..... ''ہم اس گاؤں کے باسیوں کو بندرہ منٹ دیتے ہیں ان اُ کر وادیوں کو ہمارے حوالے کر

ا پی ۔ پندرہ منٹ بعد ہم گھروں کی تلاثی لیں گے اور پھر ہم کسی کومعاف نہیں کریں گے۔ اور الرسى نے مداخلت كى تو اس گاؤں كوجلا كرجسم كرديا جائے گا۔''

یداعلان کئی مرتبہ دوہرایا گیا۔بستی کے اُن چاروں آ دمیوں کوجہیں غالبًا یو چھ تا چھ کے لئے لوجی پکڑ کر لائے تھے ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا۔ میں لکڑیوں کی آ ڑے سامنے دیکھتا رہا۔ وہ تنول فوجی آفیسر آپس میں سی قتم کی گفتگو کررہے تھے۔

'تم نے کچھ در پہلے اُس لڑ کے کوفقر حسین کے پاس بھیجا تھا۔ اُس کے پاس کتنے آ دی ہیں اروہ کہاں ہیں؟'' میں نے مُرد کر افضل عباسی ہے یو حیھا۔

'وہ سامنے کی ایک کلی میں ہے۔ اُس کے ساتھ پانچ آدمی اور ہیں۔'' افضل عباسی نے

'اُسے بیغام بھیج دو کہ دوآ دمی سامنے سرخ حصیت والے مکان پر چلے جائیں اور تین آ دمی ٹالو بلاک کر لیں '' میں نے چوک کے دوسری طرف ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔'' اور نئ حیاراً دی اُس طرف والی کلی کو ہلاک کرنے کے لئے بھیج دو! بھار کی فوجی کھلی جگہ پر ہیں اور اُ ان سے بہتر یوزیشن میں ہیں۔انشاءاللہ کوئی بھی بھارتی بھیٹر یا چھ کر نہیں جا سکے گا۔اور ئیرا^{ن،} میں نے مُرم کرسعید کو مخاطب کیا جواس دوران جھکتا ہوا ہمارے قریب آگیا تھا۔''تم

ایے لڑکوں کو لے کر اُس طرف جا کر راستہ بلاک کر دو۔ اگر دوسرا ٹرک اس طرف آئے ہے' کوشش کرے تو اُڑا دینا۔''

"اورتم لوكي؟" إفضل عباى في سواليه نكامول سے ميرى طرف ويكھا۔

'' میں اورانگوری بہیں رہیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔''ممکن ہوتو ہمیں تھوڑا ساایمونیش بھیج دو! ہم یہاں سے بہتر طور پرصورتحال پر نگاہ رکھ سکیں گے۔ جاؤ! اب دیر مت کرو۔ اُنہوں

نے بندرہ منٹ کا وقت دیا ہے۔ ہمیں اس مہلت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانا جا ہے ۔'' افضل اور سعید دغیرہ فوراً ہی وہاں سے رُخصت ہو گئے۔ انگوری میر سے قریب آگئ تھی۔ اُسی وقت میں نے دو آ دمیوں کو ایک گل سے نکل کر بائیں طرف واقع مبجد کی طرف جانے ہوئے دیکھا۔ جب وہ ذرا آگے بڑھے تو دو فوجوں نے اُنہیں روک لیا۔ بملے اُن سے کج

ہوئے دیکھا۔ جب وہ ذرا آگے بڑھے تو دوفو جیوں نے اُنہیں روک لیا۔ پہلے اُن ہے کچ پوچھتے رہے، چھرا کیک فوجی اُن کی تلاثی لینے لگا۔میرا خون کھول رہا تھا۔ہم اپنے ہی گھروں میں محفوظ نہیں تھے۔ ہرشہر، قصبے اور دیہات میں لوگوں کی تلاثی لے کر اُنہیں ذکیل کیا جاتا تھا۔اگر کسی کی جیب سے ناخن تراش بھی نکل آتا تو ''اسلخ' رکھنے کے جرم میں اُس پر بے پناہ تشدد کہا جاتا اور اُسے زندگی بھر کے لئے معذور کر کے بھینک دیا جاتا۔

تلاثی لینے کے باوجود اُن دونوں بوڑھوں گونماز پڑنھنے کے لئے مسجد کی طرف نہیں جائے دیا اور اُنہیں دھکے دے کر واپس جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ای طرح کی اور نمازیوں کو بھی مجہ تک نہیں جنچنے دیا گیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرر ہا تھا۔ میں نے منڈیر کے قریب لکڑیوں کی آڑ ہے إدھراُدھر دیکھا۔ گاؤں میں کوئی نقل وحرکت دکھائی نہیں دی تھی۔ جو چندآ دمی نماز پڑھنے کے لئے گھروں ہے نکلے تھے اُنہیں واپس بھیج دیا گیا تھا۔ گھروں کے دروازے بند تھے۔ مجھے اپنے آدمی جمل کہیں دکھائی نہیں دیئے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ اپنے اپنے مور چوں پر پہنچ چکے ہوں گ

میں ابھی اطراف کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ فضا میں ایک تھرتھراتی ہوئی آواز سائی دی۔ '' چوک والی معجد کے پیش امام کی آواز تھی۔ لاؤڈ اسپیکر پر اُس کی آواز چاروں طرف پھیل رہی تھی۔وہ کہدریا تھا۔

'' آج منجد ویران ہے۔۔۔۔ کوئی نمازی ادھرنہیں آیا۔۔۔۔ یاد کرو! تمہارے اسلاف نے نقط میدانِ جنگ میں بھی بھی نماز قضانہیں گی۔اسلام کے شیدائیوں نے تو شکینوں کے سائے جمل میدانِ جنگ میں بھی بھی اپنے رب کے سامنے بحدہ کیا ہے۔ وہ کفرکی طاقت ہے بھی فائف نہیں ہوئے تھے۔ نم آج بت پرستوں کی طاقت ۔۔۔۔'' میں اُس لیفٹینٹ اور دونو جیوں کی طرف دیکھنے لگا جورانفلہیں سنجالے ایک دم معجد کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

میرے دل کی دھز کن ُتیز ہوگئ ً..... مجھے سمجھنے میں دیرنہیں گلی کہ اب چیش امام کا حشر کیا ہو

گا۔ چند منٹ بعد ہی مولوی صاحب کی آواز سائے میں ڈوب گئی اور اس کے ایک منٹ بعد اس بندولیفشینٹ کی آواز مبجد کے اپیکر پر سائی دی۔

ہے اپنٹ بجادی جائے گی۔''

سیبیر بند ہوگیا اور اس کے دومنٹ بعدوہ منظرد کھے کرمیں کانپ اُٹھا۔ وہ دونوں فوجی مولوی ماحب کو گھیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔مولوی صاحب کے سراور چبرے سے خون بہدر ہاتھا۔ اُن کی سفید داڑھی اور کرتہ بھی خون ہے تر تھا۔ اُن کے پیچھے آتا ہوا لیفٹینٹ مولوی صاحب پر گھوکریں برسار ہاتھا۔خون میں تر ہونے کے باوجود مولوی صاحب کی زبان ہے اُف تک نہیں

نکا تھا۔لیکن پھر دفعتۂ اُنہوں نے اپنے آپ کوفو جیوں سے چھڑا لیا اور اُن کے سامنے تن کر کھڑے ہو گئے اور پھر چھپچروں کی پوری قوت سے اللّہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ قریب کھڑے ہوئے کیفٹینٹ نے بڑی پھرتی سے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور اُس کی نال معادی صاحبہ کرمز میں ٹھونس کرٹر انگر دیا دیا۔۔۔۔مولوی صاحب کی کھوبڑی کے ہر جمجے اُڑ

مولوی صاحب کے منہ میں ٹھونس کر نرائیگر دبا دیامولوی صاحب کی کھوپڑی کے پر خچے اُڑ گئے.... میں تھرا کررہ گیا۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا۔ اُس نے آئکھیں بند کر کی تھیں۔ ''اب مزید انتظار کرناممکن نہیں انگوری!'' میں نے سرگوشی میں کہا۔''تم جیب والے گنرکو

بب ريد محارون بن مايين هورن من اين موري من اين النه جو کنانهين جائے " نثانه بناؤ! ميں أس كيفشينت سے نمٹتا ہوں تمہارا نشانه چو کنانهيں جا ہے ۔"

انگوری نے آئکھیں کھول دیں۔ وہ منڈیر کے ساتھ پوزیشن کے کر بیٹھ گئ۔ اُس نے رائفل
کی نال منڈیر پر نکا کر لیفٹینٹ کا نشانہ لیا اور پھر ہم دونوں کی رائفلیں بیک وقت شعلے اُگلئے
گئیںمولوی صاحب کو بیدردی سے ہلاک کرنے والے لیفٹینٹ کو چیخنے کا موقع بھی نہیں مل
ما۔ میری پہلی ہی گولی نے اُس کی کھو پڑی اُڑا دی تھی۔ چند گولیاں جسم کے دوسر حصوں پر
میک گئیسے۔ اُس کے ساتھ ایک سیاہی بھی ڈھیر ہوگیا تھا دوسر نے نوجی کی ٹانگ پر گولی گئی
از چترا اور لنگڑ اتا ہوا جیب کی طرف دوڑ الکین میں نے اُسے دو تین گز سے زیادہ آگے جانے کا

موقع ہیں دیا اور وہ بھی ڈھیر ہوگیا۔ میں دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ انگوری کی پہلی گولی جیپ پر لائٹ مشین گن کے سامنے گھڑے ہوئے گنر کی گردن میں گلی اور وہ کئے ہوئے درخت کی طرح لہراتا ہوا نیچے کر گیا۔۔۔۔۔ جیپ پر بیٹھے ہوئے میجر نے بدحواس ہو کر ایک طرف چھلانگ لگا دی مگر وہ متعجل بھی نہیں بڑا تھا کہ انگوری کی رائفل کی گولیوں نے اُس کے جسم میں لا تعداد سرخ رنگ کے سوراخ بنا انئے۔ دوسرے لیفٹینٹ نے جیپ کی آڑ میں پناہ لے کی اور چیخ چیخ کر اپنے فوجیوں واکرور

اور پھر يوں لگا جيسے جہنم كا د ہانه كھل گيا ہو تقريباً ذيرُ هدور جن سب مثين گنوں كا رُمخ

ماري طرف تدار گوليول كي موسلا دهار بارش تهي جس كا زخ يماري طرف تقايست بم جي ر منڈیر کی آٹر میں بیٹے گئے۔ لا تعداد گولیاں دیوار ہے تکرار بی کھیں اور لا تعداد گولیاں ہارے سروں کے اُو پر سے گزر رہی تھیں۔ اوّر پھر دفعتہ گاوُں کی فضا میں جاروں طرف گولیوں ؟ آوازیں گو نجنے لکیں ہمارے آ دمیوں نے بھارتی فوجیوں پر چاروں طرف سے فائر کھول وئے تھے....ہم پر بھارتی فوجیوں کی فائرنگ کا دباؤ کم ہو گیا۔ میں نے احتیاط سے سرأ فاکر د یکھا، فوجی فائرنگ کرتے ہوئے پناہ کی تلاش میں إدھراُ دھر بھاگ رہے تھے۔ اُن میں زیاد بڑ ٹرک کی آ ڑ میں پناہ لینے کی کوشش کرر ہے تھے۔ '' مجھے ذرااس طرف آنے دو!'' انگوری نے مجھے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ میں کیے

د بک کر پیچھے ہٹ گیا۔ انگوری میرے اور منڈیر کی دیوار کے درمیان رکڑ کھائی ہونی ذرا آگے نکل گئی اور منڈ ریر رائفل کی نال سیٹ کرنے لگی۔اس وقت عقب میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آ واز س کرمیں نے تیزی ہے پیچھے مُو کر دیکھاوہ انفل عباسی تھا جس نے ایک ہاتھے میں کچھ چوک میں اوھراُ دھربگھر گئے تھے۔ سب مشین کن اور دوسرے ہاتھ میں ایک تھیلا اُٹھار کھا تھا جس میں سب مشین گنوں کے میگزین تھرے ہوئے تتھے۔انگوری ٹرک کا نشانہ لے رہی تھی۔ پھراُس نے ٹرائیگر دبا دیا مگراُس کی رائفل کھٹکھٹا کررہ کئی اُس نے جلدی ہے بیچھے مُو کر دیکھا، افضل عباسی اُس سے جیرسات ف کے فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اُس نے تھلے میں سے ایک نیا میگزین نکال کر انگوری کی طرف اُ چھال دیا۔ انگوری نے رائفل میں ہے خالی میگزین نکال کر نیا میگزین فٹ کیا اور رائفل کی نال دوبارہ دیوار پر ٹکا دی۔ میں نے گردن گھما کرانگوری کی طرف دیکھا، اُس کے پر لی طرف انقل عماسی بھی پوزیشن لےرہاتھا۔

انگوری کی رائفل کا زُخ اگر چہ فوجی ٹرک کی طرف تھالیکن مجھے سمجھنے میں در نہیں گلی کہ وہ کل خاص چیز کا نشانہ لے رہی تھی۔ میں نے رائفل کی نال اورٹرک کی طرف دیکھا اور پھر بات میری سمجھ میں آئی۔ٹرک کا فیول ٹینک اُس طرف سے صاف نظر آ رہاتھا۔

''میری وُعائیں تمہارے ساتھ ہیں انگوری فائر!'' میں نے مدہم کہجے میں کہا، انگورگا نے ٹرائیگر د با دیا۔اس کے فوراً ہی بعد ایک کان بھاڑ وینے والا دھا کہ ہوا..... دھا کہ ا^{س لا} زوردارتھا کہ مکان کی حیبت بھی لرز اُتھی تھی۔

انگوری کی رائفل سے نکلنے والی گولیاں ٹھیک نشانے پر لگی تھیں۔ٹرک کا فیول ٹینک چھنٹے ہا کان بھاڑ دینے والا دھا کہ ہوا اور ٹرک کے پر نچیے اُڑ گئے ٹرک کے جلتے ہوئے ملا اخروٹ کے <u>کھلے</u> ہوئے اور بلند دیالا درخت کی شاخوں میں کھس گئے ۔ کئی حلتے ہوئے م^{الا ہے} اِ دھر **اُ**ڈھر بلھر گئے ۔ ساہ دُھو یں کا ایک مہیب بادل تھا جواخروٹ کے درخت **کو لی**یٹ **میں کے ل**ر فضامين تجيل رباتهابه

میں بڑی تیزی ہے اپنی جگہ ہے سرکتا ہوا انگوری کے قریب پہنچ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں

_{یک} عجیب سی جمکے تھی۔افضل عباس بھی ہمارے قریب آگیا اور وہ بھی حمرت سے انگوری کی رن دیکھریا تھا۔

۔ انگوری چنگتی ہوئی نظروں ہے مجھے دیکھ ربی تھی۔ یکا یک اُس کے ہونٹوں پرمسکراہٹ آ گئی ، وہ رائفل چھوڑ کر بے اختیار مجھ سے لیٹ گئ۔ میں اُس کا کندھا تقییتھا تا رہا اور پھر اُسے نے سے الگ کر کے چوک کی طرف دیکھنے لگا۔ دُھویں کا بادل اب درخت ہے اُویرفضا میں بیل رہاتھا۔ٹرک کے کچھ جلتے ہوئے مگڑےاب بھی درخت کی شاخوں میں تھنے ہوئے تھے۔ ذ دے کا درخت دُھویں ہے بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔۔۔۔ درخت کی شاخوں میں ٹرک کے جلتے ہے عکروں کے ساتھ انسانی اعضاء بھی الحکیے ہوئے تھے بیاُن بھارتی فوجیوں کے اعضاء نے جنہوں نے ٹرک کے بیچھے یا اُس کےاندریناہ لینے کی کوشش کی تھی۔ٹرک کے ساتھ اُن کے بھی ہرنچے اُڑ گئے تھے اور اُن کے جسموں کے اعضاء درخت کی شاخوں میں اٹک گئے تھے اور

اں دھائے کے بعد فضامیں اچا تک ہی سناٹا چھا گیا تھا..... ہم تینوں اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔تھوڑی دیر بعد دوآ دمی دوڑتے ہوئے سامنے والی کلی سے نکل کرسامنے آ گئے ۔اُن دونوں ، کے اِتھوں میں رانفلیں تھیں ۔افضل عباسی نے اُن میں سے ایک کا نام لے کر پکارا۔ "سب کوجمع کرو! ہم نیچ آ رہے ہیں۔"

اور پھر دوسرے ہی کہتے ہم تینوں سیر حیوں کی طرف دوڑے۔ جب ہم گلی میں مکان کے اردازے سے نکل کر چوک کی طرف آئے تو وہاں ٹی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ''یہ کارنامہ کمانڈر انگوری کا ہے۔'' انفل عباس نے کیج کر کہا۔''اگر پیٹرک کو نہ اُڑائی تو

^بارثی درند بے بستی کے لوگوں کو نا قابل تلا فی نقصان پہنچا سکتے تھے۔''

فضا کمانڈر انگوری زندہ باد کے نعروں ہے گوئج اُٹھی بستی کے چند خاص لوگوں کے علاوہ کاکومعلوم ہی نہیں تھا کہ ہم بستی میں موجود ہیں ۔ لیکن اب سب کو پیۃ چل گیا تھا۔ لوگ بڑے آئِ وخروش کا مظاہرہ کرر ہے تھے ۔مولوی صاحب کی نعش اُٹھا کرمسجد میں پہنچا دی گئے تھی۔ مجھے ارانلوری کو افضل عباس نے جیب پر کھڑا کر دیا تا کہ لوگ جمیں آ سائی ہے دیکھ سکیں۔ اس الران او ہے کی طرف سے دو چار گولیاں چلنے کی آواز سائی دی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دو الکا اُس طرف سے دوڑتے ہوئے آگئے ۔ اُن سے ملنے والی اطلاع بڑی دلیسپ ھی۔

جوزک گاؤں کے باہر لاری اڈے پر رُکا تھا اُس پر بارہ نوجی تھے۔انصل عباسی کے ''یول نے اُن میں ہے تین کوموت کے گھاٹ اُ تار دیا تھا، یا کچ اپنی جانیں بچا کر پہاڑیوں ل^{الم}رف بھاگ نکلے تھے جبکہ جار کوزندہ پکڑلیا گیا تھا۔

'' أن جاروں كوہم نے باندھ كرٹرك ميں ڈال ديا ہے۔ كيا كرنا ہے اُن كا؟''اطلاع لانے اللامل سے ایک نے پوچھا۔ '' اُن کے ساتھیوں کی لاثی بھی ٹرک میں ڈال دوادرٹرک یہاں لے آ وُ!''افضل عباسی نے کہااور دونوں نو جوان واپس دوڑ گئے ۔

اُس وقت باندی پورہ کے لوگوں میں بڑا جوش وخروش پایا جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر بھارتی فوج کی پوری بٹالین بھی اس گاؤں پرحملہ کر دیتی تو گاؤں کے لوگ اُسے ہس نہس کر دیتے ۔ چندمنٹ بعد ہی وہ ٹرک وہاں پہنچ گیا۔ اُس پرنگی ہوئی ایک لائٹ مشین گن کے علاوہ ایمونیشن کی جار پٹیمیاں ، کی رائفلیس اور دی بموں کی ایک پٹی بھی موجودتھی۔ بھارتی فوجی جسے طویل کسی بستی کو تاراج کرنے کے لئے نگلتے تو اپنے ساتھ اتنا گولہ بارود لے کر چلتے تھے جسے طویل

افضل عباسی نے تمام اسلح ٹرک ہے اُتر واکر کسی مکان میں بھجوا دیا۔ لاری اڈے کے قریب چار مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ اُس معجد کے مؤذن کو اُس وقت شہید کر دیا گیا تھا جب وہ فجر کی اذان وے رہا تھا۔ اُن کی نعشیں بھی چوک والی معجد میں پہنچا دی گئی تھیں۔

عرصہ کے لئے تسی محاذیر جارہے ہوں۔

افضل عبای کا خیال تھا کہ ہمیں اب فوری طور پر گندر بل کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔ ''لیکن پیسب کچھسسہ'' میں نے اِدھراُ دھر دیکھا۔

''اس کی تم فکرمت کرو کمانڈر!'' اُس نے کہا۔''ایک گھنٹے کے اندر اندریہاں سب کچھ صاف ہوجائے گا۔''

'' یہاں ہیں بائیس بھارتی فوجی مارے گئے ہیں جن میں تین آفیسر بھی شامل ہیں۔ ہائی کمان خاموش تو نہیں بیٹھے گی۔ ہوسکتا ہے وہ آج ہی شام سے پہلے پہلے کوئی بڑا حملہ کریں۔'' میں نے کہا۔

یں سے ہا۔
'' وہ انتقامی کارروائی ضرور کریں گے۔لیکن ایک دو دن اس کی تو قع نہیں۔'' افضل عبای نے جواب دیا۔'' وہ یقینا یہی سمجھیں گے کہ یہاں مجاہدین کا کوئی بڑا گروپ موجود ہے۔ انا نقصان اُٹھانے کے بعد وہ فوری طور پر حملہ کرنے کی حمانت نہیں کریں گے۔ ہوسکتا ہے ایک دو دن تک خاموش رہیں۔ اس دوران بارہ مولا کی طرف سے ایک پارٹی ہمارے پاس پہنچ جائے گی۔ یہاں کے معاملات ہم سنجال لیس گے۔ تم لوگ گندر بل پہنچ جاؤ۔ وہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا، پھر ایک لڑکے کو اشارہ کیا کہ ہمیں اُس کے گھر پہنچا دیا جائے۔ ہم اُس لڑکے کے ساتھ چلتے ہوئے ایک کشادہ گلی میں واضل ہوگئے۔ اب عور تمل میں گھروں سے نکل کرچوک کی طرف جا

'ہم اُس لڑکے کے ساتھ ایک مکان میں داخل ہو گئے۔ کچھ دیر بعد سعید اور اشرف وغیرہ بھی پہنچ گئے اور پھر باتوں باتوں ہی میں یہ دلچپ انکشاف ہوا کہ فاصل عباسی ،سعید کا تحقیقی ماموں ہے اور اس لئے سعید گھر کے زنانہ جصے میں بھی آزادی ہے آ جار ہاتھا۔

تقریباً آو ھے گھنٹے بعد ہمارے سامنے دستر خوان بچھا کر ناشتہ لگا دیا گیا۔ ای وقت افضل عامی بھی بنتی گیا۔

ہ من کی گئی ہے۔ نارغ ہوتے ہی ہم تیار ہوکر مکان سے باہر آگئے۔ سعید تو ایک تنگ ی میں از شخت سے فارغ ہوتے ہی ہم تیار ہوکر مکان سے باہر آگئے۔ سعید تو ایک تنگ ی میں از گیا اور ہم لوگ چوک پر آگئے۔ گاؤں کے کُلُ آ دمی لکڑیوں کے جلے ہوئے جھے اور انسانی اعضاء کے نکڑے اُٹھا کر دوسرے ٹرک میں ڈال رہے تھے۔ چاروں قیدی فوجی درخت کے بنجے بین پر بندھے ہوئے تھے۔

ہے ہیں پر ہے ہوئے ہے۔ ان سے ہو طلبت پر بعد ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں ہے۔ چند منٹ بعد ہی سعید وہ جیپ لے کرآ گیا جس پر گزشتہ رات ہم نے ہندواڑہ ہے یہاں تک سفر کیا تھا۔ ہم نے افضل عباس اور دوسر بےلوگوں کو الوداع کہا اور جیپ میں بیٹھ گئے۔ بب فوراً ہی حرکت میں آگئی۔

"" گاؤں سے نکلتے ہی جیپ گرور کی طرف جانے والی سڑک پرآ گئی۔ ہم اُس وقت سمندر ہے تین ہزار دوسومیٹر کی بلندی پر تھے۔ ہمارے ایک طرف نیلے پھروں والے فلک بوس پہاڑ تھے اور دوسری طرف تا حد نگاہ خوبصورت وادی پھیلی ہوئی تھی اور اُس حسین وادی کے پر لی طرف وورجھیل تھی۔

میں اپنے چاروں طرف پھلی ہوئی دنیا کی حسین ترین وادی کو دیکھتے ہوئے یہ سب کچھ میں اپنے چاروں طرف پھلی ہوئی دنیا کی حسین ترین وادی کو دیکھتے ہوئے یہ سب کچھ میں بارکھاتی ہوئی سرک پر دوڑتی رہی۔ انہوب اگرچہ تیز ہوگئ تھی گر چاروں طرف تھلے ہوئے سبزے اور خوشگوار ہوا ہے گرمی کا

احساس بالكل نبيتي مور ہاتھا۔

اسٹیئرنگ کے سامنے سعید تھا۔ اُس کے ساتھ والی سیٹ پرانور بیٹھا ہوا تھا۔ میں ، انگوری اور اشرف تجھیلی سیٹول پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ بغیر ہڈکی جیپ پر ہم چاروں طرف کے نظارے یا آسانی دکھیے کتھے۔

اُس سڑک پرسرینگر اور باندی پورہ کے درمیان فوجی گاڑیوں کا گشت جاری رہتا تھا۔ یہ اندیشہ بھی تھا کہ کمی فوجی پارٹی ہے آ مناسا منا نہ ہو جائے۔ بھارتی فوجی ہیڈ کوارٹر میں شاید ابھی تک باندی پورہ پرحملہ کرنے والی فوجی پارٹی نے انجام کی اطلاع تک نہیں پنجی تھی۔ اگر اطلاع بین بنجی تھی ۔ اگر اطلاع بین بخی تھی ہوئی نظر بین ہوتی تو اب تک بچھ نہ بچھ ہو چکا ہوتا اور سڑکوں پر فوجی گاڑیاں ضرور دندناتی ہوئی نظر آتیں ۔ یوں تو پہلے بھی ایسے کئی واقعات رونما ہو چکھ تھے جن میں بھارتی فوجیوں کو مجاہدین کے ہاتھوں بھاری نقصان اُٹھانا پڑا تھا لیکن شاید یہ پہلاموقع تھا کہ کی ایک جگہ پر بھارتی فوجیوں کا اتنا بھاری نقصان ہوا ہو۔

جی ایک جھوٹی می بہتی میں رُک گئے۔ یہاں سے سڑک دوحصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک سڑک سطل سے ہوتی ہوگئی تھی۔ ایک سڑک سطل سے ہوتی ہوئی سرینگر کی طرف جاتی تھی اور دوسری تنگن، سونا مارگ، بتیال، یا نچ ہزار دوسو میٹر کی بلندی پر واقع در ہ زوری لا اور دراس سے ہوتی ہوئی کارگل کی طرف جلی گئی تھی۔ میٹر کی بلندی پر واقع در ہ زوری لا اور دراس سے ہوتی ہوئی کارگل کی طرف جلی گئی تھی۔

اُس چھوٹی کی سبتی میں پہنچ کر بہۃ چلا کہ آج صبح سویرے چندمیل وُورسرینگرروڈ پر مجاہدین نے کارروائی کر کے ایک فوجی ٹرک تباہ کر دیا تھا جس میں تین بھارتی فوجی مارے گئے تھے۔اور مجھے حیرت تھی کہ اس کارروائی کے بعد بھی اس شاہراہ پر کسی قسم کی فوجی سرگرمیاں دکھائی نہیں دی تھد

تبتی کے ایک ڈھابے پرہم نے جائے پی اورآ گے روانہ ہو گئے۔اس مرتبہ اسٹیئرنگ انور نے سنجالا تھا اور میں اُس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ ہمارا رُخ گندر بل کی طرف تھا۔ اُس سڑک پر بھی کسی قتم کی فوجی سرگرمی دکھائی نہیں دی جس پر مجھے بڑی چیرت ہوئی۔ بھارتی درندے تو انقامی کارروائی میں ذراجھی درینہیں کرتے مگر میاخاموثی نا قابل فہم تھی۔ میسکوت اور ساٹا کسی بڑے طوفان کا بیش خیمہ لگ رہا تھا۔

سه پهر کا وقت تھا۔ گندر بل اب زیادہ ؤورنہیں رہ گیا تھا۔اس وقت ہم نہایت ہی خطر ناک استے پرسفر کر رہے تھے۔ایک طرف عمودی چٹانیں تھیں اور دوسری طرف سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ۔نشیب میں تا حدنگاہ خوبھیورت وادی پھیلی ہوئی تھی۔

میں چیچیے کی طرف مُڑ کر انگوری ہے باتیں کر رہا تھا کہ اچا تک ایک زور دار دھا کہ ہوا ادر جیبے لڑ کھڑا گئیمیں ایک طرف اُنچیل پڑا......

۔ جیپ کبراتی ہوئی تیزی سے سڑک کے گھڈ والے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ انور نے

بن پھرتی ہے اسٹیئرنگ گھما دیا۔ جیپ کا اگلا پہیر سڑک کے کنارے سے صرف ایک فٹ ک فاصلے سے مُو گیا اور جیپ لہراتی ہوئی دوسری طرف چٹان سے ٹکرا کر رُک گئی۔

ہ سے سے دو میں اور دبیب ہراں ،وں دو مرک کرت پان سے کرا کراٹ کا۔ ہم سب فوراً ہی چھلانگ لگا کر جیپ ہے اُتر گئے اور اِدھر اُدھر دوڑ کر مختلف جگہوں پر پوزیش سنجال کی۔

پرنین سنجال لی۔ میں چاروں طرف پہاڑیوں میں دکھے رہاتھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید بھارتی فوجیوں کی کوئی پرنی ان پہاڑیوں میں گھات لگائے میٹی تھی اورا نہوں نے ہی ہماری جیب پر فائر کیا تھا۔ کئی منٹ گزر گئے ۔۔۔۔۔کوئی روعمل ظاہر نہیں ہوا۔ کسی طرف سے فائر نہیں ہوا اور نہ ہی آس پاس کی پہاڑیوں پر کوئی نقل وحرکت دکھائی دی۔ میں اُٹھ کر تھلی جگد پر آگیا۔ چند سیکنڈ بعد انور اور سعید وغیرہ بھی سامنے آگئے۔ وہ سب اپنی اپنی رائفلیں سنجالے مختاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے لیکن ہر طرف خاموثی تھی۔

سعید جیپ کا جائزہ لے رہاتھا۔ اُس کا آگے باغیں طرف والا ٹائر برسٹ ہو گیاتھا۔ اور تب اپائک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ جیپ کا یہ پہلوعمودی چٹان کی طرف تھا اور ظاہر ہاں طرف سے کسی حملے کی تو تع نہیں تھی۔ جمھے یہ جھے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہ ٹائر کسی اور وجہ سے برسٹ ہوا ہے۔ شاید کوئی نوکیلا پھر اس کا باعث بنا ہو۔

روبیت برت برت برت برت برت برت برت برت برت با برای با برای بین ما فیصله کیا گیا۔ بم نے اپنی اپنی را تفلیس کندھوں پر لؤکالیں اور چٹان کے ساتھ ساتھ چلنے گئے۔

تقریباً پاپنی سوگر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم رُک کئے گرگر کرتی ہوئی وہ آواز چاروں طرف ہے آئی ہوئی محسوس ہور ہی تھی آواز سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ یا تو کوئی مسافر کرے بابھارتی فوجی ٹرک جو گندر بل کی طرف سے آر ما تھا۔

ہم سعید کی رہنمائی میں سڑک چھوڑ کرا یک ننگ ہے راستے پر پہاڑ وں میں داخل ہو گئے اور انٹوار گزار راستوں پر چلتے رہے۔ تقریباً دوسوگز آ گے جا کر ہم ایک اُو کچی چٹان پر پہنچ گئے۔ یہاں سے سڑک صاف نظر آ رہی تھی۔ اور پھرمیرے منہ ہے ایک گہرا سانس نکل گیا۔

دود و بھارتی فوجی ٹرک تھے جو گندر بل کی طرف ہے آ رہے تھے دونوں ٹرکوں پر بیوی سین گئیں نصب تھیں۔ دونوں ٹرکوں کی لمبی سیٹوں پر فوجی سب مشین گئیں سنجالے مستعد بیٹھے۔ ایک تھے۔

میں نے سعید کی طرف ویکھا۔سعید نے اثبات میں سر ہلا ویا دوسرے ساتھیوں کو بھی فلاست پر گرام سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ہم نے فوراُ ہی مختلف جنگہوں پر پوزیشن سنجال لی۔ وورونوں ٹرک جیسے ہی سامنے پہنچے میں نے چیخ کرآ رڈر دیا اور ہماری رائفلیں بیک وقت نشانگی گئیسانگوری میرے ساتھتی اور میری طرح وہ بھی ٹرک کے اگلے ٹائروں کونشانہ المنے کوشش کررہی تھی اور ہمیں ناکا می نہیں ہوئی۔

ا چانک فائرنگ سے ٹرکول کے ڈرائیور ویسے بھی بدحواس ہو گئے تھے۔: گلے ٹرک کے ہمارے طرف والے ٹائر دھاکول سے بھٹ گئے ۔ٹرک لہرا تا ہوا سڑک کے کھڈوائے کنارے کی طرف بڑھا۔ بیس نے اُس کے اگلے سیئے سڑک سے اُئر تے ہوئے دیکھے تھے اور پھر ہم اُس مُرک اور اُس میں سوار فوجیوں کا انجام دیکھنے کے لئے وہاں نہیں رُکے تھے۔ میس نے اپنے ساتھیوں کو چنح کر تھم دیا اور سب اُٹھی کر یہاڑوں میں اندر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

سڑک کی دوسری طرف سے فائر نگ کی آ وازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دوسرے ٹرک کے فوجیوں نے بدھواس میں اندھا ڈھند فائر نگ شروع کر دی تھی۔ اور پھرا کیک کان پھاڑ دینے والا دھا کہ سنائی دیا۔۔۔۔سٹرک سے کھائی میں لڑھکنے والا ٹرکِ اپنے انجام کو پینچ چکا تھا۔۔۔۔۔

اُوٹنچ ینچراستوں پر دوڑتے ہوئے ہمارے سانس پھول گئے ادر پھر ہم ایک جگہ درخوں کے سائے میں زک گئے ۔ قریب ہی ایک گنگنا تا ہوا جھر نا بہدر ہا تھا۔ تین چارفٹ کی بلندی سے گرنے والے پانی کی آ داز مدھر موسیقی کی طرح گنگناتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

'' کچھ دیر کو یہاں رُک جاؤ۔۔۔۔'' میں نے اِدھراُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔'' وہ لوگ ہمارے پیچھے نہیں آئیں گے۔ہم تھوڑی دیریہاں آ رام کر سکتے ہیں۔''

یک میں انور اور اشرف بھی درختوں سے نیک انور اور اشرف بھی درختوں سے نیک انگوری سعید کے قریب ایک بھر پر بیٹھی ہموئی تھی۔ انور اور اشرف بھی درختوں سے نیک لگائے کھڑے ہانپ رہے تھے۔ میرا سانس بھی بری طرح بھولا ہوا تھا۔ دو تین منٹ گزر گئے۔ اب میں اپنی کیفیت پر بردی حد تک قابو پاچیا تھا۔ انگوری اپنی رائفل ایک طرف رکھ کرجھرنے کے قریب بھی گئے۔ جس جگہ جھرنے کا پائی گر رہا تھا وہاں ایک جھوٹا سا تالاب بن گیا تھا۔ دہ تالاب کے کنارے پر بیٹھ کر منہ پر پائی کے چھیٹے دیے گئی۔ اشرف بھی اُس کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کا بیالہ بنا کر پائی پینے لگا۔۔۔۔۔ ہم تقریباً آ دھا گھنٹہ وہاں رُ کے دہے۔ بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کا بیالہ بنا کر پائی پینے لگا۔۔۔۔۔ ہم تقریباً آ دھا گھنٹہ وہاں رُ کے دہے۔ بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کا بیالہ بنا کر پائی پینے تھا۔

ر میں سے پہلے ہی اس میں اسٹی ہیں ہیں۔ اس مرتبہ سعید ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ راستہ خاصا خطرناک تھا۔ ہم بہت مختاط ہو کر چل رہے تھے جس سے ہماری رفتار بھی خاصی ست تھی۔

م ایس اورج غروب ہونے ہے ذرا پہلے ہم ایک ایس پہاڑی پر پہنچ گئے جس کے دوسری طرف نشیب میں وسیع وعریض وادی پھیلی ہوئی تھی اور اُس وادی میں گندر بل کا وہ گاؤں تھا جو ہماری مندا تھی

گندربل خاصابرا گاؤل تھا۔ رُخصت ہوتی ہوئی دُھوپ میں آبادی ہے پچھ فاصلے ہر ہبنج والے دریا کا پانی چیک رہا تھا اور دوسری طرف ایک بل کھاتی ہوئی سرمگی لکیری چیک رہی تھی۔ میدوہ پختہ سڑک تھی جوسر ینگر ہے گندر بل ہوتی ہوئی لداخ اور کارگل کی طرف چلی گئی تھی۔ آبادی ہم ہے دو ڈھائی میل کے فاصلے پرتھی اور سعید کا خیال تھا کہ ہمیں دوسروں ک نظروں ہے بیجنے کے لئے رات کے اندھیرے میں بستی میں داخل ہونا چاہئے۔ چنانچہ ہم آ^{اں}

ہان پر بیٹھ گئے۔ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً آ دھے گھنٹے بعد سورج بلند پہاڑوں نے پیچے جھپ گیااور شام کا دھند لکا بتدریج اندھیرے میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

ہم اُس وقت سطح سمندر ہے تقریبا ساڑھے تین ہزار میٹر کی بلندی پر تھے۔ دن کے وقت تو بہم بڑا خوشگوارتھا مگر سورج غروب ہوتے ہی فضا میں حنگی می آگئی تھی جس میں بتدرت اضافیہ بڑنا جارہا تھا۔

منین غروب ہونے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم وہاں سے چل پڑے۔ اندھیرے میں پانوں سے اُر نا خاصا خطرناک کام تھا۔ میں نے انگوری کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ہم بہت احتیاط سے نیچ اُر رہے تھے۔ سعید، انور اور اشرف ہم سے آگے تھے۔ انگوری کی وجہ سے میں اُن سے پچھےرہ گیا تھا۔

سے پیپ و ایک جگہ ایک پیھر انگوری کے پیر کے نیچ ہے نکل گیا۔ وہ لڑ کھڑ ائی ، اُس کے منہ ہے ہلکی تی بچ نکل گئی تھی۔ اگر میں فور اُ ہی اُسے نہ سنجالتا تو کم از کم بیس فٹ نیچے گر کر اُس کی ایک آ دھ پڑی ٹوٹ چکی ہوتی یا کوئی جوڑ ہل گیا ہوتا۔

ُ وہ میرے ساتھ آپٹ گئ تھی۔ میں نے اُسے اپنے بانہوں کے حصار میں لے رکھا تھا۔ اُس کا سانس تیزی سے چل رہا تھا اور اُس کے سینے کا زیر و بم میرے ول میں بھی گداز ساپیدا کررہا تھا..... مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں میں رینگتی ہوئی محسوں ہونے لگیں۔

000

ہمی گہراسانس نکل گیا۔۔

ی برزن اشرُف ہمارا منتظر تھا۔ سعید نے اپنی راکفل اُس کے حوالے کر دی اور ہم ایک بار پھر آ گے۔ ھنم لگے۔

بسی تو رات کا ابتدائی حصه تھا۔ ہم کسی قدر بلندی پر تھے اور قصبے میں لوگوں کی چہل پہل کھائی دے رہی تھی۔ مرکزی بازار میں لقریباً ساری ہی دُ کا نیس کھلی ہوئی تھیں۔ برقی روشنیوں میں زندگ کی نیقل وحرکت بہت بھلی لگ رہی تھی۔

ہم قصبے کے باہر رُک گئے۔ قصبے میں اگر چہ فوج کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ رہے تھے کین پولیس تو بہر حال موجود تھی۔ اور ہم پولیس کی نظروں میں بھی نہیں آنا چاہتے تھے۔ انور سڑک کے دوسری طرف بہاڑیوں میں رک گیا۔ ہم نے اپنی رائفلیں اُس کے حوالے کر دیں اور ایک ایک کر کے وہاں ہے قصبے کی طرف جانے لگے۔ سعید نے جمھے بتا دیا تھا کہ ہم قصبے کے مرکزی بازار میں واقع پیراڈ ائز جزل سٹور پر پہنے کر عبدالغفور نامی تحض سے رابطہ کرلیں۔ سعید اور اشرف کے جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد میں اور انگوری بھی پہاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آگئے اور سڑک پار کر کے تیزی ہے آبادی کی طرف چلنے گئے۔

ر مرت پر مسار مرس پر رست پر رست بر می است کالی چادر اوڑھ ہے۔ انگوری نے کالی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ یہ چادر اب اُس کے لباس کامستقل حصہ بن گئی تھی۔ باندی پورہ میں جب وہ بھارتی فوجیوں پر مکان کی حجیت سے گولیاں برسار ہی تھی تو یہ چادر اُس نے پیکے کی طرح کمر سے باندھ کی تھی۔

ہم مختلف راستوں ہے ہوتے ہوئے قصبے کے مرکزی بازار میں پہنچ گئے۔ میں نے ایک آدمی ہے پیراڈ ائز جز ل سٹور کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ '' وہ جہاں سبز بتی جل رہی ہے وہی پیراڈ ائز سٹور ہے۔''

یں اسوری 6 ہا تھے پر سرپیز پیچے لا۔ جب ہم پیرا داسر عمور کے ساتھے پیچے والیک اوری بڑی عجلت میں شرگرار ہا تھا۔ وُ کان میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ مجھے بیجھنے میں دیر نہیں لگی۔ کہوہی عبدالغفور ہے۔

میں اُس سے بات کرنا ہی جاہتا تھا کہ اچا تک ہی کسی طرف سے سعید نمودار ہوا..... اُس اِنت عُفور نے بھی ہماری طرف دیکھا تھا۔

''اندر چلو۔۔۔۔۔ جلدی کُرو!'' سعید نے میرے ہاتھ کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ دُ کان کا شٹر ' شے سے زیادہ نیچ آ چکا تھا۔ ہم دونوں بھی اُس کے ساتھ ہی جھک کر اندر داخل ہو گئے۔ میں نے اُسے اپنے سے الگ کر دیا اور پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر احتیاط سے بنیچے اُتر نے لگار سعید وغیرہ تقریباً بچاس گز آ گے ہمارے انتظار میں رُک گئے تھے۔

آبادی اب زیادہ و ورنہیں رہ گئ تھی۔ لیکن ہمیں ایک جگہ پھر رُک جانا پڑا۔ ہمارے سامنے بہت گہرائی میں دریا بہدرہا تھا۔ تیز بہاؤ کی وجہ سے پانی کے شور کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ہمارے سامنے رسوں کا ایک بل تھا۔ تیز ہوا کی وجہ سے پورا بل جھولے کی طرح جھول رہا تھا۔ وہ بل پار کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ البتہ بیاندیشہ ضرور تھا کہ دوسری طرف بھارتی فوجی گھات لگائے نہ بیٹھے ہول۔

ہم بل کے ساتھ ایک چٹان کے قریب رُک گئے۔ یہاں سے دریا کا پاٹ سوفٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ دونوں طرف مجمودی چٹا نیس تھیں اور اندھیر سے میں دوسری طرف کچھ دیکھناممکن نہیں تھا۔ اشرف نے اپنی رائفل سعید کے حوالے کر دی اور بل پر چڑھ کر آ ہستہ آ ہستہ دوسری طرف چلے لگا۔ اُس نے بل کے رہے کو بڑی مضبوطی سے بکڑ رکھا تھا۔ وہ کچھ دُور تک تو ہمیں نظر آیا، پھر گہری تاریکی میں غائب ہوگیا۔

ہم چٹان کے قریب کھڑے آنے والے لمحات کا انظار کرتے رہے۔ تقریباً چالیس منٹ بعد سیٹی کی آواز سائی دی۔ وہ اشرف کی طرف ہے کلیسرنس کا سکنل تھا۔ اُسے بل پار کرنے میں تو زیادہ در نہیں لگی تھی لیکن ہمیں سکنل دینے سے پہلے اُس نے آس پاس کی چٹانوں میں گھوم پھر کر اپنا اطمینان کر لیا ہوگا۔

مستکنل ملتے ہی ہم پُل پرآگئے۔سب سے آگے۔سیدتھا، اُس کے پیچھے میں، میرے پیچھے اگوری اور آخر میں انورتھا۔ ہوا بہت تیزتھی اور بل بری طرح جھول رہا تھا۔ بل کی چوڑائی تین فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ نیچے تختے گئے ہوئے تھے اور ہم نے دونوں طرف سے رسوں کو پکڑرکھا تھا اور آ ہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ درمیان میں ہوا زیادہ تیزتھی۔ہم چارآ دمیوں کا وزن بھی زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوا تھا اور بل زورز ور سے بچکو لے لے رہا تھا۔ ایک موقع پر تیز ہوا بھی زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوا تھا اور بل زورز ور سے بچکو لے لے رہا تھا۔ ایک موقع پر تیز ہوا کے جمو نکے سے بلی می چیخ نکل گئے۔ میں نے جلدی سے اُس کا ہاتھ تھا م لیا۔ہم چند سیکنڈ وہاں رُکے اور جب ہوا کا زور پچھ کم ہوا تو آہنہ جستہ آگے بڑھنے گئے۔

خدا خدا کر کے ہم چنان پر پہنچ گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور انگوری کے منہ

سعید نے عبدالغفور کی مدد کرتے ہوئے شٹر پوری طرح گرا دیا۔عبدالغفور نے شٹر کے دونوں طرف تالے لگائے جاتے ہیں لک_{ار} طرف تالے لگا دیئے۔ وُ کانوں کے شٹر وں کو عام طور پر باہر سے تالے لگائے جاتے ہیں لک_{ار} بہت سے وُ کانداروں نے کسی ہنگا می صورتحال سے نمٹنے کے لئے اندر کی طرف بھی آہنی کنڈ سے لگار کھے تھے۔ لگار کھے تھے جن میں ضرورت کے وقت تالے لگائے جا کتے تھے۔

عبدالغفور نے سید کھے ہو کر ہماری طرف دیکھا، بڑی گرمجوثی سے مجھ سے اور سعید سے ہاتھ ملایا۔انگوری کا چبرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور دُ کان کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

''میرےساتھ آ جاؤ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

مستعملی بہت تنگ اور تاریک تھی۔تقریباً بچاس گز چلنے کے بعد ہم ایک اور گلی میں مُڑ گئے۔ اُس طرف ہے آتے ہوئے دوآ دمی اندھیرے میں عبدالغفور سے نکرا گئے۔اُن میں سے ایک نے معذرت کی تو عبدالغفور نے اُس کی آ واز بیجان کرکہا۔

''شہر میں گڑیرہ ہور ہی ہے۔تم لوگ کہاں جارہے ہو؟''

'' جلدی آ جائیں گے لالہ جی! آپ چلیں۔'' اُس شخص نے جواب دیا۔

وہ گلی زیادہ طویل ثابت نہیں ہوئی تھی۔آگے جاکر بائیں طرف چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد عبدالغفورایک مکان کے سامنے رُک گیا۔ دستک کے جواب میں فوراً ہی دروازہ کھل گیا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔

باہر سے بظاہر سے مکان بہت جھوٹا لگتا تھا مگر اندر سے خاصا وسع وعریض تھا۔ صحن بہت کہا چوڑا تھا۔ دو کمرے اُس داخلی دردازے کے ساتھ ہی تھے ادر سامنے ایل شبیپ کا برآ مدہ تھا۔ ایک طرف تین کمرے تھے اور دوسری طرف دو۔ برآ مدے کے ایک ستون پرسوواٹ کا بلب جل رہا تھا جس کی روشن پورے صحن میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس مکان میں ایک ادھیڑ عمر عورت نے ہماراا سقطبال کیا۔ وہ اگر چہا پی جوانی گزار چکی تھی۔ اسکن جسمانی ساخت اور چہرے کے نقوش میں اب بھی بڑی کشش تھی۔ اُس نے پھول ^{دار} کیڑے پہن رکھے تھے۔ سریر کالا رُو مال بندھا ہوا تھا مگر دوپٹہ یا چادرنا م کی کوئی چیز نہیں تھی۔

اسی فیمیض کا گرببان اگر چہ گلے تک بند تھا مگر دو پٹہ یا چا در نہ ہونے کی وجہ ہے اُس کا صحت مند سینہ بڑا نمایا ال ہور ہا تھا۔ وہ عبدالغفور کی ایک وُور کی رشتے دار اور بیوہ عورت تھی۔ اُس کا شوہر بھی بھارتی فوجیوں کی درندگی کا شکار ہوا تھا۔ سولہ سترہ سال کی عمر کی ایک بیٹی تھی جو اُس کے ساتھ رہ رہی تھی مگر عبدالغفور کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ بیٹا بھی سرینگر میں پولیس کے ساتھ ایک جھڑپ میں شہید ہو چکا تھا۔ وہ سکنڈ ایئر کا سٹوؤنٹ تھا اور تعلیم ہی کے سلسلے میں سرینگر میں اینے ماما کے پاس رہائش پذیر تھا۔ دو سال پہلے پولیس نے کچھ بے گناہ لڑکوں کو کر قارکیا تھا جس پر کا لئے کے سٹوؤنٹس نے احتجاجی مظاہرے کرنے شروع کر دیتے تھے۔ ایک ایسے ہی مظاہرے کے دوران لال چوک پر پولیس نے گولی چلا دی تھی جس سے دو طالب علم جاں بحق ہوئے تھے اوران میں ایک عبدالغفور کا بیٹا تھا۔

عبدالغفور بہت عرصے ہے مجاہدین کے لئے کام کرر ہاتھا۔ وہ وقٹا فو قٹا اُن کی مالی امداد بھی کرتا، اُنہیں اطلاعات بھی فراہم کرتا اور ضرورت پڑنے پر مجاہدین کو پناہ بھی دیتا۔ اُس کا ایک مکان اُس شاہراہ پر تقریباً تمیں میل آ گے سمبل نا می بستی میں تھا جو صرف مجاہدین کی سرگرمیوں کے لئے مخصوص تھا۔ مجاہدین کی تلاش میں پولیس کئی مرتبہ اُس مکان پر چھاپہ مار چکی تھی لیکن اُسے وہاں ہے بھی کچھ نہیں ملا تھا۔

''''نیثم!'' عبدالغفور نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''مہمان آ گئے ہیں.....کھانا تیار بے پانہیں؟انہیں بھوک لگ رہی ہوگ ۔''

'' کھانا تیار ہے بھائی جی ۔۔۔۔ میں ابھی دستر خوان بچھاتی ہوں۔' ریٹم نے جواب دیا۔ ریٹم نے اُس وقت انگوری کو سینے سے لپٹار کھا تھا۔ وہ اُسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ ''وہ اُدھر غسل خانہ ہے بٹی! باہر بھی پانی کا ڈرم رکھا ہوا ہے۔ ثم منہ ہاتھ دھولو! میں کھانا نکالتی بول۔ اور بیٹا! تم لوگ بھی منہ ہاتھ دھولو!'' اُس نے آخری الفاظ میر سے اور سعید کی طرف د کھتے ہوئے کیے تھے۔

اور پھراس نے پندرہ منٹ بعدہم ایک کمرے میں فرش پر بچھے ہوئے دستر خوان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ریشم کی بیٹی بتول کو بھی انگوری نے اپنے ساتھ بٹھالیا تھا۔صحت مند ماں کے مگن وہ ڈبلی تیلی اور بڑی پیاری تیلڑ کی تھی۔

جب میں اُس مکان میں داخل ہوا تو میرا دل تیزی ہے دھڑک رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اندرداخل ہوتے ہی کمانڈرمحب اللہ سے ملاقات ہوگی مگر یہاں کمانڈرکونہ پاکر مجھے بردی مایوی افراض ہوتے ہی کمانڈرمحب اللہ سے ملاقات ہوگی مگر یہاں کمانڈرکونہ پاکر مجھے برتایا کہ وہ آدھی رات کو یہاں پہنچ گا۔

ہم ابھی کھانا کھارہے تھے کہ باہر کے دروازے پر دستک کی آواز اُ بھری۔عبدالغفورخوداُ کھ کر باہر گیا۔ اُس کی والیس تقریباً تین منٹ بعد ہوئی تھی۔ اُس کے چبرے پرتشویش کے آڑات نمایاں تھے۔ ''اور و همنصوبه کیا ہے؟'' میں نے یو جھا۔

''یوتو کمانڈ رمخت اللہ ہی بتائے گا ۔۔۔۔ جھے تو صرف یہ تھم ملا تھا کہتم لوگوں کو تلاش کر کے ہاں بلالیا جائے۔'' عبدالغفور نے جواب دیا۔''شہر میں کر فیو ہو یا پچھاور۔۔۔۔ محتب اللہ آ دھی رات کے وقت ہرصورت میں یہاں پنچ گا اور اشرف بھی زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں یہاں آھائے گا۔''

' چند کھوں کو خاموثی رہی ، پھر آج صبح باندی پورہ اور پھریہاں سے چندمیل وُ وررونما ہونے والے واقعات کے بارے میں گفتگو ہونے گئی۔سعید اُنہیں ان دونوں واقعات کی تفصیل بنا

''اس سے چندروز پہلے ۔۔۔۔'' سعید کے فاموش ہونے پرعبدالغفور نے کہا۔''فوج کے ایک رہتے نے مجاہدین کی تلاش کے بہانے باندی پورہ پر ہلہ بول دیا تھا۔ اُس وقت بھی بھارتی فوجیوں کو الشیں چھوڑ کر بھا گنا پڑا تھا اور پھر آج کا واقعہ ۔۔۔۔'' وہ چندلمحوں کو فاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔'' یہ میرا خیال ہے پہلا واقعہ ہے جہاں بھارتیوں کو ایک ہی جگہ اتنا بھاری جانی نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اس لئے ہائی کمان نے فوری طور پر باندی پورہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ بدل دیا ہے کیونکہ شاید وہ سجھتے ہیں کہ باندی پورہ میں گولہ بارود کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مجاہدین بھی بڑی تقداد میں موجود ہیں۔ ویسے باندی پورہ والے واقعہ میں کمانڈر شمروز اور کمانڈر انگوری کا نام واضح طور پر ایا جارہا ہے۔''

"اور حقیقت ہے ہے کارنامہ انہی دونوں نے انجام دیا ہے۔" سعید نے اُس کے خاموش ہونے رکہا۔ " پہلی گولی کمانڈر شمروز نے چلائی تھی اور کمانڈر انگوری کی چلائی ہوئی آخری گولی نے لا تعداد فوجیوں کے برخچے اُڑاد کے تھے۔"

کھانے کے بعد بتول اورانگوری نے دستر خوان سمیٹ لیا اور اُس کے تھوڑی ہی دیر بعد ریشم نے قہوہ تقسم کر دیا۔الا بچکی والا قہوہ بلاشیہ بے حد خوش ذا کقہ تھا۔

باہر کی فضا میں گہراسکوت اور سناٹا تھا۔ بھی بھار کسی کتے کے بھو نکنے یا اِکا دُکا فائر کی آواز یاہر کی فضا میں گہراسکوت اور سناٹا تھا۔ بھی بھار کسی کتے کے بھو نکنے یا اِکا دُکا فائر کی آواز سے بیاٹا چند کھوں کے لئے مجروح ہوجا تا اور اس کے بعد پھر وہی گہراسکوت چھاجا تا۔ انگوری برابغنو دگی می طاری ہونے گئی تھی۔ وہ بتول کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئ جبکہ ہماری گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ تشمیری سیاستدانوں کا کردار بھی زیر بحث آیا۔ یہ لوگ سوائے لیڈر بی جیکا نے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

ان دنوں فاروق عبداللہ پھر برسر اقتدار تھا۔ وہ وزیراعلی تھا اور اُس کے زہر ملیے بیانات گوام میں مزیداشتعال پیدا کررہے تھے۔ وہ تحریک آزادی کو کیلنے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ یہی وہ بے میسر آ دمی تھا جس کے باپ نے کشمیر کازے غداری کی تھی اور کشمیر کی آزادی کا سودا کر '' کیابات ہے کوئی خاص خبر؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں ہے اُس کی طرف دیکھا۔ ''شہر میں کر فیولگا دیا گیا ہے۔'' عبدالغفور نے جواب دیا۔''لیکن خیر پریشانی کی کوئی ہاہے نہیں ہے۔ ہنگامے اور کر فیوتو روز کا معمول ہے۔ میرے مہمانوں کو بھی پتہ ہے کہ انہیں کر راتے ہے آنا ہے اس لئے زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔ لیکن''

"لکن کیا؟" بین فرایک بار چرسوالیه نگامون سے اُس کی طرف دیکھا۔

''لیکن اگر کر فیوزیادہ طول تھنچ گیا تو پریشانی ہوسکتی ہے۔اس سے ہمارا گلامنصوبہ متاڑ ونے کا اندیشہ ہے۔''

'' يبال ہنگامه کس بات پر ہوا تھا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''باندی پورہ میں ڈیڑھ درجن بھارئی فوجیوں کا تم لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور رائے میں آٹھ فوجیوں سمیت ایک ٹرک کی جابی کی اطلاع سرینگر میں فوجی کی ہائی کمان تک بہنی بھی ۔''عبدالغفور نے جواب دیا اور میں چو تکے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہمارے کارناموں کی خبریں ہم سے پہلے ہی یہاں پہنی چی بھی ۔ عبدالغفور بات جاری رکھتے ہوئے کہدرہا تھا۔''باندی پورہ والی خبر تو صبح گیارہ ہجے کے قریب یہاں پہنی گئی۔' وہ چند کھوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔''بولیس کا ایک مسلمان انسکٹر عنایت اللہ میرا دوست ہے۔ اُس نے شام رکھتے ہوئے کہنے لگا۔''بولیس کا ایک مسلمان انسکٹر عنایت اللہ میرا دوست ہے۔ اُس نے شام جو ذرا پہلے مجھے بتایا تھا کہ باندی پورہ اور گندر بل میں چندروز پہلے بھی فوج کافی نقصان اُٹھا نقصان اُٹھا کہ وہ اُٹھی کہ باندی پورہ اور گندر بل میں چندروز پہلے بھی فوج کافی نقصان اُٹھا خبیں رکھتی۔ البتہ پولیس کو یہ اطلاع فراہم کر دی گئی تھی کہ ان دونوں واقعات میں ملوث اُلر وادی گندر بل کی طرف ہی آ رہے ہیں۔وہ یہاں پناہ لینے کی کوشش کریں گے۔ پولیس کو چوک کردیں جن وادی گندر بل کی طرف ہی آ رہے ہیں۔وہ یہاں پناہ لینے کی کوشش کریں گے۔ پولیس کو چوک کردیں جن وادی گندر بل کی طرف ہی تارہ ہے کہ وہ مشتبہ افراد پر نگاہ رحیس اور ایسے شتبہ لوگوں کی گرانی بھی شروع کردیں جن جیں۔ کو وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا اور جند کھوں بعد بولا۔

''شام نے ذرا پہلے پولیس نے دولڑکوں کو اُن کے گھروں سے پکڑا تھا۔ اُن پرشبہ تھا کہ وہ ہائی وے پرٹرک کی تباہی والے حادثہ میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ پہلے تو ان لڑکوں کے والدین اور قربی رضتے دار پولیس آفیسر سے مذاکرات کر کے انہیں چھڑانے کی کوشش کرتے رہائیک ہندواسٹین کمشنر انہیں چھوڑنے کو تیار نہیں تھا جس پرشبر کے کچھلوگوں نے پولیس شیشن کے سامنے مظاہرہ کیا۔ پولیس نے اُنہیں لاٹھی چارج کے ذر یع منتشر کرنے کی کوشش کی گر بنگام سامنے مظاہرہ کیا۔ لوگوں نے بڑی تعداد میں تھانے کا گھیراؤ کرلیا جس پر پولیس نے گو لی چلا دی۔ ابھی میرا بیآ ومی بتا کر گیا ہے کہ تین آ دمی زخمی ہوئے ہیں۔ بنگاموں پر قابو بانے کے لئے شہر ہیں کر فیولگا دیا گیا ہے اور اگر بیا کر ایو بانے کے لئے شہر ہیں کر فیولگا دیا گیا ہے اور اگر بیا کر ایو بانے کے لئے شہر ہیں کر فیولگا دیا گیا ہے اور اگر بیا گیا ہے۔ '' اُس نے بات کرتے ہوئے انگوری اور میری طرف دیکھا۔

46) . Sun

کے بنیا حکم انوں کے چرنوں میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ کشمیر کا وزیراعلیٰ تو بن گیا تھالیکن اُس کی غداری سے کشمیر کی مسلمانوں کو جونقصان پہنچا تھا اُس کا ازالہ ممکن نہیں تھا۔ بے چارے معصور کشمیر کا آج بھی اُس کے گناہوں کی سزا بھگت رہے تھے۔اگر شخ عبداللہ کشمیر کا زہے غداری نہ کرتا تو آج کشمیر کی صورتحال مختلف ہوتی۔ فاروق عبداللہ اُس کا بیٹا تھا اُس کی رگوں میں بھی غدار باپ ہی کا خون دوڑ رہا تھا۔ اُس سے وفاکی کیا تو قع کی جاسکتی تھی؟ ان دنوں وہ پھر برسرافتد ارتھا اور تحریب آزادی کو کچل دینے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔

ریک در دن رات کے گیارہ نج چکے تھے۔ دروازے پر دستک کی ہلکی می آواز اُنجری تو عبدالغفور فورا ہی اُنگی کی آواز اُنجری تو عبدالغفور فورا ہی اُنگی کے اور کی منت بعد ہی آ نگن سے آوازیں من کر میں نے دروازے سے باہر جھا نکا عبدالغفور کے ساتھ دواورآ دی کمرے کی طرف آ رہے تھے۔اُن میں ایک اشرف تھا اور دوسرا چرہ میرے لئے اجنبی تھا۔ اُس شخص نے پشت پر ایک بوری لادر کی تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر اُس نے بوری نیچر کھ دی اور ہم سے ہاتھ ملانے کے بعد ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ مرکز اُنس نے بوری ان کے ساتھ شک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ مرکز اُنس نے بوری نے باتھ شک اُنگی اُنگی۔ مرکز کر بیٹھ گیا تھا۔

''کوئی دُشواری تو پیش نہیں آئی؟'' عبدالغفور نے پہلے اشرف اور پھر دوسرے آدی کی طرف دیکھا۔

'' کرفیو کی وجہ سے ذرا لمبا چکر لگا کر آنا پڑا۔اس کے علاوہ تو کوئی اور دُشواری پیش نہیں آئی۔'' دوسرے آ دمی نے جواب دیا۔

۔ ریٹم بھی آوازیں س کر آگئی تھی۔عبدالغفور نے اُن دنوں کے لئے کھانا نکالنے کو کہا تو وہ باری باری اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

ری باری آن دونوں بی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ '' آؤ بیٹا! تم دونوں بادر چی خانے میں ہی آ جاؤ۔ دہیں میرے پاس بیٹے کرکھالینا۔'' '' آئ بیٹا! تم دونوں بادر چی خانے میں ہی آ جاؤ۔ دہیں میرے پاس بیٹے کرکھالینا۔''

وہ دونوں اُٹھ کرریتم کے ساتھ باور چی خانے میں چلے گئے۔سعید اپنی جگہ ہے اُٹھ کر آگے آگیا اور بوری کے منہ پر بندھی ہوئی ڈوری کھولنے لگا۔ اُس بوری میں ہماری وہ سب مثین گنیں تھیں جو ہم گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے اشرف کے حوالے کر کے آئے تھے۔ بوری میں فاضل میگزین بھی تھے۔سعید نے رائفلیں اور تمام میگزین نکال کر بوری تہہ کر کے

ایک طرف رکھ دی۔ میں نے اپنی اور انگوری والی رانفلیں اُٹھالیں اور اُنہیں چیک کر کے دیوار کے ساتھ ایستادہ کر دیا۔

تھوڑی دیر بعداشرف اوراُس کا دوسرا ساتھی حمید بھی کھانا کھا کرآ گئے ۔حمید بتار ہاتھا کہ شہر میں مکمل سناٹا ہے۔ پولیس بڑی تعداد میں گشت کر رہی ہے۔ اہم مقامات پر فوجی گاڑیاں بھی کھڑی ہیں۔ اُس کے خیال میں رات کا باقی حصہ تو شاید خیریت سے گزر جائے لیکن شج

ہنگاموں کا خطرہ ہے۔ وقت دھیرے دھیرے سے گزر رہا تھا۔ اگر چہ ہم سب ہی بری طرح تھکے ہوئے تھے مگر نیند کسی کونہیں آ رہی تھی۔

دو بجے کے قریب دروازے پرایک بار پھر دستک کی ہلگی می آ واز اُ بھری۔ دروازہ محض ایک انگل سے مخصوص انداز میں بجایا گیا تھا۔عبدالغفور فورا ہی اُ ٹھر کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس مرتبہ مین آ دمی اُس کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ اُن میں ایک کما نڈر محب اللہ تھا۔ اُسے دکیھ کرہم سب ہی احرّ اِنا اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے مصافحہ کے لئے کمانڈر کی طرف اُنھ بڑھایا تو اُس نے مجھے کھیجے کر سینے سے لیٹالیا اور میری پیشانی پر ہوسے دینے لگا۔

کھ برسایا و اس کے سے میں رہیں ہے ہو تی دریاں پر اس کے اس کے در اس کا اپنی قوم اور اپنے وطن کے در میں نے پہلی بار جب تمہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم اپنی قوم اور اپنے وطن کے لئے بڑے کارنا ہے انجام دو گے۔'' وہ میری آنکھوں میں جھا نکتے ہوئے بولا۔'' مجھے تمہاری نمام سرگرمیوں کی رپورٹس ملتی رہی ہیں۔ مجھے تم پرفخر ہے۔ پوری تشمیری قوم کوتم پرفخر ہے۔ اور وہ

ما اسر میدون و میبادی و است. کہاں ہے ہماری بینیکمانڈ رانگوری؟''

''انگوری سوگئی ہے جگا دُول؟''میری بجائے عبدالغفور نے کہا۔ مصرف

''نہیںسونے دو! صبح ملا قات کریں گے۔'' کمانڈر محتِ اللہ نے کہا۔'' آپ لوگوں کو بوک لگ رہی ہوگی ۔ کھانا تیار ہےآپ لوگ منہ ہاتھ دھولیں تو''

'' کھانا اس وقت ہم نہیں کھائیں گے۔ قہوہ چلے گا۔ کیکن پہلے پانی پلا دو!'' کمانڈر محبّ اللّٰہ نے کہا۔ عبدالغفور کمرے سے چلا گیا اور ہم سب لوگ فرش پر بچھے ہوئے نمدے پر ہیٹھ گئے۔ عبدالغفور ریشم کو قہوہ بنانے کے لئے کہہ کر واپس آ گیا اور محبّ اللّٰہ کوشہر کی صورتحال کے۔ ۔

ارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔

تقریباً ہیں منٹ بعد انگوری کوٹرے اُٹھائے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر میں چونک سا گیا۔اُسے شاید رکیثم نے جگا دیا تھا اور آبوہ بھی اُس کے ہاتھ بھجوایا تھا۔اُس نے قبوے کی ٹرے ہم سب کے درمیان رکھ دی۔ کمانڈ رمحبّ اللہ نے صرف ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انگوری نے اُسے سلام کیا تو کمانڈ رمحبّ اللہ نے اُسے سینے سے لگالیا اور اُس کی پیٹائی پر ہوسے دینے لگا۔ کمانڈ رکی آنکھوں میں نمی دیکھ کر میر ابھی دل بھر آیا۔

'' ' بھیں تم پر فخر ہے بٹی!'' کمانڈر محبّ اللہ کہدر ہا تھا۔'' ہمیں اُس ماں پر بھی فخر ہے جس نے تم جیسی بٹی کوجنم دیا۔ کشمیر کی قسمت اب بد لنے والی ہے۔ وہ وقت اب زیادہ دُور نہیں جب ال دادی میں گولیوں کی سنسنا ہٹ اور تو پوں کی گھن گرج کی بجائے آزادی کے نفے گونجیں گے۔ ارتضا ہارود کے دُھویں اور زہر لی ہو کی جگہ چھولوں کی محور کن خوشبو سے مہک اُٹھے گی۔ زندہ ارتضا کی کی بٹی۔''

ہم سب بیٹھ گئے اور پھر قہوے کی چسکیوں کے دوران کمانڈ رمحتِ اللہ ہمیں اپنے منصوبے سا گاہ کرنے لگا جس کے لئے ہمیں یہاں لایا گیا تھا۔

مِن كما ندُر محبِّ اللَّه كَي با تين من كر كانپ أثفاً برا اى خوفنا كمنصوبه تها ـ

C

بیا۔ ہم سب کی نظریں اُس کے چبرے پر مرکوز تھیں۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یا پھر درّہ زوجی لا یااس سے چندمیل پہلے میتال کے مقام پر بھی ہم اُس قافلے کو اپنا نشانہ پیتے ہیں۔ بیتال سے بھی ہمیں پہلگام کی طرف نکلنے کا راستہ مل سکتا ہے۔ اب یہ طے کرنا ہے ایاں قافلے پر حملہ کرنے کے لئے کس جگہ کا انتخاب کیا جائے؟''

راں مات پر سیست کے میں ہے۔ '' دہمیں ٹرک اور جار جیسیں ۔۔۔'' میں نے کمانڈ رمحت اللہ کے خاموش ہونے پر کہا۔'' بہت _{با}قافلہ ہوگا۔ ہمارے کروپ میں کتنے آ دی شامل ہوں گے؟''

ارے آدمی سڑک کے دولوں طرف پہاڑیوں سے ملہ اور ہوں ہے۔

"کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم اپنی ساری قوت ایک جگہ پر جمع کرنے کی بجائے اُسے
گڑیوں میں پھیلا دیں؟" میں نے کہا۔" میرا مطلب ہے کہ ہم قافلے پر جملے کے لئے جس جگہ
کا بھی انتخاب کریں وہاں ہمارے آ دی چھوٹے چھوٹے گرویوں کی صورت میں دُور تک پھیل
ہائیں تا کہ اُس فوجی قافلے کے سی ایک ٹرک کو بھی وہاں سے نگلنے کا موقع نیل سکے۔"
کمانڈ رمحتِ اللہ کے ہونٹوں پر مسکرا ہے آگئ۔

ما مدرت الملاح الملاح المحصة الموري و المولاد "مين تمهاري الله تجويز مي تممل طور پر "محصة تم سے ايسے ہي جواب کی تو قع تھی۔ " وہ بولا۔ "میں تمہاری اس تجویز سے ممل طور پر افاق کرتا ہوں اور میر سے خیال میں اس مقصد کے لئے اب سونا مارگ سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو گئی۔ وہ ایسی جگہ ہے کہ ہمارے آ دمی سڑک کے دونوں طرف دُور تک بیٹھ سکتے ہیں۔ میں کل ای تمام آ دمیوں کو اطلاع بجوا دیتا ہوں۔ وہ لوگ ایک دن پہلے سونا مارگ میں جمع ہو جائیں گے۔ کمانڈ ررشید اور کمانڈ رشہاب الدین اور کمانڈ ریاسین بھی اپنے اپنے آ دمی لے کرایک دن کہا دہاں جمع ہو جائیں گے۔ یہ ایک بڑی کارروائی ہوگی اور اس میں ہمیں زیادہ سے زیادہ اور گئر برکار آ دمیوں کی ضرورت ہوگی۔" میں شروی کی شروت ہوگی۔" میں تا ہوگی۔ میں میں میں کہا دو اس میں ہمیں کی اور اس میں ہمیں دیادہ سے نیادہ اور کی میروں کی ضرورت ہوگی۔" میں میں ایک بڑی کار کار آ دمیوں کی ضرورت ہوگی۔" میں میں ہمیں دیا کہ میں کار کی دوران میں ہمیں دیادہ سے تا ہوگی۔" میں میں میں کہا کہ کار آ دمیوں کی ضرورت ہوگی۔" میں میں میں کی دوران کی دوران میں ہمیں دیادہ سے خوال میں میں میں کی دوران کی دوران کی میں میں دوران کی میں کی دوران کی د

ربہ قارا و یون کی سرورت ہوں۔ ''دلیکن' میں نے اُس کے چبرے پرنظریں جماتے ہوئے کہا۔'' بھارتی فوج کی انٹیکی منر بھی تو غافل نہیں ہوگی۔ وہ بورے علاقے پرنگاہ رکھیں گے۔ وہ ہراجنبی پرشک کریں گے۔ اندیکتا ہے مشتبہ افراد کوروک کران سے کسی قسم کی باز پرس بھی کی جائے۔ ہمارے استے سارے ادی سونا مارگ میں جمع ہوں گے تو اُنہیں شبہ ہوجائے گا۔''

رہ وہ ہورت یں میں برائے ہوج گیا ہے۔'' کمانڈر محب اللہ نے کہا۔''سونا مارگ ایک تفریکی اس کاحل بھی میں نے سوج گیا ہے۔'' کمانڈر محب اللہ نے کہا۔''سونا مارگ ایک تفریخ کے مقام ہے۔ وادی کے حالات نہایت خراب ہونے کے باوجود ہندوستان سے لوگ تفریخ کے گئا میں طرف بوری تعداد میں آتے ہیں۔ سونا مارگ سے آگے چندمیل کے فاصلے پر دریا کے گئا مہم مقدس ہیں۔ یہ غار ہزاروں فریب امر ماتھ مام کے وہ تاریخی غار ہیں جو ہندووں کے لئے بہت مقدس ہیں۔ یہ غار ہزاروں مال پرانے ہیں۔ان کے اندر چٹانوں پر قدیم دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں تراثی ہوئی برائے۔ بندوان غاروں کی یاترا کے لئے اس طرف جاتے رہے بندوستان سے آنے والے ہندوان غاروں کی یاترا کے لئے اس طرف جاتے رہے

'' آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد۔'' کمانڈ رمحبّ اللّٰداپے منصوبے کی تفصیل بتاتے ہوئے ہوئے۔ رہا تھا۔''اسلحہ اور گولہ بارود کی ایک بہت بڑی کھیپ سرینگر سے کارگل بھیجی جانے والی ہے۔'' انگوری بھی میرے قریب ہی بیٹھی تھی اور ہم سب بڑی توجہ سے کمانڈ رمحبّ اللّٰہ کی باتیں رہے تھے۔وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہدر ہاتھا۔

کمانڈرایک کمیحکو خاموش ہوا کھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ '' کارگل کے حالات بتدریج خراب ہوتے جارہے ہیںایک طرف سے ہمارے باہر بھائیوں نے بھارتی فوجیوں پر دباؤ ڈال رکھا ہے۔ وہ موقع ملتے ہی بھارتی فوجی چوکیوں پر حملے کر کے یا تو اُنہیں تباہ کر رہے ہیں یا بھاری نقصان پہنچارہے ہیں۔ دوسری طرف سے کنرول لائن کے اُس پار سے پاکستانی فوج بھارتیوں پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ کارگل میں بھارتی فوج اندھا وُ ھندگولہ باروداستعال کر رہی ہے۔اس طرح انہیں کچھ وُشواریاں بھی پیش آ رہی ہیں۔ سرینگر ہائی کمان نے فوری طور پر گولہ بارود کی ایک بھاری کھیپ کارگل پہنچانے کا انظام کیا ہے۔ کچھ گولہ بارودتو ہوائی جہاز کے ذریعے بہنچایا جارہا ہے اور پچھٹرکوں کے ذریعے بھیج کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ پہلا قافلہ مھیک ایک ہفتے بعد آج ہی کے دن صبح سورے سرینگر سے روانہ ہو گا۔اس طرح گولہ بارود سے لدا ہوا یہ قافلہ باون میل کا فاصلہ طے کر کے مبح نو بجے کے قریب سونا مارگ پہنچنے گا۔ فاصلہ اگر چہ زیادہ نہیں مگر راستہ نہایت خطرناک حد تک پڑ چھی ہونے کی دجہ ے قافلے کی ِ رفتار زیادہ تیز نہیں ہو گی۔اس طرح اس قافلے کو باون میل کا فاصلہ طے کرنے میں تین تھنے لکیں گے۔ میری اطلاع کے مطابق سرینگر سے سونا مارگ تک جہاں راستہ بہت زیادہ خطرناک ہے اور مجاہدین کے حملے کا خطرہ ہے وہاں قافلے کی حفاظت کے خیال سے ایک دن پہلے عارضی فوجی چوکیاں قائم کردی جائیں گی۔سونا مارگ سے آگے کچھ علاقہ ایسا بے جہال حفاظتی چوکیان نہیں ہیں۔'' وہ خاموش ہو کر باری باری ہماری طرف و کیصنے لگا پھر بات جار^ک

رہے ہوئے ہوئے ہوں۔ ''ہمارے پاس دوآ پشن ہیںایک تو یہ کہ سونا مارگ سے ٹھیک تین میل آ گے ایک الگی جگہ ہے جہاں ہم اپنے مور چے قائم کر سکتے ہیں۔ یہاں سے ہم دریا کے راتے اور ناتھ کے غاروں کی طرف اور وہاں ہے پہلگام کی طرف نکل سکتے ہیں یا پھر.....'' وہ ایک بار پھر خاموش

ہیں۔' وہ چندلمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔''ہمارے چند آ دی ہ_{ندو} یاتر یوں کے بھیں میں سونا مارگ جائیں گے اور پچھ شہر سے تقریباً ایک میل وُورایک پہاڑی غ_{ار} میں چھپے رہیں گے اور وقت مقررہ پراپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔'' میں جھپے رہیں گے اور وقت مقررہ پراپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے آ دمی آ زادی سے اسلحہ تو ساتھ نہیں لے جائیس گے۔'' میں نے کہا۔

''کسی کو اسلجہ لے جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔سب خالی ہاتھ ہوں گے۔'' کمانڈر نے جواب دیا۔'' ہراری خوش قسمی جواب دیا۔'' ہرفتم کا اسلحہ ایک رات پہلے اُس غار میں پہنچا دیا جائے گا۔اور یہ ہماری خوش قسمی ہے کہ ہندوستان سے آنے والی ہندویا تریوں کی ایک پارٹی جس میں سرینگر کے پچھ شمیری ہندو بھی ہوں گے دو دن پہلے سرینگر سے سونا مارگ پہنچے گی۔تم اور انگوری بھیس بدل کر اُس پارٹی میں شامل ہو سکتے ہو۔''

" کیا……؟" میں اُنھیل پڑا۔

''ہاں ۔۔۔۔۔!'' کمانڈ رمحب اللہ مسکرایا۔''تم دونوں ہندوؤں کے بھیس میں آسانی سے سونا مارگ جاسکتے ہو۔ وہاں تہہیں زیادہ پریشانی نہیں ہوگی تم پہلے بھی سونا مارگ گئے ہویا نہیں؟'' ''نہیں ۔۔۔۔'' میں نے ننی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر سسہمیں گہاں ٹھبر نا ہو گا؟'' میں سنے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ 'کسی مندر میں؟''

ی حدریں: ' وہاں دو تین مندر بھی ہیںاور ہندو یا تر ی ملسے بحانے کے لئے عام طور پر مندروں

ی میں مفہرتے ہیں۔لیکن انگوری کے ساتھ کسی مندر میں رات گزارنا بھی تم لوگوں کے لئے طرف ہوسکتا ہے۔'' اُس نے خاموش ہو کر انگوری کی طرف دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہے لگا۔''مندروں کے پجاری بھارتی فوجیوں اور پولیس سے زیادہ خطرناک ہیں۔ وہ بھرف انتمیل جنس والوں کے لئے مخبری کے فرائض انجام دیتے ہیں بلکہ مندر میں قیام کرنے بہا جوان اور خوبصورت عورتوں پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی بازنہیں آتے۔ بعض اوقات تو وہ کی عورت کواس طرح غائب کردیتے ہیں کہ اُس کا سراغ بھی نہیں ملتا۔''

''تو پھر؟'' میں نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"سونا مارگ پہنچتے ہی تم پریتم سنگھ سے ملاقات کرو گے۔" کمانڈرمحت اللہ نے کہا۔" بازار مں اُس کی دودھ دہی کی دُکان ہے۔ پریتم سنگھ امر تسر کا رہنے والا ہے لیکن تقریباً پندرہ سال ہے یہاں پر ہے۔ اُس کی دُکان تم بہت آسانی سے تلاش کر لو گے۔ روائی سے پہلے میں نافت کے لئے ایک دوبا تیں بتا دُوں گا۔ تم دونوں اُس کے گھر پر رہو گے اور بعد میں تہہیں اُس سے میرا یغام بھی مل حائے گا۔"

" میں نے یو چھا۔

'' دو دن پہلے تہمیں بتا دیا جائے گا۔۔۔۔'' کمانڈر نے جواب دیا اور چندلمحوں کی خاموثی کے ۔ بد بولا۔''میرا خیال ہے ابتم لوگ سو جاؤ! کل سارا دن سفر میں رہے ہو اور رات بھی ختم برنے والی ہے۔''

رات ختم ہو چکی تھی۔ اُس وقت صبح کے چار نج رہے تھے۔ انگوری اُٹھ کر دوسرے کمرے 'ن چل گئی۔عبدالغفور، انوراور دوسرے آ دمیوں کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ میں اورسعید 'ن کمرے میں رہ گئے تھے۔سعید تو جگہ طلتے ہی لمبا ہو گیا تھا اور پھر میں نے بھی ٹائکیں پھیلا 'نیا۔ پچھہی دیرِ بعدمیری آ تکھیں بند ہونے لگیں۔

ا است میں لئے جانے والے لڑکوں کو پولیس نے چھوڑ دیا تھا اور اُن لڑکوں کی رہائی کی انہوں ہے۔ انہ سے شہر میں سکون تو ہو گیا تھا مگر پولیس کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں۔ ہر شخص کو شک کی نگاہوں سے دیکھا جارہا تھا۔ کئی لوگوں کوروک کر اُن ہے یوچھ تا چھ کی جارہی تھی۔

بھارے دوسرے آ دی تو اگلے روز صبح ہی باہر جا چکے تھے مگر مجھے اور سعید وغیرہ کو باہر جانے صورک دیا گیا تھا۔ البتہ انگوری، رئیٹم کی بٹی کے ساتھ آ زادی ہے شہر میں گھوم پھر رہی تھی۔ اور بالآخروہ وقت آ گیا جس کا مجھے انظار تھا..... اُس روز دو پہر دو بجے کی بس ہے ہمیں اند ہونا تھا۔ یہ بس سرینگر ہے آنے والی تھی اور اطلاع کے مطابق اُس میں بھی کم از کم ہیں۔ مزیار کی سفر کر رہے تھے۔ اُن میں مرد بھی تھے، عور تیں بھی اور بچے بھی۔

ان کے گیارہ بجے ہی ہمارے حلیئے تبدیل کردیئے گئے۔ مجھے ہندو کا بھیس بدلنے کے لئے

اپنے بالوں کی قربانی دینی پڑی تھی۔ میرے سر پر اُسترا پھیر دیا گیا۔ البتہ کھو پڑی پر چٹیا کی صورت میں کچھ بال جھوڑ دیئے گئے۔ میری یہ چٹیا بھی تقریباً پانچ اپنچ کمبی جو سر کی 7 کت کے ساتھ پھندنے کی طرح جھول رہی تھی۔ گیروے رنگ کے کپڑے، پیروں میں لکڑی کی کھڑاڑی، گلے میں موٹے موٹوں والی کئی مالائیں اور ماتھ پر دائیں سے بائیں کھا۔ تین کمی سفید لکیریں تھیں جواو پر نیچھیجی گئی تھیں۔ میرے ایک ہاتھ میں سٹیل کا ایک کڑا تھا اور لکڑی کا ایک ترشول۔ دونوں گالوں پر بھی سرخ رنگ ہے لکیریں تھینج دی گئی تھیں اور مزید سم یہ ہوا کہ میری جھنویں بھی صاف کردی گئیں۔

اس حکیئے میں مجھے ایک مکمل سادھویا سوامی بنادیا گیا تھا۔میرے کندھے پرایک میلا ساتھیلا بھی لاکا دیا گیا جس میں کھانے کی کچھ چیزیں ڈال دی گئی تھیں۔

انگوری کا حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ ماتھے پر بندیا، کانوں میں بالیاں اور ناک میں بھی چوڑی کے سائز کی تارجتنی موٹی ایک نھ پہنا دی گئ تھی۔ ہندوعورتیں اکثر اس سم کی پالیاں پہنتی تھیں۔ اُس نے بتول کے کپڑے پہن گئے تھے قمیض انگوری کے بدن پر پچھٹا ئٹ تھی جس سے اُس کا شاب اُمُد آیا تھا۔ ہم ایک دوسرے کود کھے کرمسکرائے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

۔ گندر بل میں ہنٰدوگھروں گی بھی کی نہیں تھی اس لئے ہم پر کسی کوشبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ہم ایک بجے عبدالغفور کے گھر سے نکلے۔ کمانڈ رمحتِ اللہ کا ایک آ دمی ہم سے پہلے نکل گیا تھا اور ایک آ دمی ہمارے بعد گھر سے برآ مد ہوا تھا۔ پہلا آ دمی ہم سے تقریبا بیس گز آ گے تھا۔ ہم اُس کے پیچھے بیچھے گلیوں میں چلتے رہے۔ بعض لوگوں نے مُوکر بڑی نفرت بھری نگا ہوں سے ہماری طرف و یکھا تھا۔ ایک آ دمی نے تو بہت خت قسم کی گالی بکتے ہوئے جملہ بھی کسا تھا۔ وہ

ہاری طرف و یکھا تھا۔ ایک ا دی نے تو بہت دی م می کانی ہے ہوئے جملہ ہی کی ساتھا۔ وہ گالی س کر میراخون کھول اُٹھا تھا۔لیکن میں سر جھکائے خاموثی سے چلتا رہا، ظاہر ہے وہ گالی مجھے نہیں دی گئی تھی۔ گلیوں سے نکل کرہم مین بازار میں آگئے اور پھر دوسری سڑک پر ہوتے ہوئے لاری اڈے

کلیوں سے نکل کرہم مین بازار میں آگئے اور پھر دوسری سرک پر ہوتے ہوئے لاری اؤے پر پہنچ گئے۔ اؤے پر اس وقت دو جیبیں اور ایک بس کھڑی تھی۔ ایک جیپ تو سونا مارگ کی طرف جانے والی تھی جبکہ دوسری جیپ اور بس کے سامنے سرینگر کی پلیٹ گئی ہوئی تھی۔ مسافر برداری کے لئے تشمیر کے تقریباً تمام ہی علاقوں میں جیبیں بھی بکثرت جاتی تیں۔

بروہوں سے سے برا اربی ہم میں میں میں میں اس ایمی نہیں آئی تھی۔ میں نے إدھراُ دھر دیکھا۔ ہمارے آئے پیچھے آنے والے دونوں آدمی تھوڑ نے قاصلے پر إدھراُ دھر کھڑ نے تھے۔ میں انگوری کے ساتھ ایک درخت کے نیچے رُک گیا جہاں کچھا درلوگ بھی کھڑ نے تھے ادراُن میں تمن جار عورتیں بھی تھیں۔ انگوری عورتوں کے قریب کھڑی ہوگئی اور میں لوگوں سے الگ تھلگ زمین باتی مارکر میٹھ گیا۔

نهمیں تقریباً آ دھا گھنٹدا نظار کرنا پڑا تھا۔ دوبسیں ایک ساتھ ہی وہاں پیچی تھیں ۔ ایک ^{بس}

میں تو تمام ہندویاتری بھر ہے ہوئے تھے اُس میں کسی اور مسافر کی گنجائش نہیں تھی۔ البتہ دوسری بس میں کچھ ہندویاتری اور کچھ کشمیری مسلمان تھے۔ کئی سیٹیں خال بھی پڑی تھیں۔

ا شاپ پر بارہ مسافر تھے جنہیں اُس بس میں سوار ہونا تھا۔ تین چارعور تیں بس پر سوار ہو چیں تھا۔ تین چارعور تیں بس پر سوار ہو چیں قو میں نے انگوری کو آگے دھکیل دیا اور اُس کے پیچیے ہی میں بھی ہری اوم ہری اوم ۔ کہتے ہوئے اُوپر چڑھ گیا۔ انگوری کو ایک عورت نے اپنے ساتھ جگہ دے دی۔ اُس کی گود میں ایک شیر خوار بچی بھی تھا۔ بچھے بھی ایک ہندو کے ساتھ ہی جگہ ملی تھی۔ پہلی سیٹ پر ایک سکھ جوڑ ابھی شیر ہوا تھا۔ میں بہال ایک بات بتا تا چلوں کہ سرینگر، سونا مارگ اور پہلگام اور قرب و جوار سین سکھ بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اور ہندو پولیس اور فوج کے سور ما مسلمانوں کی طرح وقا فوقاً اُنہیں بھی تگ کرتے رہتے ہیں۔

ہم جتنی دیر لاری اڈے پر کھڑے رہے تھے پولیس والے بار بار وہاں کھڑے ہوئے یا آنے حانے والے لوگوں کو پریشان کرتے رہے تھے۔

بسسوا دو بجے روانہ ہو گرتین بجے کے قریب اٹھارہ بیں میل کے فاصلے پر نگن کے اڈ کے پرزگ گئی۔ دریا کے کنارے پرآبادیہ گاؤں زیادہ بڑا نہیں تھا۔ یہاں تین مسافر اُترے تھے اور دینے مسافر سوار ہوئے تھے جنہیں تمبل جانا تھا۔ یہاں میں ایک اور وضاحت کرتا چلوں کہ سمبل نام کے دوگاؤں ہیں۔ ایک سرینگر کے مغرب میں باندی پورہ جانے والی شاہراہ پرسونا مارگ سے تقریباً ہیں میل پہلے ہے۔

ہماری بر گنگن ہے جینے ہی آئے نکلی پیچھے ہے آنے والی ایک فوجی جیپ نے تیزی سے آئے نکل کرراستہ روک لیا۔۔۔۔۔ بس کور کنا پڑا۔ اُس جیپ پر نصف در جن فوجی تھے۔اُنہوں نے بس کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک حوالدار ابس میں سوار ہو کر بردی کڑی نظروں ہے مسافروں کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور کند ھے پر سب مشین گن بھی کئی ہوئی تھی۔ جائزہ لینے لگا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور کند ھے پر سب مشین گن بھی کئی ہوئی تھی۔ وہی کھڑ الوگوں کو گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر بعض مسافروں سے سوالات کرنے وہ چندمنٹ وہیں کھڑ الوگوں کو گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر بعض مسافروں سے سوالات کرنے

وہ پید سرے ویں ھرا ہو وں وعور ہارہا پر اسے برھار میں ساروں سے رہا ہو گا۔ الگا۔ اور پھروہ میرے قریب زک گیا۔ ''کہاں ہے آئے ہوسوای جی؟'' اُس نے میرے چبرے پر نظریں جماتے ہوئے کرخت

انجے میں پوچھا۔ جب اُس نے بس کے دوسرے مسافروں سے پوچھ گیجھ شروع کی تھی تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئ تھی لیکن اپنے قریب آنے تک میں اپنی کیفیت پر کممل طور پر قابو یا چکا تھا۔ ''سرینگر سے جی!'' میں نے بھی اُس کی آنکھوں میں جھا تکتے ہوئے پرُ سکون لہجے میں جواب دیا۔''ہم پانچے سال سے ہری پربت پرشیوا مندر میں آنے والے یا تر یوں کی سیوا کر

''' کہاں جارہے ہو؟''اُس نے دوسراسوال کیا۔

' سردار پریتم شکھ کی ہی کہاں ہے بالک؟' میں نے پوچھا۔

"كى مندركا يد يوچوسواى جى ايريم سكھ كے باس جاكركياكرنا ہے؟" أس نے كہت ہوئے کن انکھیوں ہے انگوری کی طرف دیکھا۔

''جانا تو ہم کومندر ہی ہے بالک!'' میں نے جواب دیا۔''سردار پریتم سنگھ کوایک سندیسہ

''نو پھراييا كروسواى جى،'' أس نے كہا۔''وه سامنے جو كھمبا نظر آرہا ہے نا أس كے

ساتھ بائیں طرف مُرْ جاوَ! اُس طرف تھوڑا ہی آ گے دودھ دہی کی ایک دُ کان ہے۔ پریتم سکھ 'کان پر ہی بیٹھا ہوگا۔''

ہم آ کے چل پڑے۔ اور پھر اُس کھ کے بتائے ہوئے رائے برمُو گئے۔ اُس طرف بھی زُکانیں بی تھیں مگریہ بازارزیادہ بڑانہیں تھا۔اس طرف گھومتے ہی مجھے دودھ دہی کی وہ دُ کان

وہ دُ کان ایس بی تھی جیسے دودھ دہی کی دُ کان ہوتی جائے۔آگے سرک کے کنارے پر گڑی کے دوج<mark>ج جھے ہوئے تھے جن پرتین عارگا ک</mark> جمل بنیٹھے ہوئے تھے۔ دُ کان کا تھڑا آ گے کو لکا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ہی پتھروں کا بڑا سا چولہا تھا جس پر دودھ سے بھری ہوتی کڑا ہی رھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف دو بڑی بڑی گول سینماں رکھی ہوئی تھیں ۔ ایک میں بر فی اور دوسری[۔] یں جلیمیاں تھیں جن پر چاندی کے درق بلکے ہوئے تھے۔ کر ابی اورسینوں کے درمیان چوکی پُالِک ادھیزعمر کاسکھ مبیٹھا ہوا تھا۔موسم میں اگر چہ خاصی خنگی تھی گمر اُس کےجسم پر پھولدار کپڑے ل نیر بنیان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سر کے بال بھی جوڑا بن کر ایک جالی میں کے ہوئے تھے۔ اُں کے سامنے ایک اور چوکی ت تھی جس پر گلاس اور پیالے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

وُ کان اندر سے خاصی بڑی تھی۔ دو تین بنج اندر بھی پڑے ہوئے تھے لیکن اندر کوئی گا بک کیل تھا۔ وُکان کے پچھلے جھے پر ٹاٹ کا ایک پردہ بھی مُنگا ہوا تھا۔ پردہ آ دھا ہٹا ہوا تھا اور اُس کے دوسری طرف بھی دون خ نظراً رہے تھے۔ایک کتے پر قیملی رُوم لکھا ہوا تھا۔ میں نے انگوری کوایک طرف رُ کئے کا اشارہ کیا اور خود آ گے بڑھ گیا۔

'جی آیا نول سوامی جی!'' سردار بریتم سنگھ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولاً۔'' کیا سیوا لرول آپ کی سوامی جی؟''

" كُفْتُ كَا مِ عِلْ كَا سردار جي؟" مين نے قدرے آ کے جھکتے ہوئے اتنے مدھم لہجے ميں كہا ا لہ ہاہر بنچوں پر بلیٹھے ہوئے لوگ نہ س علیں۔

'' آہو جیآ ہو جیاندرآ حاؤ سوامی جی!'' وہ جلدتی ہے بولا پے'' اُدھر قیملی رُ وم میں نُمُ جاؤ! اوئے حچھوٹے کہاں مر گیا ہے؟ سوا می جی کواندر بٹھا۔

^وں گیارہ سال کی عمر کا ایک لڑ کا بیت^{نہیں} کہاں ہے نگل کر **وہا**ں پہنچ گیا۔ میں اور انگور کی <u>اُ س</u>

''لود کیمو.....''میں نے کہا۔''اس مور کھ کو یہ پیتنہیں کہ ہندویاتری امرناتھ کی طرف کیو_ل جاتے ہیں۔ہم بھی امر ناتھ کے غاروں کی یاتر اکو جارہے ہیں مہاراج!"

وہ چند کھے جھے گھورتا رہا، پھرمیرے ہاتھ ہے ترشول کے کرائے اس طرح اُٹھایا جیسے اُس کے وزن کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ اُس نے ترشول واپس کر دیا اور آ گے بڑھ گیا۔ میں ہری اوم ہری اوم کا ور د کرنے لگا۔

اس چیکنگ کی وجہ ہے بس تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں رُکی رہی۔ اُس حوالدار نے ڈرائیور اور کنڈ یکٹر سے بھی چھے سوالات کئے تھے۔اُسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ سرینگر ہے آنے والے تین مسافر تنکن کے اڈے پر اُترے تھے۔

سمبل اور گندر کے آس میاں بھی بس کوروک کر چیک کیا گیا تھا۔ یہ بات میں نے خاص طور یر نوٹ کی تھی کہ اس شاہراہ پر نوج کی سرگرمیاں کچھ زیادہ ہی تھیں۔ اس کی وجہ یقینا پیھی کہ دو دن بعدیہاں سے ٹرکول کا ایک بہت بڑا قافلہ گولہ بارود کی بڑی کھیپ لے کر گزرنے والا تھا۔

سونا مارگ کا راسته واقعی بهت خطرناک تھا۔کہیں نہایت تنگ موڑ ،کہیں خوفناک گھاٹیاں اور کہیں عمودی ڈ ھلان۔ ڈ رائیور کی معمولی سی غفلت کسی خوفنا کے جادثے کا باعث بن علق تھی۔ اس خطرناک راہتے کی وجہ ہے بس کی رفتار بھی زیادہ تیزنہیں تھی۔ اور پھر راہتے میں جگہ جگہ

چیکنگ بھی ہور ہی تھی جس میں خاصا وقت ضائع ہوا تھا۔ اس طرح بس چھ بجے کے قریب سونا مارگ پیچی تھی۔ ہندویاتر یوں کی دوسری بس ہم سے چندمن پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔

سونا مارگ بہت چھوٹا ساشیر ہے۔ اڈے پر گیسٹ ہاؤسز اور ہوٹلوں کے ایجنٹو ں نے بس سے اُترنے والے مسافروں کو کھیرلیا۔ آس یاس کئی پولیس والے بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف فوجی ٹرک بھی کھڑا تھا۔ایک گیٹ ہاؤس کے ایجنٹ نے ہمیں بھی کھیرنے کی کوشش کی تو ہم اُسے جھڑک کربس ہے اُتر نے والے سکھ جوڑے کے پیچھے چینے گئے۔

میں نے بچھ چھتی ہوئی نظریں بھی انگوری اورا پی طرف اُٹھتی ہوئی محسوس کی تھیں ۔ وہ یقیناً معادہ پوش تھے جوبس سے اُتر نے والے مسافروں کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہے تھے۔

مین بری اوم بری اوم کا اشلوک برهتا بواچان ربار انگوری بھی میرے ساتھ سائحہ چل ربی تھی۔اُس نے سریر چنری اس طرح اوڑ ھ رکھی تھی کہ گھونگھٹ سابن گیا تھا اور اُس کا چبر د تقریباً حصی کررہ گی تھا۔ وہ سکھ جوڑا ہم سے تقریبا ہیں گز آ کے تھا۔ میں نے اپنی رفتار اور برها دی۔ میرا خیال تھا کہاس سکھ کو روک کر سردار پریتم سنگھ کے بارے میں دریافت کروں گالیکن پھر

بازار میں اور سمھوں کو دیکیے کراُ ہے رو کئے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

یہ ایک لمباسا بازار تھا۔تقریباً ساری ہی وُ کا نیں کھلتی ہوئی تھیں۔ بازار میں چہل پہل تھی۔ پولیس تو تھی ہی، اِدھراُدھر دو دو کی ٹولیوں میں فوجی بھی نظر آرہے تھے۔ میں نے سانے ہے آنے والے ایک سکھ کور دک لیا۔

گھو منے کے بعد ہم ایک کھلی جگہ پرنکل ئے۔ آگے پہاڑی سلسلہ تھا۔ پہاڑیوں کے دامن میں بھی مکان تھے لیکن ایک دوسرے ہے فاصلے پر۔

پریتم سنگھ ایک مکان کے سامنے زک گیا۔ دستک کے جواب میں دروازہ فورا ہی کھل گیا۔
دروازہ کھولنے والا ایک نو عمر سکھ تھا۔ یہ دو کمروں کا مکان تھا جس کے دوسری طرف بہت کمبی
چوزی جگہ خار دار تاروں سے گھری ہوئی تھی اور اس طرف سے ایک جھینس کے ڈکرانے کی آواز
مائی دے رہی تھی۔ یہ دراصل باڑہ تھا۔ اُس طرف ایک بہت بڑا شیڑ بنا ہوا تھا جس کے نیچ
دس بارہ جھینسیں اور گامیں بندھی ہوئی تھیں۔ شیڑ کے بائیس طرف دو اور کمرے تھے۔ ایک
کمرے میں بھوسہ وغیرہ بھراہوا تھا جبکہ دوسرا کمرہ خالی تھا اور جمیں اُس کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

اُس کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی۔ دو چار تکیے بھی اِدھراُدھر بگھرے ہوئے تھے۔ '' آپ آرام سے یہاں پر رات گزارو جی!'' سردار پریتم سنگھ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''کسی چیز کی ضرورت ہوتو سریندر سنگھ کو بتا دینا۔۔۔۔۔ بیمیرا چھوٹا بھائی ہے۔کوئی غم فکر مت کرنا۔''

🗀 ''اس وقت جائے مل جائے تو''

''ضرور ضرور سن'' اُس نے میری بات کاٹ دی اور نوجوان سریندر سنگھ کو دیکھتے ہوئے بولا۔''انہیں چائے بنا کر دو! اور خیال رکھنا پروہنوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔'' وہ میری طرف مُڑ گیا۔''اب میں چلنا ہوں جیرات کو دُکان بند کر کے آؤں گا۔''

یریتم ننگھ چلا گیا۔ سریندر سنگھ نے دیوار کی ایک ہضمی الماری کھول کر دو کمبل نکال کر دری پر رکھ دیئے اور باہر چلا گیا۔

تقریباً آ دھے گھنے بعد وہ جائے لے آیا۔ دودھ والی چائے بھی کئی روز بعد پینے کوملی تھی۔ سریندر شکھ بھی ہمارے پاس ہی آئتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ بار بارانگوری کود کیور ہاتھا۔

مریندر سنگھ کی عمر میں کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ پہلے وہ سرینگر میں تھا اُس نے سرینگر ہی ہے گریجویشن کیا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ پڑھ لکھ کر بڑا آفیسر بنے لگالیکن شمیرتو کیا پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی طرح سکھ بھی ہندوؤں کے تعصب کا شکار تھے۔سرکاری محکموں میں ان پر بھی ملازمتوں کے دروازے بند تھے۔اگر سفارش اور رشوت سے کسی سکھ کوکلرک کی نوکری لل بھی جاتی تو وہ زندگی بھرکلرک کی کری پر بیٹھا قلم گھتار ہتا۔ اُس کے لئے ترتی کا سوال ہی پر انہیں ہوتا تھا۔

گریجویش کرنے کے بعد سریندر بھی سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے ایک سال تک دھکے کھاتا رہا اور بالآخر پریتم سکھ نے اُسے اپنے پاس بلالیا۔ اب وہ مویشیوں کی دکھ بھال کرتا تھا اور دُکان میں بھائی کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ چائے پینے کے بعد بھی سریندر سکھ دیر تک ہاتیں کرتا رہا۔ اس علاقے میں مسلمان مجاہدین کی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی باتیں ہوئی کے ساتھ دُ کان میں داخل ہو کر پچھلے جھے میں بینچوں پر بیٹھ گئے ۔لڑ کے نے پر دہ تھینچ دیا۔ پندرہ منٹ گزر گئے میں دُ کان کے اس جھے میں اِدھراُ دھر د کھے رہا تھا۔ ایک طرف کو کا کولا اور پیٹیبی کی بوتلوں کے کئی خالی کریٹ اُوپر پنچےر کھے ہوئے تھے۔ایک دیوار پر بابا گرونائک کی رنگین تصویر والا پرانا کیلنڈر بھی لئکا ہوا تھا۔ بائیں طرف ایک درواز ہ بھی تھا جس کے سامنے ٹاٹ کا بردہ لٹکا ہوا تھا۔ یہ دروازہ غالبًا پہلوکی گئی میں کھلیا تھا۔

یا نج منٹ اور گزر گئے اور پھر پریتم سنگھ لئی کے دو بڑے گلاس لے کر اندر داخل ہوا۔ اُس نے ایک گلاس انگوری کے ہاتھ میں تھا دیا اور ایک میری طرف بڑھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے آگے جھک کرسر گوثی کی۔

کے آجے جھک ترسریوں ں۔ ''دلسی پی کر اس دروازے ہے باہر نکل جانا۔۔۔۔۔ چھوٹا باہر کھڑا ہوگا۔ وہ تمہیں میرے گھر پہنچادے گا۔ایک گھنٹے بعد میں بھی آ جاؤں گا۔'' اُس نے دوسرے دروازے کا پردہ ایک طرف ہٹا کروروازہ بھی کھول دیا تھا۔

ہم اطمینان سے بیٹے تی پیتے رہے۔انگوری میری طرف دیکھ کر بار بارمسکرار ہی تھی ۔لتی پینے کے بعد خالی گلاس چ پر ہی رکھ دیئے اور میں انگوری کواشارہ کر کے اُٹھ کر بغلی دروازے ک طرف مزمرھ گیا۔

یہ ایک تنگ می گلی تھی۔ اُس دفت شام ہو چکی تھی اور اندھیرا بھیلنے لگا تھا۔ گلی میں وہ لڑکا ہمارا منتظرتھا۔ ہمیں دُکان سے نکلتے دیکھ کر کچھ کیے بغیر گلی کے اندر کی طرف چل پڑا۔

تُقریباً پندرہ منٹ تک مختلف تُنگ ی گلیوں میں گھو منے کے بعدوہ ایک مکان کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ ہم باہر ہی رُک گئے۔ دو تین منٹ بعدا یک عورت دروازے میں نمودار ہوئی۔ '' آپ باہر کیوں رُک گئے سوا می جی؟ اندر آ جائے تا۔'' اُس نے کہا ہم دونوں اندر آ گئے تو عورت نے دروازہ ہند کردیا۔

وہ امریتا کورتھی پریتم شکھ کی بیوی۔اُس کی عمرتمیں کے لگ بھگ تھی۔وہ دراز قامت،صحت مند اور خاصی حسین عورت تھی۔اُس نے ہمیں ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا اورتھوڑ کی ہی دیر بعد ہمارے سامنے میزیر کھانالگا دیا۔

'''سی روٹی کھا لو بی آبر دار بی تو ذرا دیر ہے آئیں گے۔'' اُس نے کہا۔ مجھے اندازہ لگانے میں وُشواری پیش نہیں آئی کہ ان لوگوں کو پہلے ہے ہمارے آنے کی اطلاع تھی اس لئے خاص طور پر یہ کھانا تیار کیا گیا تھا۔ بھنی ہوئی مرغی اور آلوکی بھجیا بھی تھی۔ ایک پلیٹ میں سوجی کا حلود بھی تھا۔ کئی روز بعدا تنا لذیذ کھانا ہمارے سامنے آیا تھا۔

سردار پریتم سنگھ تقریباً دو گھنٹوں بعد آیا تھا۔اس وقت اُس نے دھوتی اور کریتہ پہن رکھا تھا۔ سر پر وہی جالی تھی جس میں بال جوڑے کی شکل میں جکڑے ہوئے تھے۔سردار پریتم سنگھ ہمیں لے کرفوراُ ہی چچھلے دروازے سے باہرنکل گیا۔اُس طرف بھی ایک تنگ می گلی تھی۔ دو تین گلیا^ں

تھیں جن سے پتہ چلا کہ بچھلے دومہینوں سے اس طرف کوئی گڑ برنہیں ہوئی تھی۔ اِکا وُکامعمول واقعات تو ہوتے رہتے تھے لیکن انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ البتہ ایک بات پر وہ حیران ضرور تھا اس علاقے میں چندروز سے پولیس اور فوج کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں۔اور اُس کے خیال میں یہاں کوئی بڑا آپریشن ہونے والا تھا۔

سریندر سنگھ چلا گیا۔ اُس نے بتا دیا تھا کہ وہ سامنے والے کمرے میں موجود ہوگا کی چز کی ضرورت ہوتو بلاتکاف اُے آواز دے لیں۔

سریندر کے جانے کے بعد انگوری نے چزی اُ تار کرایک طرف دری پر رکھ دی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا۔ بتول دُبلی پہلی سی لڑکی تھی اور انگوری اُس کے مقابلے میں صحبت مندر بتول کی قمیض اُس کے جسم پر خاصی ٹائٹ تھی۔ اُس کا بدن اس قمیض میں کسا ہوا تھا۔ اُس کے سینے کے اُبھار تو خاصے نمایاں ہوگئے متھے۔

وہ ذراسا آ گے جھی تو مجھے اپنا دل کن پٹیوں میں دھڑ کتا ہوامحسوں ہونے لگا.....گردن پر چیونٹیاں می رینگئے لکیں ۔میری نظریں نمیض کے گریبان کے اندر تک رینگ گئی تھیں ۔ میں اُٹھ کر کمرے سے باہرآ گیااور تازہ ہوامیں گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

چند منٹ بعد ہی آپ دونوں کندھوں پر ہلکا ساد ہاؤمحسوں کر کے میں چونک گیا۔ وہ انگوری تھی جو دب قدموں کر کے میں چونک گیا۔ وہ انگوری تھی جو دب قدموں کر سے سے نکل کر میرے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ میرے میرے کندھوں پر تھے اور اُس کے بینے کے گداز اُبھار میری پشت کوچھور ہے تھےمیرے دل کی دھڑ کنیں ایک ہار پھر بے تر تیب ہونے لگیں۔ میں نے انگوری کا ایک ہاتھ پکڑ کر اُسے اُسے سامنے کر لیا.....

000

جس جگہ ہم کھڑے تھے و ہاں کوئی بلب نہیں تھا البتہ بھینسوں والے شیڈ میں بتی جل رہی تھی بس کی روشنی ہم تک بھی پہنچ ر ہی تھی۔

''انگوری!'' میں نے اُس کے چبرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔''تم جانتی ہوہم اس رقت کس قیم کے حالات سے دوجار ہیںہم زندگی کے اہم ترین مشن کے ابتدائی مرسلے ہیں ہیں۔ہمیں مختاط رہنا چاہئے۔کوئی معمولی ہی غفلت ہمیں اپنی منزل سے بہت وُور لے جا کتا ہے ''

'' بجھے احساس ہے۔۔۔'' انگوری نے جواب دیا۔'' بجھے یہ بھی یاد ہے کہ ہم کس کاز کے لئے کام کررہے ہیں۔ وطن کی آزادی ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے لئے تو ہم اپنے سروی برگفن باندھے پھر رہے ہیں۔۔۔۔ میں بیسب پھھ کیے بھول عتی ہوں؟ اپنے مال باپ کے قبل کو کیسے فراموش کر سکتی ہوں۔۔۔' ان ہزاروں شہدا کا خیال ذہمن سے کیے نکال سکتی بول جنہوں نے اس آزادی کی جدوجہد میں اس مقدس سرز مین کو اپنا خون پلایا۔۔۔۔۔ شمیر کی ان ماؤں اور بیٹیوں کو کیسے بھول سکتی ہوں جنہیں ان بھیٹر یوں نے ہوس کا نشانہ بنا کر زندگی بھر کے لئے انہیں زندہ در گور کر دیا۔۔۔۔ میں زینب کو کیسے بھول سکتی ہوں جس نے میرے سامنے جان

"اگرتم میں یہ احساسات اور جذبات نہ ہوتے تو آج تمہارے ہاتھوں میں رائفل نہ اول، " میں نے اُس کی بات کائے ہوئے کہا۔" لیکن کوئی معمولی می خفلت یا کوتا ہی ہمیں اپنی مزل ہے بھٹکا کتی ہے۔"

''اییانہیں ہوگا شمروز!''انگوریٰ نے جواب دیا۔''میری زندگی کا ایک ایک لیحداس کا زکے گئے وقف ہے۔لیکن میں تمہارا خیال بھی ذبن سے نہیں نکال سکتی۔ بھی میں محسوں کرتی ہوں کہ تربیعیٰ بیٹ ہوں کہ تربیعیٰ بیٹ ہوں کہ تربیعیٰ بیٹ کو یہ ہے۔''

'' پیمخش تمہارا وہم ہے۔۔۔۔'' میں نے جواب دیا۔'' میں تو چوہیں گھنٹے تمہارے پاس ہی رہتا اللیکن۔۔۔۔''

''لیکن کیا۔۔۔۔؟'' اس نے میری آنکھوں میں جھا نکا۔ ِ

'' ''لیکن وعدہ کرو کہ ہم اپی کسی ذاتی خوثی یا غرض کو زندگی کے اس عظیم ترین مقصد پر حاوی نئن ہونے دیں گے جس کے لئے ہم نے اپنی زندگیاں وقف کررکھی ہیں۔'' میں نے کہا۔ روشن ستاروں کی طرن آواز وں ہے انگوری کی آئکونہیں کھلی تھی وہ اطمینان ہے سوئی تھی۔ میں بھی کمبل میں منہ گیار مجھ سے لیٹ نئی۔ لیپ کرسونے کی کوشش کرنے لگا۔ معالم میں مقدمت کی سوئے کی کوشش کرنے لگا۔

'' میں رات کو اگر چہ دیر ہے سویا تھا۔ گرصبح سویر ہے جمینسوں کی آوازیں من کرمیری آ ککھ کھل گئی۔ اُس وقت اچھی خاصی سر دی تھی۔ میں ایک کمبل لیپٹ کر کمرے سے باہرآ گیا۔ پریتم سنگھ کا چھوٹا بھائی سریندر سنگھ جمینسوں کو گناوا (چارہ) ڈال رہا تھا اور دوآ دمی جمینسوں کا دود ھ زکال رہے تھے۔ وہ دونوں بھی سکھ ہی تھے۔

ابھی ملگجا سا اُجالا تھا۔ دن کی روشی پوری طرح پھلنے سے پہلے پہلے وہ دونوں آ دی اپنے کام سے فاغ ہو گئے۔ دودھ کے چار بڑے کین تھے اور میرے خیال میں ہر کین پینتیس چالیس سیر کا تو ہوگا۔ اُنہول نے کین اُٹھا کر باہرریٹر سے پررکے اور رخصت ہو گئے۔

سریندرسنگھ اپنے کام میں مصروف رہا۔ بھینیوں اور گائیوں کو چارہ ڈالنے کے بعد وہ گو ہر ماف کرنے لگا۔ شیڈ کے ایک کونے میں گو ہر کا ڈھیر لگا کروہ شیڈ کے دوسرے جھے میں چلا گیا جہاں چار خچر بندھے ہوئے تھے۔ اُس نے خچروں کی بھی ٹمبل سیوا کی ، اُنہیں چارہ وغیرہ ڈالا ادرایک طرف لگے ہوئے ہینڈ پیپ پر جاکرمنہ ہاتھ دھونے لگا۔

اُس وفت دھوپ نکل رہی تھی۔ سریندر سنگھ اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔ وہ کرتے کے دائن سے ہاتھ یونچھتا ہوا میری طرف آگیا۔

''چائے چلنے گی یا دودھ کا گلاس لے آؤں؟'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''چائے ہی ٹھیک رہے گی۔'' میں نے جواب دیا اور آہٹ پاکر پیچھے مُڑکر دیکھا۔ انگوری ہم کمرے سے نکل کر باہرا ؓ گئ تھی۔اُس نے بھی کمبل لیپٹ رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔۔ میں دس منٹ میں چائے کے کرآ تا ہوں۔'' سریندر سنگھ تیز تیز چلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اُس روز ناشتہ بھی بڑا زور دار تھا۔ سریندر شکھ گھر سے پراٹھے بنوا کر لایا تھا۔ میرے خیال مُںاگر چندروزیبال رہنے کا موقع ماتا توالیی خوراک کھا کر بٹے کٹے ہو جاتے۔

دو پہر کے کھانے کے بعد ہم سردار پریتم سنگھ سے رخصت ہو گئے۔ اس مرتبہ عبدالسار اور نبیب الرحمٰن ہمارے ساتھ ہی تھے۔ ہم لوگ بازار کی طرف جانے کی بجائے باہر ہی باہر چلتے بیار ٹرمن ہمارے ساتھ ہی تھے۔ ہم لوگ بازار کی طرف جانے کی بجائے باہر ہی باہر چلتے بیار ٹرمن ہمی تھے، عور تیں بھی اور بچ بھی۔ پکھ ہواورلوگ بھی جمع تھے۔ وہ سب بندو تھے۔ اُن میں مرد بھی تھے، عور تیں بھی اور بچ بھی۔ پکھ محمل ملکان بھی خچراور گدھے لئے اُن کے آس پاس موجود تھے۔ بعض لوگوں سے خچروں منامعا ملے میں سود سے بازی ہور ہی تھی۔ انگوری عورتوں کے بچ میں جاکر کھڑی ہوگئی۔ تھوڑی مامعا ملے میں سود سے بازی ہور ہی تھی۔ اگر مار نے جھک کر پچھ ہا اور ماری کے باہر ماری کے طرف جھک کر پچھ ہا اور ماری کے باور کرانی جھک کر پچھ ہا اور ماری کے باور سے بھی کر پچھ ہا اور ماری کے باتھ بھی کی ساتھ بھی کر پچھ ہا اور ماری کے باری ساتھ بھی یا رہی کے باور سے باری ساتھ بھی یا رہی کے باور سے بھی باری کے ساتھ بھی کر پچھ ہا اور ماری کے ساتھ بھی کر پھی باری کے ساتھ بھی بھی یا رہی کے باور کی ساتھ بھی کر پھی بھی کر بھی بھی کر بھی بھی کر بھی بھی کہا کی کے باہر کی ساتھ بھی کر پھی بھی سے کر بھی تھی بھی کر بھی بھی کر بھی بھی کر بھی بھی کر بھی کر بھی بھی کر بھی کر کے باہر کی بھی کر بھی ک

''وعدہ…'' انگوری کے ہونٹوں پرمسکراہٹ آ گئی۔ اُس کی آنکھیں روشن ستاروں کی طرن چیک اُٹھی تھیں۔ وہ چند لمحے میری آنکھوں میں جھائمتی رہی اور پھر بے اختیار مجھ سے لیٹ گئی۔ میں نے اُس کا چیرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اُس وقت نہ تو میرےجسم میں سنسنی پھیلی تھی اور نہ ہی انگوری نے بے چینی کا اظہار کیا تھا۔

''باہر سردی ہورہی ہے۔۔۔۔۔آؤ!اندر چل کرمینیس '' میں نے اُسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے یہ بھی ڈرتھا کہ کوئی ہمیں اس طرح لیٹے ہوئے دیکھ نہ لے۔اس طرح بات کچھ سے کچھ ہوجاتی۔

باہر واقعی سردی ہورہی تھی۔اس کے علاوہ فضامیں گوبر کی نا گواری ہو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ ہم اندرآ گئے اور دیوارے ئیک لگا کر بیٹھ گئے۔انگوری نے اپنی ٹانگیں سامنے کو پھیلا ل تھیں۔ میں نے ایک کمبل کھول کر اُس پر ڈال دیا اور دوسرا خود لے لیا۔ ہم اسی طرح بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔اور پھر انگوری او تگھنے لگی۔ میرے ذہن پر بھی غنو دگی می طاری ہور ہی تھی۔ میں نے انگوری کو پوری طرح کمبل اوڑ ھا دیا اور اس سے کچھ فاصلے پر اپنے اُد پر کمبل لپیٹ کر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد میری آئھ لگ گئی۔۔۔۔۔

"باتوں کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں ہڑ بڑا کر اُٹھ گیا۔ درواز سے کے قریب ہی کمرے میں تین آدمی سے ۔ایک پریتم سنگھ تھا اور اُس کے ساتھ دوآ دمیوں کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ دونوں ہندو تھے اور دو پہر کو گندر بل کے لاری اڈ ب پر ہمارے ساتھ ہی اُس بس پر سوار ہوئے تھے۔ وہ پچھلی سیٹوں پر ہیٹھے تھے۔ سونا مارگ کے اڈ ب پر بھی میں نے اُنہیں بس سوار ہوئے تھے۔ وہ پچھلی سیٹوں پر ہیٹھے تھے۔ سونا مارگ کے اڈ ب پر بھی میں نے اُنہیں بس سے اُتر تے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دوسرے ہندومسافروں کے ساتھ چلے گئے تھے اور میں انگوری کے ساتھ جلے گئے تھے اور میں انگوری کے ساتھ اُس سکھ جوڑے دیکھیے چل پڑاتھا۔

ے منا ھا ان ھا بور سے سے بیپ بن پر معاف در کھتے ہوئے بولا۔''تمہارے دومتر اور آگئے ہیں۔ ''متر جی'' پریتم سنگھ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''تمہاری خوب گپ شپ رہے گی۔ بدعبدالتارہ ہے اور یہ حبیب الرحمٰن۔'' اُس نے بارئ باری دونوں کی طرف اشارہ کیا اور چندلحوں کی خاموثی کے بعد بولا۔''ابتم لوگ آ رام کردا سورے ملاقات ہوگی۔اُس وقت تک رب را کھا۔''

و یہ ما ماں اوں میں میں نے الماری ہے دو کمبل نکال کر اُن کے حوالے کر دیے اور خود مرد اور پریتم سکھ چلا گیا۔ میں نے الماری ہے دو کمبل نکال کر اُن کے حوالے کر دیے اور خود اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ اُن میں ہے ایک نے مجھے میرے نام ہے مخاطب کیا تو میں چو کئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اور پھر دلچیپ انکشاف ہوا کہ وہ کمانڈر محبّ اللہ کے آ دمی تھے اور اُنہیں اُن خیاں ہے ہمارے پیچھے بھیجا گیا تھا کہ اگر ہم راتے میں کی اُنجھن میں پھنس جا میں تو وہ ہمار کی درکھیں۔ سونا مارگ بھی تھے تو وہ دونوں مدد کر کمیں۔ سونا مارگ بھی تھے اور پھر اُنہوں نے پھے اور لوگوں ہے بھی را بطے کئے تھے اور پھر اُنہوں نے پھے اور لوگوں ہے بھی را بطے کئے تھے اور پھر اُنہوں نے پھے اور لوگوں ہے بھی را بطے کئے تھے اور پھر اُنہوں نے پھے اور لوگوں ہے بھی را بطے کئے تھے اور پھر اُنہوں ہے بھی ہوگا کے تھے اور پھر اُنہوں ہے بھی ہوگا کے تھے اور پھر اُنہوں ہے تھے اور پھر اُنہوں ہے بھی ہوگا کی تھے۔

ہابوں نہیں کریں گے۔''

میں نے حبیب الرحمٰن کی طرف دیکھا اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اور پھر میں نے اُونچی آواز میں وہ بھجن گانا شروع کر دیا۔

شہرے باہر نکلتے ہی فوجی چوگی پر ہمیں روک لیا گیا۔ ایک لیفٹینٹ گہری نظروں ہے ایک ایک خف کے چبرے کا جائزہ لیتار ہا۔ بعض لوگوں ہے پچھ سوالات بھی کئے۔ پھر ہمارے قافلے کوآگے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

سڑک پرتقریباً نصف میل کا فاصلہ ہے کرنے کے بعد بہارا قافلہ دریا کی طرف مُردگیا۔ وہ خفس سب سے آگے تھا جس نے مجھ ہے بھجن کی فرمائش کی تھی۔ وہی اس قافلے کا رہنما بھی تھا۔ ایک طرف پہاڑیاں تھیں جو پہلے بندرج کہلند ہوتی چلی گئی تھیں اور دوسری طرف ذرا گہرائی میں دریا بہدریا تھا۔ دریا اور چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سا پھر یلا راستہ تھا اُس پھر یلے راستے پرصرف فچروں اور گدھوں پر ہی سفر کیا جا سکتا تھا۔ کی مشینی سواری کے اس طرف آنے کا موال ہی بیدانہیں ہوتا تھا۔

ہمارا قافلہ اُس تنگ نے راستہ پر چلتا رہا۔ کہیں ہم دریا کے بالکل کنارے پر پہنچ جاتے اور کہیں چٹانوں کے پچ میں جہاں راستہ زیادہ دُشوارتھا۔

پانچ کوس کا فاصلہ تقریباً دو گھنٹوں میں طے ہوا۔ وہ مندر دریا کے عین سامنے تھا۔ چٹانوں میں ایک بہت بڑا غارتھا۔ دہانے کے دونوں طرف اور اُوپر کی دیواروں کو تراش کر کرشن بھگوان کی مورتیاں بنائی گئی تھیں۔ غار کے اندر بالکل سامنے چٹانی پتھر سے تراثی ہوئی کرشن بھگوان کی ایک بہت بڑی مورتی ایستادہ تھی۔ غار میں اندھیرا دُور کرنے کے لئے کئی مشعلیں جل رہی تھیں۔ دیواروں کو بھی تراش کرمورتیاں اُبھاری گئی تھیں۔

اُس مندر میں پہلے ہے کئی پجاری موجود تھے۔ قافلے میں آئے ہوئے لوگ اپنے ساتھ اَلَ ہوئی چیزیں کرشن بھوان کی مورتی کے سامنے بھینٹ کرنے لگے۔ اُن میں ناریل اور گانے پینے کی چیزوں کے ملاوہ کئی قبتی چیزیں بھی شامل تھیں۔ بہت می عورتوں نے اپنے بننے چاندی کے زیورات بھوان کے قدموں میں ڈال دیئے تھے۔ سکوں اور نوٹوں کا بھی آئے گھر گانہ تا

میں اندر کا ایک مختصر ساچکر لگا کر با ہرآ گیا۔ یبال مندر کے سامنے دریا کے کنارے پرایک بع بڑا پختہ چبوتر ابنا ہوا تھا۔ کئی لوگ اُس چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اور انگوری بھی مسطرف بیٹھ گئے ۔ حبیب الرحمٰن اور عبدالستار ابھی مندریکے اندر بی تھے۔

شام ہونے ہے پہلے یاتر یوں میں ہنڈارہ (کھانا)تقسیم ہونے لگا۔مٹی کی کٹوریوں میں ان دال اورروٹیاں تھی۔اس کھانے کا تظام پہلے ہی ہے کیا گیا تھا۔ اگا میں نام

اللوري نے ميري طرف ديکھا، ميں نے اشارہ کيا اور کھانا کھائے لگا۔ انگوري نے بھي کھانا

چند گز دُورایک درخت کے یٹیجایک دُ ہلا پتلا سا آ دمی چار خجر لئے کھڑا تھا۔ یہ خچ_{ر کار} لئے تھے۔اُن کاانظام کس نے کیا تھا؟ مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔

ے سے ان ماری موسل کی سے بیا ہوں کے لیے بیائے کی کررٹے کی ل انگوری بھی ہماری طرف آ رہی تھی لیکن میں نے اُسے وہیں رُ کے رہنے کا اشارہ _{کیا او} درخت سے نیک لگا کر بیٹھ گیا اور پھر میں نے اُو کچی آ واز میں ایک بھجن گا ناشروع کردیا۔

ہمارے گاؤں میں ہندوؤں کے چند گھر بھی ہوا کرتے تھے۔ ہمارے پڑوں میں ایر پنڈت رہا کرتا تھاوہ اکثر یہ بھن گایا کرتا تھااوراس وقت انقاق ہے مجھے یہ بھی یادآ گیا تھا۔ بنڈ سند کے جھے کہ کھی کے ایک کا کہ انگریٹر کا کہ ایک کا کہ ا

میری آواز بھی اچھی پاٹ دارتھی۔ ڈاک ننگلے کے سامنے کھڑے ہوئے لوگ میری طرنی دیکھنے لگے۔ میں آئکھیں بند کئے اُو کچی آواز میں ججن گا تار ہا۔

'' بھجن ختم کرنے کے بعد بھی میں آ نکھیں بند کئے بیٹیار ہا۔ '' سیار

'' چلئے مہاراج! قافلہ روانگی کے لئے تیار ہے۔''

یہ آ وازین کر میں نے آئیھیں کھول دیں۔ایک ادھیرعمر ہندو ہاتھ جوڑے میرے سائے کھڑا تھا۔ دوسرے لوگ بھی میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں ہری اوم کا نعرہ لگا تا ہوا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سب آوگ خچروں پر سوار ہو چکے تھے۔ میں بھی اپنے خچر پر سوار ہو گیا۔ کشمیری مسلمان خچروں کی ہاگیں پکڑے آگے آگے جل رہے تھے۔ بعض سواروں نے اپنے خچروں کی ہاگیں نود ہی سنھال رکھی تھیں۔

مجھے ابھی تک پیتے نہیں تھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔ بہرحال بیاطمینان تھا کہ بیسب بچھ پلاننگ کے تحت ہورہا ہے۔ ہمیں کسی الی جگہ پہنچایا جائے گا جہاں سے ہم اصل منزل کی طرف جاسکیں گے۔ حبیب الرحمٰن کا خچر میرے ساتھ تھا اور وہ مجھے بتارہا تھا.....

'' کیا ہم لوگ بھی ان کے ساتھ رہیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

'' ''نتین کمانڈر ۔۔۔'' حبیب الرحمان نے جواب دیا۔'' رات کے اندھیرے میں ہم ^{آئ} مندر ہے نکل جائیں گے اور ۔۔۔''

ا کیا اور خچرسوار ہندوکوا پی طرف آتے دیکھ کر حبیب الرحمٰن خاموش ہو گیا۔ وہ ہندواپ^{نا ج}ی میرے سامنے لے آیا۔ پہلے میرے بھجن کی تعریفیں کرتار ہا چھر بولا۔

'' مہاران! سب لوگوں کی اچھا ہے کہ آپ وہ جمجن ایک بار پھر سنائیں۔ اُمید ہے کہ آپ

_{، ل}ە چىر چٹانو ل كى طرف چلنے لگا۔

''' اندھیرے میں چٹانو ل میں جلنا خاصا ؤشوارتھا۔ بار بارٹھوکریں لگ ربی تھیں۔اس بات کا بمی خدشہ تھا کہ ہم میں ہے کوئی کسی شکین حادثے کا شکار نہ ہو جائے ۔تھوڑا اور فاصلہ طے رُنے کے بعد ہم ایک بار پھرڑک گئے۔

''میراخیال ہے ہم چنانوں میں کافی اندرآ چکے میں۔اوراب ٹارچ روشن کر لینے میں کوئی رہنہیں ہے۔'' حبیب الرحمٰن نے کہتے ہوئے اپنے کندھے پر لئکے ہوئے تھلے سے ٹارچ

گاری خاصی طاقتورتھی۔ ہم اس کی تیز روشی میں آگے چلنے لگے۔اس مرتبہ ہماری رفتار میں می تیزی آگئی تھی۔ ہمارا رُخ مسلسل بلندی کی طرف تھا۔ ایک تو بلندی ، آڑھا تر چھا اُونیجا نیجا استاور پھر درختوں اور جھاڑیوں کی بھر مارتھی جن کی وجہ سے چلنے میں اور بھی وُشواری پیش آ مہمی

الگوری بانینے گئی۔ میرا بھی سانس پھولنے لگا تھا اور حبیب الرحمٰن اور عبدالستار بھی بابیخے گئے۔ حبیب الرحمٰن نے ٹارچ کی روشٰن میں ادھراُ دھر دیکھا، کسی طرف سے پانی کے گرنے کی لئے۔ حبیب الرحمٰن نے ٹارچ کی روشٰن میں ادھراُ دھر دیکھا، کسی طرف سے بین چل پڑے۔ لئی کا آواز سانی دے دیں جانا پڑا۔ اس چٹان کے دوسری طرف گھومتے ہی وہ جھرنا نظر آگیا۔ بہمیں زیادہ وُ ورنہیں جانا پڑا۔ اس چٹان کے دوسری طرف گھومتے ہی وہ جھرنا نظر آگیا۔ بہم اُس جگہ بیٹھ گئے۔ موسم میں اگر چہ خاصی بی چھوں میں دو تین فٹ کی بلندی ہے گرر ہاتھا۔ ہم اُس جگہ بیٹھ گئے۔ موسم میں اگر چہ خاصی بی چھوں ہے تھے۔ میں نے جی بھر کے پانی بیا اور وہیں برائی ہی میں ہے تو بریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

ممکنل چلتے رہنے ہیں جنگی کا احساس تبیں ہوا تھا مگر زُ کئے کے تھوڑی ہی دیر بعد سردی احساس ہونے لگا۔ چندروز ہے موسم میں بھی کچھ تبدیلی آر بی تھی۔اوراس وقت ویسے بھی ہم مامندر سے تقریباً نو ہزارفٹ کی بلندی پر تھے۔ دبیز سزے اور تیز ہواؤں سے سردی میں ماز معتال ہے ت

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم پھرچل پڑے۔ہم سلسل بلندی کی طرف جارے تھے اور یول لگتا آنٹ ہم آسان کوچھونے جارہے ہول۔ہم رات بھر چلتے رہے۔اس دوران کن مرتبہ رُک کر لڑئی تھوڑی دیر کے لئے آرام بھی کیا گیا تھا۔

عارنج گئے۔ اب دن کا بہت مدھم سا اُ جالا بھلنے لگا تھا۔ اس وقت ہم ایک چشمے کے قریب بنیوے کے تھے۔ رات بھر چلتے رہنے ہے کھایا بیا ہضم ہو گیا تھا اور پیٹ میں اینٹھن می ہونے بنا۔ انگوری تو کچھزیادہ ہی بے چین ہورہی تھی۔ اُس وقت سردی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا دوروروں کی موجود گی کی برواہ کئے بغیر میرے ساتھ چیلی بیٹھی تھی۔

الناكا أجالا واضح ہوگیا تھا۔ حبیب الرحمٰن نے ٹارج بند كر كے تھيلے ميں ڈال كی اور أٹھ كر

شروع كرديا ـ حبيب اورعبدالستار بھى اپنا كھانا كے كرو ہيں آ گئے تھے۔

سورج غروب ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد شام کا اندھیرا گبرا ہونا شروع ہو گیا۔مندر کے اندرمشعلیں جل رہی تھیں۔ دومشعلیں درواز ہے کے دائیں بائیں بھی لگی ہوئی تھیں جن کی روشن آس باس تک ہی محدود تھی۔

۔ نصا میں گہری تاریکی تھی۔ یہ اماوی کی رات تھی۔ آ سان بہت ڈور تھا۔ ٹمٹمات ہو_ ستاروں کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ جاند کا تو نام ونشان تک نہیں تھا۔

مندر کے اندراب ناقوس اور گھنٹیاں بجنے لگیں تھیں۔ اور پھرکس کے بھجن گانے کی آواز شائی دینے لگی۔اس کے ساتھ ہی گھنگھروؤل کی جھنکار بھی سائی دے رہی تھی۔ باہر بیٹھے ہوئے لوگ بھی اُٹھ اُڑھ کراندر جانے لگے۔

مجھے شبہ تھا کہ بھجن گانے کے لئے مجھے بھی بلایا جائے گا۔ مجھے صرف وہی ایک بھجن یاد تھا جو میں دومر تبہ اُن اوگوں کو سنا چکا تھا۔ اَ مُرکسی اور بھجن کی فرمائش کی گئی تو میں پینس جاؤل گا۔

من الرجہ فی الدین کے اب گھسک لینا چاہئے۔'' حبیب الرحمٰن نے کھسک کر میرے قریب آئے۔ ہوئے کہا۔'' ابھی ان کے بھجن شروع ہوئے ہیں ، پھر پوجا پاٹ ہوگی اور بیسلسلہ رات بھر چپتا رہے گا۔اس وقت موقع ہے ہم اس سے فائدہ اُٹھا کتے ہیں۔سب لوگ مندر کے اندر ہیں بعد میں شاید ایسا موقع نہ ملے۔'' وہ چندلمحول کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ '' آپ دونوں دریا کے ساتھ ساتھ اُویر کی طرف چلتے رہیں۔راستہ بالکل صاف ہے۔''

میں انگوری کا ہاتھ کیڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک کمجے کو مندر کی طرف دیکھا، اندر کوئی عورت رفع کر رہی تھی۔ میں چبوترے ہے اُتر گیا اور انگوری کا ہاتھ کیڑے اندھیرے میں ایک طرف چلے لگا۔ تقریباً دوسوگز کا فاصلہ طے کر کے ہم رُک گئے۔ اور اس کے چند سینٹہ بعد ہی چیچھے ہے چھوٹے چھوٹے پیتروں کے لڑھکنے کی آواز سائی دینے لگی۔ ہم ایک بڑے پیتر کے ساتھ چپا۔

و سرت ہوئے۔ ''کمانڈر ۔۔۔۔'' بیصبیب الرحمٰن کی آ وازتھی ۔ میں نے جواب دے کراپی موجود گی کا احساس منظیہوتا جارہا تھا۔ دلایا۔ وہ دونوں بہارے قریب آ گئے ۔

''نہمارے چیچے چلتے رہو کمانڈر!'' حبیب الرحمٰن نے کہا اور وہ دونوں ہمارے آگے آگے جہا کے اسے خلنے کے جیکے چیچے چلتے رہے۔ میں نے انگوری کا ہاتھ بکڑر کھا تھا۔ تاریکی اس قدر گری تھی کہ دوقدم آگ کی چیز بھی دکھائی ٹبیں دے رہی تھی۔ کئی مرتبہ مجھے اور انگوری کو پچروں کے شوکریں گئی تھیں۔ ہم تقریبا ایک گھنٹہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ تاریکی اور سائے ہم دریا کے بتے ہوئے یائی کی آواز بڑا پر اسرار تاثر دے رہی تھی۔

یہ ہم بالآخرا یک جَلّدرُک گئے ۔ آ گئے در یا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے پھر بھے اور بائیں طرف تقریباً سوگز ہٹ کر چٹانوں کا سلسلہ تھا۔ حبیب الرحمٰن کچھ دیر ادھراُدھر^{د پی}

إدهرأدهرد يكضخ لگاب

'''اب ہماری منزل زیادہ دُورنہیں رہ گئی۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''ہم زیادہ ۔ سے زیادہ ایک گھنٹے میں وہاں بہنچ جائیں گے۔''

ہم ایک بار پھر چل پڑے ۔۔۔۔۔اس مرتبہ ہم نشیب کی طرف جارہے تھے۔ دن کا اُجالا پھیاتا جار ہاتھا۔ روشن میں ہمیں چلنے میں بھی وُشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ حبیب الرحمٰن نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ہم ایک گھٹے بعد منزل پر بہنج گئے۔ ہمارااستقبال ایک گرجتی ہوئی آواز نے کیا تھا۔ ''کون ہے۔۔۔۔۔رُک جاوًا خرداراین جگہ ہے حرکت مت کرنا۔''

وہ کڑکتی ہوئی آ واز دائیں طرف ہے آئی تھی۔ ہم رُک گئے۔ حبیب الرحمٰن کی طرح ہم نے بھی ہاتھ سرے اور کُن آ واز دائیں طرف ہے آئی تھی۔ ہم رُک گئے۔ حبیب الرحمٰن کی طرح ہم نے بھی ہاتھ سرے اور پر اُٹھا دیئے تھے۔ میرے دل کی دھڑکن اگر چہ تیز ہوگئی تھی کیکن وہ لہجہ خالص کشمیری تھا اس کئے میں مطمئن تھا کہ وہ کوئی بھی نظر نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے گردن تھما کر آ واز کی ست دیکھا لیکن گنجان حجاڑیوں میں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

''ٹائنگر شکار کی تلاش میں نکلا ہوا ہے ۔۔۔۔۔ ہمارا راستہ مت روکو!'' حبیب الرحمٰن نے جھاڑیوں کی طرف زخ کر کے اُونچی آ واز میں کہا۔

''شکارآ گے ملے گا۔۔۔۔۔راستہ یمی ہے۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''ٹائیگر بھوکا ہے۔۔۔۔۔راستہ چھوڑ دو۔'' حبیب الرحمٰن نے کہا۔

دوسری طرف چند کھے خاموثی رہی اور پھر جھاڑیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور دونو جوان لڑکے ہمارے سامنے آگئے۔ اُن میں ہے کی کی عمر بھی ستر ہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ دونوں کے ہاتھوں میں سب مشین گنیں تھیں۔ اُنہوں نے بڑی گرمجوثی ہے ہم سے ہاتھ ملایا۔ اس دوران مختلف سمتوں سے دواور لڑکے سامنے آگئے۔ اُنہوں نے بھی ہم سے ہاتھ ملایا۔ اُنہوں نے بھی ہم سے ہاتھ ملایا۔

'' کمانڈرشمروز اور کمانڈرانگوری ……'' حبیب الرحمٰن نے ان سے ہمارا تعارف کرایا۔
ان میں سے ایک ٹرکا ہمارے ساتھ چلنے لگا جبکہ باقی تین و ہیں رُک گئے تھے۔ ہم چیڑا در
چنار کے درختوں سے لدی ہوئی پہاڑیوں میں تنگ سے راستوں پر چکراتے ہوئے آ دھے گھنے
میں ایک غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ ایک چٹان غار پر سائبان کی طرح آ گے کو جھکی ہوئی تھی۔
آس پاس گنجان درختوں اور گھنی جھاڑیوں سے بھی غار کا دہانہ جبسپ گیا تھا۔ یہ غار بے حد محفوظ تھا۔ اسے بھی نبیں دیکھا جا سکتا تھا۔ غار کے آس پاس بھی حفاظتی انتظامات موجود تھے۔
تگرانی کرنے والے الی جگہوں پر چھیے ہوئے تھے کہ اُنہیں دیکھ لیا جا ناممن نہیں تھا۔

راں رہے وہ این ہوں پر پپے بوے سے ندائیں دیو ہیا جانا کیا۔ کمانڈررشید نے ہمارااستقبال کیا۔ کمانڈررشید نے تو مجھے سینے سے لگا کراس قدرزور سے بھینچا کہ مجھے سینے میں اپناسانس زکتا ہوامحسوں ہونے لگا تھا۔ اس غار میں میں بائیس آ دئی تھے۔ میرا حلیہ دیکھ کر بہت سے لڑکے مسکرا دیئے تھے لیکن جب اُن سے میرا تعارف کرایا گیا تو اُن سب کے بونٹوں کی مسکرا ہٹ غائب ہوگی اور سب

ہ آگے بڑھ بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کرنے لگے۔ بہت سے لڑکے ایسے تھے جن کی عمریں سترہ نارہ سال سے زیادہ نہیں تھیں ۔ میری عمر بھی تقریبا آئی ہی تھی ۔

یدہ عرتی جب ہمارے ہاتھوں میں قلم اور کتابیں ہوئی چاہئے تھیں لیکن وقت نے ہمارے فول میں رائفلیں تھا دی تھیں۔ اپنے وطن کی آزادی کے لئے ہم جیسے نوعمر لڑکوں نے سروں پر 'فن ہا ندھ لئے تھے اور ایک ایسے وہمن سے برسر پیکار تھے جو بہت خوتخوار، چالاک اور عیار تھا۔

پر بقین تھا کہ ہم ان غاصبوں کو ایک نہ ایک دن مار بھگائیں گے اور ہماری آنے والی نسلیس 'داد فضاوُں میں سائس لیس گی۔ کسی نوعمر لڑکے کے ہاتھ میں رائفل نہیں ہوگی۔ اُن کے 'داد فضاوُں میں سائس لیس گی۔ اُن کے ہنتھ میں رائفل نہیں ہوگی۔ اُن کے فول میں تباہیں فظر آئیں گی، وادی کی فضا میں بارود کا دُھواں نہیں پھیلا ہوگا، پھولوں کی بنو سے مہلتی ہوئی فضا میں آزادی کے ترائے گونجا کریں گے۔

بی عار بہت بڑا تھا۔ یہاں کم سے کم سوافراد کے رہنے کی گنجائش تھی۔اس کے پیچلی طرف پ ھساُوپر سے کھلا ہوا تھا جہاں سے روشیٰ اندرآ رہی تھی۔ عار کے پیچلے جھے میں کھانا پکانے انظام تھا۔ کھانا دن کا اُجالا پیچلنے سے پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ دن میں یہ اندیشہ تھا کہ مان کی طرف اُٹھنے والا دُھواں اِس جگہ ہماری موجودگی کی نشاندہی کرسکتا تھا۔

غار کے باہر دُھوپ جیکنے لگی تھی جس سے غار کے اندر بھی کچھ روشیٰ ہو رہی تھی۔ ہمارے ، فورا ہی کھانے کا بندوبست کیا گیا۔ کھانے کے بعد ہمیں آ رام کا موقع بھی دیا گیا۔ رات بھر ہائ سفر نے ہمیں بری طرح تھا دیا تھا۔ انگوری تو کیٹتے ہی سوگی تھی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہمی نیندی آغوش میں بہنچ گیا۔

میں دو پہر دو بجے کے قریب بیدار ہوا تھا۔ اُس وقت تک کمانڈر یاسین اور کمانڈرشہاب کن بھی پہنچ چکے تھے اور کچھاور مجاہدین کی آمد ابھی جاری تھی۔ یہ ایک بہت بڑا اور بہت پاک آپریشن تھااوراس کے لئے نہایت تجربہ کار کمانڈ وزجمع کئے جارہے تھے۔

کچھ دیر بعد سعید، اشرف اور انور بھی پہنچ کئے۔ دو پہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم پانچ چھ افارے نکل کر پہاڑوں میں نشیب کی طرف اُترنے لگے۔ کمانڈرمحبّ اللہ سب ہے آگے۔ اُس کے پیچھے میں، پھر کمانڈریاسین، کمانڈرشہاب الدین، سعیداور انور تھے۔

یرا حلیہ بدل گیا تھا۔ سرکی چٹیا صاف کر دی گئی تھی۔ اور میں نے سیاہ رنگ کا رُو مال سر پر دلیا تھا۔ گیروے رنگ سے یو گیوں والے کپڑے اُ تار کر دوسرے کپڑے پہن لئے تھے۔ ''مرکے ایک جصے میں گولہ بارود کے انبار کے علاوہ کچھالی چیزیں بھی تھیں جو بجاہدین کے ''تی تھیں اور یہ کپڑے میں نے وہیں ہے لئے تھے۔

' پہاڑوں میں تقریباً دومیل کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ زک گئے۔ سامنے نشیب میں سونا مت درِّہ زوجی لاکی طرف جانے والی شاہراہ نظر آ رہی تھی جہاں ہے کل اس فوجی قافلے کو اُتعاشہ تباہ کرنے کے لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے تھے۔

ہم جٹانوں میں ایس جگہ کھڑے تھے جہاں کہیں ہے بھی ہمیں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ ہم گنجان درختوں اور اُونچی جھاڑیوں کی آڑلیتے ہوئے مزید آگے بڑھتے گئے اور بالآخر ایک جگہ رُک گئے۔ سڑک اب ہم سے صرف بچاس گز کے فاصلے پڑھی۔ سڑک کے دونوں طرف عمود ہی چٹانیں تھیں اور اُن کے چچھے بلندعمودی بہاڑ تھے۔اس طرح تقریباً نصف میل تک ایک درّہ ما بن گیا تھا۔

کمانڈ رمحب اللہ ہمیں چویش سمجھار ہاتھا۔ اور بالآخر ہم چاروں کمانڈروں نے یہ طے کرلیا کہ کس کواپنے آدمی لے کر کہاں مور چہ لگانا ہوگا۔ کمانڈر پاسین اور کمانڈرشہاب الدین کواپنے آدمی لے کر سڑک کے دوسری طرف جانا تھا اور درمیان میں سوگز کا فاصلہ رکھ کرمور چے لگانے تھے۔ جبکہ اس طرف مجھے، کمانڈرمحب اللہ اور کمانڈررشید کو ہر سوگز کے فاصلے پرمور چے قائم کرنے تھے۔ اس طرح وہ پوراور ہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہماری زومیں ہوتا۔ تقریباً ایک گھٹے تک اس کا جائزہ لینے کے بعد ہم غارمیں واپس آگئے۔ اس وقت تک پکھا اور مجاہدین بھی بہنچ چکے تھے۔ شام تک مجاہدین کی تعداد ساٹھ ہوگئی اور پھر ان مجاہدین کو پانچ یارٹی میں دس آدمی تھے۔ انگوری، سعید، انور، اشرف، حبیب یارٹیوں میں تقسیم کردیا گیا۔ میری پارٹی میں دس آدمی تھے۔ انگوری، سعید، انور، اشرف، حبیب یارٹی میں دس آدمی تھے۔ انگوری، سعید، انور، اشرف، حبیب الرحمٰن اور عبدالستار کے علاوہ دولز کے اور تھے۔

وہ رات قافلے پر حملے کی حکمت عملی تیار کرتے ہوئے گزری تھی۔اور پھررات دو بجے کے قریب ہم اپنی اپنی بارٹیاں لے کرتھوڑ ہے تھوڑ ہے و قفے سے غار سے روانہ ہو گئے۔

ہاری پارٹی کا ہر شخص اسلحہ اور گولہ ہارود ہے لدا ہوا تھا۔ دولڑکوں کے پاس راکٹ لانچر تھے۔ ہر لانچر کے لئے چار چار راکٹ تھے۔ دی بم، سب مشین گنیں اور اُن کے ٹی گی فاضل میگزین۔ اچھا خاصا بوجھ تھا جو ہرلڑکا اُٹھا کرچل رہا تھا۔ انگوری کے پاس بھی اسلحے کا اتنا ہی بوجھ تھا۔

وو گھنٹوں بعد ہم اپنی اپنی جگہوں پر مور پے سنھال کچنے تھے۔ کمانڈریاسین اور کمانڈرشہاب الدین نے بھی سڑک کے دوسری طرف اپنی اپنی جگہوں پر مور پے سنھال لئے تھے۔ مختلف جانوروں کی آوازیں نکال کر ایک دوسرے کو آگاہ کر دیا گیا تھا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھیلا دیا تھا۔ انگوری میرے قریب ہی تھی۔

رات دھیرے دھیرنے بیت ربی تھی۔لگتا تھا جیسے ایک ایک لمحہ صدیوں پر جہاری ہو۔ ہاہیں۔ فوجی قافلے کو منبی پانچ بجے سرینگڑ سے روانہ ہو کرآٹھ بچے کے قریب یہاں سے گزرنا تھا۔ رات بیت گئی، دن نکل آیا، ڈھوپ جیکنے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری ہے جینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور پھر دفعتۂ فضا میں بیلی کا پٹر کے پروں کی پھڑ پھڑا اہٹ س کر میں اچھل میں

''کُوئی بیلی کاپٹر پر فائر نہ کرے اور جھاڑیوں میں جھپ جائے۔'' میں نے جیخ کر کہا اور آسان کی طرف دیجھے لگا۔

میں اور میرے ساتھی قُد آ دم جھاڑیوں میں جھپ گئے تھے۔ ان پہاڑیوں پر جھاڑیاں اور
پودے اس قدر گنجان تھے کہ ان میں چھپے ہوئے کی تحض کوفضا ہے بھی دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔
ہیلی کا پٹر فضا میں پر واز کرتا ہوا ہمارے سروں کے اُوپر سے گزر گیا۔ میں فکر مند تھا کہ
ہمارے مجاہدین میں سے کوئی اُس پر فائزنگ نہ شروع کر دے۔ ہیلی کا پٹر پہاڑیوں کے اُوپر سو
ڈروھ سومیٹر کی بلندی پر پر واز کر رہا تھا۔ اُسے نشانہ بنانا بالکل آسان تھا۔ اُسے تو آسانی سے
گرایا جا سکتا تھا لیکن اس طرح اصل مشن ناکام ہوجاتا۔ ہیلی کا پٹر کی تباہی کے بعد فوجی قافلہ
گرایا جا سکتا تھا لیکن اس طرح اصل مشن ناکام ہوجاتا۔ ہیلی کا پٹر کی تباہی کے بعد فوجی قافلہ
دورہی کہیں دُک جا تا اور ہمارا مقصد پورا نہ ہوتا۔

روں میں رہے جب با بر اور کا ایک کے بیٹر ہوا بہت آگے جا کر اُونجی بہاڑیوں کے بیٹی ہے گن شپ ہملی کاپٹر بہاڑیوں پر پرواز کرتا ہوا بہت آگے جا کر اُونجی بہاڑیوں کے ذہن میں بھی فائب ہو گیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔میری طرح دوسرے کمانڈروں کے ذہن میں بھی بمی بات آئی ہوگی کہ اگر ہملی کا پڑ کوگر البا گیا تو ہمارااصل مشن خطرے میں پڑ جائے گا۔

نبلی کاپٹر کے بروں کی پھڑ پھڑ اہت کی آواز بھی اب معدوم ہو پیکی تھی۔ یہ بیلی کاپٹر روی مافت کا تھا۔افغانستان میں بھی مجاہدین کے ٹھانوں برحملوں کے لئے یہی گن شپ بیلی کاپٹر استعال ہور ہے جھے۔ بھارت میں اگر چہ اسلحہ اور دیگر جنگی ساز وسامان بنانے کی گئی فیکٹریاں تھیں لیکن جنگی جنون میں مبتلا بھارتی تعکم انوال نے ہراُس ماکٹ ہے اسلحہ اور گولہ بارود حاصل کیا تھا جہاں سے ملنے کی تو قع کی جاسکتی تھی۔ روی ان مما لک میں پیش بیش تھا۔ بھارتی فوت میں استعال ہونے والا ستر فیصد سے زائد جنگی سامان روی سے درآ مدشدہ تھا۔ اور یہ بیلی کاپٹر میں بھی ہے۔

دنیا کی دوسری سب سے بوئی طاقت سوویت یونین کئی سال سے افغانستان پر قبضہ کرنے کے ایر بھی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ اُس نے اپنی ساری طاقت افغانستان کی جنگ میں مجمونک دی تھی کیکن افغانستان روسیوں کا قبرستان بنیا جارہا تھا۔ افغان مجاہدین ہے سروسامان کی حالت میں بھی روسیوں کو ناکول چنے چبوا رہے تھے اور روی اب افغانستان سے بور یا بستر کیٹنے کی تباری کررہے تھے۔

وفعتة الرركرر كي آواز من كريين چونك كيا اور إدهر أدهر ديجضے لگا- اور بجر ميرے بوننو ك پر

مسلراہٹ آئی۔ وہ بھاری ٹرکوں کی آ وازتھی جو ہوا کے دوش پر بھی قریب سے اور بھی ؤ ور ہے آتی محسوس ہور ہی تھی۔

سڑک ہم سے تقریباً موگز کے فاصلے پرتھی۔ ہمارے آگے تقریباً عمودی چٹان تھی جس کے اختتام پرسڑک کے کنارے تقریباً آٹھ فٹ اُونجی دیواری بن گئی تھی جبکہ سڑک کے دوسری طرف کی بہاڑیاں زیادہ بلندنہیں تھیں اس طرف قد آ دم جھاڑیاں اور پود سے بہت گنجان تھے۔ مرکی نظری سرم کی نظری سرم کی تقصیل اور کال گررگی آواز پر گئے بھو بر تھے۔ اور کھر پچھلے

میری نظریں سڑک پر مرکوز تھیں ، اور کان گرر گرر کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ اور پھر پچھلے موڑ سے پہلی جیپ کوسامنے آتے د کھ کرمیر ہے دل کی دھیر کن ایک دم تیز ہوگئ

مور سے ہیں بیپ وسائے اے وقع کر بیرے دن کا دھیر نامید دیم پر ہوں جیپ پر بھارتی تر نگا لہرار ہا تھا۔ یہ بغیر ہڈ کی جیپ تھی۔ سامنے ونڈ اسکر بن کے فریم کے اُو پر ایک آبنی یا ئپ بھی لگا ہوا تھا جس پر لائٹ مشین کن فٹ تھی۔ ایک فوجی کن کے سامنے

سیٹ پر بالکل جاق و چوبند کھڑا تھا۔ جب کی پچھلی دوسیٹیں آگے چھے کی بجائے آمنے سامنے سیٹ پر بالکل جات کے زخ باہر کی طرف سیس سنجالے بیٹھے تھے۔ اُن کے زخ باہر کی طرف سیس۔ ہرسیٹ پر بین تین نور دائیں بائیں ایک ایک سے۔ جیب کے پیچھے ایک ٹرک تھا اُس پر آگے ایک ہیوی مثین گن اور دائیں بائیں ایک ایک لائٹ مثین گن نصب تھی۔ تقریباً دو درجن فوجی سب مثین گئیں سنجالے ٹرک کے اندر کھڑے

تھے۔ اُن ٹرکول میں لکڑی کے تختول کی سیٹیں اس طرح بنائی گئی تھیں کہ فوجی ان پر آسانی ہے کھڑے ہوئیں۔ اُس ٹرک کے پیچھے اسلمہ اور گولہ بارود سے لدے ہوئے ٹرک تھے جن پر

سر سے ہوئے تھے۔ان ٹرکوں کی کیبن کی چھتوں پر بھی دو دونو جی سب مثین گئیں سنجالے ہنٹھ تھ

میں اپنے آپ میں ایک عجیب می سنتی محسوں کر رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑ کن تیز ہورہی تھی۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا اُس کا چپرہ سرخ ہور ہاتھا۔

وہ نرک ملکی رفتارے ہمارے سامنے سے گُزر کتے رہے۔ اس دوران چیچیے ہے آتی ہوئی ایک جیبے تیزی ہے آگے نکل گئی۔

یں ان نُرُوں کو آیا ، ہا۔ اُن کی تعداد تمیں تھی۔ آخر میں بھی دوجیبیں تھیں۔ اُن جیپوں پر بھی آگے پڑھیے لائٹ مشین گئیں فٹ تھیں اور ہر جیپ پر چھ چھونو جی سب مشین گئیں سنجالے میضے تھے۔ ٹرکول اور جیپوں پر بیٹھے ہوئے تمام فوجی دائیں بائیں پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پروگرام کے مطابق سب سے پہلے میری پارٹی کو قافلے کے آخری ٹرکوں اور جیپوں پر حملہ

ہارے پہلے حملے میں ٹرکول پر بیٹھے ہوئے تین فوجی جہنم رسید ہوئے تھے اور پھر اس کے ہاتھ ہی جیپوں اور دوسرے ٹرکول پر ہم نے فائر کھول دیا تھا....سب مشین گنوں اور لائٹ نین گنوں کی گولیاں ہمارے آس پاس پھروں پرلگ رہی تھیں یا ہمارے سروں کے اُوپر سے اُن ہو تھیں

رر ہی ہیں۔
بھارتی فوجی غالبًا بیہ سمجھ تھے کہ ان پر حملہ ایک ہی جگہ ہے ہوا ہے لیکن بہت جلد اُن کی یہ اُن کہ ذور ہوگئ ۔ ٹرکول کا وہ قافلہ تقریباً دوسوگز تک پھیلا ہوا تھا اور دوسوگز کے اس جھے میں ورجھوڑ نے فاصلے پر سڑک کے دونوں طرف ہے اُن پر گولیوں کی بارش ہور ہی تھی۔
ماری پارٹی میں دولڑکوں کے پاس راکٹ لانچر تھے اور دونوں کے پاس چار چار راکٹ اور اُن میں سے ایک نے راکٹ فائر کر دیا جوایک ٹرک پر لگا اور گویا وہاں قیامت کچے گئ اُن میں سے ایک نے دوارد چھٹے لگا۔
اُن میں سے ایک نے راکٹ فائر کر دیا جوایک ٹرک پر لگا اور گویا وہاں قیامت کچے گئ فائل دورداردھا کہ ہوا اور پھٹے لگا۔
فائل کی آخری جیپ تیزی سے مُوی اور واپس جانے کے لئے دوڑ نے لگی۔ انگوری نے ناسبہ شین کن کا زُن آئس طرف موڑ دیا مگر جیپ زد میں نہیں آئی اور تیزی سے دوڑتی ہوئی بامرڈ گھوم کر نگا ہوں سے اوجھل ہوگئی۔

پہاڑیوں میں دوسوگز تک سڑک کا پورائکڑا محاذِ جنگ بنا ہوا تھا۔ ہمارے مجاہدین نے اُس اُنا قافلے پر بھر پورحملہ کیا تھا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ جنگ یکطرفہ تھی۔ مجاہدین تو قافلے پر اُرے برسارے تھے جبکہ بھارتی فوجیوں کو کچھ کرنے کا بہت کم موقع مل رہاتھا۔

مگہ جگہ دھا کے ہور ہے تھے ۔۔۔ مجاہدین رائعلوں کے علاوہ دئی بم اور راکٹ بھی استعال کر شتے۔ زور دار دھا کول سے فضا گونج رہی تھی اور پہاڑیاں تھرار ہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے بیک نگی آتش فشاں پھٹ پڑے ہول۔۔۔۔ ٹرکوں میں پھنتے ہوئے راکٹ اور گولے اب چاروں نہیل رہے تھے۔ راکٹ چٹانوں پرلگ لگ کر پیٹ رہے تھے۔

۔ پروگرام کے مطابق ہمیں یہ کارروائی آ وہے گھنٹے میں مکمل کرنی تھی لیکن میرے خیال میں ماتوسب کچھ چندمنٹ فیس ہی ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

افعتہ اُن بے دریے دھاکوں میں پھڑ پھڑا ہٹ کی آ واز سن کر میں چونک گیا۔ وہ ہیلی کا پٹر 'نیل آ گے کا چکر لگا کر واپس آ رہا تھا۔ اور اُس سے نہ صرف ہیوی مشین گن سے فائز نگ ہو 'کی بلکہ راکٹ بھی برسائے جارہے تھے۔

وہ گن شپ ہیلی کا پٹر پہاڑیوں پر ہمارے سروں کے اُوپر سے ہوتا ہوا تیزی ہے آ گے نکل گیا۔مشین گن کی لا تعداد گولیاں ہمارے پاس گری تھیں۔۔۔۔ایک راکٹ ہم سے تقریباْ پچاس گز آ گے ایک چنان پرلگا اورا کیک زور دار دھاکے ہے پھروں کے نکڑے فضا میں بکھر گئے ۔

ہیلی کا پٹر کافی آ گے جا کروائیں پلٹا۔اس مرتبہ وہ نسبتاً زیادہ بلندی پرتھا۔ہم نے اپنی سب مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی لیکن ہماری گولیاں اُس کا پچھنیں بگاڑ سکیں البتہ ہمارہ ایک ساتھی ناصرمشین گن کی ایک گولی کی زومیں آگیا تھا۔

۔ ناصر کی چیخ من کر میں تیزی ہے اُس کی طرف لیکا۔ بھاری مشین گن کی گولی نے اُس کے سینے میں بہت بڑا سوراخ کر دیا تھا..... ہرطرف خون بکھرا ہوا تھا۔ میں اُسے دیکھ کر کا نپ کر رہ گیا۔اُس کے لئے اب کچے نہیں کیا جاسکتا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کند ھے پر اُٹھا لی اور ناصر کا راکٹ لانچرسنجال لیا۔ اُس کے پاس صرف ایک راکٹ بچا تھا۔ میں نے وہ راکٹ لانچرلوڈ کیا اور اُوپر دیکھا۔ بَیلی کاپٹر پہاڑیوں پر گولیوں اور راکٹوں کی بارش کرتا ہوا بہت آ گے نکل گیا تھااس طرف ہے بھی ہیلی کاپٹر پر فائرنگ ہور ہی تھی مگروہ محفوط ہی رہا۔

ئرنگ ہور ہی تھی مگر وہ محفوط ہی رہا۔ میں نے اپنے مجاہدین کو اُو پر جانے کا حکم دیا اور انگوری کا ہاتھ پکڑ کرخود بھی بلندی کی طرف ڈڑنے لگا۔

بیلی کاپٹر ایک طویل چکر کاٹ کر ایک مختلف سمت سے ہماری طرف آنے لگا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو چیخ کر پھروں کے چیجے پناہ لینے کا تھم دیا اورخود بھی ایک بڑے پھر کی آڑ لے کر لانچر سے اُس کا نشانہ باند صنے لگا۔ بیلی کا پٹر بڑی تیزی سے گولیاں برسا تا ہوا آر ہا تھا۔ میرا ایک اور ساتھی گولیوں کی زد میں آکر شہید ہو گیا۔ سمیں ایک لمحہ اُس کی طرف متوجہ ہوا اور اُس لمحہ ہیلی کا پٹر بائیں طرف مُڑ گیا جس طرف پہاڑیوں میں اُدور تک ہمارے مجاہدین تھیلے ہوئے سے میں نے کا پٹر کا نشانہ لے کر راکٹ فائر کر دیا۔ ای لمحہ دوسری طرف سے بھی پہاڑیوں میں کسی جگہہ ہے ایک راکٹ فائر ہوا اور پھر اُس کے ہوئے کے گولے میں تبدیل ہوا اور پھر اُس کے جلنے ہوئے کہ کا بھی سے اور پھر اُس کے جلنے ہوئے کہ کا بھی اور کے طرف کی بھی کا پٹر ایک کی دوسرے جانے ہوئے کی دوسرے جانے ہوئے کی دوسرے کی دوسرے کی ہوئے کی دوسرے کی دوسرے کی ہوئے کی دوسرے کی

مڑک کی طُرف اب بھی ہے در ہے خوفناک دھا کے ہور ہے تھے۔ اب ہمیں اُو پر ہے کوئی خطرہ نہیں تھا ہم نے وہ فوجی قافلہ تباہ کردیا تھا۔ ہمارامثن اورا ہو گیا تھا۔ اگر اُس قافلے میں پچھے ایک جب بچھ ہو گا تو گولہ بارود میں ہونے والے دھا کے اُسے بھی ختم کر دیں گے۔ مجھے ایک جب کے بچک کرنگل جانے کا افسوں تھا۔ اُس جیپ میں بھینا وائر لیس بھی ہو گا اور اب تک اُنہوں نے سرینگر ہائی کمان کواطلاع کر دی ہوگی اور مجھے یقین تھا کہ اس علاقے کو دُور دُور دَار در تک گھیرے ہیں لینے کی کوشش کی جائے گا۔

ٹرکوں یا جیپوں پرامدادی پارٹیوں کو پہنچنے میں خاصا وقت لگ سکتا تھالیکن اگر ہیلی کا پیڑ بھی ہاری تلاش میں روانہ ہو گئے تو ہمارے لئے بہت ہی مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

تقریبا ایک ہزارفٹ کی بلندی پر آگر ہم سب لوگ ایک جُگھ پر جمع ہو گئے اور پھر میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ بکھر کر اپنے اپنے طور پر محفوظ مقامات کی طرف جانے کی کوشش کریں۔ ہم سب نے بڑی گرمجوثی ہے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ میں نے انگوری کا ہاتھ پکڑا اور ہم ایک مختلف سمت میں چل پڑے۔

میرا خیال درست نکلا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد نبلی کا پٹروں کے پڑوں کی گھڑ کھڑا ہٹ سائی
دی سسہ میں انگوری کو بکڑ کر گنجان جھاڑیوں میں لے گیا۔ اُس وقت ہم سطح سمندر سے چار ہزار
آٹھ سومیٹر کی بلندی پر تھے۔ آسان پر بادلوں کے نکڑ ہے بھی تیرر ہے تھے۔ سورج بھی بادل
کے کی نکڑے کے پیچیے تھیپ جاتا اور بھی ڈھوپ ٹیکنے لگئے۔ تیز ہوا سے بودوں اور جھاڑیوں
کے سرسرانے کی آوازیں چاروں طرف سے آئی محسوس ہور ہی تھیں۔

ایک محفوظ جگہ پر پہنچ کر میں نے اُوپر دیکھا۔ وہ دوگن شپ بیلی کا پٹر تھے جوایک دوسرے سے بہت فاصلے پر پرواز کرتے ہوئے ہائی وے کی طرف جارہے تھے۔ وہ بیلی کا پٹر جیسے ہی ایک پہاڑی چوٹی کی آڑ میں نگاہوں ہے اوجھل ہوئے میں انگوری کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار پھر دوڑنے لگا۔ ہم مسلسل بلندی کی طرف جارہے تھے۔ انگوری بری طرح ہانپ رہی تھی۔ میرا مالس بھی پھولنے لگا تھا۔ ہم تھوڑی در کے لئے زکتے اور پھر دوڑنے لگتے۔

ہم ایک بار پھر زک گئے۔ انگوری بانپ گئی تھی۔ اُس کے منہ سے کف بہنے لگا تھا۔ میرا سانس بھی قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ہم دونوں دیر تک بیٹھے ہانپیتے رہے اور بتدریج نارمل ہوتے ملے گئے۔

'''میراحلق خٹک ہور ہا ہے۔۔۔ بہت شدت کی پیاس لگ رہی ہے۔'' انگوری گلا سہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ خٹک ہونٹوں کو زبان ہے تر کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ میرے ہونٹوں پر بھی پیڑیاں جی ہوئی تھیں۔ میں نے ادھراُ دھر دیکھا، قرب و جوار میں کسی ندی یا چشمے کے آٹار دکھائی نمیں دے رہے تھے۔

''اس طرف چلتے ہیں۔ شاید کوئی ندی یا چشمہ مل جائے۔'' میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم ایک بار پھر چلنے لگے۔ سامنے بہت ؤورتقر یباً چیہ ہزار میٹر بلند پہاڑی چوٹی پر برف جمی نظر آرہی تھی۔ ہمارا زخ اُسی طرف تھا۔ بعض چوٹیوں پر سال بھر برف جمی رہتی تھی۔ برف پھلنے سے پانی ندیوں اور جھرنوں کی صورت میں پہاڑوں پر بہتا رہتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ پانی کی تلاش میں ہمیں زیادہ ؤورنہیں جانا پڑے گا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم ایک جشے تک پنچنے میں کامیاب ہو گئے۔اُس چشے کے آس پار اُونچے پودے یا جھاڑیاں وغیرہ نہیں تھیں۔ وُ در وُ در تک البتہ دبیز گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ ہم جی بھرکے پانی پیا۔انگوری گھاس پر لیٹ گئی میں بھی کہنی کے بل دراز ہو گیا اور انگوری کی طرنہ دیکھنے لگا۔

سورج نصف النہارے آگے جا چکا تھا۔ میرے خیال میں دونج رہے ہوں گے۔ گزشتہ رات دو بچے کے قریب ہی ہم غارے روانہ ہوئے تھے اوراس وقت قبوے کے ساتھ کچھرونی کھائی تھی۔ فیج کھرونی کھائی تھی۔ فیج کھرونی کھائی تھی۔ فیج کے قریب ہم نے قافلے پر مملہ کیا تھا اوراس کے بعدے اب تک مسلم بلندیوں کی طرف دوڑ رہے تھے اور جھے بھوک کا احساس ہونے لگا تھا۔ بھوک انگوری کو بھی لگ رہی ہوگی کی سیار بھی تک اُس نے اس سلسلے میں زبان نہیں کھوئی تھی۔ راستے میں ہمیں کوئی بھلدار درخت بھی نظر نہیں آیا تھا کہ سی بھل ہی سے بیٹ بھرلیا جاتا۔

''اب آگے چلنا چاہئے۔۔۔۔'' میں نے اُٹھ کراپی رائفل سنجالتے ہوئے کہا۔'' شایداس طرف ہمیں کوئی بھلدار درخت مل جائے۔ درنہ پیتنہیں ہمیں کب تک بھوکار ہنا پڑے۔'' انگوری بھی اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اوراپی چا درسنجالنے گلی۔ پیساہ چا دراُس کی شناخت بن گئی تھی۔اب تک اُس نے چا درایک بل دے کر گردن پر لپیٹ رکھی تھی اس طرح اُسے کچھا کجھن بھی ہور بی تھی۔

''ایک منٹ '''''' وہ بولی۔''میں یہ چادر پیئے کی طرح کمر پر باندھ لوں۔ چلنے میں بھی آسانی رے گی۔''

اُس نے جادر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر جھٹک دی اور پھر لمبائی کے زُخ پر اُسے تہہ کرنے کی کوشش کررہی تھی کہ تیز ہوا کے جھو نکے سے جادراُس کے ہاتھ سے نکل گئی۔اُس نے لیک کر جادر پکڑنے کی کوشش کی مگر ہوا کے جھو نکلے نے جادر کواُو پر اُٹھادیا۔

میں نے اپنی جگہ ہے اُتھیل کر جا در کو پکڑنا جا ہا مگر ہوا کا ایک اور زور دار جھوز کا اُسے اُڑا کر مزید اُوپر لے گیا

ٰ حیا در کئی بینگ کی طرح ہوا میں اُڑ رہی تھی۔ میں اُس کے بیچھے دوڑ نا چاہتا تھا مگر اس لحہ بیل کا پٹر کی آ وازین کر میں رُک گیا۔ انگوری بھی چیخ اُنٹھی!

 \circ

''شمروز …… رُک جاؤ! بیلی کاپٹراس طرف آر ہاہے۔''

میں نے مُو کر ویکھا۔ بیٹی کا پٹر ایک پہاڑی چوٹی ئے پیچھے سے نمودار ہوکر اس طرف آرہا تھا۔ انگوری نے جلدی سے راکفل اُٹھا لی اور میں اُس کا ہاتھ کپڑ کر چٹانوں کی طرف دوڑ نے لگا۔ ہم اس وقت کھلی جگہ پر تھے۔ بیلی کا پٹر والوں کی نظروں میں آ سکتے تھے۔ اور پھر ہوا میں اُڑتی ہوئی جادر ہماری موجودگی کی نشاندہی کرسکتی تھی۔

میرا خدشہ درست نکلا، ہمیں دیکھ لیا گیا تھا ۔۔۔۔ کا پٹر اُس وقت کا فی بلندی پرتھالیکن دوسر ہے بی لمحہ بڑی تیزی ہے نیچے آنے لگا ،۔۔۔

میں انگوری کا ہاتھ نکڑے دوڑتا رہا۔ اور پھر دفعتۂ فضا تر ٹرٹا ہٹ کی آواز سے گونج اُٹھی۔ ہم پرمشین گن سے گولیاں برسائی جار بی تھیں۔ انگوری ٹھوکر کھا کر گری۔ میں نے اُسے دوبارہ ہاتھ سے بکڑ کراُٹھایا اور قریبی چٹان نما پھر کی طرف چھلانگ لگا دی۔

ہ سنگ کی گولیاں اُس چنان نما بھر پر نگی تنمیں۔ ہیلی کا پٹر آ کے نکل گیا تھا۔ میں انگوری کا ہاتھ پکڑے چٹانوں میں دوڑ تار ہا۔انگوری ایک بار پھراڑ کھڑ اکر ٹری، میں نے اُسے دوبارہ اُٹھا دیا۔ ''یہاں رُکے تو وہ ہمیں چھانی کر دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''مجھ سے نہیں چلا جاتا ۔ میری ٹانگیں شل ہور ہی ہیں۔''انگوری نے ہانیخے ہوئے کہا۔ ''ہمت سے کام لوسہ'' میں نے کہا۔''وہ ہمیں ایسی اذیت ناک موت ماریں گے کہتم اس کالصور بھی نہیں کرسکتیں۔''

میں انگوری کو پکڑے چٹانواں میں آڑھے تر چھے راستوں پر دوڑتا رہا۔ فضامیں ہیلی کا پٹر کی آواز مسلسل سنائی دے ربی تھی۔ بھی بھی چٹانیں مشین گن کی فائزنگ کی آواز ہے بھی گونج آشیں۔ پچھ دیر بعدا پنے سروں پر ہیلی کا پٹر کی آواز من کر میں انگوری کو کھینیا ہوا ایک چٹان کے ماتھ چیک گیا۔ چٹان کے اُو پر ایک بہت بڑا پھر سائبان کی طرح آگے جھا ہوا تھا اور اُس کی وجہ ہے ہمیں فضا ہے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

بیلی کا پیر فضا میں معلق بوگیا تھا۔ اُس کا سابیہ کچھ دُور با نمیں طرف کی ایک چٹان پر دکھائی دسے رہا تھا۔ تقریباً ایک منٹ بعد وہ سابی حرکت میں آیا اور کا پٹر کی آواز بتدر بج دُور ہوتی چلی گئی۔ ہم دو تین منٹ اسی چٹان سے چپک کر کھڑے رہے اور چھر آہت۔ آہتہ ایک طرف چلنے سگھ۔ انگوری کی حالت نا گفتہ ہور ہی تھی۔ وہ بار بارلڑ کھڑا جاتی۔ اگر میں اُسے نہ سنجالے ہوتا تو

وہ یقیناً گریڑتی اور پھررُ کنے کا نام نہ لیتی ۔

میں ایک دراڑ کے قریب زک گیا۔ وہ دراڑ اتن کشادہ تھی کے دوآ دمی پہلو بہ پہلوآ سانی ہے۔ چل کتے تھے۔فضا میں تفرقھراہٹ کی بڑھتی ہوئی آ واز س کر میں سمجھ گیا کہ بمیلی کاپٹر دوبارہ اس طرف آر ہاتھا۔ میں اگلوری کو کھینچتا ہوا اُس دراڑ میں گھتِ اچلا گیا۔

یہ دراڑتقریباً دس گز آگے جاکر دائیں طرف مُڑکئی تھی۔ اُس طرف تھو متے ہوئے میں نے اُوپر دیکھا، بہت اُوپر چٹانیں ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں اور اُن کے درمیان روتی کی اُلک باریک تیکن نظر آرہی تھی۔ مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑ کتا ہوامحسوس ہونے لگا۔ اگر کی چٹان کا کوئی حصہ گر جائے تو یہ دراڑ ہمارامقبرہ بن جائی لیکن میں نے سرجھنگتے ہوئے اس خیال کو ذہمین سے نکال دیا۔ یہ چٹانیں ہزاروں سال سے بلکہ نجانے کب سے اس جگہ ای طرح کھڑی تھیں۔ اوراب ان کے گرنے کا سوچنا حماقت کے سوا کچھنیں تھا۔

انگوری میری گرفت ہے ہاتھ چیٹرا کر نبٹان کے ساتھ سرکتی ہوئی دوزانوں ہوکر بیٹھ گئ تھی اور آ گے کو چنگی بری طرح ہانپ رہی تھی۔ اُس کے منہ ہے کف بہدر ہاتھا اور وہ آسٹین ہے بار بار منہ پونچھ رہی تھی۔ میں نے اُسے اُٹھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود بھی اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ یہاں ہم کسی حد تک محفوظ تھے اور کچھ دیرآ رام کر سکتے تھے۔

'' ببین پچپین منٹ گزر گئے ۔۔۔۔ ہیلی کا پٹر گی آ واز اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے صرف ایک اندیشہ تھا کہ بھارتی فوجی کا پٹر سے اُتر کر ان چٹانوں میں ہماری تلاش نہ شروع کر دیں۔ ایک اطمینان نہ بھی تھا کہ ان سنگلاخ اورنو کیلی چٹانوں میں ایسی کوئی جگہنیں تھی جہاں ہیلی کا پٹر اُنہ سکا

ہم ایک بار پھرآ گے چلنے لگے۔ دراڑ چٹانوں میں کبھی دائیں مُڑ جاتی اور کبھی بائیں۔ کسی جگہ تو بیاس قدر کشادہ ہو جاتی کہ آٹھ دس آ دمی آ رام سے ساتھ ساتھ چل سکتے تھے۔ اور کہیں اس قدر ننگ کہ ہمیں آگے چیچے ہوکر چٹان کے ساتھ گھسٹ کر چلنا پڑتا۔

ر بہان کے سیال سے پیچار کر پہائی ہے۔ اللہ میں ایک بار پھر زُک گئے۔ یہ جگہ کافی کشادہ تھی اور اور بھر زُک گئے۔ یہ جگہ کافی کشادہ تھی اور اور بھی آ سان نظر آ رہا تھا۔ چندمن بعد میں پھر آ گے ہو ھنے لگا۔ میں گز آ گے دراڑ دوحصول میں تقسیم ہوگئی تھی۔ میں وائیس طرف مُڑ گیا۔ اُس طرف راستہ کافی کشادہ تھا۔ اُٹاوری اب پھر مار بارزک رہی تھی۔

''میرے پیٹ میں درد بور ہاہے۔۔۔۔اب مجھ سے نیمن چلا جار ہا۔'' وہ ایک ہاتھ پیٹ ک رکھ کر دو ہری ہوگئی۔

رط ورد ہرن اوں۔ ''تھوڑا سااور۔۔۔'' میں نے کہا۔''ہم جلد بی سی کھلی جگہ پرنگل آئیں گے اور کسی محفوظ جگہ پر بیٹھ کرآ رام کرلیں گے۔ان چٹانوں ہے نکل کرکسی نہ کسی جگہ ہمیں پانی بھی مل جائے گا۔'' ''مم ۔ ۔ مجھے بھوک لگ ربی ہے۔'' ووکرا ہے ہوئے بولی۔

''ان چٹانوں سے باہر کلیں تو شاید کوئی چیز کھانے کو بھی مل جائے۔'' میں نے جواب دیا۔ بھوک مجھے بھی لگ رہی تھی لیکن ظاہر ہے میں انگوری کی طرح کراہ نہیں سکتا تھا۔ اس کے رکلس میں اُس کا حوصلہ بڑھا تار ہااور اُسے ہاتھ سے پکڑے تھینچتے ہوئے چلتارہا۔ دراڑ بائیں طرف مُرگئی اور اس کے ساتھ ہی میں زک گیا۔ اس سے آگے ایک غارتھا اور یہ غارکسی سرنگ کی طرح خاصا طویل تھا۔ اُس کے دوسرے سرے پر روثنی کا دائرہ سانظر آرہا تھا۔ منارکادیان تھا

'''''' غار کے دوسری طرف ہمیں یقیناً پانی بھی مل جائے گا اور کچھ۔۔۔۔'' ''کھانے کو بھی ۔۔۔۔'' انگوری نے بہتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔'' تم دوسروں کو بہلا نا خوب جانتے ہو۔ مجھے تو لگتا ہے ہم ان چٹانوں ہے بھی باہز ہیں نکل سکیں گے۔''

'' میں مایوس نہیں ہوں انگوری '....' میں نے جواب دیا۔'' کیا تہہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ ہم ان سنگلاخ چٹانوں ہی کی وجہ ہے محفوظ ہیں۔اگر کھلی جگہ پر ہوتے تو اب تک مارے جا چکے ہوتے۔ ہمت نہ ہارو! اُمیدر کھو کہ اس غار ہے نکل کر ہمیں مایوی نہیں ہوگی۔''

غار میں اندھیرا ساتھا۔ میں انگوری کا ہاتھ بکڑ ہے چاتا رہا۔ تقریباً دی منٹ بعد ہم غار کے دوسرے دہانے پر بہنج گئے اور اس کے ساتھ ہی میر ہے منہ ہے گہرا سائس نکل گیا۔ غار کے دوسری طرف عمودی ڈھلان تھی اور پنچے اُتر نے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے ہزاروں فٹ نینچ سر سبز وادی پھیلی ہوئی تھیمیر ہے قریب کھڑی ہوئی انگوری نے بھی بیہ منظر دیکھا۔ اُس کے منہ ہے بھی اس طرح گہرا سائس نکلا جسے غبار ہے ہوانکل گئی ہو۔ وہ نینچ پیٹھتی چلی گئی۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا اور پھر خود بھی شکست خوردہ انداز میں اُس کے قریب بیٹھ گئا۔ ہم تقریباً بانچ منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔ انگوری بھوک بیاس اور تھکن سے نڈھال ہو رہی تھی۔ دیکھی ۔ میں اور بھی والنائبیں چاہتا تھا۔ وہ میری بات بکڑ لیتی۔

''تم کہتے تھے ان پہاڑوں نے ہمیں پناہ دی ہے۔ اب یہی چٹانیں ہمارے لئے موت کے جال بن گئی ہیں۔'' انگوری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

'' پھروہی مایوسی کی باتیں ۔۔۔۔'' میں نے کہا۔'' یہ وادیاں اور یہ سنگلاخ چٹانیں ہی زندگی کی علامت ہیں۔ مایوس نہ ہو! کوئی نہ کوئی راستہ مل جائے گا۔''

میں دہانے کے قریب آگیا اور صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔ وُھوپ اب نرم ہوگئ تھی۔ سورج اگر چہ غار کے اُوپر والی چٹانوں کے عقب میں تھا مگر سامنے وادی میں پھیلی ہوئی وُھوپ کو دکھ کراندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ڈیڑھ دوگھنٹوں میں سورج غروب ہونے والا ہے۔

میں دہانے کے ساتھ اِدھراُدھر دیکھتا رہا۔ ڈھلان اُس فدرعمودی تھی کہ اس پر اُتر نے کی گوشش کرنا موت کو دعوت دینے کے متراف تھا۔ البتہ دائیں طرف جنان میں تھوڑ ہے تھوڑ ہے فاصلے پر پھر اُبھرے ہوئے تھے اور تمیں چالیس فٹ نیچے کشادہ اور محفوظ جگہتھی جس ہے آگے گنجان درخت تھے۔ میں نے انگوری کو اشارے سے قریب بلا لیا اُس کی طرف ا_{نٹار,} کرتے ہوئے بولا۔

'' پیراستہ مشکل ضرور ہے۔لیکن اگر کوشش کی جائے تو ہم نیچے اُتر بیکتے ہیں۔'' ''ادراگر چھ میں ہاتھ یا پیر پھسل گیا تو ہماری ہڈیوں کا بھی سراغ نہیں ملے گا۔'' انگور _{کی} نے کہا۔

''باہر کو اُبھرے ہوئے پھر کافی بڑے بڑے ہیں۔کوشش کی جاسکتی ہے۔'' میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔'' پہلے میں اُرّ تا ہوں ،تم میرے چھھے چھھے چلی آنا۔''

میں نے رائفل کندھے پر لاکا لی اوران پھروں پر اُتر نے لگا۔ چند گز کا فاصلہ طے کرتے ہی مجھے احساس ہو گیا کہ اس طرح نینچ اُتر نا اتنا آسان نہیں تھا جتنا میں نے سمجھا تھا۔ تیز ہوا کے حجو نکے مجھے مسلسل دھیل رہے تھے۔

''انگوری.....!'' میں نے' اُو پر د کیھتے ہوئے آ واز لگائی۔'' ہوا تیز ہےلیکن پقر خاصے بڑے ہیں ۔ان پر ہاتھ پیر جمانا زیادہ مشکل نہیں۔ ہمت کرواوراحتیاط سے بنچے اُتر آ وُ۔''

۔ انگوری نے اپنے اندر حوصلہ پیدا کر ہی لیا اور وہ بھی میر ی طرح پٹھروں پر ہاتھ پیر جما کر نیچے اُتر نے لگی۔ ڈراورخوف ہے اُس کے منہ ہے عجیب ہی آ وازیں نکل رہی تھیں ۔

واقعی بہت تھن اور جان لیوا کا م تھا۔ تمیں چالیس فٹ کا فاصلہ پندرہ بیں منٹ میں طے ہوا تھا۔ پنچے کشادہ جگہ پر آتے ہی اگوری گھاس پر دراز ہوگئی اور گہرے گہرے سانس لینے گل۔ میں بھی اُس کے قریب بیٹھ گیا اور اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ پشت کے بل لیٹی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ اُس کے سینے کا زیر و بم میرے اندر عجیب ہی کیفیت پیدا کرنے لگالیکن میں فورا ہی اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

ہم اُس جلُد ئے تجانے کتنی دُورنکل آئے تھے۔فضا میں ہیلی کا پٹروں کی آواز بھی سالی نہیں دے رہی تھی۔میرے خیال میں اب ہم محفوظ تھے۔ کچھ ہی آگے گنجان درختوں کا سلسلہ تھا۔اگر کا پٹر آ بھی گئے تو ہم ان درختوں میں پناہ لے سکتے تھے۔

میں انگوری کو و لیں جیوڑ کر درختوں کی طرف آگیا۔ اور پھر میں خوثی ہے ناچ اُٹھا۔۔۔۔ دہ خوبانی کے درخت ہے۔ اُن پر پھل نہیں لگا ہوا تھا البتہ پنچ گھاس پر اِدھراُ دھرخو اِنی کی لا تعداد گھلیاں بھری ہوئی تھیں۔ تقریباً پانچ ہزارفٹ کی بلندی پر این درختوں کا پھل تو ڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ پھل پنچ گر کر گل سڑگیا تھا اور اُن کی گھلیاں روگئی تھیں۔ جگہ جگہ سوکھی ہوئی خوبانیاں بھی نظر آ رہی تھیں اور مزے کی بات بہتھی کہ چند گز آگے ان درختوں میں شفاف پانی کی ایک جھیوئی می ندی بھی ہدرہی تھی۔

میں نے انگوری کوآ داز دے کر بلایا۔ پہلے ہم نے ندی سے پانی پیا ادر پھر میں سوکھی ہو^{تی} خوبانیاں ادر بکھری ہوئی گھلیاں جمع کرنے لگا۔

ہاری پیاس بھی بچھ گئی اور پیٹ کی آگ بھی۔ کیکن اب پریشانی کی جوسب سے بڑی بات فی وہ پیھی کہ سورج غروب ہونے والا تھا اور ہمارے پاس پناہ کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ موسم میں بھی ہے خاصی حنکی آگئے تھی اور میں جانیا تھا کہ کھلی جگہ پررات گزارنا قیامت سے کم نہیں ہوگا۔

میں نے ایک میلی تی شرٹ اور جیز بہن رکھی تھی جبکہ انگوری نے شلوار اور کرتہ پہنا ہوا تھا۔

رتے کے دونوں طرف جیبیں تھیں۔ ہم نے اپنی جیبوں میں سوکھی ہوئی خوبانیاں بھر لیں اور زخوں کے اپنے جلتے ہوئے خشیب میں اُتر نے لگے۔

وں سے سیپ بیست سے ہزاروں فٹ نیجے تا حد نگاہ سرسبز وادی پھیل ہوئی تھی۔ بظاہر ایسی کوئی جگہ ان نہیں دے رہی تھی لیکن مجھے اُمید تھی کہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے کہیں کوئی ایسی جگہ ل ائے گی جہاں ہم رات گزار عمیں۔

ہم غار کے دہانے کے قریب ہی بیٹھ گئا ادراب تک کی صورتحال پر تبصرہ کرنے گئے۔
اندھرا پھیل گیا۔ اب غار کے باہر بھی چند فٹ سے زیادہ وُ ورکی کوئی چیز دکھائی نہیں د بے ہم تھی۔ آسان پر بادلوں کی وجہ سے اندھرا پچھ زیادہ گہرا ہوگیا تھا۔ وقت کی رفتار جیسے ہم گئی اور درخوں اور پودوں کی سرسراہٹ وحشت می طاری کر رہی تھی۔ وفعۃ ایک زور دار دھا کہ ہوا اور اس کے نوراً بعد فضا میں اس طرح چیک پیدا ہوئی کہ ایک دفعۃ ایک زور دار دھا کہ ہوا اور اس کے نوراً بعد فضا میں اس طرح چیک پیدا ہوئی کہ ایک کومیری آئی تھیں چندھیا می گئیںوہ بادلوں کے گر جنے کی آواز تھی اور اس کے ساتھ ہی بجگی کی کرائے ہے چیکی تھی۔ انگوری چیخ کر جھے سے لیٹ گئی۔ میں نے اُسے اپنی بانہوں کی لیسٹ فی کرائے اور دوسر سے ہی لمجھ د ماغ میں آندھیاں می چلتی محسوس ہونے لگیں۔ پور سے ان میں سنسناہ ہے می پھیل گئی۔ انگوری میر سے ساتھ اس طرح لیٹی ہوئی تھی کہ اُس کے دل کی اُن میں اینے بینے میں محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے اُسے فیر ارادی طور پر اپنی بانہوں میں اُن

۔ تیز بارٹ شروع ہوگئی تھی۔ پانی کے حصینے اندر بھی آ رہے تھے۔انگوری مجھ سے الگ ہوگئی۔ ''سردی لگ رہی ہے ۔۔۔۔ ہارش کی ہو تپھاڑ بھی اندر آ رہی ہے۔ ذرا بیچھے ہٹ کر بیٹھ جائیں ناکونے میں ۔''انگوری نے کہا۔

میں اُسے بازو سے پکڑ کر غار کے آخری ھے میں لے آیا۔ یبان بارش اور تیز ہوا ہے تو جَ مُشقے تا ہم حَنَّی تو بہر حال موجود تھی۔

بارش کی پرُ شور آ واز داون پر وحشت می طاری کر ربی تھی۔ بادل ایک بار پھر گر جے اور

انگوری پھر مجھ ہے لیٹ کئی

''تم تو بہت بہادرلڑ کی ہو۔ ہادلوں سے ڈیور ہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''مجھے بادلوں کی گھن گرخ اور بجلی کی کڑک ہے ڈرلگتا ہے۔'' انگوری نے سہمی ہوئی _{آواز ک}ا پی طرف متوجہ پا کراُس نے نظریںِ جھکالیس۔

بجل ایک بار پھرکڑ کی اور انگوری نے جیخ کر مجھے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ مجھے ے اس طرح چیک گئی جیسے بھی الگ نہ ہو گی۔ میں نے بھی اُسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا اور ایک ہاتھ ہے اُس کی پشت سہلانے لگا۔ مجھ پر ایک بار پھروہی کیفیت طاری ہو : ` لکی تھی۔ میرا ایک باتھ انگوری کی بشت کو سہلاتا رہا۔ نجھے اپنے سینے پر انگوری کی سانس کی کا پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں گے؟

حرارت محسوس ہور ہی تھی۔ اور پھر سالس کی بیر رارت میرے گلے پرمحسوس ہونے لگی۔ اُسی وقت کڑا کے کے ساتھ بجلی جمکی، غار آ تھوں میں چکا چوند پیدا کرنے والی تیز روشی پیش اُسے حوصلہ دلاتار ہااور وہ تتم پشتم میرے ساتھ تھٹتی رہی۔

سے بھر گیا۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھا اُس کا چرہ سرخ ہور ہاتھا۔

مجھے یوں لگا تھا جیسے بجلی باہر کسی چز پرنہیں میرے او برگری ہو۔ میں نے تڑ ب کرانگوری کو اینے آپ ہے الگ کر دیالیکن انگوری پھر مجھ سے لیٹ گئی۔

ا یک دوسرے ہے کیا وعدہ کیا تھا.....کیاتم بھول تونہیں کئیں؟''

'''نننہیں''انگوری ہکلائی۔'' مجھے وہ وعدہ یاد ہے۔''

انگوری مجھ سے الگ ہٹ کر بیٹھ گئی۔ مجھے اُس کے تیز اِدر بے ربط سانسوں کی آواز سانی دے رہی تھی۔ میں خاموش بیٹیا غار کی تاریکی میں گھورتار ہااور بھی باہر دیکھنے لگتا جہاں بارش کے شور کے سوا کچھ ہیں تھا۔

وقت کواپنی رفتار ہے چلنا ہوتا ہے۔ وہ کسی کی خواہش کے تا بع نہیں ہوتا۔

انگورنی شایدسوگئی تھی۔ وہ بنیٹھے بیٹھے نیند کے جھو نکے میں میرے اُوپر جھک گئی۔ میں اُس کا سرائے گھنٹے پر رکھالیااوراس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میری آ نکھیں بھی بند ہونے للیں-میری آئھے کلی تو غار میں دن کی روشن چھیلی ہوئی تھی۔ انگوری سمٹی ہوئی میرے ساتھ پین

ہوئی تھی۔ میں نے باہر دیکھا بارش رات ہی کوئسی وقت بند ہوگئی تھی اور باہر دُھوپ چیک رہی بھی ۔ میں نے انگوری کو جگا دیا اور ہم دونوں غار ہے باہر آ کر دُھوپ میں بیٹھ گئے ۔ آ سان ﴾ کہیں بادلوں کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ہر طرف وُھوپ بھیلی تھی۔ پہاڑوں پر بارش کاب^{ان سامرف} وِبی مکان تھا۔ اور غالبًا بیکوئی فارم ہاؤس تھا۔ طوفانی ندی نالوں کیصورت میں بہہر ہاتھااورالی حالت میں ہمارے لئےسفر جاری رکھناست

ہم نے ایک ندی کے کنارے پر بیٹھ کرمنہ ہاتھ دھویا، پانی پیا اورا پی جیبوں سے خوہا^{نیاں}

ں کر کھانے لگے۔ یہی ہمارا ناشتہ تھا۔خو ہانیوں کی گھلیاں تو ڑ کر اُن کی گریاں کھانے کا ایک کی مزه آر ہاتھا۔ میں نے انگوری کی طرف دیکھاوہ اس وفت میری طرف ہی ویکھے رہی تھی کیلن

، پر ہوگئ۔ ندنی نالوں میں پانی کی رفتار کم ہوگئ تھی۔ میں غار میں جا کر رائفلیں اُٹھالایا

اِنگوری نے اپنی رائفل لے کر کندھے پرانکالی اور ہماراسفرایک بار پھرشروع ہو گیا۔ اگلی رات بھی ہمیں ایک غار ہی میں گز ارنی پڑی۔ دوسرے دن صبح سوریے ہم پھر چل ا ے۔ مجھےمعلوم نہیں تھا کہاس وقت ہم کہاں ہیں اور کسی منزل پر پہنچ بھی سلیں گے یا زندگی بھر

انگوری کی حالت خاصی اہتر ہورہی تھی۔ بھوک اور حکن نے اُسے بری طرح بڑھال کررکھا

دوسرے دن شام کونشیب میں بہت دُور ایک جگہ ہے دُھویں کی ایک لکیراُ تھتے دیکھ کر ہم ﴾ گئے۔ وہاں یقیناً کوئی کبتی تھی لیکن ہم اندھا دُ ھنداس بستی میں داخل نہیں ہو کئے تھے۔ نے بھار کی فوج کو بہت بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ نہصرف کروڑ وں رویے کا گولہ بارود تباہ کیا تھا ''انگوری' میں نے اُس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرت ہوئے کہا۔''جانتی ہوہم نے اس کے ساتھ درجنوں فوجیوں کوبھی جہٹم رسید کردیا تھا۔وہ بیلی کاپٹر جس طرح ہماری تلاش ہ کی گھنٹوں تک پہاڑوں پر برواز کرتا رہا تھا اس ہے انداز ہ لگایا جا سکتا تھا کہ بھارتی فوج ہالاروائی میں حصہ لینے والے محاہدین کو ہرصورت میں تلاش کرنا جا ہتی ہے۔

ید دسرا دن تھا اور مجھے تو قع تھی کہ بھارتی فوج چیے چیے پر پھیل جگی ہوگی ۔کوئی گاڑی،کوئی ٹان سے محفوظ نہیں ہو گی۔ میں دوسرے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ اُن ا ہے کوئی پکڑا گیا تھایا سب لوگ بناہ کی تلاش میں ہماری طرح بھٹک رہے تھے؟

وقت دھیرے دھیرے سے گزرر ہاتھا۔ میں چاہتا تھا کہ رات کسی طرح جلد بیت جائے گر مہم درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ گئے۔ جیبوں میں بھری ہوئی خوبانیاں آج صبح ختم ہو چکی الماورہمیں کوئی بھلدار درخت بھی نہیں ملاتھا۔ ہم مبیح سے بھو کے تھے۔

نام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد میں نے انگوری کا ہاتھ بکڑا اور محتاط انداز میں اُس بستی کی ف بڑھنے لگا جس کا ہم نے دُور ہے صرف ایک ہی مکان دیکھا تھا اور دُھواں بھی اُسی مکان اک سے أمدر باتھا۔

ہم بہت محاط انداز میں چلتے ہوئے اُس مکان کے قریب پہنچ گئے۔ایک کھڑ کی میں لاکئین ، ونی نظر آ رہی تھی۔ میں نے محتاط انداز میں جاروں طرف دیکھا اور پھریہ انکشاف ہوا کہ ا

_بمُن اورانگوری دیے قدموں چلتے ہوئے مکان کے قریب چھچ گئے۔ میں نے محتاط انداز میں ا ''فامیں حیصا نک کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی جو نکے بغیر نہ رہ سکا ۔۔۔۔۔

عاریائی پرایک نوجوان لیٹا ہوا تھا۔ اُس کے باز واور سینے پریٹیاں بندھی ہوئی تھیں جوخون

سے تر ہو راہی تھیں۔ چار پائی کے قریب ایک ادھیڑ عمرعورت بیٹھی اُس نو جوان کی پیشانی پر مختثہ سے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔ میں اُس نو جوان کو پہچاننے کی کوشش کرر ہا تھا اور پھر دندینہ اینے عقب میں بھیڑ ہے جیسی غراہٹ من کراُ تھیل پڑا......

'''ا پی جگہ ہے حرکت مت کرناتم دونوں میری رائفل کی ز دیر ہو۔'' انگوری کے منہ ہے بلکی ہی چیخ نکل گئی۔

'' رائفلیں بھینک کر ہاتھ اُٹھالوور نہ بھون کرر کھ وُول گا۔' وہی غراہٹ دوبارہ سائی دی۔ میں نے رائفل بھینک کر ہاتھ اُو پر اُٹھا دیئے۔ انگوری نے بھی میری تقاید کی تھی۔ میں اپنی جگہ پر بےحس وحرکت کھڑا آنے والے کھات کا انتظار کرر ہاتھا۔

 \mathbf{O}

کمرے میں بیٹھی ہوئی عورت بھی مُڑ کراس طرف دیکھنے لگی تھی۔ادر پھروہ اُٹھ کرتیزی ہے دروازے کی طرف کیکی۔ چار پائی پر پڑے ہوئے زخمی نو جوان کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔

اُس خض نے ہمیں پیچیے مُڑنے کا حکم دیا۔ میں جیسے ہی مُڑا میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ بھارتی فوجی نہیں تھا، کشمیری کا شتکارتھا جس نے ہمیں رائفل کی زد میں لے رکھا تھا۔ وہ ہمیں مکان کے سامنے کی طرف لے آیا۔ یہاں برآ مدے میں ایک لائین جل رہی تھی اور وہ عورت ایک لاٹھی اُٹھائے برآ مدے میں کھڑی تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحداُس نے لاٹھی بھینک دی اور چیرت سے انگوری کی طرف و کیھنے گئی۔

''تم کون ہو؟'' اُسِ نے انگوری کے چہرے پرنظریں جمادیں۔ ا

''میں انگوری ہوں ۔۔۔۔کشمیر کی بیٹی ۔۔۔۔ایک مجاہدہ ۔۔۔۔'' انگوری نے ٹھوس کہجے میں جواب دیا۔''ہم اُو نیچے بہاڑوں ہے آئے ہیں اور ہمیں پناہ کی تلاش ہے۔''

۔ وہ شخص بھی ہمارے سامنے آگیا جس نے ہمیں رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ اُس نے رائفل جِھکا لی۔ پہلے انگوری کی طرف دیکھا پھرمیری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''اگریدانگوری ہے تو تم یقیناً شمروز ہو۔''

''ہاں ……!'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''چلو۔۔۔۔اندرچلو!''اُسٹخف نے اشارہ کیا۔

ہم اُس کمرے میں آ گئے۔ بستر پر پڑے ہوئے زخمی نوجوان نے ہماری طرف دیکھا اور پھراُس کے ہوئوں پرمسکراہٹ آ گئی۔ اب میں نے بھی اُسے پہچان لیا تھا۔ وہ ان چالیس مجاہدین میں سے ایک تھا جواس رات بھارتی فوجی قافلے پرحملہ کرنے کے لئے غارے روانہ ہو کے تھے۔

سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک دوسری جاریائی بچھی ہوئی تھی۔ انگوری تو اُس جار پا^{گی} ہُ

اں طرح ڈھیر ہوگئی جیسے اُس کی ہمت اب بالکل جواب دے گئی ہو۔ میں چار پائی کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ وہ عورت کمرے سے باہر چلی گئی۔ اُس کا شوہر غلام رسول میرے سامنے کری پر بیٹھ گیا تھا۔ اور پھر باتوں باتوں میں بیسنسنی خیز انکشاف ہوا شہباز نام کے اس مجاہد کا تعلق کمانڈر عبدالخن کے گروپ سے تھا۔ فوجی قافلے پر کارروائی کے بعد وہ بہاڑ وں میں بھاگ رہے تھے کہ کمانڈر عبدالخن ہیلی کاپٹر سے چلائی جانے والی گولیوں کی زدمیں آ کرشہید ہو گیا۔ اس گروپ کے تین آ دمی اور مہاڑوں میں بھلکا ہوا کے تین آ دمی اور شہید ہوئے تھے۔ وہ خود یعنی شہباز بھی زخمی ہوا تھا، اور پہاڑوں میں بھلکا ہوا دون بعد یہاں کررہے تھے۔ علام رسول اور اُس کی یوی اُس کی و کیو بھال کررہے تھے۔ غلام رسول اور اُس کی و کیو بھال کررہے تھے۔ غلام رسول اور اُس کی تابی سے بعد لوں کی وادی میں بھارتی غلام رسول آپیل کرتے تھے۔

غلام رسول نے نیے بھی نکشاف کیا کہ اس فوجی قافلے کی تباہی کے بعد پوری وادی میں بھارتی وج کی سرگرمیوں میں تیزی آگئ تھی۔مجاہدین کے ٹھکا نوں پر حملے کئے جارہے تھے۔ ہرگاؤں روبہتی میں بے گناہ نوجوانوں کو گرفتار کر کے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔

یہ فارم ہاؤس پہلگام سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ غلام رسول کے کہنے کے مطابق دو دنوں میں کم از کم تین مرتبہ نوجی اس طرف آ چکے تھے۔ ہر مرتبہ اُنہوں نے مکان کی تلاثی کی تھی اور غلام رسول اور اُس کی بیوی کو ڈرا دھمکا کر گئے تھے۔ شہباز آج شام سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے یہاں آیا تھا۔

ایک دلچیپ اورسننی خیز آنکشاف بیہ ہوا کہ فوجی قافلے کی تباہی کی تمام تر ذمہ داری انگوری اورشروز پر (لیعنی ہم پر) ڈال دی گئی تھی۔ پہاڑوں میں ہوا ہے اُڑ جانے والی انگوری کی کالی چادر بھارتی فوجیوں کے ہاتھ آگئی تھی۔ وہ کالی چادر انگوری کی شناخت تھی جس سے بیہ طے کرلیا گیا تھا۔ گیا تھا کہ اُس فوجی قافلے برحملہ ہم نے بی آرگنا نزکیا تھا۔

۔ غلام رسول کی بیوی رابعہ چائے بنا کر لے آئی۔انگوری بھی اُٹھ کر بیٹھ گئے۔اُس کی حالت تو بہت ہی ختیہ ہور ہی تھی۔

''ہم نے صبح ہے کچھنیں کھایا۔'' وہ رابعہ کے ہاتھ سے جائے کی پیالی لیتے ہوئے بولی۔ ''بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔اگر کچھ کھانے کو ہوتو''

''میں نے چاول چڑھادیئے ہیں۔' رابعہ نے جواب دیا۔'' چائے پی لو! آدھے کھنٹے میں ا چاول بھی تیار ہو جائیں گے۔''

چائے کے دوران میں شہباز سے باتیں کرتار ہا۔ اُس نے بتایا کہ بیلی کا پٹر کی فائرنگ سے اُس کے گروپ کے کمانڈ رعبدالفی سمیت پانچ مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ دوسروں کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ لوگ محفوظ ٹھکانوں پر بہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے یانہیں؟ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم نے کھانا کھایا۔ اُلجہ ہوئے چاول اور پلی می مسور کی دالد ہمارے گئے۔ بھی بہت بڑی نعمت تھی۔ کھانے کے بعد رابعہ انگوری کو ساتھ والے کمرے میں لے گئے۔ مل بھی تھکن سے چور ہور ہا تھا اور چار پائی پر نیم دراز ہوگیا۔ اور پھر پچھ ہی دیر بعد میری آئے سیس

بند ہونے لگیں۔

میں پیۃ نہیں کتنی دیرسویا ہوں گا کہ مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا گیا۔'' اُٹھو۔۔۔۔۔جلدی کرو!'' نلام رسول کہدر ہاتھا۔'' فوجیوں نے مکان کو گھیرے میں لے لیا ہے۔''

میں ہڑ بڑا کراُ ٹھ گیا،میری نیندکا فورہو گئی تھی۔شہباز نے بھی زخمی ہونے کے باوجود راکفل سنجال کی تھی۔ میں بھی اُ ٹھ کر دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی اپنی راکفل کی طرف لیکا۔انگوری بھی دوسرے کمرے سے نکل کر دوڑتی ہوئی اس طرف آگئی۔اُس نے بھی اپنی راکفل اُٹھالی۔

میں نے سامنے والی کھڑ کی ہے جھانگ کر دیکھا۔تقریباً بچپاس گز وُورایک جیپ کھڑی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ٹرک یا جیپ نظر نہیں آئی۔ جس کا مطلب تھا کہ اس جیپ پر آنے والے فوجیوں کی تعداد چھے ہے زیادہ نہیں ہوسکتی تھی۔

غلام رسول نے ہاتھ میں بھی آٹو مینک رائفل نظر آ رہی تھی۔ گویا اُس نے بھی مقابلے کی مفان کی تھی۔ غلام رسول بچیلی کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ شہباز نے سامنے والی کھڑکی کے قریب پوزیشن سنجال لی۔ میں انگوری کو لے کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ رابعہ بھی رائفل اُٹھائے کھڑی تھی۔ میں نے انگوری کو ایک کھڑکی کے سامنے پوزیشن لینے کو کہا اور خود دوسرف طرف کے سامنے پوزیشن لینے کو کہا اور خود دوسرف طرف کے دروازے کے قریب دروازہ کھولا اور بیا جھائے کا بہرجھائکنے لگا۔ باہر گہری تاریکی تھی اور بچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

بر کرفعتہ فضا فائر کی آواز ہے گونخ اُٹھی۔ فائر دوسرے کمرے سے ہوا تھا۔ غالبًا غلام رسول یا شہباز نے گولی چلائی تھی۔ جواب میں چارول طرف سے مکان پر گولیوں کی بارش ہونے گی۔ ہم بھی پوزیشن لے کر فائر نگ کرنے گئے۔ میں درواز سے کے قریب زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ کئی گولیاں درواز سے پر گئی تھیں۔ سامنے درختوں میں ایک ہیو لے کو متحرک دیکھ کر میں نے فائر کر دیا۔ ایک چنج کی آواز گونجی اور دوڑتا ہوا وہ ہیولا ڈھیر ہوگیا۔

مکان چاروں طرف سے گھیرے میں تھا۔ اس طرف سے میں نے ایک فوجی کو ڈھیر کر دیا تھا، دوسرا رابعہ کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔ میرے ذہن میں اچا تک ہی ایک خیال اُ بھرا۔ اگر ہم مکان کے اندرر ہے تو آسانی سے مارے جائیں گے۔ جبکہ اس طرف سے پچھراستہ بن گیا تھا اور ہم باہر نکل سکتے تھے۔

ا المبار کا دوسرے کمرے میں آگیا اور غلام رسول کواپنے ارادے کے اگاہ کیا۔ ''تم ان لوگوں کو لے کر نگلنے کی کوشش کرو۔ میں اس طرف سے انہیں اپنی طرف متوجہ رکھتا

ہوں۔'' غلام رسول نے جواب دیا۔''شہباز!تم بھی ان لوگوں کے ساتھ جاؤ۔''

''نہیں'' شہباز نے جواب دیا۔ پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔'' کمانڈر! تم خواتین کو لے کرنکل جاؤ۔ہم انہیں اس طرف اُلجھائے رکھتے ہیں۔''

میں دوڑ کر دوسرے کمر کے میں آگیا۔اس طرف اب فائزنگ نہیں ہور ہی تھی۔ میں نے

_{رابعہ} اور انگوری کو اشارہ کیا اور دروازہ کھول کر باہر حیما نکنے لگا۔ اس طرف کوئی نقل وحرکت بھی _{اک}ھائی نہیں دی۔ میں اُن دونوں کو لے کر باہر نکل آیا اور ہم نتیوں تیزی سے درختوں کی طرف ہوڑنے لگے۔

۔ '' دفعتہ دائیں طرف سے فائر نگ شروع ہوگئی۔اس کے ساتھ ہی رابعہ کی چیخ سانگی دی۔۔۔۔وہ ڑکھڑاتی ہوئی گرگئی۔ میں نے مُڑ کراُ ہے اُٹھانے کی کوشش کی۔

'' مجھے چھوڑ دو!'' رابعہ کراہی۔'' مجھے کم از کم چپار گولیاں گلی ہیں۔ میں نہیں ﴿ سَتَی۔ تم گوری کو لے کرنگل چاؤ۔۔۔۔۔جلدی کرو!''

اس وقت گولیوں کی ایک اور بوچھاڑ آئی۔ گولیاں ہمارے سروں کے اُوپر سے گزر گئیں۔ بی نے رابعہ کوچھوڑ دیا اور اِنگوری کے ساتھ درختوں کی طرف دوڑنے لِگا۔

فائر نگ مسلسل ہور ہی تھی۔ دفعتۂ انگوری کے منہ سے بھیانک جیج نگلی اور وہ لڑ کھڑا کئی بی نے مُڑ کراُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے کھینچتا ہوا دوڑ نے لگا

گولیوں کی ایک اور بو چھاڑ آئی۔ اور اس مرتبہ انگوری کے ساتھ میرے بھی منہ ہے چیج نکل نُئمیری بائیں ران میں گولی گئی تھی اور انگوری کا تو جسم چھٹنی ہو گیا تھا..... وہ تیورا کر گری۔ ''جج جاؤ بھاگ جاؤ' وہ کراہتے ہوئے رُک کر بولی۔''مم مجھے چھوڑ دو..... پے آپ کو بچاؤکٹمیر کو تمہاریضرورت ہے اور کشمیرضرورآزاد ہو گا.....

انگوری خاموش ہو گئی۔۔۔۔ ہمیشہ کے لئے ۔۔۔۔ کشمیر کی بٹی نے کشمیر کی آزادی کے لئے اپنی بان دے دی تھی۔۔۔۔۔

۔ مجھ پر جنون سا طاری ہو گیا۔ میں نے اندھا دُھند فائزنگ شروع کر دی۔ ایک چیخ سائی ال۔ میں وہاں رُکانہیں انگز اتا ہوا درختوں کی طرف دوڑتا جلا گیا۔

اور پھر ایک زوردار دھا کہ ہوا۔ میں نے مُوکر دیکھا اور میرا دل اُچھل کرحلق میں آگیا..... ام رسول کا مکان شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ ایک اور دھا کہ ہوا اور آگ کا وہ گولہ غبارے کی اُرح پھٹا اور جلتے ہوئے مکڑے جاروں طرف بھرنے لگے۔

میں پہلگام کے اُوپر سے ہوتا ہوارات بھر پہاڑوں میں سفر کرنے کے بعد بٹا کھو کی طرف آباآبا۔

ران پر لگنے والی گولی گوشت چیرتی ہوئی نگل گئی تھی۔ غلام رسول کے مکان کی تباہی کے بعد انگن فوجیوں نے فائرنگ کرتے ہوئے میرا پیچھا کیا تھا مگر میں تاریکی سے فائدہ اُٹھا تا ہوا مگل اور پہاڑوں میں ان سے بہت دُورنکل گیا تھا اور پھرا کیک جگد رُک کر میں نے اپنی شرٹ المل اور اُسے بھاڑ کر پٹیاں میں بنالیس۔ پتلون نیچے کر کے میں نے زخم پر پٹیاں کس لیس اور

اُس بوڑھے کی باتوں سے یہ بھی پہ چلا کہ انت ناگ میں بھی بڑے زوردار ہنگاہے ہو رہے تھے۔ یہاں مجاہدین نے ایک فوجی چوکی بھی تباہ کر دی تھی۔ مجاہدین کی تلاش میں بھارتی فوجی دیتے قرب وجوارکی چھوٹی جھوٹی بستیوں پر بھی چڑھائی کرتے رہتے تھے۔

اُس بوڑھے چرواہے نے مہربانی یہ کی کہ اپنا خچر مجھے دے دیا اور میں اُس کا شکریہ اوا کر کے رات ہی رات سفر کرتا ہوا در ہ بنیال ہے ہوتا ہوا ہنگ بورہ کی طرف نکل آیا۔

سطح سمندر سے تین ہزارفٹ کی بلندی پر واقع یہ بہتی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ تیں دن کے گیارہ بجے کے قریب یہال پہنچا تھا۔ رات بھر سردی میں تھٹھر تا رہا اور اب چمکتی ہو کی تیز دُھوپ میرے برہنہجم کوجھلسائے دے رہی تھی۔

میرے برہنےجم کوجھلسائے دے رہی تھی۔ ہنگ پورہ ہے کچھ پہلے چند گھروں پرمشتمل ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ میں کچھ دریر پہاڑیوں میں کھڑ ابستی کا جائزہ لیتار ہااور کھر خچر کا رُخ بستی کی طرف موڑ دیا۔

پورکی وادی میں کوئی جگہ بھارتی نجیٹر یا صفت فوجوں کی سرگرمیوں سے محفوظ نہیں تھی۔ فوجی دستے اُس بہتی پر بھی چڑھائی کرتے رہتے تھے لین پچھلے دو دن سے فوج کی کسی پارٹی نے اس طرف کا رُخ نہیں کیا تھا۔

سبتی کے لوگوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مجھے بشیراحمہ نامی ایک شخص کے گھر پر پہنچادیا گیا۔ سب سے پہلے میرے کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا اور پھرایک بوڑھا میرے زخم کا معائنہ کرنے لگا۔

رے لگا۔ عبدالحفیظ تکیم تھا۔ میرا زخم دکھے کراُس کی آنکھوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ میں تین دن سے بھاگ دوڑ کرر ہاتھا اور اس بھاگ دوڑ اورکوئی علاج نہ ہونے کی وجہ سے بھی زخم بگڑنے اگاتھا

'' 'تہہیں علاج کے ساتھ آ رام کی بھی ضرورت ہے بیٹا!'' حفیظ نے کہا۔'' اگر زخم زیادہ بگڑ گیا تو تمہاری یہ ٹانگ مفلوج ہو جائے گی۔''

'' آرام'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔'' آرام تو اس وقت ہی ملے گا جب ہم ہندو غاصبوں کواس وادی سے نکال دیں گے۔''

'''میں تم سے اتفاق کرتا ہوں ۔۔۔۔ ہر کشمیری مسلمان کا عبدیہی ہے لیکن ۔۔۔۔'' کئیم حفیظ چند کموں کو خاموش ہوا، پھر بولا۔''لیکن ان غاصبوں کو وادی سے نکالنے کے لئے اپنے ہاتھوں پیروں کا تندرست ہونا ضروری ہے۔تم چندروزیباں رہو! میں تبہارا نیل ج کروں گا۔تم انشاء اللہ فرم میں سر ھے ''

تھیم حنیظ نے جڑی ہوٹیوں ہے تیار کیا ہوا ایک مرہم میرے زخم پر ہاندھ دیا۔ مجھے اُس بستی میں دو دن گزر گئے۔اس زخم اور مسلسل بھاگ دوڑ کی وجہ ہے اب میں اپنے اُپ میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔ حکیم حفیظ روز اندمیری پی تبدیل کرر ہاتھا لیکن ظاہر ہے پتلون چڑھالی۔اس طرح خون بہنا رُک گیا تھا گر چلنے میں کافی تکلیف ہور ہی تھی۔ میں ضبح کی روشن پھیلنے سے کچھ ہی دیر پہلے بٹا کھو کی نواحی پباڑیوں میں پہنچا۔ رات بھر چلتے رہنے سے میری حالت بہت خستہ ہور ہی تھی۔ مجھے فوری طور پر علاج کی ضرورت تھی۔ کین میں کسی بستی میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ بھارتی فوجی وادی کے چیے چے میں پھیل گئے تھے۔ تقریبا دو گھنٹے بٹا کھوکی نواحی پہاڑیوں میں رُ کئے کے بعد میں نے اپنا سفر دوبارہ شروع کر

د بیا۔اس مرتبہ میں دریائے لدھر کے ساتھ ساتھ چل رہاتھا۔ٹانگ کے زخم کی وُجہ ہے مجھے چلئے میں خاصی وُشواری پیش آ رہی تھی۔لیکن میں چلتارہااورشام کے وقت اننت ناگ سے چند میل وُور بھون نامی ایک چھوٹے ہے گاؤں کے نواح میں پہنچ گیا۔

بھوکے اور تھکن ہے میری بری حالت ہور ہی تھی۔ زخم ہے بھی رہ رہ کرخون رِ سنے لگا تھا۔ لیکن میں نے اپناسفر حاری رکھا تھا۔

اُس وقت شام کا دھند لکا بھیل گیا تھا۔ میرے سامنے مرغزار بھیلا ہوا تھا اور تقریباً نصف میل کے فاصلے پر بھون نا می بستی تھی۔ میں ایک پھر سے نیک لگائے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ جھے بستی میں داخل ہونا چاہئے یا نہیں؟ کہ دفعتہ میں گھنٹیوں کی آواز من کر چونک گیا۔ میں نے پھروں کی آڑے نکل کر إدھراُدھرد يکھا اور مير اانداز و درست نکلا۔

وہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ تھا۔ بھیڑوں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں فضا میں عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔ خچر پر سوار ایک ادھیڑ عمر آ دمی بھیڑوں کو إدھر اُدھر سے گھیر کر سیدھے راتے پر لیجانے کی کوشش کرر ہاتھا۔

میں نے چیخ کر اُس شخص کواپی طرف متوجہ کیا۔ اُس نے خچر کا رُخ فوراً ہی میری طرف موڑ دیا اور قریب آگر خچرے اُتر گیا۔ میری حالت دیکھ کروہ چونک گیا۔ میں نے اُسے اپنا نام نہیں بنایالیکن میری حالت دیکھ کروہ سمجھ گیا کہ میں کوئی مجاہد ہی ہوسکتا ہوں۔

" '' '' بنتی میں جانا تمہارے لئے مناسب نہیں گئے۔'' اُس بوڑھے نے کہا۔'' تم یہیں رُکو! میں تمہارے لئے کوئی بندوبست کرتا ہوں۔''

وه بوژها خچر برسوار بوکر بھیٹروں کو بائیکیا یہ **اجبلا گیا۔**

اُس کی والیسی تقریباً ایک گفتے بعد ہوئی تھی ۔دہ بھر مصلیح مدم رف کھانا لے کرآیا تھا بلکہ مرجم بھی لے آپا تھا بلکہ مرجم بھی لے آپا تھا بلکہ مرجم بھی لے آپا تھا۔ وہ جن موثی موثی روٹیاں کھانے لگا۔ وہ جن موثی موثی روٹیاں لے کرآیا تھا۔ ساتھ میں مرجوں کا اجارتھا۔ میں نے دوروٹیاں کھالیں اور تیری بحا کررکھ لی۔
تیری بحا کررکھ لی۔

اُس بوڑھے سے بڑے سنسی خیز انکشافات ہوئے تھے۔کل صبح دومجاہدین پہلگام میں ایک سکھ گھرانے سے بکڑے گئے تھے۔جس کے بتیجے میں ہندونو جیوں نے مسلمان مجاہدین کو بناہ دینے کے الزام میں شہر کے جالیس سکھوں کوایک جگہ جمع کر کے گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ میں غورے اُس کی طرف دیکھ رہاتھا۔ میرے حواس بحال ہورہے تھے۔ اُس کے ماتھے پر چمکتی ہوئی بندیا دیکھ کر مجھے انداز ہ لگانے میں دُشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہندوتھی۔اوراس کے ساتھ ہی میرے د ماغ میں سنسناہٹ می ہونے لگی میں پلک جھپکے بغیر اُس کی طرف دیکھتا ساتھ ہی میرے د ماغ میں سنسناہٹ میں ہونے لگی میں پلک جھپکے بغیر اُس کی طرف دیکھتا

OOO

دو دن میں زخم نھیک نہیں ہوسکتا تھا۔ اُس نے مجھے چند روز آرام کرنے کو بھی کہا تھا۔لیکن تیسرے روز شام کے وقت اچانک ہی بھارتی فوجیوں کے ایک دستے نے گاؤں پر ہلہ بول دیا۔ اُنہیں اطلاع مِلی تھی کہ بستی والول نے کسی زخمی مجاہد کو پناہ دے رکھی ہے۔

میں کسی نہ کسی طرح موقع پا کر اُس بستی ہے نکل گیا اور پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ اُس وقت میرے جسم پرایک پاچامہ اور کرتہ تھا۔میری ٹانگ میں رہ رہ کرٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ ایک قدم اُٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ لیکن میں پہاڑوں میں رات بھرسفر کرتا رہا۔ بھی چند منٹ آ رام کرنے کے لئے بیٹھ حاتا اور پھرچل پڑتا۔

اس بہتی میں رہتے ہوئے میں نے اپنا اصل نام نہیں بتایا تھالیکن بہتی والوں سے جو باتیں معلوم ہوئی تھیں اُن سے پیۃ چلاتھا کہ انگوری ماری گئی تھی اور شمروز زخمی ہوکر فرار ہوگیا تھا۔ وہ بھارتی فوج کو سب سے زیادہ مطلوب تھا اُس کے ساتھ ہی فوج کو کمانڈ رمحتِ اللہ، کمانڈ رالیاس اور دوسرے نامور مجاہد لیڈروں کی بھی تلاش تھی۔

میں کنے راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی۔ مجھے کی ایسی منزل کی تلاش تھی جہاں چندروز آرام کر سکوں اور مجاہدین کی ایک نئی طاقت جمع کر کے بھارتی غاصبوں کے خلاف از سرنو کارروائیاں شروع کرسکوں۔

رات بیت گئی سسر دی کی وجہ ہے میرے زخم کی تکلیف بھی بڑھ گئی تھی مگر میں سورج نکلنے کے بعد بھی چاتا رہا۔ بھوک، تھکن اور زخم کی تکلیف کے بعد بھی چاتا رہا۔ بھوک، تھکن اور زخم کی تکلیف ہے میر کی حالت بہت خت ہو رہی تھی۔ میرے قدم ڈ گرگا رہے تھے۔ آنکھول کے سامنے بار بار اندھیرا بھیل رہا تھا۔ اور بالآخر میری ہمت جواب دے گئی۔ سیمیں لڑ کھڑا اکر گرا۔ میری آنکھول کے بعد مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

مرے ہوئی آیا تو میں نے اپنے آپ کوایک غار کے پھر یلے فرش پر پڑے ہوئے پایا۔ میرے او پرکوئی جھا ہوئی ہوئی ہوئے ہا۔ او پر کوئی جھا ہوا تھا۔۔۔۔میری آنکھوں کے سامنے وُ ھند پھیلی ہوئی تھی۔ وہ چہرہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔ کیکنِ اُسی لمحیا یک کھنگتی ہوئی مترنم می آواز میری ساعت پیے نکرائی۔

'' شکر ہےتم ہوش میں تو آئے میں تو پریشان ہو گئ گئی۔'' '' ساتھ جسن کے سیاست کے ساتھ کا میں اس کا میں اس کا میں کا می

میں سرجھنگنے لگا۔ آنکھول کے سامنے سے وُ ھند چھٹنے لگی اوروہ چبرہ واضح ہوتا جلا گیا وہ وجیہہ وہلیج پنبرہ بہت ہی حسین تھا۔ میر ہے ذہن میں انگوری کا خیال اُ بھرا۔ لیکن وہ انگوری نہیں تھی۔ انگوری نے ماتھے پر بھی بندیانہیں لگائی تھی۔ اور پھر مجھے یاد آگیا کہ انگوری تو اب اس دنا میں بی نہیں رہی تھی

وہ بہت حسین تھی۔موٹی موٹی ساہ آئکھیں جن میں ستاروں جیسی چیک تھی اور ماتھے پرسرٹ بندیا بہت بھلی لگ رہی تھی۔وہ گھنوں کے بل جیٹھی آ گے کو جھکی ہو کی تھی۔اُس کی نظریں میرے چبرے پرمرکوز تھیں۔ 287 286

کوایک غار میں پڑے ہوئے پایا بلکہ ایک حسینہ بھی میرے اُو پر جھکی ہوئی تھی۔
میں اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کراہ اُٹھا تو اُس نے جلدی ہے آگے بڑھ کر مجھے سہارا
رے کر بٹھا دیا۔ میں نے اپنے آپ کو گسیٹ کر دیوارے ٹیک لگا کی۔میری دونوں ٹانگیں آگ
کو چھلی ہوئی تھیں۔جس ٹانگ میں گولی گئی تھی وہ لکڑی کے تنجتے کی طرح اکڑی ہوئی تھی۔۔۔۔۔
پٹون کا وہ حصہ خون سے سرخ ہور ہا تھا۔خون سوکھ گیا تھا اور پٹلون کا کپڑ ابھی اکڑا ہوا تھا۔
''تم بہت گھائل ہو جی۔۔۔'' وہ حسینہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔'' کیسے لگی گولی تمہاری ٹانگ میں؟''

ٹانگ میں؟'' ''دتمہیں کیسے پینہ چلا کہ مجھے گولی لگی ہے؟''اپنی تکلیف کے باوجود اُس کی بات من کر میں د کئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

'' ''ہم نے دیکھاتھا جی ۔۔۔'' اُس نے نظریں جھکاتے ہوئے مدھم کہجے میں جواب دیا۔''ہم نووید جی کو بلانے جارہے تھے مگراس کارن ہم نے ارادہ بدل دیا۔

'' کس کارن؟'' میں نے اُلجھی ہوئی نظرول ہے اُس کی طرف دیکھا۔

''تم مسلمان ہو جی'' اُس نے شر ماتے ہوئے جواب دیا۔''اگر ہم وید جی کو بلالاتے نووہ مہیں سینکوں کے حوالے کر دیتے۔اس لئے ہم نے وید جی کوئبیں بلایا اور تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے۔اب بتاؤ جیہم تمہارا کریں کیا؟ تمہاراکشٹ ہم سے دیکھا نہیں جاتا''

میں ہو ہا۔ میں گہری نظروں ہے اُس کی طرف دکیر ہاتھا۔اب اس میں کوئی شبنہیں تھا کہ وہ ہندوتھی اوراُس نے یہ بھی جان لیا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔لیکن اس کے باوجود اُسے مجھ ہے ہمدردی بورہی تھی اور میری تکلیف اُس سے دلیھی نہیں جارہی تھی۔اُس نے کسی ویدکواس لئے نہیں بلایا تھاکہ وہ مجھے فوجوں کے حوالے کردےگا۔

''تم کون ہو یہ جگہ کون می ہے اور مجھے اس غار میں کون لایا تھا؟'' میں نے ایک وقت میں کئی سوال کرڈالے۔

''ہمارا نام سیتا ہے جی ۔۔۔۔ سیتا دیوی۔'' اُس نے جواب دیا۔'' بیہ جگد ڈوڈاسے پانچ کوں اُور ہے۔ وہ اُدھرایک جیموٹی سی بہت ہے۔ چندگھر ہیں۔ میرا ماما وہاں رہتا ہے۔ اُس کی زمین ہے۔ سیب کے باغ ہیں اور وہ بہتی کا مکھیا بھی ہے۔ ہم جے پورے آئے ہوئے ہیں جی۔۔۔'' اور خداموش ہوئی کچر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے گئی۔''ہم سیر کواس طرف آئے تھے لیکن تمہیں وہاں بے ہوش پڑے دیکھا۔ آس پاس اور کوئی نہیں تھا۔ ہم تہ ہمیں اُٹھا کراس غارمیں ساآئے اور ندیا ہے بانی لالا کر تمہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔''

'' مجھے تو یہاں ایٹی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ۔۔۔۔تم پانی کس میں لائی تھیں'؟ اور ندیا یہاں ہے گئی وُ ور ہے؟'' میں نے اِدھراُ دھر دیکھتے ہوئے یو چھا۔ أس چېرے اور أس آ واز نے مجھے محور سا كر ديا اور ايك لمحه كوميں په بھول گيا كه ميں كون ہوں؟ كس حال ميں ہوں اور كہاں ہوں؟

'' کیسے ہو جی؟'' وہ جلتر نگ ی آواز پھر میری ساعت سے نکرائی۔''تم جتنی دیر بے ہوش رہے ہم نے بھلوان سے پرارتھنا کی کہتم ہوش میں آ جاؤ۔ سیانے ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ دل سے مانگی ہوئی دُعالیوری ہوگئ۔ابتم چتنا مت کرو! بہت جلدا چھے ہو جاؤگے۔''

قوم کو ہماری ضرورت تھی۔ فارم ہاؤس سے فرار کی کوشش میں انگوری بھارتی فو جیوں کی گولیوں سے چپلنی ہو گئی اور میری ٹانگ میں بھی گولی لگی۔لیکن میں وہاں ہے بھاگ نظنے میں کامیاب ہو گیا۔

کیں دو دن تک پہاڑوں میں بھٹاتا رہا۔ مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں میں چند روز آرام کرسکوں اور اپنے بھیرے ہوئے ساتھیوں سے رابطہ کر کے انہیں ایک جگہ جن کرسکوں۔ لیکن مجھے ایسی کوئی جگہ نہیں ملی ۔ ہرشہر، ہرگاؤں اور ہربستی میں بھارتی فوجی موجود تھے۔ مجھے جنگوں اور پہاڑوں میں بھی تلاش کیا جارہاتھا۔

میری ٹانگ کا زخم پھیلتا جارہا تھا۔ مجھے ڈرتھا کدا گرطتی امداد نہ ملی تو زہر کھیل جائے گا اوس ٹانگ مفلوج ہو جائے گی۔ میں کسی محفوظ جگہہ کی تلاش میں پہاڑوں میں بھٹکتار ہااور بالآخر میرک ہمت جواب دے گئی اور میں گر کر ہے ہوش ہو گیا۔۔۔۔۔اوراب جو ہوش آیا تو نہ صرف اپنے آپ

''ندیا ادھر نیچے کی طرف ہے جی ۔۔۔۔'' اُس نے ایک طرف اشارہ کیا۔''ہم ندیا پر جا کر این ساڑھی کا بلوبھگو لیتے تھے اور یہاں آ کرتمہارے منہ پرنچوڑ دیتے تھے۔ پرتم بہت بے ہوڑ تھے اور جانتے ہو دو گھنٹوں بعد ہوش میں آئے ہو۔''

''تم ہندو ہو اور تم نے یہ بھی جان لیا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کے باوجود تم نے لبتی والوں کو میرے بارے میں اطلاع نہیں دی۔'' میں نے اُس کے چیرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''تم تو پہلے ہی گھائل ہو۔۔۔'' وہ بولی۔''بستی والے تمہیں سینکوں کے حوالے کر دیتے اور متہمیں ارد سنتے''

''اورتم نہیں چاہتیں کہ میں مار دیا جاؤں۔'' میں نے ایک بار پھراُس کے چہرے پرنظریں جمادیں۔

'' ہم نے جے بور میں سناتھا کہ کشمیر میں مسلمان ہندوؤں پر بہت ظلم کرتے ہیں۔ ہارے پتا جی تو ہمیں یہاں آنے نہیں دیتے تھے لیکن ہم زبردتی آگئے۔ یہاں ایک مہینہ سے ہیں اور جو کچھود یکھاوہ بہت افسوسناک ہے جی۔''

''یعنی مسلمان ہندوؤں پرظلم ڈ ھارہے ہیں؟'' میں نے کہا۔

" منہیں جی" اُس نے جواب دیا۔" آبات تواس کے اُلٹ ہے جی ہمارے ماما کی استی میں زیادہ گھر ہندوؤں کے ہیں جی۔ پانچ چھ گھر مسلمانوں کے بھی تھے۔ ہندوؤں نے انہیں ڈرایا دھرکایا تو وہ اپنے گھر اورا پی زمینیں بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ اب مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے۔ وہ بوڑھا آدمی ہے۔ ایک جوان بینی ایک گھر ہے۔ وہ بوڑھا آدمی ہے۔ ایک جوان بینی ایک گھر ہے۔ وہ بوڑھا آدمی ہے۔ ایک جوان بینی ہے۔ میرے مامائ کی بجیپن کی دوتی ہے اس کے ہندو چاچا قربان علی کو تگ نہیں کے ہندو چاچا قربان علی کو تگ نہیں کرتے۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ 'وہ چندلمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''ادھر مسلمانوں بربہت ظلم ہوتا ہے۔ جوں میں، تشمیر میں، ہر جگہ اُنہیں تنگ کیا جاتا ہے۔ سینک اُن کے گھروں میں گھسٹے ہیں۔ ان پر گولیاں چلاتے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو بالوں سے پکڑ کر سڑکوں پر میں گسٹے ہیں۔ ان کا بلاد کارکرتے ہیں۔ ڈوڈا میں ہم نے خودد یکھا ہے جی۔''

''بلادکارکرتے ہوئے؟'' میں نے پوچھا۔ ''نہیں جی'' وہ جلدی ہے بولی۔''عورتوں کو بالوں سے بکڑ کر سڑکوں پڑ گھیٹتے ہوئے اوراُنہیں ٹھوکر س مارتے ہوئے۔''

'' گویا تمہیں شمیر کے مسلمانوں سے ہمدردی ہے ۔۔۔۔۔کیاتم نے بھی اپنے ماما سے سے بات کہی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

بی ہے۔ ''ایک بار کہی تھی جی جب ہم شروع میں یہاں آئے تھے۔'' سیتا دیوی نے جواب دیا۔''ماما نے ہمیں ڈانٹ دیا تھا کہ آئندہ ہم مختاط رہیں اور کسی کے سامنے ایسی باتیں نہ کریں۔ پر ہیں ^{وہ}

دن کیے بھول سکتی ہوں جی جب چارلڑ کے ڈوڈا کی طرف سے پہاڑیوں میں بھا گتے ہوئے اس طرف آگئے تھے ادر سینکوں نے رام مندر والے چشے کے قریب اُنہیں گھیر کر گولیوں سے بھون دیا تھا۔ ہم نے سب کچھ دیکھا تھا۔ مگر ماما سے کچھنیں کہا۔ ہمیں بہت و کھ ہوا تھا۔ ہم ماما سے اپنے ذکھ کا اظہار کرتے تو وہ ہمیں بوے زور سے ڈانٹے۔ اور اب، وہ چند کھوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''اور اب تم آگئے ہو۔ بہت گھائل ہو۔ ہماری ہجھ میں نہیں آر ہاکہ ہم تمہاراکیا کریں؟''

میں 'نے کہا کی مرتبہ غور ہے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی عمر بچیس اور تمیں کے درمیان ربی ہوگی۔ بھرا بھرا گدازجہم، لا نباقد، چہرے کے نقوش بڑے غضب کے۔ اُس نے آسانی رنگ کی ساڑھی بہن رکھی تھی۔ بلاؤز کا دی شیپ کا گریبان خاصا فراخ تھا۔ وہ گھٹنوں پر کی قدر آگے کو جھی بیٹھی تھی۔ میری نظریں اُس کے گریبان کے اندر بھٹکنے لگیں اور میرے دل کی دھڑ کن تیز ہو گئی۔۔۔۔اُس نے میری نظروں کو تاڑلیا اور سیرھی ہوکر بیٹھ گئی۔۔۔۔اُس نے میری نظروں کو تاڑلیا اور سیرھی ہوکر بیٹھ گئی۔۔

''تم میری مدد کرنا چاہتی ہوسیتا؟'' میں نے اُس کے چہرے پرنظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''تم چاہتی ہو کہ میں بھارتی سینکوں کے ہتھے نہ چڑھوں؟''

''' ہاں..... میں یہی چاہتی ہوں۔لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری مدد کس طرح کروں.....تمہاراعلاج نہ ہوا تو.....''

''تم ایک طرح نے میری مدد کر سکتی ہو۔'' میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔'' تم نے بتایا تھا کہ تہاری بستی میں ایک مسلمان گھرانہ بھی ہے اور تہارا ماما اس بوڑ ھے مسلمان قربان علی کا بچپن کا دوست ہے۔''

''ہاں''سیتا دیوی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

'''کیاتم قربان علی کومیرے بارے میں بتائسکتی ہواس طرح کہ کسی اور کو پتہ نہ چلے؟'' میں نے کہا۔

''ارے ہاں'' سیتا دیوی آبولی۔''چاچا قربان علی کوتو ہم بھول ہی گئے تھے۔ وہ بھی حکمت جانتا ہے۔ہم ابھی جا کر اُس کو بتاتے ہیں۔'' وہ ایک دم جانے کو تیار ہوگئ۔ ''ابھی رُک جاؤ'' میں نے کہا۔'' مجھے بڑی شدت سے بیاس لگ رہی ہے۔ کی طرح مجھے ایک گھونٹ یانی پلا دو۔''

چلی گئی تھی۔ ایک طرف جہاں حصت ینچے تھی دیوار کے ساتھ تین پھر چو لیے کی طرح رئے ہوئے تھے جس میں جلے ہوئے کو کلے اور ایک دو ادھ جلی لکڑیاں بھی پڑی تھیں۔ وو دیوار دُھویں سے کالی ہور بی تھی۔اس کا مطلب تھا کہ یہ غار با قاعدہ رہائش کے لئے بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے بھی مجاہدین نے یہاں ٹھکا نہ بنار کھا ہو۔۔۔۔۔

میں ابھی اس غار کا جائز ہ لے ہی رہاتھا کہ سیتا دیوی غار میں داخل ہوئی۔ اُس نے ساڑھی کا پلوسمیٹ کر دونوں ہاتھوں میں اُٹھار کھا تھا اور ہاتھ سے پانی کی بوندیں ٹیک رہی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی میرے قریب آ کر گھٹنوں کے بل جھک کر بیٹھ گئی اور ساڑھی کا بھیگا ہوا پلو میرے منہ کے قریب لے آئی۔

ساڑھی کا بلو پانی ہے تر تھا۔ بوندیں ٹیک رہی تھیں۔ میں نے منہ کھول دیا۔ وہ بھیگا ہوا کیڑا نچوڑ نے لگی۔ پانی کے قطرے علق ہے میکنے لگے۔ پھر میں نے اُس کی ساڑھی کا بلو ہاتھ میں لے لیا ادرا سے منہ میں ڈال کرچو سے لگا۔

میری بیاس بوری طرح تونهبین بجھی لیکن حلق تر ہو گیا تھا ادر دہ بے چینی ختم ہو گئی تھی جو میں کچھ دیریسلے محسوں کرر ہاتھا۔

''اب ہم جائیں؟'' اُس نے عجیب ی نظروں سے میری طرف دیکھا۔'' ہم چاچا قربان عل کوتمہارے بارے میں بتا کراُن ہے کوئی دوالے لیں گے ۔''

'' ہاں جاؤ کیکن میں تمہیں اپنے زخم کے بارے میں اچھی طرح ہے بتا دُوں۔'' میں نے کہا۔'' گولی گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئ تھی۔اگر گولی اندررہ جاتی تو شاید میں زندہ نہ پچ سکتا۔علاج نہ ہونے اور دو تین دن تک مسلسل چلتے رہنے ہے زخم بگڑ گیا ہے اور''

''ہم نے تمہارا زخم دیکھا تھا۔' وہ میری بات کا ٹیتے ہوئے بولی۔''ہم حاچا تا قربان علی کو اچھی طرح سمجھا دیں گے۔اورتم ادھر ہی رہنا جی ۔۔۔۔ باہر مت نکلنا کہتی کا کوئی مور کھ گھومتا ہوا ادھر نکل آیا اور اُس نے تمہیں دیکھ لیا تو ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔۔ میں اس غارہے باہر نہیں نکلوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اُٹھ کر باہر کی طرف جانے لگی۔ دھانے کے قریب زُک کر اُس نے میری طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گئی۔۔

سیتا دیوی کے جانے کے بعد میں دیر تک اُس کے بارے میں سوچتارہا۔ وہ ہندوئی لیکن اُسے شمیری مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ جموں اور تشمیر میں ہندوؤں پرمظالم دُھا نے جارہے ہیں۔ لیکن یباں آگر اُسے معاملہ اس کے برعکس نظر آیا۔ مسلمان ہندوؤں پر نہیں، ہندومسلمانوں پر مظالم دُھا رہے تھے۔ اُنہیں اُن کے گھروں سے بے وَخُل کررہ بختے۔ یہ بڑی اچھی بات تھی کہ سیتا نے حقیقت کا اعتراف کرلیا تھا۔ سارے ہی ہندوکٹر اور ظالم نہیں تھے۔ ایسے بھی تھے جوحقیقت کا اوراک رکھتے تھے لیکن اُن کی تعداد آئے میں نمک کے نہیں تھے۔ ایسے بھی تھے جوحقیقت کا اوراک رکھتے تھے لیکن اُن کی تعداد آئے میں نمک کے

_{رابر}تھی اور اُن کی آ واز کوئی اثر نہیں رکھتی تھی۔

. میں نے سیدھا ہو کر میٹھنے کی کوشش کی تو کہلی مرتبہ احساس ہوا کہ میری پتلون کی بیلٹ اور زبر کا کہک کھلا ہوا تھا۔ سیتا دیوی نے میری پینٹ نیچے تھینج کر ٹانگ کے زخم کا جائزہ لیا تھا، پھر پیٹ تو اُدیر تھینج دی تھی مگر کہکے اور بیلٹ نہیں لگائٹمی تھی۔

میں نے بینٹ کومزیداو پر صفح کر بگ اور بیٹ لگایا اور ایک بار پھر اوھر اُوھر و کیھنے لگا۔ غار کے باہر دُھوپ چمک رہی تھی اور ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ غار سے بہت دُور نظر آنے والے رخت جھوم رہے تھے۔ دفعتہ پھروں کے لڑھکنے کی آواز من کر میں چونک گیا ۔۔۔۔۔ بیتا ویوی کو گئے ہوئے بمشکل دس منٹ ہوئے تھے۔ وہ اتن جلدی واپس نہیں آ سکتی تھی۔ ہوسکتا ہے یہ کوئی ور ہو۔۔۔۔ وہ این جاری تو میرے لئے بڑی مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔ میں تو اپنا و میرے لئے بڑی مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔ میں تو اپنا واع کرنے کی یوزیشن میں بھی نہیں تھا۔

میں نے ایک بار پھر غارمیں إدھراُ دھر دیکھا اور اپنے آپ کو تھیٹیا ہوا اُس طرف بڑھنے لگا بہاں پھروں سے چولہا بنا ہوا تھا۔ چولہے ہے تقریباً پانچ فٹ بائیں طرف دیوار کا ایک کونا ندرے آگے کو نکلا ہوا دیکھ کر مجھے انداز ہ ہور ہاتھا کہ شایداس طرف چھپنے کی کوئی جگہ ہو۔

اُس طرف بڑھتے ہوئے مجھے اچانک ہی اپنی رائفل کا خیال آگیا۔ میں نے اِدھراُدھر کھا۔ رائفل غار میں کہیں بھی نظر نہیں آئی مجھے اچھی طرح یادتھا کہ لرکر بے ہوش ہونے سے پہلے رائفل میرے کندھے پرلئکی ہوئی تھی۔

پھرلڑ ھکنے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔اس مرتبہ یہ آواز غار کے دہانے کے قریب سے نائی دی تھی۔ میں اپنے آئے کونکلی ہوئی نائی دی تھی۔ میں اپنے آپ کو تیزی سے تھیٹنے لگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ آگے کونکلی ہوئی یہاو بہ یوار کے پچھلی طرف ایک لمبی می دراڑتھی اور وہ دراڑ اس قدر کشادہ تھی کہ تین چارآ دمی پہلو بہ بلوچل سکتے تھے۔اندر کسی طرف سے مدھم می روثنی بھی نظر آ رہی تھی۔

اُس دراڑ میں ایک طرف لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اوراس کے اُوپر ہی میری رائفل بھی پڑی وئی تھی۔ میرے ہونٹوں پر خفیف تی مسکرا ہٹ آگئے۔ میں نے رائفل اُٹھا لی اور اپنے آپ کو گئے تاہوں میں جوئے مزید چھچے بتما چلا گیا۔ تقریباً پانچ گز آگے دراڑ بائیں طرف مُرٹ گئی تھی۔ میں بھی ناظرف ھوم گیا۔ موڑ کے دوسری طرف دراڑ ننگ تھی اور تقریباً دوسوگز آگے جا کر بند ہوگئی گئے۔ میں دیوارے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور رائفل سنجال لی۔

میرے ذہن میں طرح طرح کے خیال اُمجر رہے تھے۔ سیتا نے بتایا تھا کہ بھارتی سینک 'رطرف گھومتے رہتے تھے۔ ہوسکتا ہے انہیں کوئی شبہ ہوگیا ہو یاستی والوں کو بھنک پڑگئی ہو۔ رود لوگ غار کے اندرآ گئے تو میرے لئے فرار کے تمام راستے بند ہو جاتے۔ یہ غار میرے گئے چوہے دان بن گیا تھا۔۔۔۔۔

. غار میں اب دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سائی دے ربی تھیں ۔لیکن قدموں کی وہ ی کا یقین کون کرے گا؟ ہم جب کھیا کا کا کو بتائیں گے کہتم نے مجھ سے دورو پے لینے کے ایک کے ہمارے سامنے اپنے کی ایک کے ہارے سامنے اپنے کی بیارے سامنے اپنے کی جھائیں گے۔ اگرتم ہواؤگی تو یہاں تمہاری آواز بھی کوئی نہیں سے گا۔''

' بیرے د ماغ میں سنسناہ ہے تی ہونے لگی۔ یہ تھی ہندوؤں کی گندی ذہنیت۔ بڑے تو بڑے عرائے میں سنسناہ ہے تی ہونے لگی۔ یہ تھے۔ اُو کِی ذات کے ہندو نیجی ذات کے دات کے ہندو نیجی ذات کے دوؤں کواپنے قریب نہیں سیکھنے دیتے تھے۔ اُنہیں ملیچھاور نایاک سیجھنے تھے۔ وہ اُنہیں اپنے اُروں میں نہیں گھنے دیتے تھے کہ گھر نایاک ہوجائے گا۔ گرجشی بھوک مٹانے کے لئے بگل میں مورتوں کوروند تے تھے کہ گھر نایاک ہوجائے گا۔ گرجشی بھوک مٹانے کے لئے بگل تی عورتوں کوروند تے تھے تو اُنہیں کوئی شرم نہیں آتی تھی۔

میں اپنی جگہ پر بیٹا کھولتا رہا ۔۔۔۔۔ اُس لڑکی کی کوئی مدہ نہیں کرسکتا تھا۔ اگر میں سامنے آتا تو ہمیں اپنی جگہ پر بیٹا کھولتا رہا ۔۔۔۔۔ اُس لڑکی کی کوئی مدہ نہیں کرسکتا تھا۔ اگر میں سامنے آتا تو میری میں اور میں ہوجاتا تو میری میں ہوجاتا ہو ہے کہ خطرے میں پڑجاتی ۔ میں اُس لڑکی کوتو بر باد ہونے سے بچالیتا مگر وہ بہتی میں واپس جا کر رے بارے میں بتاتی تو بہتی والے اس طرف دوڑ پڑتے اور میرا زندہ بچنا مشکل ہوجاتا۔ اگر میری ٹانگ ٹھیک ہوتی تو میں ان لڑکوں کوڈ را دھمکا کر بھگا روڑ تو کیا چل بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر میری ٹانگ ٹھیک ہوتی تو میں ان لڑکوں کوڈ را دھمکا کر بھگا باورخود یہاں ہے کسی اور طرف نکل جاتا۔۔

'''اوہ یہ کیا ہور ہاہے؟''ایک اور آ واز من کر میں اُنچیل پڑا۔ وہ سیتا دیوی کی آ واز کھی۔ '' دیدی دیدی جمجھے بچالوان ہے۔'' اُس لڑکی کی روتی ہوئی آ واز سنائی دی۔'' یہ ک مجھے دھوکے ہے بیہاں لے آئے تھے اور''

'' یہ جھوٹ بولتی ہے سیتا دیوی!'' ایک لڑکے نے چینتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔ بیہ بش کی آ واز تھی اور میرا خیال تھا کہ وہی لڑکوں کی اس ٹولی کا سرغنہ تھا۔'' یہ جھوٹ بولتی ہے بری! یہ خودہمیں یہاں لے کر آئی تھی۔''

''میں سیسجھتی ہوں۔تمہاری بدمعاشیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ آج میں ماماسے کہد کرتمہارا روبست کرتی ہوں۔شرم آنی چاہئے جمہیں۔'' یہ سیتا دیوی کی آواز تھی۔''چلو بھا گوتم لوگ بال سے۔اور کشمی!تم کپڑے پہنو۔''

'' تم مہمان آئی ہوئی ہوئیتا دیوی!''رمیش نے کہا۔''اپنے لئے مشکلات پیدامت کرو۔'' '' آج میں تمہاری مشکلات تو عل کر دُول گی۔ مجھا پی مشکلات کی پرواہ نہیں ہے۔ بھا گئے ایمان ہے یانہیں؟'' سیتا نے جیخ کر کہا۔اس کے بعدلا کول کی آواز سنائی نہیں دی۔

'' لکشمی کی بچی استہیں اپنے بڑے بڑے اور کوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ چل نامہیں گھر چھوڑ آؤں۔ تیری ماں ہے کہوں گی تمہیں پٹہ ڈال کرر کھے اور اس غار کے بھوت! 'میمی رہنا۔'' یہ سیتا کی آواز تھی۔ آخری الغاظ اُس نے بقیناً مجھے مخاطب کر کے کہے تھے۔ نصفار میں نہ یا کروہ تجھ گئ ہوگی کہ میں کہاں ہوں۔ کیونکہ اس دراز میں میری رائفل تو اُسی

آ وازیں بھاری نہیں تھیں اور چند سیکنئہ بعد ہی میر ہے اس خیال کی تصدیق بھی ہوگئی۔ وہ نو عمر لڑکے تھے اور اُن کی تعداد چاریا یا پخی رہی ہوگ۔ وہ غارییں اِدھر اُدھر ووڑیے ہوئے شور مچارہے تھے۔ اُن کی آ واز غارییں گوجی تو وہ مزے لینے کے لئے اور بھی زور_{ہے} چنخنہ لگتی

اب میں صورتحال سمجھ گیا تھا۔ بستی کے نوعمر لڑکے شاید کھیلتے ہوئے اس طرف آنکلے تھے۔ مجھے اپنالڑ کپن یاد آگیا۔۔۔۔ میں بھی تو ہم عمر لڑکوں کے ساتھ اپنے قصبے کے نواح میں پہاڑیوں پر گھومتار ہتا تھا۔ بیلڑ کے بھی یقیناً کھیلنے ہی کے لئے نظے ہوئے تھے لیکن اگر اُنہیں غار میں میری موجودگی کا احساس ہوگیا تو میری زندگی خطرے میں پڑھائے گی۔

دفعتہ ایک آ واز سن کر میں چونک گیاوہ آ وازلڑکوں کی آ واز وں سے مختلف تھی۔ وہ آواز دوں ہے مختلف تھی۔ وہ آواز دوبارہ سنائی دی تو مجھے اندازہ لگانے میں و شواری پیش نہیں آئی کہ اُس لڑکی کی عمر بھی یارہ تیرہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ گاؤں دیبات کا معاشر تی ماحول اب نہیں تھی۔ گاؤں دیبات کا معاشر تی ماحول اب بھی وہی تھا جو برسوں پہلے تھا۔ نو جوان لڑکیاں اورلڑ کے رات کو گلیوں میں دیر تک ٹیلواورلگن میں گھیتے تھے۔ مال باپ کو کوئی فکر یا پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ پیلڑ کی بھی اگر اپنی عمر کے لڑکوں کے ساتھ کھیاتی ہوئی بستی سے باہر آگئی تھی تو اُس کے ماں باپ کو یقینا کوئی پریشائی نہیں ہوگی۔ کیس چند سیکنڈ بعد ہی ایک اور آ واز میں کر میں اُن چیل پڑا۔ وہ آ واز ایک تھی جیسے منہ چو ماگیا ہو۔.... پھرلڑ کی کی منه باتی ہوئی آ واز بھی سائی دی۔

''رمیش! چھوڑ دو مجھے میں پتا جی ہے تمہاری شکایت کر دُوں گی۔''

'' کر دینا شکایت'' بیه آواز عالبًا رمیش کی تھی۔'' آج تو تم قابو آ گئی ہو ککشی۔ ہم تمہارے چے ہی نہیں کچھاور بھی لیں گے۔''

'' جیمورُ دو مجھے.... میں ابھی جا کر پتا جی ہے شکایت کرتی ہوں۔'' اس مرتبہ لڑکی کی آواز میں کسی قدر غصہ بھی شامل تھا۔

''تم یبال سے جاؤگ تو شکایت کروگی نا۔''رمیش کی آواز سنائی دی۔ اُس کی آواز سے انسائی دی۔ اُس کی آواز سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اُس کی غمر پندرہ سال ضرور رہی ہوگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔''اس کی جذٰ ک اُ تاروسندر۔۔۔۔ میں دیکھتا ہوں یہ کیسے شکایت کرے گی اپنے بیّا جی ہے۔''

میراخون کھول کررہ گیا۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آگئ تھی۔ جاریا نچ لڑ کے ککشی نامی اُس لڑکی کودھو کے سے بیبال لے آئے تھے اوراب اُس کے ساتھ شیطائی کھیل کھیلنا چاہتے تھے اورو دلڑکی اپنے آپ کو چیٹرانے کی کوشش کرتے ہوئے جینے رہی تھی۔

''حچیوژ دو مجھے۔۔۔۔ میں مکھیا کا کا ہے تمہاری شکایت گروں گی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔'' مکھیا ^{کا کا} تمہاری کھال ادھیڑ دیں گے۔''

''جهم برہمن میں ۔ اورتم مجلی ذات کے موجی کی بیٹی ۔'' پیرمیش ہی کی آوازتھی ۔'' تمہار^ی

نے چھیائی تھی۔

غار میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ میں اپنی جگہ پر د بکار ہا۔ دراڑ میں جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھ وہاں ہوا کی آمد ورفت بالکل نہیں تھی۔ پسینے سے میرا جسم تر ہونے لگا تھا۔ میں کچھ دیراور وہیں بیٹھار ہا، پھرا پنے آپ کو گھسیما ہوا دوسری طرف لکڑیوں کے ڈھیر کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ یہاں کچھ ہوا آر بی تھی۔

تقریباً دی۔ میں بعد پھر غار میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں مختاط ہو گیا۔'' اے جی ... کہاں ہوتم؟'' میسیتا کی آ وازتھی۔'' اب باہر آ جاؤ! کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

میں اپنے آپ کو گھیٹیا ہوا اُس دراڑ ہے باہر آ گیا۔ سیتا غار کے دہانے ہے چند فٹ آ گے کھڑی اس طرف دیکھر ہی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی بھی تھی۔

''تم اتنی جلدی واپس آ کئیںمیرا مطلب ہے تم تو اس کڑ کی کوبستی میں جیوڑنے گئی تھیں ۔'' میں نے کہا۔

''اُے میں نے نیلم کے ساتھ بھیج دیا ہے۔''سیتانے جواب دیا۔ ''نیلم کون؟'' میں نے اُلجھی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

'' چاچا قربان علی کی میٹی۔وہ میر بے ساتھ آئی تھی۔'' سیتانے کہا۔

'' مجھے افسوس ہے سیتا! میں اُس لڑکی کی کوئی مددنہیں کرسکا تھا۔اگرتم بروقت نہ آ جا تیں تو اُس لڑکی کے ساتھ نجانے کیا ہوتا؟''میں نے کہا۔

''بوتا کیا. …'' سیتا ہو گی۔'' وہ اُس کا بلاد کارکرتے اور جب بستی والوں کو پیہ چلتا تو وہ چند روز کے لئے کہیں غائب ہو جاتے۔ ہمارے دھرم میں یہی تو سب سے زیادہ قابل نفرت بات ہے۔ ایک ہی دھرم کو ذاتوں میں تقسیم کر کے کوئی اعلیٰ ذات کا بن بیٹھا ہے اور کسی کو نی ادیا گیا ہے۔ نیچ کو پلید اور نایا ک سمجھا جاتا ہے۔ ان کی ہوا بھی اُو نجی ذات کی عورت کو اپنے بستر کی قیامت آ جاتی ہے۔ لیکن بڑے برخے دھر ماتما جب کسی نیچ ذات کی عورت کو اپنے بستر کی قیامت آ جاتی ہو اُنہیں آتا۔'' وہ چند کمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے گئی۔'' بیر میش جمول کے ایک مندر کے پیڈت کا بیٹا ہے۔ بہاں بات جاری رکھتے ہوئے کہنے گئی۔'' بیر میش جمول کے ایک مندر کے پیڈت کا بیٹا ہے۔ بہاں اس کی زمین ہے۔ پیٹ ہے۔ بہاں کی زمین ہے۔ پیٹ اس کی زمین ہے۔ اس کا باپ بیٹ منو ہر لال آن کل بیباں آیا ہوا ہے۔ میں اُس کی شکایت ضرور کروں گی اور ماما ہے بھی کہوں گی۔ یہ دن بدن بدن بیبان آیا ہوا ہے۔ میں اُس کی شکایت ضرور کروں گی اور ماما ہے بھی کہوں گی۔ یہ دن بدن بدن بیبان آیا ہوا ہے۔ میں اُس کی شکایت ضرور کروں گی اور ماما ہے بھی کہوں گی۔ یہ دن بدن بدن بیبان آیا ہوا ہے۔ اس کا بند و بست کیا جانا ضروری ہے۔'

میں گہری نظروں ہے اُس کی طَرَف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چبرے پر غصے کی سرخی نمایاں تھی۔ میں نے اُس میں ایک تبدیلی بھی محسوس کی تھی۔ پہلے مجھ ہے باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے آپ کوہم کہتی رہی تھی اور اب اپنے لئے بھی واحد کا صیغہ استعال کر رہی تھی۔

''معاف کرنا جی سن'' وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔'' میں تمہارے لئے کپڑے اور کھنا وغیرہ لے کرآئی ہوں۔ ان کم بختوں کی وجہ سے اتی دیر ہوگئے۔'' اُس نے پوٹی کھول لی۔ ''میں نے چاچا قربان علی کو تمہارے بارے میں بتا دیا تھا۔ اُس نے ایک مرہم دیا ہے اور فوری طور پر لگانے کے لئے کہا ہے۔ وہ کل ضبح سویرے آکر تمہیں دیکھ لے گا۔ لو سسے پہلے روٹی کھالو! بلم آجائے تو ہم تمہارے زخم پر مرہم بھی لگا دیں گے اور کپڑے بھی بدل دیں گے۔'' نیم میرے کپڑے بدلوگی، لیمنی تم اور نیلم ؟'' میں نے چرت ہے اُس کی طرف دیکھا۔ ''مردوں کے مقابلے میں عور تیں زیادہ اچھی زس اور ڈاکٹر ثابت ہوتی ہیں۔'' اُس نے مسراتے ہوئے کہا۔'' ویسے چنا مت کرو! ہم تمہیں کچھنیں کہیں گی۔ جب تمہاری مرہم پی

کرنے لکیس تو تم آنکھیں بند کر لیتا۔'' اُس نے پوٹی میں سے کندوری (چھوٹا دستر خوان) نکال کر الگ رکھ دیا۔ یہ بھی پوٹی کی طرح بندھا ہوا تھا۔اُس میں چارروٹیاں اورا کیکٹورے میں بھنی ہوئی ماش کی دال تھی۔ ''تم روٹی کھاؤ۔۔۔۔ میں تمہارے لئے پانی لے کر آتی ہوں۔'' اُس نے بڑی پوٹی میں کپڑوں میں رکھا ہوا ایلومینیم کا ایک چھوٹا ڈول نکال لیا۔اُس مین پانچ چھ گلاس پانی آسکتا تھا۔ وہ ڈول لے کر غارے باہر چلی گئی اور میں روٹی کھانے لگا۔ میں یہ نہیں کب سے بھوکا تھا۔ نوالے لقریباً ثابت ہی ٹگلتا جارہا تھا۔ چندمن بعد سیتا پانی لے کرآگئی تو میں نے اپنے آپ کو اُس

'' دیکھو! بات یہ ہے کہ ۔۔۔۔'' میں نے باری باری اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے سامنے کیڑے اُتارتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ وہ مرہم مجھے دے دو میں خود ہی گالوں گااور کیڑے بھی بدل اوں گا۔ تم دونوں غارہے باہر چلی جاؤ۔''

سیتا نے پوٹلی میں ہے ایک گول ڈیر اور ایک بوتل نکال کر میرے سامنے رکھ دی اور غالبًا ہائی ساڑھی پھاڑ کرایک پٹی بھی تیار کی گئی تھی۔

'' یہ بپرٹ ہے۔'''' اُس نے بول کی طرف اشارہ کیا۔'' پہلے زخم کواچھی طرح صاف کر لینا۔اگر ہمت نہ ہوتو ہمیں آ واز دے لینا۔''

وہ دونوں غار ہے باہر چلی گئیں اور پھر جس طرح میں نے سپرٹ سے زخم صاف کر کے اہم لگا کر پٹی باندھی وہ میں ہی جانتا تھا۔ اور پھر میں نے کپٹر ہے بھی بڑی مشکل سے تبدیل کئے تھے۔اور پھرمیری آ داز سن کروہ دونوں اندرآ گئیں۔

''میراخیال کے آھے یہاں رکھنا مناسب نہیں ہے۔۔۔۔کوئی نہ کوئی اس طرف آسکتا ہے۔''

''ہم چلتے ہیں۔''نیلم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''بابا کبھی مزار پر پھول وغیرہ النے کے لئے ادھرآ جاتے ہیں۔ان کے علاوہ اورکوئی یہاں نہیں آتا۔ میں بابا کو بتا دُوں گ۔ وضح سویرے تمہارے لئے کھانا بھی لے آئے گا۔ ویسے تم بھی ذرا مختاط رہنا۔ غار سے باہر ہما،''

''اس ڈول میں میرے لئے پانی لا دو۔'' میں نے کہا۔ نیلم ڈول لے کرغار سے باہر چلی گئ درمیں سیتا کی طرِف د کیھنے لگا۔

''تم کبآؤگی؟'["]میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

'' دن چڑھے آؤں گی۔'' سیتا دیوی نے لجا گر جواب دیا۔''تم اپنا خیال رکھنا جیکسی کو 'س پاس دیکھوتو بچھلی طرف ہے چٹانوں میں نکل جانا۔'' د دختہ

" بنمیں میری اتن فکر کیوں ہے؟" میں نے پوچھا۔

''تم مجھےاچھے لگتے ہو۔''اُس نے نظریں جھکا کُر جواب دیا۔''اگراچھے نہ لگتے تو میں تمہیں فاکراُس غارمیں نہ لے جاتی۔''

''شکر بیسیتا دیوی جی! میں کل تمہاراا تظار کروں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ نیلم پانی لے آئی۔ میں نے ڈول پرالی کے قریب رکھ دیا۔ وہ دونوں میری طرف دیجھتے ائے رخصت ہو کئیں۔ میں غار کے دہانے پر بیٹھا جھاڑیوں کی آڑے اُنہیں اُس وقت تک کھار ہاجب تک وہ نظر آتی رہیں۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد بھی میں دیر تک و ہیں بیٹھا رہا اور پھر اُٹھ کر پرالی پر آگیا۔ رمیرا ہوتے ہی چھروں نے بلغار کر دی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ بیتا میرے اوڑ ھنے کے لئے ب چادر بھی لے آئی تھی۔ میں نے مجھروں ہے بچنے کے لئے چادر اوڑ ھ لی اور منہ بھی چھپا اِداور پھر پیة نہیں کب میں نیندگی آغوش میں پہنچ گیا۔

عاچا قربان علی صبح سورج نگلنے ہے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔اُسی نے مجھے جگایا تھا۔ایک لمحہ کو تو ماہد حواس ہو گیا تھا۔لیکن اُس کی صورت دیکھ کر مجھے اطمینان ہو گیا۔

قربان علی کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ حشحشی سفید داڑھی، سر کے بال بھی فی کی طرح سفید تھے۔ وہ مجھے ہے بڑی ہمدردی سے پیش آیا۔ وہ مجھے ایک عام شمیری مجاہد سجھ الکی خب میں نے اُسے اپنانام بتایا تو اُس کی آنکھوں میں تشویش کی اہر میں اُ بھرآئیں۔ ''تہہمیں تلاش کرنے کے لئے تو پوری فوج حرکت میں آ بچی ہے۔ جنگوں اور پہاڑوں مائلی تمہیں تلاش کیا جارہا ہے۔ یوں تو ماضی میں بھی مجاہدین کے بعض لیڈروں کی تلاش کے مائلی میں بھی مجاہدین کے بعض لیڈروں کی تلاش کے مطلمیں پولیس اور فوج ہے کہ سی کی تلاش میں جیلی کا پئر مالی کے جارہے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ بھی کر یہاں تک آن بنچ ہو۔ لیکن اپ آپ کو منال کے جارہے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ بھی کر یہاں تک آن بنچ ہو۔ لیکن اپنے آپ کو منال کے جارہے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ بھی کر یہاں تک آن بنچ ہو۔ لیکن اپنے آپ کو

نیلم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تہ کھی اور بہتی میں اچلیں ؟'' سہتا ہوا۔

'''تو پھرکیاا ہے بہتی میں لے چلیں؟'' سیتا ہو لی۔ ''نلمہ'' نلمہ' نلمہ' نفی میں ادار ''حض ی

''نہیں' نیکم نے تفی میں سر ہلا دیا۔'' حضوری بابا کے مزار اور چشمے کے قریب ہی ایک غار ہے۔ پہلے جب گاؤں میں سلمان رہتے تھے تو اُس مزار پرلوگوں کی آمد ورفت جاری ربتی تھی۔ مسلمانوں کے بیہاں سے چلے جانے کے بعد بیمشہور کر دیا گیا کہ وہاں بدروحوں کا ڈیرہ ہے۔ ہندو تو ویسے ہی تو ہم پرست ہوتے ہیں۔کوئی اس طرف جانے کی ہمت نہیں کرتا۔اور میرا خال ہے وہ جگہ اس کے لئے سب سے زیادہ محفوظ رہے گی۔'

'' کیا نام بتایا تم نے حضوری بابا؟'' سیتا بولی۔'' ہاں مجھے یاد آ رہا ہے۔ جب میں یہاں آئی تھی تو مامانے کہا تھا کہ جہاں بھی چاہوں گھوتی پھرتی رہوں مگر حضوری بابا کے مزار کی طرف نہ حاؤں۔ویسے وہ مگلہ یہان سے کتی دُور ہے؟''

"أسطرف وهاكون "نلم نے ايك طرف اشاره كيا۔

''اتنی در تک چل سکو گے؟''سیتا نے سوالیہ نگاہوں ہے میری طرف دیکھا۔ پریششر

'' کوشش کرلوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

نیلم نے ساری چیزیں سمیٹ لیں۔ سیتا نے مجھے سہارا دے کر اُٹھا دیا۔ میں رائفل کو لاٹھی ا انگل طرح شیکتا ہوا اُن کے ساتھ چل پڑا۔ لیکن میں زیادہ دُورنہیں چل سکا۔ اُن دونوں نے مجھے دونوں طرف سے سہارا دیا اور ہم چٹانوں میں گھو متے ہوئے نصف کوس کا فاصلہ تقریباً ایک گھٹے میں طے کر سکے۔

وہ غارمیرے حساب ہے بھی واقعی بہت محفوظ تھا۔ ایک چھوٹا سا چشمہ تھا جس کا پالی ایک چھوٹا سا جشمہ تھا جس کا پالی ایک چھوٹی سی ندی کی صورت میں گنگنا تا ہوانشیب کی طرف بہدر ہا تھا۔ چشنے کے بائیں طرف تقریباً ہیں گز کے فاصلے پر چٹان کے دامن میں ایک بختہ قبرتھی جس پر سزرنگ کیا ہوا تھا۔ قبر پر اور اُس کے ارد گرد چوتر ہے پر سو تھے ہوئے بھول بگھرے ہوئے تھے۔ چشنے کے دوسری طرف ایک اُو نجی پہاڑی تھی جوسبز ہے ہے ڈھئی ہوئی تھی۔ اور وہ غارائس پہاڑی پر زمین کی سطح سے تقریباً سوفٹ کی بلندی پر تھا۔ غار کے دہانے کے سامنے درختوں اور قد آدم جھا کیوں کی بھر مار تھی۔ میں غار کے دہانے پر ان جھاڑیوں میں بیٹھ کر نہ صرف اس چشنے آگا یا تریباً ایک کوس ڈور نشیب میں بہتی کو بھی دارے بھی طرف ایک نشیب میں بہتی کو بھی درختوں کو وقت فرار کے لئے استعال کیا جا سکتا تھا۔

غارصاف تھرا تھا۔ ایک طرف کمبی چوڑی جگہ پر پرالی (گیہوں کے خشک پودے) کی کمبن چوڑی دبیز تہہ بچھی ہوئی تھی جسے بستر کے طور پراستعمال کیا جاسکتا تھا۔ جب حضوری بابا کے مزار پراوگ آتے ہوں گے تو یہ غار استعمال ہوتا ہوگا۔

سورج غروب ہونے میں تقریبا آیک گھنٹہ باقی تھا۔ غار کے باہر دُھوپ ماند پڑ چکی تھی۔

محفوظ مت مجھنا یہ تہمیں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔''

'' سیتادیوی کیسی ہے ۔۔۔۔کیا اُس پراعتاد کیا جا سکتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''اعلان سوتی قو ان علی مسکران ا''اگر مہ قابل اعتاد نہ مدتی قو اِسے کے تمہ

''اعقاد' قربان علی مسترا دیا۔''اگر وہ قابل اعقاد نہ ہوتی تو اب تک تمہاری زندگی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ ویسے تو زندگی اور موت خدا کے باتھ میں ہے لیکن اس وقت تمہیں سیتا ہی کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اگر وہ اس طرف ندآ نگلی تو تم ان پہاڑیوں میں بے ہوئی کی حالت میں ہی ختم ہو چکے ہوتے۔ ویسے بدلڑکی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس کا ماما جسونت سنگھ کئر ہندو ہے۔کالی کی پوجا کرنے والا۔ کیکن مجمعے جرت ہے کہ سیتا کے خیالات اپنے خاندان والوں سے اتنے مختلف کیوں ہیں؟ تمہیں اُس کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔' وہ چند کمحوں کو خاموش ہوا، پھر بولا۔''اُس نے تمہیں زخی اور بے ہوئی پڑے ہوئے دیکھا تھا تو ہوسکتا ہے کو خاموش ہوا، پھر بولا۔''اُس نے تمہیں اُس کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔' وہ چند کموں ہوئی ہنا رہ کی ہنا ہیں ہنا ہاں کی ہمدردی اور بڑھ گئی۔ اُس مورے جب اُس پر انکشاف ہوا کہتم مسلمان ہوتو تم سے اُس کی ہمدردی اور بڑھ گئی۔ اُس محقی سے تمہاری مدد کی درخواست کی سے جمھے کل ہی تمہارے بارے میں سب پھے بتا دیا تھا اور جھے سے تمہاری مدد کی درخواست کی سے مہیں غار میں چھیا کر اور تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر کے اُس نے اپنی زندگی بھی خطرے میں ڈال دی ہے۔ وہ اب اپنی جان تو دے دے گی مگر تمہارے بارے میں کسی کو پچھ نہیں میں ڈال دی ہے۔ وہ اب اپنی جان تو دے دے گی مگر تمہارے بارے میں کسی کو پچھ نہیں میں ڈال دی ہے۔ وہ اب اپنی جان تو دے دے گی مگر تمہارے بارے میں کسی کو پچھ نہیں میں ڈال دی ہے۔ وہ اب اپنی جان تو دے دے گی مگر تمہارے بارے میں کسی کو پچھ نہیں میں گیا۔''

ہم کافی دہر تک سیتا کے بارے میں ہاتیں کرتے رہے۔اس دوران قربان علی نے میرے زخم کا معائنہ کر کے نی پٹی ہاندھ دی تھی۔

رم ہو من منہ رسے بن باہد مقد ب البتہ تہمیں چند روز تکمل البتہ تہمیں چند روز تکمل البتہ تہمیں چند روز تکمل الرم کی ضرورت نہیں۔ البتہ تہمیں چند روز تکمل آرام کی ضرورت ہے۔' قربان علی نے کہا۔' تمہارے لئے یہ جگہ محفوظ ہے۔ اس طرف کوئی نہیں آتا۔ صرف میں ہفتے میں ایک مرتبہ یعنی جعرات کے دن حضوری بابا کے مزار پر آیا کرتا ہوں۔ اب ہر دو دن بعد آیا کروں گا تمہیں دیکھنے کے لئے۔ اس طرف میری زیادہ آمد ورفت کسی کے دل میں شبہ پیدا کرمکتی ہے۔ لیکن یہ لڑکیاں تمہاری دیکھ بھال کے لئے آتی رہیں گ۔ نیام نے حکمت کے حوالے نے بھے کیل ڈیمان نکا ہے۔ وہ تہمارا خیال رکھے گی۔' ود چند ملموں کو خاموش ہوا پھر : بیب سے گول ڈیمان نکا لئے ہوئے اللہ ''میرے پاس کو کیاں 'ور چند انجسن و غیرہ تو نہیں ہیں جو گولیوں اور انجسنوں سے زیادہ مؤثر ہیں۔ یہ دونوں دوائیں دن میں تیب مرتبہ کھائی ہیں۔ ایک ایک خوراک تو ابھی کھالو، پھر دو پہر اور شام کو کھائی ہوگی۔

۔ دونوں ڈیوں میں مجون جیسی کوئی چیز بھری ہوئی تھی۔اُن کے رتگ مختلف تھے مگر دونوں ہے حدخوش ذا اُقتہ تھیں۔ میں نے اُنگل ہے اگا کر ہی جاٹ لیس۔

'' بیاکا لے رنگ کی دواتمہارا زخم خٹک کرے گی ۔'' قربان علی کہدر ہاتھا۔'' اور بیہ ضید دوا نہ

صرف تمہارے درد کو کم کرے گی بلکہ تمہیں توانائی بھی فراہم کرے گی۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں پائی جانے والی جزی بوٹیوں میں بڑی تا ثیر ہوتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں صحیح لمریقے سے استعمال کیا جائے۔''

وہ دیر تک جڑی ہوٹیوں کے بارے میں باتیں کرتار ہا۔ باہر دُھوپ پھینے گئی تھی۔ ''اب تم ناشتہ کر لو اور آرام کرو..... زیادہ چلنے پھرنے کی کوشش مت کرنا۔ دو پہر کو نیلم تمہارے لئے کھانا لے کرآ جائے گی۔اورا گرئسی وقت زیادہ تکلیف ہوتو نیلم کو بتا دینا۔'' قربان

علی اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اُس نے اِدھراُدھرد یکھا اور پانی کا ڈول اُٹھا کر باہر چلا گیا۔ قربان علی میرے لئے ناشتے کے علاوہ کھانے کی ایک دواور چیزیں بھی لے کر آیا تھا۔ دس منٹ بعدوہ ڈول میں چشمے سے تازہ پانی لے آیا اور مجھے مخاط رہنے اور آرام کرنے کا مشورہ دے کر رُخصت ہوگیا۔

میں نے ڈول کے کچھ پانی سے مند دھویا ،کل کی اور ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتے کے بعد میں غار کے دہانے پر جھاڑیوں کی آڑ میں بیٹھ گیا اور نشیب میں پھیلی ہوئی وادی کود کھنے لگا۔بستی کے کئی گھروں سے دُھویں کی لکیریں اُٹھتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

میں بیٹھے بیٹے تھک گیا تو غار کے اندر آ کر پرالی پر لیٹ گیا۔ میری ٹانگ میں اگر چہ ہلکا ہلکا درد ہور ہاتھالیکن شدید تناؤ اور گھنچاؤ کی جو کیفیت پہلے تھی اُس میں بڑی حد تک کی آ گئ تھی۔ نیلم اور سیتنا تین جیجے کے قریب آئی تھیں۔ میں اُس وقت غنودگی میں تھا لیکن اُن کے آ جانے سے میری نیند کا فور ہوگئی۔ وہ میرے لئے کھانا اور کیڑوں کا ایک جوڑا اور ایک کمبل بھی لے کرآئی تھیں۔ گزشتہ رات اگر چہ میں نے چا در اوڑھ رکھی تھی لیکن رات بھر سر دی سے شخصر تا

سیتانے چشے سے پانی لا کرمیرامنہ ہاتھ ڈھلایا۔ پانی لانے کے لئے وہ تھی کا ایک خالی ڈبہ ساتھ لے کرآئی تھی۔ میں کھانا کھار ہاتھا اور وہ دونوں میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ سیتا بڑے فورسے مجھے دیکھر ہی تھی۔

> ''کیاد کھے رہی ہو؟'' میں نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہاری عمر کتی ہوگ؟'' میں نے سوال کیا۔

رہاتھا۔ مبل کے لئے سبح میں نے ہی قربان علی ہے کہا۔

''سترہ سال سس''میں نے جواب دیا۔'' بلکہ سترہ سال ایک مہینہ اور چھ دین۔''

'' چاچا قربان علی نے بتایا تھا کہ تمہارا آنام شمروز ہے۔'' سیتا ہوئی۔'' کیا واقعی تم وہی شمروز ہو ملی کا تاش میں پوری ریاست کی پولیس اور فوج پہاڑوں اور جنگلوں کی خاک چھانتی پھر رہی ہے؟ اور جس نے چندروز پہلے آپنے ساتھیوں کی مدد ہے گندر بل کے قریب ایک بہت بڑا فوجی گانوائے تاہ کیا تھا؟''

'' ہاں ۔ … میں وہی شمروز ہوں ۔ لیکن کیا تم مجھے اپنے سینکوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کر

رہی ہو؟''مین نے کہا۔

ے '' ''نہیں'' وہ مُسکرا دی۔'' مجھے یقین نہیں آ رہا۔ اور تمہارے ساتھ ایک لڑکی بھی تو تھی جو پہلگام کے قریب کسی جگہ ہمار بے سینکوں کے ہاتھوں شہید ہوگئی ہی۔''

''لیں بھی اُسی جھڑپ میں زخمی ہوا تھا۔'' میں نے بتایا۔

'' مجھے اُس لڑکی کے بارے میں بتاؤ!''سیتا ہولی۔'' کاش وہ زندہ ہوتی۔ میں اُس کے پیر دھودھوکر چیق۔ایسی بہادرلڑ کیاں تو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔''

''تم بھی بہت عظیم ہو۔'' میں نے جواب دیا۔''یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کون ہوں، میرے ہاتھوں تہہاری سینا کو کتنا نقصان ہو چکا ہے،میری تلاش میں بیلی کا پٹر تک استعال کئے جارہے میں، تہہیں مجھ سے ہمدردی ہے اور''

سے پرس میرن دیا ہوں میں است اولی۔ ''کسی اُگر وادی کو پناہ دینا بھی علین جرم سمجھا جاتا '' انجانے میں نہیں ۔۔۔۔' سیتا بولی۔ ''کسی اُگر وادی کو پناہ دینا بھی علین جرم سمجھا جاتا ہے۔ میں نے جب سمیں رخمی اور بے ہوشی کی حالت میں اُٹھایا تھا تو اُس وقت میرے دل میں صرف انسانی ہمدردی تھی۔ لیکن تمہارے زخم کا جائزہ لیتے ہوئے جب میں نے دیکھا کہتم معلمان ہوتے جھے جھیات ان مسلمان ہوتو مجھے ہجھتے میں در نہیں لگی کہتم مجاہد ہو۔۔۔ زخمی ہونے کے بعد جھیتے چھیات ان طرف نکل آئے ہو۔ اور آج جب چاچا قربان علی نے تمہارا نام بنایا تو مجھے آئی خوثی ہوئی کہتم اندازہ نہیں لگا گئتے۔''

مجھے بیتا کی ہاتیں من کر واقعی جرت ہورہی تھی۔ کیا واقعی اُسے کشمیری مسلمانوں سے اتن ہمرردی تھی؟ اور کیوں، اس کی وجہ کیاتھی؟ کیا وہ کشمیری مسلمانوں کو واقعی مظلوم سمجھ کر اُن سے ہمرردی کا اظہار کرر ہی تھی یا اس کی وجہ کیچھاورتھی۔ ساور وہ کیا وجہ ہوسکتی ہے؟'' نیلم اس دوران خاموش بیٹھی میری طرف دیکھتی رہی تھی۔

تقریباً دو گھنٹوں بعدوہ واپس چل گئیں۔میرے باس کھانے پینے کی اتنی چیزیں موجود تھیں کہ میں رات کو بھی پیٹ بھر کر کھا سکتا تھا اور صبح کا ناشتہ بھی ہوساتا تھا۔

تقریباً ایک ہفتہ گزرگیا۔ اس دوران قربان علی دوم تبہ یبال آیا تھا۔ میرے زخم میں ابھی کوئی خاص بہتری نہیں ہوئی تھی لیکن پہلے جیسی صورتحال بھی نہیں رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اس توجہ سے علاج ہوتا رہا اور مجھے آرام کرنے کا موقع ملاتی چند روز بعد میرا زخم مندمل ہونا شروع ہوجائے گا۔

تربان علی ہے بچھے صورتحال کا بھی پیۃ چلتا رہتا تھا۔ انگوری کی شہادت کو بھارتی فوج اپنا ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہی تھی۔ جن بھارتی فوجیوں نے اُس کارروائی میں حصہ لیا تھا اُنہیں نہ صرف تر قیاں دی گئی تھیں بلکہ اُنہیں گرانفذرنفذ انعامات ہے بھی نواز اِ گیا تھا۔

میری تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔ گو کہ اس میں پہلے جیسی گرم جوثی نہیں رہی تھی تاہم میری تلاش میں پہلے جیسی گرم جوثی نہیں رہی تھی تاہم میری تلاش میں پہلے کا مرے جارہ جسے۔ اس جھڑپ میں چونکہ میں بھی زخمی ہوا تھا اس لئے بھارتی فوجیوں کو یقین تھا کہ میں اُس علاقے سے زیادہ وُ ورنہیں گیا ہوں گا اور کی بہتی یا فارم ہاؤس میں پناہ لئے ہوئے ہوں یا پہاڑوں میں کی غار میں چھپا ہوا ہوں۔ اس علاقے میں وُ ور وُ ور تک پہاڑوں اور جنگلوں میں بھی جھے تلاش کیا جا رہا تھا۔ یہ بات تو شاید وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ میں زخمی حالت میں دو دن تک مسلسل مفرکرتے ہوئے وہاں سے آئی وُ ور پہنچ چکا ہوں گا۔ اور شاید یہی حالت میں دو دون تک مسلسل مفرکرتے ہوئے وہاں سے آئی وُ ور پہنچ چکا ہوں گا۔ اور شاید یہی حرفی کہ ڈوڈا کی طرف میری تلاش پر زیادہ زور نہیں دیا جارہا تھا۔

ورسری طرف بھارتی فو جیوں کے خلاف مجاہدین کی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ پوری وادی میں فوجی چھاؤنیوں، کیمپول اور فوجی قافلوں پر مجاہدین کے حملے جاری تھے۔ ڈوڈا میں بھی مجاہدین کے حملے جاری تھے۔ ڈوڈا میں بھی مجاہدین کی سرگرمیوں کی خبریں مجھے قربان علی سے ملتی رہتی تھیں۔ ابھی دو دن پہلے ڈوڈا سے چند میں ایک ممیل دوسری طرف ایک کارروائی میں مجاہدین نے پندرہ فوجیوں کو ہلاک کر دیا تھا جن میں ایک ممیل دوسری طرف ایک کارروائی میں مجاہدین نے پندرہ فوجیوں کو ہلاک کر دیا تھا جن میں ایک کرنال بھی شامل تھا۔ بھارتی فوجی ڈوڈا کے گرد ونواح میں چھوٹی جھوٹی بستیوں پر بھی شمیری مجاہدین کی تلاش میں جھائے مارتے رہتے تھے۔ لیکن بیستی اُن کی چیرہ دستیوں سے محفوظ تھی۔ اور بہاں اور بہاں کے دخرہ نہیں تھا۔ اور بہاں کے ذخرہ نہیں تھا۔

چندروز اُورگزر گئےاب میرازخم مندمل ہونا شروع :وگیا تھا۔ سیتنا اور نیام روزانہ بی کسی نہ کسی طرح حصیب چھپا کر یہاں آ جاتی تھیں۔ اُن کی وجہ ہے بھی مجھے بڑا حوصلہ ملا تھا۔ سیتا دیوی کی ہاتوں سے میری بڑی ڈھارس بندھتی تھی۔ اُن سے بھی مجھے بہت ہی ہا تیں معلوم ہوتی

ں میں۔ نیلم پچھ لئے دیئے رہتی تھی لیکن سیتا مجھ ہے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گئی تھی۔ مجھے بھی وہ

ا چھی لگنے گئی تھی اور میں بھی زیادہ تر اُس ہے با تیں کرتا تھا۔ جبکہ نیلم خاموش بیتھی ہماری با تیں سنتی رہتی تھی ۔ بھی وہ ہم دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر غار سے باہر چلی جانی ۔ ایسے ہی ایک موقع پرسیتا با تیں کرتے ہوئے میری طرف جھک گئی اور پھراجا تک ہی اُس نے مجھے اپنی گرفت میں لے کراینے ہونٹ میر ہے گال پرر کھ دیئے

میرے د ماغ میں ُ دھاکے ہے ہونے گئے۔ پورےجسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ غار کے باہر قدموں کی آہٹ من کرسیتا نے تو مجھے چھوڑ دیالیکن میں دیرتک اپنے گال پراُس کے ہونٹوں کی نیش محسوس کرتار ہا۔نیلم نے اندر داخل ہوکر ہاری طرف دیکھااور پھراُس کے ہونٹوں پر خنیف ی مشکراہٹ آئی۔میرے چبرے کودیکھ کرشایدائں نے صورتحال کا اندازہ لگالیا تھا۔

اُس روز وہ معمول سے زیادہ دیر تک میرے پاس رہی تھیں۔اُن کی وجہ ہے مجھے بڑا سہارا تھا اور یہ میر کی خوش قسمتی تھی کہ نسی کو اُن پرشبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ بستی ہے نکل کر کہاں غائب رہتی ۔ ہیں ۔ایک روز میں نے اُن سے یہ بات یو پھی بھی تھی اور سیتنا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''میں سیر وتفریج کے لئے یہاں آئی ہوئی ہواں گھر میں قید ہوکر بیٹھنے کے لئے نہیں ۔میرا ماما کبتی کا تکھیا ہے۔کوئی میری طرف اُنگل اُٹھانے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ اور ویسے بھی ہم بہتی ہے نکل کرنجانے کہاں کہاں گھومتی ہوئی اس طرف آتی ہیں ۔ نسی کوہم پر شبہ ہیں ہوسکتا۔'

میں بائیس دن کزر گئے۔میرا زخم اب کائی بہتر ہو گیا تھا اور میں غار کے اندر تھوڑا بہت چلنے بھی لگا تھا۔ جا جا قربان علی اب بھی دوسرے تیسرے دن چگر لگالیتا تھا۔ اُس کی توجہ ہے ہی ^ا

میں اُٹھ کر چلنے کے قابل ہو سکا تھا۔ سیتا ایب جھی بھی الیلی بھی آ جاتی تھی۔ اور جب وہ اکیلی آتی تھی تو پچھ زیادہ ہی کھلنے کی کوشش کر لی ۔میری مزاحمت اُس کے ارادوں میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

اُس روز دو پہر کو میں اونکھ گیا اور پھر ملکی ہی آ ہِٹ ہے میری آ نکھ کھل گئے۔ میری نظریں فوراً ہی غار کے دہانے کی طرف اُٹھ کئیں۔ مجھے ایک رنگین آنچل سالہرا تا ہوا نظر آیا اور نگاہوں ہے

میرے بستر کے قریب ہی ایک پوٹلی رکھی ہوئی تھی۔ اُس میں کھانا تھا۔ مجھے بیچھے میں درینہیں لگی که سیتا آج بھی اکیلی ہی آئی تھی۔ مجھے سوتے دیکھ کرود پوٹلی رکھ کر باہر چلی کئی تھی۔ میں اُ 🗕 آ واز دینا جا ہتا تھا مگر پھرارادہ بدل دیا اورا نی جگہ ہے اُٹھ کر غار کے دیانے کی طرف آ گیا۔ سیتا حجاژیوں میں غائب ہوگئی تھی۔ میں اس طرف دیکھتار ہا۔ حجازیاں ہلتی ہوئی نظرآ ربی

بھیں۔اور پھرسیتنا چشمے کے قریب حجھاڑیوں ہے برآ مد ہوئی اور چشمے کے پائی میں پیرائکا کر بیٹھ ئی۔اس کے ساتھ ہی وہ بمجسس نظروں سے ادھراُ دھر د کمچر ہی تھی۔

اور پھر دوسرے ہی کہنے وہ منظر دیکھ کرمیرے دیاغ میں آندھیاں سی چلنے لکیں اور مجھے اپنا سالس رُ کتا ہوامحسوں ہونے لگا … سیتا نے بلاؤز اُ تار دیا تھا… اور پھروہ کمریرساڑھی کے ہل

کھو لئے گئی۔ میں نے آئکھیں بند کر لیس اور اپنی تیز سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ادر جب میں نے دوبارہ آئکھیں کھولیں تو میراد ماغ بھک ہے اُڑ گیا

سیتا چشمے کے پانی میں بیٹی ہوئی تھی۔ شیفاف پانی میں اُس کا بدن صاف نظر آر با تھا۔ میرے بورے جسم میں بحل کی لہریں می دوڑنے لکیں

چشمے کے چاروں طرف اُو پکی جھاڑیاں تھیں۔اس طرف کسی کے آنے کا خدشہ بھی نہیں تھا اورای لئے سیتا کیڑے اُتارکریانی میں اُتر گئی تھی۔ اِدھراُدھر دیکھتے ہوئے اُس نے ایک دو مرتبه غار کی طرف بھی دیکھا تھا۔لیکن میں بھی جھاڑیوں کی آ ڑ میں تھا اس لئے وہ مجھے نہیں دیکھے

مجھے ایسالگا جیسے وقت کھم گیا ہو مجھے اپنے پورے بدن پر چیونٹیاں می رینگتی ہوئی محسوس ہور ہی تھیں۔ اور پھر سیتا کو چشمے سے نکلتے و کھے کر میں جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ اپنے کیڑے اُٹھا کر جھاڑیوں کی آ ڑییں چلی گئی۔اور جب وہ دوبارہ سامنے آئی تو کپڑے پہن چکی تھی۔

ا کے اُویر کی طرف آتے و کھے کر میں رینگتا ہوا غار میں اپنے بستر پر پہنچ گیا اور سینے پر ہاتھ رکھ کرا ہینے بے ربط نفس پر قابو یانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور پھر غار کے باہر آ ہٹ بن کر میں نے آئیس بند کرلیں میں اُس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اُس کے آنے کے بعد میں بدار ہوا تھایا اپنی جگہ ہے اُٹھا تھا۔

میرے دل کی دھڑ کن تیز ہوتی ِ جار ہی تھی۔ وہ میرے قریب گھٹنوں کے بل میٹھ گئی۔

''شمروز اُشو! میں آئی ہوں ۔'' سیتا کی آواز مجھے میلوں دُور ہے آئی ہونی محسوس ہوئی تھی۔ مجھے آواز دینے کے ساتھ ہی اُس نے اپنے سرکو بھی ہولے ہے جھٹکا دیا تھا۔ اُس کے بالوں سے کیڑتے ہوئے پالی کی چند بوندیں میرے چبرے پر پڑیں اور میں نے آتا صیل

وہ میرے اُو پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کے بلاؤز کا اُو پر والا ایک ﷺ بٹن کھیا ہوا تھا اور بلاؤز کے اندر کا منظر میرے حواس اُڑا دینے کے لئے کائی تھا.....اور پھر میں واقعی اپنے حواس کھو مِیْفا میں نے سِیتا کو بانہوں ہے پکڑ لیا۔اُس کی آنکھوں میں ایک دم سرخی تیر گئی۔اُس نے ایک کمیح کومیری آنکھوں میں حیا نکا اور میرے اُو پر حجنتی جل کئ ہمارے بیج تمام فاصلے مٹ

أس غار ميں ڈيڑھ مبينہ بيت گيا۔ اس دوران صرف ايک مرتبہ بھار لی فوجيوں کی ايک بارکی بہتی میں آئی تھی۔ وہ مینج دس بجے سے دو پہر تین بجے تک مکھیا کے مہمان رہے تھے۔ مکھیا بنے اُن کی خوب خاطر مدارت کی تھی اور اُنہیں اطمینان دلایا تھا کہ بہت عرصے ہے اس طرف کوئی بھگوڑا مجاہز نہیں آیا۔ یہاں سب شانتی ہی شانتی ہے۔ اُس چچارے کو کیا پیہ تف کہ اُس کی

بھانجی مجاہدین کے سب سے خطرناک لیڈر کو نہ صرف پناہ دیئے ہوئے ہے بلکہ اُس کے ساتھ جوانی کے مزے بھی لوٹ رہی ہے۔

تجھے افسوک بھی ہوتا تھا کہ مین بیسب پچھ کیوں کر رہا ہوں؟ میں نے اب تک ایک مجاہد کی فرزندگی گزاری تھی۔ انگوری عرصہ تک میرے ساتھ رہی تھی۔ گئی ایسے موقع بھی آئے تھے کہ ہم پیٹری ہے اُر گئے تھے کہ ہم پیٹری ہے اُر گئے تھے کہ سنجوال لیا تھا اور اپنے کا زکوا وّلیت دی تھی۔ غاصب ہندوؤں سے تشمیر کی آزادی ہماری زندگی کا پہلا اور آخری مقصد تھا اور ہم اس مقصد کولیں پشت نہیں ڈال کتے تھے۔

لیکن سیتااس نے مجھے راتے ہے بھٹکا دیا تھا۔لیکن میں فوراُ ہی سنجل گیا۔ایک مرتبہ جو ہونا تھا ہو چکا۔اُ ہے میں اپنی بھول کہہ سکتا تھا۔ دوسری مرتبہ سیتا میرے قریب آئی تو میں نے اُسے سمجھا دیا کہ وہ ایک مخلص اور بے لوث دوست کی طرح میرے ساتھ رہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔اوراس کے بعد سیتانے واقعی کوئی الیی حرکت نہیں کی تھی۔

اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئ تھی کہ ہندو ہونے کے باوجود سیتا کو ہندوؤں سے آئی نفرت اور تشمیری مسلمانوں ہے آئی ہمدردی کیوں تھی؟ یہ بات مجھے سیتا ہی نے بتائی تھی۔

سیتا کے بچیا کا بیٹا گو یال سکھ انڈیا آرئی میں کیپٹن تھا اور چھ مہینے تشمیر میں ڈیوٹی دے کر گیا تھا۔ یہ پچپلے سال کی بات تھی۔ سیتا ہے پور میں تھی اور گر پچولیٹن کی تیاری کر رہی تھی۔ بشیر احمہ نام کا ایک مسلمان لڑکا بھی سیتا کا دوست تھا۔ وہ اُس کا کلاس فیلو تھا اور وہ دونوں اگٹر مل کر اسٹڈی کیا کرتے تھے۔ کئی بارایسے مواقع بھی آئے تھے کہ بشیر احمد چاہتا تو سیتا کے ساتھ بہت کچھ کر سکتا تھا۔ مگر اس نے بھی سیتا کو چھوا تک نہیں تھا۔ بشیر کی شرافت کے قائل تو سیتا کے گھر والبھی تھے اس لئے اُنہوں نے اُن دونوں کے ملئے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

'' و یال سنگھ کشمیرے واپس آنے کے بعد جیسلمیر خصاؤنی میں تعینات ہوا تھا۔ وہ مہینے میں ، ، یَ مَازِمُ ایک مرتبہ ہے یورضر ورآتا تھا۔

ا یہ روز میتا گھر میں اٹیلی تھی کہ گو پال شکھآ گیا۔ اُس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میتا کو دبوج لیا۔ مزاحمت کے باوجود میتا اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب نہ ہو تکی اور ہے بس جڑیا کی طرح پیڑ کیڑا کررہ گئی۔

۔ اتفاق کے اس وقت بشیر بھی پہنچ گیا۔اُ سے صورتحال کا انداز ہ لگانے میں دُشواری پیش کہیں آئی۔اُس نے گو پال سنگھ کو برا بھلا کہا تو گو پال سنگھ اس پر پلیٹ پڑا اوراُ سے پیٹنے لگا۔ بشیر دَ بلا پیلا کمز ورسا ٹر کا تھا۔ پٹتار ہا۔

یہ بنگامہ جاری تھا کہ بنیتا کے ما تا پتا ہمی گھر پہنچ گئے۔گو پال سنگھ نے ساراالزام بشیر _کو دھم دیا اور اُنہیں بتایا کہ اُس نے اُسے رینگے ہاتھوں کپڑا ہے۔ سیتا مال باپ کو بتا رہی تھی کہ اُ^س کے ساتھ بلاد کاربشیر نے نہیں گو پال نے کیا ہے۔ گر گو پال اُلٹا اُسی پر چڑھ دوڑا کہ ^{وہ ا}پخ

ماثق کو بچانے کے لئے اُسے الزام دے رہی ہے۔ سیتا کا بھائی بشیر کو پیٹنے لگا۔ وہ گو پال کے ساتھ مل کرائے دہر تک پنیتار ہا پھر گو ہال اُسے تھانے لے گیا۔

بشیر غریب گھرانے کا لڑکا تھا اور مسلمان تھا۔ گوپال ایک معزز ٹھا کر گھرانے کا فرد تھا اور فوج میں کیمٹن تھا۔ اُس کی بات کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ بشیر کو تھانے میں اُلٹا لٹکا کرا تنا پیٹا گیا کہ دہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پولیس نے اُس کے مُردہ جسم میں دو گولیاں اُتار دیں اور لاش سڑک پر بھینک دی اور بیمشہور کردیا کہ اس نے تھانے سے بھا گئے کی کوشش کی تھی مقابلے میں اور اگرا

سیتاروروکراپنے ماں باپ کویفین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ بشر بےقصورتھا۔ اُس کے ساتھ زیادتی گوپال نے کی تھی لیکن اُس کی بات پر کسی نے یفین نہیں کیا۔ بشیر کا غریب اور مسلمان ہونا ہی اُس کا سب سے بڑا جرم تھا۔ اُس کے لل کی تحقیقات بھی نہیں کی گئی اور بیاس شہب ہوگیا۔

سیتا کواینے دھرم،اپنے ہاں باپ اوراپنے بہادرسینکوں سے شدیدنفرت ہوگئ۔ وہ تو اب تک بیسنتی رہی تھی کہ تشمیر میں مسلمان ہندوؤں پر شدید مظالم ڈھارہے ہیں۔فوج ہندوؤں کو بچانے کے لئے تشمیر بھیجی گئی ہے لیکن اب وہ حقیقت جان گئی تھی۔ وہ مجھ گئی تھی کہ بھارتی فوج تشمیر میں کیا کررہی تھی۔

اتفاق ہے دو مہینے بعد اُس کا ماما ہے پور آیا۔ وہ چندروز بعد واپس لوٹا تو سیتا بھی ماں باپ سے ضد کر کے اُس کے ساتھ گئی اور بہاں آگر اُس نے اپنی آٹھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔

وہ اپنے دھرم اور اپنے ماں باپ سے آئی شدید نفرت کرنے لگی کہ اُس نے شمیری مجاہدین کی کسی پارٹی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس غرض سے وہ دو تین مرتبہ ڈوڈ اشہر بھی گئی تھی جہال وہ ایسے لوگوں سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگئی ہی جوائے مجاہدین تک پہنچا سکتہ تھے۔
لین اُس کا ہندو ہونا آڑے آگیا۔ اور اب اتفاق سے بیتا سے میری ملاقات ہوگئی۔ ای لئے اُس نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کرمیری مدد کی تھی۔

سیتا بہت خوش تھی کہ بالآخرا کیک تشمیری مجاہد ہے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی اور میں سیتا ہے ملاقات پر اپنی جگہ خوش تھا اور سوچ رہا تھا کہ سیتا ہے ہندوؤں کے خلاف کس طرح کام لیا جائے؟

OOO

وہ دو پہر کا وقت تھا۔ میں عار میں اپ بستر پر لیٹا اونگھ رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ کی آواز سے میری آنکھ کسل گئی اور میں بدحواس ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ عار میں کوئی نہیں تھا اور کوئی معمولی ہی آ ہے جسی سائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نسوانی چیخ کی آواز کو اپنا واہمہ سمجھا اور میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ دراصل میری زندگی کا پچھلا پچھ عرصہ ایسا ہی ہنگامہ خیز گزراتھا۔
میں نے اپنی آنکھول کے سامنے درندہ صفت بھارتی فوجوں کو مسلمانوں کی بستیوں کو تاران میں نے اپنی آنکھول کے سامنے درندہ صفت بھارتی فوجوں کو مسلمانوں کی بستیوں کو تاران کرتے دیکھا تھا۔ آگ، خون اور اشیں سسبوں اور جوان لا کیوں کی چینیں ہر طرف سائی دیتی تھیں۔ ان بستیوں پر جملوں کے گئی روز بعد بھی معصوم اور بے گناہ عورتوں اور لڑکیوں کی چینی میر کانوں میں گونجی رہتی تھیں اور پھر اسی طرح کا کوئی نیا واقعہ رونما ہوجا تا۔ اس طرح کشیر میں تابی اور بربادی کا ایک تسلم التا ویوی اور نیلم میرا ہر طرح سے خیال رکھے ہوئے اگر چہ آبادی سے دوراس غار میں تھا۔ سیتا دیوی اور نیلم میرا ہر طرح سے خیال رکھے ہوئے مقیس۔ اگر چہ آبادی سے دوراس غار میں تھا۔ سیتا دیوی اور نیلم میرا ہر طرح سے خیال رکھے ہوئے فراموش نہیں کیا تھا جو شیری مسلمان طویل عرصے سے بیات آزادی کے لئے لڑر ہے تھے۔ مقار میں میں بھی ایک لیحو کو میں نے بھی ایک لیحو کو ہی فراموش نہیں کیا تھا جو شیری مسلمان طویل عرصے سے اپنی آزادی کے لئے لڑر ہے تھے۔ اس عار میں میرے لئے مکمل طور پر سکون ہونے کے باوجود میرے دماغ میں بھی بھی اس عار میں میرے دماغ میں بھی بھی

وانماکے ہونے لگتے اور بھیٹریا صفت بھارتی فوجیوں کی بربریت کا شکار ہونے والی معصوم

لڑ کیوں اور بے گناہ عورتوں کی چینیں میر ہے کا نوں میں گو نجنے لکتیں۔ اور اس وقت میں نسوالی

ت جھا نگنے لگا۔اور چھر دوسرے ہی معے جھھے سینے میں سالس زُکتا ہوا محسوں ہونے لگا۔۔۔ ﴿شُنْہِ کَ قَریبِ دو بھارتی فو جیوں نے سیتا کو دبوج رکھا تھا اور سیتا اپنے آپ کو چھڑانے ک جدوجبد کر رہی تھی۔ایک فوجی نے اُس کا منہ دبا رکھا تھا اور جب کسی وقت ہاتھ منہ ہے ہے۔ جاتا تو سیتا کی تھٹی تھٹی میں چیخ فضا میں پھیل جاتی۔

سیتا کی ساڑھی اُس کے جسم ہے الگ ہو چکی تھی۔ صرف پیٹی کوٹ اور بلاؤز بدن پر رہ گیا پرایک فوجی نے ایک ہاتھ ہے اُس کا منہ دبار کھا تھا اور دوسرا ہاتھ اُس کے سینے پر لپیٹے اُسے پوہیں رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ جبکہ دوسرا فوجی اُس کا بیٹی کوٹ نیچے کھینچنے کے چکر میں تھا اور ناایخ آپ کو بچانے کے لئے بری طرح لاتیں چلار بی تھی۔

رونوں فوجیوں کی سب مثین گئیں چشمے کے کنارے پھروں پر پڑی ہوئی تھیں۔ میں رائفل فائے قد آ دم جھاڑیوں کی آڑ میں بڑی احتیاط سے پنچے اُتر نے لگا۔ ایک تو جھاڑیاں بہت نجی تھیں۔ اگر میں کھڑ ہے ہو کر بھی چلتا تو چشمے کی طرف سے مجھے دیکھانہیں جا سکتا تھا اور پھر سنہ ان جھاڑیوں میں بل کھا تا ہوا تھا۔ اس طرح ویکھے جانے کا امکان نہیں تھا مگر اس کے جد میں حکک کر بڑی احتیاط ہے چل رہا تھا۔

'' بیتنا کی گھٹی گھٹی ہی جیخ ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے زک کر جھاڑیوں میں سے جھا نکا، سیتنا پخ آپ کو کسی طرح چیٹرا کر ایک طرف کو بھاگ کھڑی ہوئی تھی لیکن اُن دونوں فو جیوں نے نے پھر دیوج لیا تھا ادراُ ہے اُٹھا کر چیٹھے کے دوسری طرف لے جارہے تھے۔

استی کا فاصلہ وہاں ہے آئی وُ ورتھا کہ اگر سیتا پھیپھڑوں کی پوری قوت ہے بھی چیخی تو اُس کی آواز بستی تک نہیں بہنچ سکتی تھی۔ البتہ بیمکن تھا کہ قرب و جوار میں موجود کوئی شخص اُس کی واز س لے لیکن لگتا تھا اس وقت اس نواح میں کوئی نہیں تھا جواُس کے چیخنے کی آواز س لیتا کہ بھی شاید میں نے اُس کی آواز س لیتھی اور اُسے بچانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔ سیتا کو بھی شاید اُن ہوگا کہ میں اُس کی آواز س لول گا اور اس کی مدد کوضر ور آؤں گا۔ لیکن جیرت کی بات میتھی ہو کہ لائس نے ایک مرتبہ بھی میرا نام لیکر مدد کے لئے نہیں پکارا تھا جس کی وجہ شاید ہے بھی ہو کہ اُن کا منہ دبار کھا گیا تھا اور اُسے میرا نام بیک رہار نے کا موقع نہیں مل رہا تھا یا وہ اُن فوجیوں کے اُسے جان بوجھ کرمیرا نام نہیں یکارنا چاہتی تھی۔

وہ فوجی اُت چشمے کے دوسری طرف ایک چٹان کے پیچیے لے گئے۔ اس طرف سیتا کے بیٹی اُواز ایک بار پھر سائی دی۔ میں تیزی سے جھاڑیوں سے انکل کر چشمے کے قریب آگیا۔
جوال کی دونوں سب مشین گئیں اس جگھ پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے مخاط نظروں سے نشیب ما بہت اُورنستی کی طرف اور ادھراُدھر دیکھا۔ اُور دور تک کوئی ذی رُوح دکھائی نہیں دیا تھا کہ ان فوجیوں کا کوئی تیسرا ساتھی آس پاس موجود نہیں تھا۔ اگر ان کے کوئی اُن کا مطلب تھا کہ ان فوجیوں کا کوئی تیسرا ساتھی آس پاس موجود نہیں تھا۔ اگر ان کے کوئی اُن کی بول گے اور بید دونوں شاید گشت کرتے کیا راستہ بھٹک کراس طرف آ نکلے تھے اور ایک جوان اور حسین لڑکی کو اسلیل پا کرائن کی مؤلی فرط سے کیوں جاگا اُتھی تھی۔

میں دیے قدموں چشمے کے اوپر ہے گھوم کر اُس چنان کے قریب پہنچ گیا۔ دوسری طرف مسیتا کی گھٹی گھٹی سی چینوں اور دھینگامشق کی آوازیں سائی دے ربی تھیں۔ غالبًا بیتا اپنے

آپ کو بچانے کے لئے اب بھی بھر پور مزاحت کر رہی تھی۔ میں چند قدم مختاط انداز میں آ بڑھا اور پھر چھلانگ لگا کر چٹان کے دوسری طرف آگیا اور اس کے ساتھ ہی میرے _{دما ن} میں دھاکے سے ہونے گئے رگوں میں خون کی گروش تیز ہوگئی جس سے میری کنپئیا_ں سلگ اُٹھیں

سیتا زمین پر چت پڑی تھی۔ ایک فوتی نے اُس کی بانہوں میں ہاتھ ڈال کر اُسے پوری طرح گرفت میں ہاتھ ڈال کر اُسے پوری طرح گرفت میں ایک زومال شمنیا ہوا تھا جس ہے اُس کی چئیں اُس کے سینے بی میں دم تو ٹر رہی تھیں۔ سیتا کا بلاؤز بھی بھٹ چکا تھا وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے پوری قوت سے لاتیں چلار بی تھی۔ اور دوسرا فوتی اُسے مکمل طور پر بے بس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں چھلا نگ لگا کر سامنے آیا تو آواز من کر دونوں فوجی چونک گئے۔ ایک کمح کوان پر سکتے کی تی کیفیت طاری ہوگئی لیکن انہوں نے فورا بی اپنے آپ کوسنجال لیا۔ اُن دونوں فوجیوں کی رافعایس تو چشنے کے قریب بی پڑی ہوئی تھیں البتہ دونوں کی سینیس اُن کے بیٹوں سے لگے ہوئے ہوئے موسنجوں میں تھیں۔

جونو جی سیتنا کو ٹانگوں سے بکڑ کر قابو میں کرنے کی کوشش کرر ہاتھا وہ تنگین کے دیتے پر ہاتھ ڈالتا ہوا میری طرف لیکالیکن میں نے اُسے تنگین ہولسٹر سے زکالنے کا موقع نہیں دیا اور بڑی پھرتی سے رائفل کو نال کی طرف سے بکڑ کرلٹو کی طرح گھما دیا۔ رائفل کا بٹ پوری قوت سے اُس کے سر پر لگا۔ بٹاخ کی آواز اُ بھری اور اُس کی کھوپڑی کے پر نچچے اُڑ گئے۔خون کا فوار و پھوٹ بڑا۔ اُس کا بھیجہ بھی بھر گیا اور اُس کے منہ سے صرف ایک آواز نکلی تھی۔ وہ تیورا کر گرا اور یانی سے نکالی ہوئی مچھلی کی طرح تڑنے لگا۔

دوسرے فوجی نے بھی سیتا کو چھوڑ دیا۔ اُس کے چبرے پرشدید خوف اور آنکھوں میں بے بناہ وحشت اُ بھر آئی تھی۔ میں نے بڑی پھرتی ہے رائفل کو گھما کر بٹ کی طرف ہے پکڑا اور اُے زدمیں لے لیا۔ اُس بزدل فوجی نے دونوں ہاتھے سرے اُو پراُٹھا دئے تھے۔

سیتا چند کمحول تک متوحش نظروں ہے ادھراُ دھر دیکھتی رہی پھراپنی جگہ ہے اُٹھی اور دوڑ کر مجھ سے لیٹ گئی۔ وہ تھرتھر کا نپ رہی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے رائفل کو سنجالے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اُس کا کندھا تھیتھیانے لگا۔

''اپنے حواس قابو میں رکھوسیتا!'' میں نے کہا۔

'' مار دوشمروز مار دوا ہے چھانی کر دوا ہے'' وہ ایک دم پھٹ بڑی۔''اس نے ہندو ہو کر ایک ہندو تاری کی عزت اوٹنے کی کوشش کی ہے۔ تم مسلمان ہو تم نے مجھے ان درندول ہے بچایا۔ ختم کر دوا ہے بھی۔'' اُس نے جذبات میں آ کر مجھ سے رائفل جھینے کی کوشش بھی کی تھی ۔۔ کوشش بھی کی تھی ۔۔ کوشش بھی کی تھی ۔۔

'' ہوش میں آؤسیتا!'' میں نے کہا۔'' تم اس طرف میٹھ جاؤ اور دیکھو میں اس کا ^آیا حشر^{کر ج}

ال '' - '' اور پھر میں نے بڑی مشکل سے سیتنا کو اپنے آپ سے الگ کیا۔ وہ دونوں گھٹے سمیٹ کر اور پھر میں نے بڑی مشکل سے سیتنا کو اپنے آپ سے الگ کیا۔ وہ دونوں گھٹے سمیٹ کر ان کے ساتھ ممیک لگا کر بیٹھ گئے۔ دونوں بانہیں اُس نے اپنے گھٹنوں پر لپیٹ لی تھیں۔
میں نے ایک مرتبہ دوسر نے فوجی کی طرف دیکھا وہ زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔ اُس ایکھو پڑی سے بہنے والا خون اور بھیجے کے لوٹھڑ سے ادھراُ دھر پھر اُور پھر اُدھر ویکھنے لگا۔ اُس جگہ دو چٹا نیس آپس میں اس طرح ملی میں لاش سے نظریں بٹا کر اِدھراُ دھر ویکھنے لگا۔ اُس جگہ دو چٹا نیس آپس میں اس طرح ملی اُن کے ساتھ ایک بیس بیا تھا۔ دوسری اُن کے ساتھ ایک بیس بیا گیا تھا اور میدان بیان کیا گیا تھا اور میدان بیس جھا گیا تھا اور میدان

کے اختیا م پرایک گہرا گھڈتھا۔ میں نے میدان کے کنارے پر بہنچ کر نیچے جھا تک کر دیکھا۔ بالکل عمودی ڈھلان تھی جو مکڑوں فٹ گہرائی تک چلی گئی تھی۔ اُس ڈھلان پر پیر جمانا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ علان کے اختیا م پر گہرائی میں چقر بکھرے ہوئے تھے اور چھوٹی چھوٹی جھوٹی جھاڑیاں بھی تھیں۔

ھلان ہے احکما م پر ہمراق میں پہر سرے ہوئے سے اور پول پیوں بھا دیاں کی میں۔ میں نے ایک بڑا سا پھر اُس ڈ ھلان پر لڑھکا دیا۔ وہ پھر ایک بڑے سائز کے منکے کے ابر تھا۔ وہ ایک مرتبہ ڈ ھلان کی سطح سے نکرایا پھر گیند کی طرح ہوا میں اُچھلا اور بمیوں فٹ نیچے اب بار پھر چنانی ڈ ھلان سے نکرا کر دو نکڑ ہے ہو گیا۔ نیچے بیٹنچنے پر وہ پھر چھوٹے جھوٹے تعداد کمڑوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔

میں نے مُو کر اُس فوجی کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی دونوں ہاتھ سرے اُو پر اُٹھائے کھڑا ا۔اُس کے چہرے پربے پناہ خوف تھا اور وہ ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اُس کی عمرتیں اور ہنیس کے درمیان رہی ہوگی۔اُؤتھ برش ٹائی مونچیس خاصی خوفناک لگ رہی تھیں۔

ادہ بھیانک ہوئی۔ ''مم مجھے ثنا کر دومہارا ج!'' اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ اُس کے منہ ہے آواز اُن بشکل نکل رہ تو تھی۔

'' ہاتھہ اُو پر……!'' میں غرایا۔ اُس نے ہاتھ فوراً ہی سرے اُو پر اُٹھا دیئے۔

''اس کو مار دوشمروزختم کر دواہے۔'' سیتا چیخی ہوئی اپنی جگہ ہے اُٹھ گئی اور دوڑ ک_{ر ایک} کی آ ڑے نکل َ بار پھر مجھ سے رائفل چیپننے کی کوشش کرنے لگی۔ بیتا کی ساڑھی؟

> ''ہوش میں آؤسیتا!'' میں نے کہا۔''اس نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ پیتمہارے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔'' میں نے سیتا کواپنے سے الگ ہٹا کرایک ہ_{ار پُر} ادھراُ دھر دیکھا اوراُس فوجی کوآگے آنے کا اشارہ کیا۔

'' پیاُش اُٹھا کراس گھڈ میں بھینک دو!'' میں نے اُسے رائفل کی زد پر لیتے ہوئے تھم دیا۔ اُس کا چبرہ ایک دم وُھواں ہو گیا۔ وہ بھی لاش کی طرف دیکھتا اور بھی ہم دونوں کی طرف ِ '' پیہاں اس کی چنا کا بندوبست نہیں کیا جا سکتا۔ لاش اُٹھا کر بھینک دو گھڈ میں '' میں نے اُستر ہوں نے کہا

وہ جھک کرلاش اُٹھانے لگا۔ اُس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ وہ لاش اُٹھا کرکھڈ کی طرف بڑھا تو اُس کی ٹائکیں بھی کانپ رہی تھیں ۔ لِگِتا تھا کسی بھی وفت گر جائے گا۔

میں نے جھانک کرینچے دیکھا۔ دونوں لاشیں نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔ شایدان کے اٹنے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے کہ انہیں جمع کرنا بھی ممکن نہیں رہا ہوگا۔

میں نے سیتنا کی طرف دیکھا۔اُس کے چہرے پرسنسنی نکے تاثرات تھے۔اور پھر وہ دوڑ کر مجھ ہے لیٹ گئی اورسسکیاں بھر کررونے گئی۔

جب تک اُن دونوں درندوں کا انت نہیں ہو گیا تھا میں بھی سنسنی کی لپیٹ میں رہا تھا۔لیکن اب میں نے اپنے آپ کو سنجال لیا تھا۔ میں سیتا کی بر ہند پشت سہلاتے ہوئے اُسے تعلیٰ دیے لگا۔

'''نہم سارا دن یہاں کھڑے نہیں رہ سکتے سیتا!'' میں نے کہا۔''اپنے کپڑے اُٹھاؤ اور یباں ہے ہٹ چلو۔اگر کوئی اس طرف آگیا تو.....''

''یبال کوئی نہیں آتا۔'' اُس نے میری بات کاٹ دی اور چبرہ اُوپر اُٹھا کرمیری آٹھوں میں جھا نکتے ہوئے بولی۔''اگرتم نہ ہوتے تو یہ درندے پیۂ نہیں میرا کیا حشر کرتے۔تم نے جھے نیا حیون دیا ہے۔۔۔۔ میں تمہارا بیا حسان بھی نہیں بھولوں گی۔''

'' ٹھیک ہے۔۔۔۔گراس وقت یہاں ہے چلوا'' میں نے کہا۔ سیتا مجھ ہے الگ ہوگئی۔ اُس نے اپنا پیٹی کوٹ اور پھٹا ہوا بلا وُز اُٹھایا اور ہم دونو^{ں چٹان}

ی آ ڑے نکل کر چشمے کی طرف آ گئے۔ میں نے ان فوجیوں کی دونوں رائفلیں بھی اُٹھالیں۔ بینا کی ساڑھی بھی قریب ہی پڑئی تھی جو میں نے اُٹھا کراُس کی طرف بڑھا دی۔

''لو يه لپيٺ لواور أو پر چلو!''

''تم تھوڑی دریمیں رُک جاؤ!'' سیتا بولی۔ اب وہ اپنی حالت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی۔''انہوں نے اپنے گندے ہاتھوں سے میرے شریر کوچھوا تھا۔ میں اشنان کرلوں تو اُوپر جاویوں''

تیں چشمے سے چند گز وُور رُخ چھیر کر کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ تک پانی میں چھپاکول کی آواز سنائی ویق رمیں، پھرسیٹا کی آواز سائی دی۔

" تیں نے کیڑے پہن لئے ہیںابتم اس طرف د کھے سکتے ہو۔ "

میں چھے مُوٹر گیا۔ سیتا اپنے جستم پر ساڑھی لیپ چگی تھی اور بلاؤ زبھی کسی نہ کسی طرح اُس نے اٹکالیا تھا۔ پھر چشمے کے قریب ہی جھاڑیوں کے قریب جھک کراُس نے ایک پوٹلی اُٹھالی۔ اُس کے قریب ہی پیتل کی ایک گڑ وی بھی تھی۔

'' پیر کیا ہے؟''میں نے پوچھا۔

'' بین تمہارے لئے کھانا لئے کر ہی آئی تھی۔'' اُس نے جواب دیا۔''اور پھریہ سوچا تھا کہ اس گڑوی میں پانی بھی لیتی چلوں کہ اچا تک ہی وہ دونوں میرے سامنے آگئے۔ کچھ دیر جھ سے اُلٹے سید ھے سوال کرتے رہے پھر ان دونوں نے ججھے دبوچ لیا۔'' وہ چند کھوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔'' چلو! اُور عار میں بیٹے کر ہاتیں کریں گے۔''

اُس نے چشمے براُوپر ہے، جہاں ہے پانی نیچ گرر ہاتھا، گڑوی میں پانی بھرلیا۔ میں نے رائفلیں اپنے کندھوں پر لؤکا لیس اور ہم دونوں جھاڑیوں میں بل کھاتے ہوئے راہتے پر چلتے بوئے غار میں آگئے۔

''لو! تم روٹی کھاؤ میں تہہیں بتاتی ہوں اُن دونوں نے کس طرح مجھے گھیرنے اور ہے بس کرنے کی کوشش کی تھی۔''سیتا کہتے ہوئے میرےسامنے بیٹھ گئ۔

چنہ مند پہلے جو کچھ بھی ہوا تھا اُس کے پیش نظر میری بھوک اُڑ جانی چاہئے تھی مگر حمرت ہمری بھوک چیک اُٹھی تھی۔اور میں بڑے بڑےنوالے تو ڑکر منہ میں رکھ رہا تھا۔میرے سامنے میٹھی ہوئی سیتا بتارہی تھی کہ مس طرح ان دونوں فوجیوں نے اُسے اکیلا دیکھ کرموقع ہے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تھی۔

میں ہوں ہاں کرتے ہوئے کھانا کھا رہا تھا۔ ایک مرتبہ میری نظریں اُس کی طرف اُٹھ گئیں اور نوالہ میرے حلق میں اٹک گیا۔ سیتا گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے پھٹے ہوئے بلاؤز کواپنے بدن پر پھنسانے کی کوشش کی تھی مگر بلاؤز ایک طرف سے ہٹ کرینچے ہو گیا تھا اور اُس کا سینہ ایک طرف سے اس طرح بر ہند ہور ہا تھا کہ مجھے سینے میں اپنا سانس زُکتا

ہوامحسوں ہونے لگا۔

میں نے گڑوی اُٹھا کر ہونٹوں ہے لگا لی۔ پانی کے چند بڑے بڑے گھونٹ بھر کرحلق میں اٹکا ہوا نوالہ بنیجے اُتارااور اُس کے چبرے کو تکنے لگا۔

'' کیا ہوا؟''سیتانے یو حھا۔

''پھندہ لگ گیا تھا۔۔۔۔نوالہ طق میں اٹک گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ '' آرام ہے کھا نا کھاؤ نا ۔۔۔کوئی تم ہے چھین تونہیں رہا۔'' سیتام سکرا دی۔

'' کیا تمہارے خیال میں بہ جگہ اب رہنے کے لئے مناسب ہے؟'' میں نے اس مرتہ نسبتا چھوٹا نوالہ منہ میں رکھا۔'' بہ نوجی گشت کرتے ہوئے اس طرف آگئے تھے۔ انہیں کی نہ کی وقت اپنی چوکی پروالیس تو پہنچنا ہوگا۔اور جب بہ لوگ وہاں نہیں پہنچیں گئو ان کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ تلاش کرنے والی کوئی بارٹی تمہاری بستی میں بھی آئے گی اور اس طرف بھی چیک کیا جائے گا۔'' میں چند لحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔'' یہاں انہیں لاشیں تو نہیں ملیں گی۔ ان لاشوں کو تلاش کر لینا آسان نہیں ہوگا لیکن اس چنان کے دوسری طرف پھروں پر بھرا ہوا نون الاش کرنے والوں کوساری کہانی سنا دے گی۔ جب وہ لوگ اس طرف آئیں گے تو یہ غاربھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔''

''یمی میں بھی سوچ رہی ہوں۔'' سیتا نے جواب دیا۔''یہ جگہ اب واقعی خطرناک ہوگئ ہے۔اس کئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم یہ غار ہی نہیں میہ علاقہ بھی چھوڑ دیں گے۔'' ''کیا مطلب؟''میں نے چونک کراُس کی طرف دیکھا۔

''یہاں سے قریب ترین ہماری بہتی ہے۔''ستانے کہا۔''اپ دو نو جیوں کی گمشدگی پروہ سب سے پہلے ہماری ہی بہت ہماری بہتی ہے۔''ستانے کہا۔''اپ دو نوجیوں کی گمشدگی پروہ سب سے پہلے ہماری ہی بہت میں آکر بوچھ گچھ کریں گے اور جب یہاں پھروں پرجگہ جائے گی دور جبلیس کے دھے ملیس کے دھے ملیس کے دھے میں کہ میں آس پاس گھوتی رہتی ہوں۔ مجھ سے بوچھ گچھ کی جائے گی اور شاید میں ۔۔۔''
جائے ہیں کہ میں آس پاس گھوتی رہتی ہوں۔ مجھ سے بوچھ گچھ کی جائے گی اور شاید میں ۔۔۔''
میں سمجھ گیا۔'' میں نے اُس کی بات کا بدی۔''کہاں جانا چاہتی ہو۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی متادل انظام؟''

''''ایک جگہ ہے میری نظروں میں۔'' سیتا نے جواب دیا۔'' ہماری بست کے دوسری طرف پہاڑیوں میں کچھ گھیائیں میں جہاں کسی کو تلاش کر لینا آ سان نہیں ہو گا۔تم ایک دو دن وہاں رہ حاؤ اس کے بعد ہم جموں کی طرف نکل جائیں گے۔''

'' ہم ہے تمہاری کیا مراد ہے؟'' میں نے اُسے گھورا۔'' کیاتم بھی اپنا گھر چھوڑ کرمیر ۔ ساتھ جانا چاہتی ہو؟''

''نہاں ''' سیتا نے جواب دیا۔''اب تو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مسلمان تو مسلمان یہاں تو ان وحشیوں سے ہندوعورتوں کی عز تیں بھی محفوظ نہیں۔سب سے پہلے مہر ﷺ

کزن نے مجھے ہے آ بروکیا اور اب یہ ہندوفو جی ۔۔۔۔کیا اب بھی ایک کوئی گنجائش ہاتی ہے کہ میسر ان پر بھروسہ کروں؟ اگر انہیں شبہ بھی ہو گیا کہ میں دو ہندوفو جیوں کے قبل میں ملوث ہوں تو وہ مہرا حشر مسلمان عورتوں ہے بھی بدتر کریں گے۔میر ہے گھر والوں کوبھی تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا۔ ہوسکتا ہے اس بہتی ہی کو جلا کر راکھ کر ڈالا جائے اور وہ لوگ بھی نہیں مانیں گے کہ ان دو ہندوفو جیوں نے میرا بلاد کار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے ہمیں سے غار ہی نہیں بستی بھی چھوڑ دنی ہوگی۔''

'' وہ گھیائیں یہاں ہے کتنی ؤور ہیں؟'' میں نے یو چھا۔

'''بہتی کے اس طرف'' اُس نے ہاتھ ہے اشارہ کیا۔'''لیکن وہاں تک جانے کے لئے بہتی کی طرف نہیں جانا پڑے گا۔حضوری بابا کے مزار والی چٹان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''تو پھرا تظار کیوں کیا جائے؟'' میں نے کہا۔''کیوں نہ ابھی یہاں سے نکل چلیں؟''
'' یہی مناسب رہےگا۔'' سیتا ہو لی۔''تم تیار ہو جاؤ! ہم ابھی نکل چلتے ہیں۔'
کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے بستر کی چا درا در کمبل تہدکر لیا۔سیتا نے باقی چیزیں اُٹھا کر
غار کے پچھی طرف تنگ می دراڑ میں چھپا دیں۔ اُس نے کمبل اور چا در میرے ہاتھ سے لئے
لی۔ میں نے ہندونو جیوں کی رانفلیں تو اپنے کندھوں پرائے کیں اور اپنی رائفل ہاتھ میں سنجال
لی۔ میں نے ہندونو جیوں کی رانفلیں تو اپنے کندھوں پرائے کیں اور اپنی رائفل ہاتھ میں سنجال
لی اور ہم غارے نکل آئے۔

حضوری بابا کے مزار کے قریب سے گزرتے ہوئے سیتا ایک کمیے کورُک گئی۔ دونوں ہاتھ جوڑ کروہ زیرلب کچھ ہو ہڑائی اور میرے ساتھ چلئے گئی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم پہاڑیوں کے دامن میں درخوں کی آڑلے کر چلتے ہوئے سیتی کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ اُس طرف پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کے چاروں طرف دبیز گھاس اور جھاڑیاں تھیں اور پوری جھیل کی سطح کنول کے چوڑے پتوں سے ڈھی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں ان پودوں میں پھول بھی کھیے ہوئے جو ہوا کے جھوٹکوں سے اہرار ہے تھے۔

ان چٹانوں میں لا تعداد گھپائیں تھیں۔ ان گھپاؤں کو دکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اندر سے یہ چٹائیں پانی سے ٹٹی تھیں۔ پانی سے چٹانوں کے کٹاؤ کا پیٹمل صدیوں میں یبال تک پہنچا ہوگا۔ ان گھیاؤں کے اندر حجیت پر کہیں کہیں سے پانی عیک رہاتھا اور یہی پانی بہتا ہوا باہر والی حجیل میں حاکرتا تھا۔

یں یں بن اوپر سے چٹا نیں کھلی ہوئی تھیں اور روشنی ان گھیاؤں کے اندر تک پنٹی رہی تھی۔ میں سیتا کے ساتھ جلتا رہا۔ پانی کے کناؤ سے لا تعداد قدر ٹی ستون بن گئے تھے اور یہ تھیا ہیں۔ بہت وُ ورتک چلی ٹی تھیں۔ سیتانے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ایسی جگد پرکسی کو تلاش کر لین مکنن نہیں تھا۔ ایک جگد سیتا رُگ ٹی۔ یہ جگد قدر سے صاف ستھری تھی اور اُوپر چٹانوں میں چھے تھی جگہ تھی جہاں

ہے آسان بھی دکھائی وے رہا تھا۔ جس جگہ ہم رُکے تھے اُس کے قریب ہی تقریبا ایک فرے چوڑی ندی کی صورت میں پانی بھی نشیب کی طرف بہہ رہا تھا۔ پانی کی گہرائی چھسات اپنے ہے زیادہ نہیں تھی۔

ر پر ہائیں گا۔ ''سوری شریمان جی!'' سیتا نے کمبل اور چادر چٹانی دیوار کے قریب زمین پر رکھ دی اور اُن کے اُو پر وہ چھوٹی سی پوٹی جس میں بچی ہوئی روٹی تھی ۔''اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں مل سکتی۔ مجھے افسوس سے کہ ……''

ستق۔ جھےافسوس ہے کہ:' '' بیتو بہت اچھی جگہ ہے۔'' میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔'' میں نے تو ایسی ایسی جگہوں پرشب وروز گزارے ہیں جہاں''

''میں جانتی ہوں۔'' اُس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی۔'' یہ جگہ بہت محفوظ ہے۔ لیکن اگر انفاق سے کوئی اس طرف آ بھی گیا تو تم اُس راستے سے اوپر چلے جانا۔ وہ اوپر تہہیں چیڑ کا ایک جھومتا ہوا درخت نظر آ رہا ہے نا؟'' اُس نے ہاتھ اُٹھا کر اُوپر اشارہ کیا۔'' وہاں ہے تم پہاڑیوں کے اندر جا کر کسی محفوظ جگہ پر پناہ لے سکتے ہو۔اگر ایسی کوئی صور تحال ہوئی تو میں اس ط فی آ جاؤں گی''

'' لگتا ہے یہ سارا علاقہ تم نے بہت اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔'' میں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے آپ میں ایک جحیب تی ہے چینی محسوں کرنے لگا۔ سیتا نے جب ہاتھ اُٹھا کر او پراشارہ کیا تھا تو اُس کی ساڑھی کا پلوینچ گرگیا تھا اور چیٹا ہوا لگا۔ سیتا نے جب ہاتھ اُٹھا۔ بلاؤز بھی ایک طرف ہے ہٹ گیا تھا اور وہ قیامت خیز منظر میرے دل پر قیامت ڈھار ہا تھا۔ ادر ماتھ تھے میں کے گھرت سے ہے گیا تھا اور وہ قیامت خیز منظر میرے دل پر قیامت ڈھار ہا تھا۔

'' میں قبیج سے شام تک گھومتی رہتی ہوں اوراس علاقے کے بارے میں اتنا پچھے جان چک ہوں کہ یہاں کے رہنے والے بھی نہیں جانتے اور ۔۔۔'' وہ بات کرتے کرتے رُک گئی۔ اُس نے میری نگا ہوں کا مرکز تا ڑلیا تھا۔ اُس کے ہونؤں پرمسکراہٹ آگئی۔

'' سوری ڈیٹر!'' اُس نے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔'' میں تہہاری۔۔۔'' میں سیتا کو جملہ کمل کرنے کا موقع دیئے بغیرا یک قدم آ گے بڑھ گیا اور میں نے بھی بانہیں پھیلا دیں۔ بیتا والہانہ انداز میں مجھ سے لیٹ گئے۔ میری کنپٹیاں سلگ ربی تھیں اور دماغ میں آندھیاں سی چل ربی تھیں۔ اُس کے گداز سینے کے کمس نے میرے اندرلا واسا بھر دیا تھا۔ سیتا نے ججھے اپنی بانبوں کے شکنج میں جکڑ لیا۔۔۔ ہم زیادہ دیر تک اپنے پیروں پر کھڑے نہیں رہ سکے اور زمین پر جسکتے

۔ میں اس وقت یہ بھول گیا تھا کہ میں نے اپنے دل سے عہد کیا تھا کہ سیتا کے اپنے قریب نہیں آؤل گا کہ جذبات بھڑک اُٹھیں مگر اب کمبخت وہی دل بے قابو ہو گیا تھا۔ اس میں سیتا کا سرقہ ہے۔

میں اپنے آپ کو ملکے ٹھیلئے بادلول کی طرح ہواؤل میں اُڑتا ہوامحسوں کر رہا تھا۔ اور بھ

کیفیت بہت دیر تک برقرار رہی۔حواس بحال ہونے پر میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ سیتا میرے بازو پرسرر کھے میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی۔اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

الہرے سال ہے دبان ہا۔ ''سیتا!'' میں نے اُسے ہولے سے پکارا۔لیکن اُس کے بدن میں حرکت پیدائہیں ہوئی۔ تیسری مرتبہ یکارنے پروہ کسمسا کررہ گئی۔

" ہوں 'اُس کی آواز بہت مدهم تھی جیسے بہت گہری نیند میں ہو۔

''اُ تھو۔۔۔۔۔ بہت دیر ہوگئی۔تمہیں بہتی واپس جانا ہے۔'' میں نے کہا۔ سیتا نے بڑی مشکل ہے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ چند کمھے خموری نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر میرے سننے برسر رکھ دیا۔

یں پر منٹ بعد میں نے اُسے اپنے ہے الگ کیا۔ وہ اُس کے بعد بھی کافی دیر تک زمین پرلیٹی گہرے گہرے سانس لیتی رہی پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے گئی جیسے یہ جاننا چاہتی ہو کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ اور پھر وہ اُٹھ کر اپنالہاس درست کرنے گئی۔

سیتا چلی گئی اور میں اپنی جگہ پر بیٹا یہ سوچارہا کہ بیسب کیا ہورہا ہے؟ میں اپنے راستے کیوں بھٹک رہا ہوں؟ دفعتہ میر ہے ذبن میں ایک اور خیال اُ جرا۔۔۔۔ سیتا ہندوتھی ۔۔۔۔ اور کشمیر کے مسلمان آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ کشمیر میں موجود سات لا کھ بھارتی فوجی اس تخریک آزادی کو کچلنے کے لئے تشمیر یوں برظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ کشمیری مجاہدین بھی بھارتی فوج کو جانی و مالی نقصان پہنچارہے تھے۔ روزانہ درجنوں بھارتی فوجی شمیری مجاہدین کے ہاتھوں مارے جارہے تھے اور ظاہر ہے ہندوؤں کی تمام تر بھدردیاں اپنے سینکوں کے ساتھ کسیں۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا سیتا جان ہو جھ کر جھے راہتے ہے بھٹکا رہی ہے؟ اُس نے مصل ۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا سیتا جان ہو جھ کر جھے راہتے ہے بھٹکا رہی ہے؟ اُس نے خب بھی پہنچ چل گیا تھا کہ میں کوئی شمیری مجاہد ہوں۔ اور بعد میں اُسے میرا نا م بھی معلوم ہو اُسے یہ بھی پہنچ چل گیا تھا کہ میں کوئی شمیری جاہد ہوں۔ اور بعد میں اُسے میرا نا م بھی معلوم ہو گیا تھا۔ وادی کا بچہ بچہ میرے نام ہے واقف ہو چکا تھا۔ بھارتی فوجیوں کے لئے تو میرا نام گیا تھا۔ وادی کا بچہ بچہ میرے نام ہے واقف ہو چکا تھا۔ بھارتی فوجیوں کے لئے تو میرا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ اگوری ماری جا چکی تھی اور میں کشمیر میں بھارتی فوجیوں کے لئے تو میرا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ اگوری ماری جا چکی تھی اور میں کشمیر میں بھارتی فوجیوں کے لئے تو میرا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ اگوری ماری جا چکی تھی اور میں کشمیر میں بھارتی فوجیوں کے لئے تو میرا نام زیادہ مطلوب تھا۔ میر ہے اُندہ گرفاری پر لاکھوں رو بے انعامات مقرر تھے۔

میرے بارے میں جاننے کے بعد سیتا نے شاید سوچا ہو کہ اگر اُس نے مجھے بستی والوں کے فرریعے پولیس یا فوج کے حوالے کرنے کی کوشش کی تو شاید میں بھاگ جاؤں۔ اور مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے اُس نے پیوٹر یقہ اختیار کیا۔ اپنے بارے میں ایک جھوٹی کہانی سنا کرمیر ک بھی ہمدردیاں حاصل کیس اور خود بھی میری ہمدردین گئی اور اپنے حسن و شباب کے سنہرے جال میں پھنسا کروہ مجھے میرے راستے ہے ہٹانے کی کوشش کررہی تھی۔ اور میں بی وہ بیوتو ف تھا جو اُس کی حال میں پھنس کر غیر شعوری طور پر اپنے اصل اُس کی حال میں کہانی عوری طور پر اپنے اصل

مقصد ہے بٹتا جار ہاتھا۔

ا بو پو ماہ یا بال میں بندر کے اندھیرا سا بھیلنے لگا۔ ابھی شام تو نہیں ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے باہر ابھی فرهوپ چیک رہی ہولیکن روشنی براہِ راست ان گھپاؤں کے اندر تک نہیں بہنچ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے یہاں اندھیرا بھیلنے لگا تھا۔

میں نے سر اُٹھا کُر اُوپر دیکھا، چٹان کے اُوپر والے دہانے کے قریب چیڑ کا فلک ہوں ورخت ہوا میں جھوم رہا تھا اور اُس کی شاخوں پر دُھوپ چیک رہی تھی۔ دفعتہ میرے ذہن میں ایک خیال آیا یہاں تاریکی میں دیکے رہنے ہے تو بہتر تھا کہ میں اُوپر چلا جاؤں اور جب تک دن کی روشنی ہے وہیں ہیشار ہوں۔ اور ممکن ہوتو رات میں اوپر ہی تھلی فضا میں گزاروں۔ یہ خیال آتے ہی میں نے کمبل اور ایک رائفل اُٹھا لی اور بیتا کے بتائے ہوئے راستے پر اُوپر چڑھنے لگا۔ وہ راستہ زیادہ دُشوار نہیں تھا۔ سے جھول کی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھر اُہر ب

میرا اندازہ درست نکلا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کم از کم ایک گھنٹہ باتی تھا۔ فلک ہوس درختوں اور اُونجی پہاڑیوں کی چوٹیوں میں دُھوپ چیک ربی تھی۔ وہ درخت جو غار کے اندر سے بھی نظر آ رہا تھا وہ دہانے سے دس بارہ فٹ کے فاصلے پرتھا۔ میں اُسی درخت کے قریب ایک بڑے پھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ درخت کے نیچ جھاڑیوں میں چلغوز ب اور اُن کے لئونما تھا بھی بھر ہوئے تھے۔ میں نے اپنے قریب سے کچھ چلغوز ہے جمع کر لئے۔ یہ سین وادی ایس بی تھی ۔ قدرت نے اسے بے شار نعتوں سے نوازا تھا۔ پھل دار درخت تو پہاڑوں میں اس طرح تھیلے ہوئے تھے کہ کوئی اُن تک بہنچنے والانہیں تھا اور اُن درختوں کا پھل اس طرح صفائع بوعا تا تھا۔

میں چلفوزے جھیلتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ڈوڈا سرینگر سے بہت ڈورتھا۔ یہاں کی جغرافیائی صورتعال بھی سرینگر اور تشمیر کے باتی هسوں سے مختلف تھی۔ پہاڑ زیادہ تر خاستری اور بنجر تھے۔ سبزہ بھی کم تھا اور درخت بھی ہیں ہیں تھے۔ اس طرف سے جیسے جیسے جہوں کی طرف چلنے جائیں یہ تبدیلی نمایاں ہوتی جائے گی۔ جموں کے پہاڑ زیادہ تر بنجراور خشک تھے۔ ریاست جموں و تشمیر دنیا کا واحد خط ہے جو طبیعات، موسم، جغرافیائی اور فطری حسن کے انتہار سے تین حصوں میں منتسم ہے۔ جمول تشمیراور لداخ کے نہ صرف موسی مزاج محتلف ہیں۔ انتہار سے تین حصوں میں منتسم ہے۔ جمول تشمیراور لداخ کے نہ صرف موسی مزاج محتلف ہیں۔

بلکہ ان کی تہذیب ومعاشرہ اور زبانیں بھی ایک دوسرے نے طعی جدا گانہ اور مختلف ہیں۔ نہ بھی عقائد کے لحاظ ہے بھی یہ تینوں جھے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ جموں اور تشمیر میں سکھے بھی آباد ہیں اور ہندو بھی۔ ہندو لا تعداد مورتیوں کی بوجا کرتے ہیں۔ مسلمان ایک خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں اور لداخ کے رہنے والے مہاتما بدھ کے پیروکار ہیں۔ یہ خطہ اس لحاظ ہے بھی دنیا بھر میں منفر دمقام رکھتا ہے کہ یہاں جنگلوں اور پہاڑوں میں بھی قدرت نے ایسی ایسی نعتیں یہدا کی ہیں جود نبا کے کسی اور خطے میں میر نہیں ہیں۔

میں چکنوز نے چھیل کر کھاتے ہوئے ادھراُ دھر دیکھتا رہا۔ سیتا کی بستی بیبال سے نظر نہیں آ ربی تھی لیکن بہت وُ ورنشیب میں ایک سرمگ می بل کھاتی ہوئی لکیر چیکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔میرے لئے یہ انداز دلگانا مشکل تھا کہ وہ سڑک تھی یا کوئی دریا۔

بندریج مغرب کی طرف جھکتا ہوا سورج ایک بلند پہاڑی چوٹی کے پیچھیے عائب ہو گیا۔ دن کی روشنی دھند کئے میں بدلنے گئی۔ میں نے ایک بار پھر ادھراُ دھر دیکھا اور بڑے بڑے پھروں کی آڑ میں ایک ایس جگہ منتخب کر کی جہاں تیز ہواؤں سے بچا جا سکتا تھا اور آ رام سے رات گزاری حاسمتی تھی۔

شام کا دھندلکا آہتہ آہتہ رات کی تاریکی میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔اس کے ساتھ ہی خنگی بھی بڑھ رہی تھی۔ بڑھ رہی تھی ا بڑھ رہی تھی۔ میں نے کمبل آ دھا نیچے بچھا لیا اور آ دھا اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور نیم دراز ہو کر آسان کو گھورنے لگا۔اندھیری رات میں ایسا روثن آسان میں نے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں جھلملاتے ہوئے ستارے عجیب منظر پیش کر رہے تھے مگر ان کی روثن زمین تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

تیز ہوا ہے در نتوں اور جھاڑیوں کی سرسراہٹ سے فضا بڑی پڑ ہول سی ہوگئی تھی۔ یبال رات کی تاریکی میں کسی انسان کے آنے کا اندیشہ تو نہیں تھالیکن کسی جنگلی جانور کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے رائفل اپنے پہلو میں رکھ لی تھی تا کہ کسی ایسی صورتحال میں اُس پر فوراً ہاتھ ۔ والا جا سکے۔

آسان پر حیکتے ہوئے ستاروں کو گھورتے ہوئے میں ایک بار پھرسیتا کے بارے میں سوچنے لگا۔ اور پھر مجھے یوں لگا جیسے وہ میرے پاس ہو۔۔۔۔میرے ساتھ ہو۔۔۔۔ میں نے آنکھیں ہند کر لیں اور اُس حسین تصور میں کھوکر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

یز نزاہت کی آوازیہ میری آ کھ کھل گئی اور میں ہڑ بڑا کراٹھ گیا

ر و اہر کی آواز تھی جیسے آٹو میٹک رائفل کا پورا برسٹ مارا گیا ہو۔ میں نے بڑی پھرٹی وہ فائزنگ کی آواز تھی جیسے آٹو میٹک رائفل کا پورا برسٹ مارا گیا ہو۔ میں نے بڑی پھرٹی ہے کمبل بٹا کر رائفل سنجال کی اور چھروں کی آڑے اوھراُدھر دیکھنے لگا۔ فائز نَک کی آواز دوبارہ سائی نہیں دی۔

سورج بہت دیر پہلے طلوع ہو چکا تھا۔ دُھوپ کی تپش بڑھ رہی تھی۔ مجھے اپنے آپ ہ حیرت ہونے لگی کہ میں اس قدر گبری نیندسویار ہا کہ دن چڑھے تک آئکونہیں کھل سکی۔

میں نے کمبل لپیٹ لیااوراپی جگہ ہے اُٹھ کر پھروں کی آٹر ہے ایک بار پھر ادھراُدھرد کھنے لگا۔ دُور دُور تک کسی ذی رُوح کا نام ونشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور میرے لئے یہ اندازہ لگانا بھی دُشوارتھا کہ فائر نگ کی وہ آواز کس طرف ہے آئی تھی؟ آیا بستی میں کوئی گڑ ہز ہوئی تھی یا کسی اور طرف۔

میں نے کمبل اُٹھایا اور اُس کھوہ میں اُتر تا چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ سیتا ضرور آئے گی اور مجھے اس بھا نے کمبل اُٹھایا اور اُس کھوہ میں اُتر تا چلا گیا۔ مجھے ایقین تھا کہ سیتا ضرور آئے گی اور مجھے اس بھاہ میں نہ پاکر پریشان ہوگی۔ غارمیں ابھی تک اندھیرا تھا۔ میں ٹولتا ہوا اُس جگر تیب ہی وہ گیا جہاں چاور اور بھارتی فوجیوں والی دونوں رانفلیں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوٹلی کی طرف ہاتھ بڑھایا، پوٹلی بھی پڑی تھی جس میں کل دو پہر کی بچی ہوئی روڈی تھی۔ میں نے پوٹلی کی طرف ہاتھ بڑھایا، پھر رُک گیا۔

تقریباً ایک گھٹے بعد غار میں بھی اُو پر ہے آنے والی روشیٰ سے مدھم سا اُجالا ہو گیا۔ میں کپڑے اُ تار کراُ س چھوٹی می ندی میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور گڑوی سے پانی اپنے اُو پر ڈالنے لگا۔

میں نے نہا کر کیڑے پہنے ہی تھے کہ ان گجھاؤں میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دیے گئی۔ وہ سیتا ہی ہوسکتی تھی۔ مگر میں دینے لگی۔ وہ سیتا ہی ہوسکتی تھی۔ مگر میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جھوڑ نا چاہتا تھا۔ میں رائفل سنجال کر ایک چٹانی ستون کی آڑ میں کھڑ اہو گیا۔

ُ'' شمر وزشمر وز کہاں ہوتم ؟''وہ سیتا کی آواز تھی۔ میں ستون کی آ ڑ سے نکل آیا۔ ''میں یہاں ہوں سیتا.....اس طرف۔''میں نے جواب دیا۔

یں یہاں ہوں میں سستان کرتے۔ اس سے بوب دیا۔ ٹھیک ایک منٹ بعد سیتا چٹانی ستونوں کی آڑنے نکل کرسامنے آگئی۔ وہ بری طرح بانپ رہی تھی۔ قریب آتے ہی وہ مجھ سے اپٹ گئے۔ میں نے اُسے سہارا دے کر دیوار کے قریب کمبل

'' کیا ہوا۔۔۔۔تم اتنی بدحواس کیوں ہو؟ کیا فوجیوں نے بہتی پر حملہ کر دیا ہے؟ میں نے فائزنگ کی آواز سی تھی۔'' میں نے کہا۔

''انہوں نے جاچا قربان علی کو مار دیا۔۔۔۔'' سیتا نے اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے قب کوشش کرتے ہوئے گی کوشش کرتے ہوئے گا کوشش کرتے ہوئے گا ہوئی کرتے ہوئے گا ہوئی کہا۔'' چاچا قربان علی ہر جمعرات کی ضبح اور شام کوحضوری بابا کے مزار پر جاتا تھا۔ آئ صبح سورے جب وہ وہاں گیا تو وہاں پہلے سے چیہ ہندوفوجی موجود تھے۔ اُنہوں نے جان کی نے فار میں وہ چیز میں بھی تلاش کر کی میں جوہم نے وہاں چھپائی تھیں۔ اُنہوں نے چئان کی دوسے بھی وہ کیے لئے تھے۔ وہ چاچا قربان علی سے دو

کمشدہ فوجیوں کے بارے میں پوچھتے رہے، پھراُسے گولیوں سے چھنی کر دیا۔ فائزنگ کی آواز ہم نے بہتی میں بھی تن تھی'' میتاڑ کے بغیر یولے جار ہی تھی۔

'' بہندوسینک چاچا قربان علی کی لاش گھسٹے ہوئے ہستی میں لے آئے۔ لاش ہستی کے چوک پر ڈال کر دونو جی چاچا قربان علی کے گھر میں گھس گئے اور نیام کو بالوں سے پکڑ کر ماریے گھسٹے ہوئے چوک ہوئے چوک پر لے آئے۔ ابستی کے جندوؤل سے اُنہوں نے چھٹیس پوچھا۔ اُنہیں اینے دو گھشدہ سینکول کی موت کا یقین ہو چکا تھا اور اُن کا خیال ہے کہ اُنہیں کسی مسلمان نے بی نمل کر کے لاشیں کسی مسلمان گھر ہے۔ کہ اشیں کسی کھٹ میں چھٹک دی ہیں۔ چاچا قربان علی کا گھر اُس بستی کا واحد مسلمان گھر ہے۔ اُنہوں نے نیام کوہستی والوں اُنہوں نے نیام کوہستی والوں کے سامنے نگا کر دیا اور اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسٹے رہے۔ اُنہیں یہ بھی شبہ تھا کہ اس غار میں کوئی مجاہد پاہ گئے ہوئے تھا اور چاچا قربان علی اور اُس کی ہٹی اُس کی مدد کر رہے تھے۔ وہ نیام کوئی مجاہد کے بارے میں پوچھر ہے تھے۔ وہ نیام سے اُس می مدد کر رہے تھے۔ وہ نیام سے اُس می مدد کر رہے تھے۔ وہ نیام سے اُس مجاہد کے بارے میں پوچھر ہے تھے گر نیام نے زبان نہیں کھولی۔''

''تم نے بہتی ہے بھاگ کر منطی کی۔''میں نے اُس کے خاموش ہونے پر کہا۔''بہتی والے جانتے ہیں کہتم ادھراُوھر گھوئتی رہتی ہو۔تم بہتی ہے بھاگ آئی ہوتو اُنہیں تم پرشبہ ہوسکتا ہے۔'' ''شبہ بی نہیں اُن سینکوں کو یقین آ چکا ہے کہ ان دو ہندونو جیوں کے قبل میں میرا بھی ہاتھ یہ ''ستار نے جو اُن ا

ہے۔''سیتانے جواب دیا۔ ''کیا مطلب؟'' میں اُنھیل پڑا۔

''کل جب اُن دوفوجیوں نے مجھے دبوج رکھا تھا تو دھینگامشق میں میرے گلے کا لاکٹ زنجیرٹوٹ کر وہاں گر گیا تھا۔ وہ لاکٹ اُنہیں و ہیں ہا ہے جہاں آس پاس پھروں پرخون بھراہوا ہے۔ اُس لاکٹ کے اندرمیرا نام کندہ ہے۔ وہ اوگ نہتی میں مجھے تلاش کررہے ہیں۔ اگر میں اُن کے ہاتھ آ جاتی تو وہ میرا نیلم ہے بھی براحشر کرتے۔ میں بڑی مشکل ہے بہتی سے نگل کراس طرف آئی ہوں۔ اب جمیں فورا یہاں ہے نکل جانا چاہئے۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ جمیں تلاش کرتے ہوئے اس طرف آ جائمن۔''

'''ستی میں میرے بارے میں کوئی آور بھی جانتا ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں ہے اُس کی لرف: کھایہ

'' کوئی نہیں'' سیتا نے نفی میں سر ہلا دیا۔'' چاچا قربان علی ختم ہو گیا۔نیلم اُن کے قبضے میں ہے اور ہوسکتا ہے وہ زیادہ دیر تک تشدد برداشت نہ کر سکے اور تمہارا نام بھی اُس کے منہ سے نکل جائے۔''

"كيا أع معلوم ب كديل يبال مون؟" مين نے يو چيا۔

'' بان …'' سیتا نے جواب دیا۔''اب دیرمت کروٹ کید کمبل ومبل سیس حیوڑ دو اور اپنی ماکفل اُٹھاؤ۔ایک رائفل میں لے لیتی جوں اور دوسری رائفل سیبیں پڑی رہنے دو۔'' .ہاہے۔'' ددنہیں نہیں مجھےمت''

''ہوشیار۔۔۔۔!'' میں نے اُس کی بات کا طادی اوراس کے ساتھ ہی اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ سیتا کے منہ سے ہلکی می چیخ نکلی۔ وہ بھد سے نیچ گری۔ اُس نے فوراْ ہی اسپے آپ کو سنھال لیا اوراُ ٹھ کر ہائیں طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

بہ سے ہور اور اسلام است میں نے سینے کے بل اوند ہے ہوکر اُوپر چند جھاڑیوں کو پکڑلیا
اور اپنے پیرکوآ ہت آ ہت پھر سے ہٹانے لگا بلکہ پھر خود ہی میر ہے ہیروں سے ہٹنے لگا۔ پھراپی جگہ سے اُکھڑکروس بارہ فٹ نینچ گرااور گڑا اہٹ کی مہیب آ واز پیدا کرتا ہوا نینچ والی ڈھلان پراٹھ سے اُکھڑکروس بارہ فٹ نینچ گرااور گڑا اہٹ کی مہیب آ واز پیدا کرتا ہوا نینچ والی ڈھلان پراٹھ سے اور بھی لا تعداد پھرا کھڑکر نینچ گرے سے گریں ہم جھاڑیوں کو پکڑے سینے کے بل زمین سے چیکار ہا۔ دو تین منٹ بعد میں نے اپنے آ ہت ہت اُہت اُوپر اُٹھایا اور سنجل کر بیٹھ گیا۔ بیتا نینچ پھر وں پہیٹھی میری طرف دیکھر ہی گی اور جی تی آ ہت کر جھے مخاط رہنے کا مشورہ دے رہی تھی۔ اُوپر والی ڈھلان پر لڑھکتے ہوئے ہم دونوں کی رافعلیں اُٹھا کر آ ہت ہت بھی سے بی مخاط انداز میں چانا ہوا اُوپر بنٹیج گیا اور دونوں رافعلیں اُٹھا کر آ ہت آ ہت بھی سے لئا ہوا اُوپر بنٹیج گیا اور دونوں رافعلیں اُٹھا کر آ ہت آ ہت بھی ساتا ہوا نے آ گیا۔ کنار سے پر بیٹیج کر میں نے دونوں رافعلیں نینچ لؤکا کر سیتہ کو کی اور دینوں رافعلیں نینچ لؤکا کر سیتہ کو کیور دیں اور کی اور دینوں رافعلیں نینچ اُلوکا کو سیتہ کی پینچ کر میں نے دونوں رافعلیں نینچ لؤکا کر سیتہ کو کیور دیں اور بین اور پھر خود چھلا تک لگا کر نینچ آ گیا۔

پراوی اور پر بود چھا تک تھ سریے، سیا۔ اب ہمازے سامنے وسیع وعریض پقریلا میدان تھا جو بتدریج نشیب کی طرف چلا گیا تھا۔ اس میدان کے اختتام پر اُونے پہاڑ تھے۔ اس بنجر میدان میں پقر اور چھوٹی جھوٹی خشک جھاڑیوں کے علاوہ کچھنیں تھا۔ البتہ بہت وُور درختوں کا ایک جھنڈ سادکھائی دے رہا تھا۔ سدتان میں رمیٹھی اسٹر سانس بر قابویا نے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں بھی اُس کے قریب بیٹھ

سیتاز مین پر پیشی اپنے سالس پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔ میں بھی اُس کے قریب بیٹھ گیا اوراس وقت میں نے پہلی مرتبہ اُس پر توجہ دی تو پیۃ چلا کہ وہ ننگے پیرتھی۔اُس نے اگر چہ شلوار میض پہن رکھی تھی لیکن چزی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پھروں پر ننگے پیر دوڑتے ہوئے اُس کے پیروں کے ملو سے سرخ ہو گئے تھے۔

''تمہارے سینڈل شاید رائے میں کہیں گر گئے ہیں۔'' میں نے اُس کے پیروں کی طرف نکھتا سے پری

'' نہیں ……'' سیتانے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔'' میں تو گھرہ ہی بنگے پیر بھا گی تھی اور دو پٹہ بھی نہیں لے سکی تھی۔ اگر چپل وغیرہ کی تلاش میں رہتی تو کپڑی جاتی کیونکہ جس وقت میں مکان کے بچھلے دروازے نے نکل رہی تھی اُس وقت ایک فوجی سامنے والے دروازے سے نکل رہی تھی اُس وقت ایک فوجی سامنے والے دروازے سے اندرداخل ہور ہاتھا۔ میں گلیوں میں چپتی چھپاتی بستی سے باہرآ گئی ادراس طرف درختوں میں گھس کر دوڑتی ہوئی جھیل کی طرف آگئے۔''

''انہیں سے پتہ چل گیا ہو گا کہتم گاؤں کے کھیا کی بھانجی ہو۔'' میں نے کہا۔'' کیا وہ

میرے دماغ میں دھاکے ہے ہورہ بتھے۔ بیسب کچھاس قدرا جا تک ہوگیا تھا کہ مجھے کچھ سوچنے کاموقع نہیں مل رہا تھا۔ میرے ذہن میں اس وقت صرف ایک ہی بات تھی۔ نیام اُن کے قبضے میں تھی۔ وہ معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کب تک تشد دبر داشتِ کر سکے گی؟

میں نے ایک رائفل اُٹھا کر سپتا کے حوالے کر دی۔ دوسری رائفل اُٹھا کر اُس کا میٹزین نکالا اور رائفل پانی میں پھینک دی۔ کمبل، چا در اور پیتل کی گڑوی وہاں ہے اُٹھا کر آ گے پھینک دی جہاں کسی قدر اندھیرا تھا۔ سپتا اُوپر جانے والے راہتے کی طرف کیکی۔ میں بھی اُس کے پچھے ہی تھا۔

یپ کی در ایس کا در ایس اور کی اور کی اور کی طرح باہر آنے سے بہرا بھار کر باہر دیکھا اور کھر مجھے اشارہ کر دیا۔ میں بھی اُس کے ساتھ ہی اُس چٹان کے کھو کھلے سینے سے باہر نکل آیا۔ سیتا اشارہ کرتی ہوئی ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں بھی اُس کے چیھے ہی لیکا اور اسی وقت پہاڑیوں میں فائرنگ کی آواز گوئے اُٹھی۔۔۔۔شاید آٹو میٹک رائفل کا پورا برسٹ مارا گیا تھا۔

میں رُک گیا اور پیچیے مُڑ کر دیکھنے لگا۔ آواز پہاڑیوں میں چاروں طرف گونجی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ فائرنگ بستی میں ہوئی تھی۔میری آنکھوں کے سامنے نیلم کا چبرہ گھوم گیا۔۔۔۔۔میرے دماغ میں سنسنا ہے تی ہونے لگی۔

سیتنا مجھ کے چند گر آگے تھی۔ اُس نے مُڑ کر میرا ہاتھ کپڑا اور پھروں میں ایک طرف دوڑتے گئی۔ دوڑتے دوڑتے دوڑتے دوڑتے ہیں اُتر نے گئے۔ دوڑتے دوڑتے میتا کا سانس پھول گیا۔ مگراس پراس قدرخوف طاری تھا کہ وہ سانس لینے کوجھی کہیں نہیں رُک ربی تھی۔ اور پھر دفعتہ وہ لڑکھڑا گئی۔ اُس جگہ چھوٹے چھوٹے پھر تھے۔ اُس نے اپنے آپ کوسنجیا لنے کی کوشش کی لیکن اُن پھروں پراُس کے پیرنہیں جم سکے۔ وہ نینچ گری اور وطان پراُس کے پیرنہیں جم سکے۔ وہ نینچ گری اور وطان پراُس کے پیرنہیں جم سکے۔ وہ نینچ گری اور وطان پراُس کے پیرنہیں جم سکے۔ وہ نینچ گری اور وطان پراُس کے پیرنہیں جم سکے۔ وہ نینچ گری اور

میں ہر اور ہاں۔ ''سیتا ۔۔۔۔!' میں نے اُس کے خوفزوہ چہرے کود کھتے ہوئے کہا۔''بلندی زیادہ نہیں ہے۔ میں تمہارا ہاتھ چھوڑ رہا ہوں۔اپنے آپ کوسنجال کر بائیں طرف ہٹ جانا۔ یہ چھر بھی جگہ چھوڑ

تہمارے ماما کونہیں پکڑیں گے؟''

''ما اکل شام سے ذرا پہلے کسی کام سے ڈوڈ اچلا گیا تھا۔''سیتا نے جواب دیا۔''اُسے انائ کے آڑھتی سے سال بھر کا حساب کرنا ہے۔ وہ اس وقت تو ڈوڈ ابی میں ہوگا مگر سے سینک اُسے چھوڑیں گے نہیں۔ ہوسکتا ہے ڈوڈ ابی سے اُسے گرفتار کرلیا جائے۔ اُس کے ساتھ جو پچھ بھی ہوگا گھے افسوس ہوگا۔ مگر سب سے زیادہ افسوس تو مجھے جاچا قربان علی اور نیلم کا ہے۔۔۔۔۔۔ جاچا قربان علی بد گناہ مارا گیا اور بیچاری نیلم۔۔۔۔اُسے میس نے جس حال میں دیکھا ہے وہ سوچ کر ابھی میری آتما کا نب اُٹھتی ہے۔''

''جب ہم ان گیھاوُں سے نکل کر بھا گے تھے تو اُس وقت بھی فائرنگ کی آواز سائی دی تھی ۔ تھی ۔۔۔۔'' میں نے کہا۔'' ہوسکتا ہے اُسے بھی اُس کے باپ کی طرح گولیوں سے چھانی کر دیا گیا ہو۔''

"''میرا خیال ہے نہیں ……'' سیتا بولی۔'' تم ان ہندوسینکوں کونہیں جانتے۔نیلم جوان اور حسین لڑکی ہے۔ وہ لوگ پہلے خونخوار بھیڑیوں کی طرح اُسے بھنجوڑیں گے، اُس کی بوٹیاں نوچیں گے ادر اُس وقت تک اُسے روندتے رہیں گے جب تک اُس کی آتما اُس کے شریر کا ساتھ نہیں چھوڑ دتی۔''

میری بہن کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا درندہ صفت ہندونو جی سوپور پر حملے کے وقت اُسے اُٹھا کر لیے گئے تھے اور پھر وہ تین چار مہینوں بعد ججھے ہندواڑہ میں ایک سڑک پر اس طرح پڑی ہوئی ملی تھی کہ اُس کی زندگی کا ساراری نچوڑ لیا گیا تھااُس کی رُوح کو بری طرح پُکل دیا گیا تھااُس کی رُوح کو بری طرح پُکل دیا گیا تھامرف اپنی بہن کیا میں نے وادی کی اور بھی کئی مسلمان لڑکیوں کو اس طرح پُکل مراس طرح پھینک دیا جاتا تھا کہ وہ حال میں و یکھا تھا۔ اُنہیں پامال کر کے اُن کی رُوح کو پُکل کر اس طرح پھینک دیا جاتا تھا کہ وہ کہی ہیں ۔ پُکھ سو چنے کے قابل بی نہیں رہتی تھیں۔ اُنہیں یہ پیان سکتی تھیں۔ دوسروں کو تو کیا وہ اپنے آپ کو بھی نہیں پیچان سکتی تھیں۔

کیلم بھی جوان تھی اور بے حد حسین تھی۔شومئی قسمت سے وہ ان بھیڑیوں کے ہاتھ لگ گئ تھی۔سیتا ٹھیک ہی تو کہتی تھی کہ وہ اُسے گولیوں سے چھانی کر کے ضائع نہیں کریں گے۔ پہلے اُس کے خوبصورت جسم سے اُس کی زندگی ایک ایک قطرہ کر کے نچوڑ لی جائے گی اور پھراُسے بھی زینب کی طرح کہیں پھینک دیا جائے گا

''لیکن فائرنگ کی وہ آواز ……؟'' میں نے اُلجھی ہوئی نظروں سے سیتا کی طرف دیکھا۔ ''چاچا قربان علی بہت اچھا آ دمی تھا……'' سیتا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''بستی کے کئی مخص کو اُس سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی۔ سب ہی لوگ اُس کی بہت عزت کرتے تھے۔نیلم کوبھی سب لوگ بہت چاہتے تھے۔ ہرگھر میں اُس کا اس طرح آ نا جانا تھا جیسے وہ اُس کا اپنا ہی گھر ہو۔ ہوسکتا ہے ……' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔''ہوسکتا ہے اُس کی

بے بسی اور فوجیوں کے ہاتھوں اُس کی ذلت اور رسوائی دیکھ کربستی ہی ہے کسی آ دمی کی غیرت ہاگ اُٹھی ہواور وہ اُسے بچانے کے لئے آگے بڑھا ہوتو اُن وحشیوں نے اُسے گولیوں سے بھون ڈالا ہو.....'

'' ہوسکتا ہےا یہا ہی ہوا ہو۔'' میں نے سر ہلا دیا۔ چند کمجھ خاموثی میں گزر گئے اور پھر سیتاا پنا گلاسہلا تے ہوئے بولی۔ در محمد رہے گئے ہے۔''

" مجھے بیاس لگ رہی ہے۔"

میں ایک بار پھر ادھراُ دھر دیکھنے لگا۔ دُھوپ تیز ہوگئ تھی۔ پھر تپ گئے تھے۔ آس پاس سائے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میری نظریں درختوں کے اُس جھنڈ پر جم کئیں جو وہاں سے کم از کم نصف میل دُ ورتھا۔ جہاں درخت یا کچھ ہزہ ہو وہاں یا ٹی لازی ہونا چاہئے۔

''درختوں کا وہ جھنڈ دیکھ رہی ہو؟'' میں نے اُس طرف اِشارہ کیا۔''وہاں شاید پانی مل جائے۔ ہوسکتا ہے کوئی چشمہ ہویا اُس طرف کوئی ندی ہو۔ وہاں تک چل سکوگی؟ وُھوپ بھی تیز ہورہی ہے۔''

'' چلو' سیتا اُٹھ کر کھڑی ہوگی اُس نے اپی رائفل کند ھے پر لاکا کی ہی۔ اُس نے میں نے اُس کا ہاتھ کیڑلیا۔ لیکن چندگر چلنے کے بعد ہی سیتا بار بار کراہنے گئی۔ اُس نے جو تُل اور موت کے خوف سے نگے ہیر پھروں پر دوڑتے ہوئے ایک طویل فاصلہ طے کرلیا تھا۔
کین اب جبکہ ہم خطر ہے کی حدود سے نکل چکے تھے دہ ہمت ہار پیٹی تھی۔ پیروں میں پھر چھے تو وہ بے اختیار کراہ اُٹھی اور پھر گرمی کا احساس بھی اب ہونے لگا تھا۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی اور پھر بھی تب کر آگ اُگل رہے تھے۔ میری کمیض بھی پینے سے تر ہور ہی تھی۔ پینے کی دھاریں کی طرف دھاریں کیچوؤں کی طرح گردن پر میض کے نیچے کمر پر رینگ رہی تھیں۔ میں نے سیتا کی طرف دیکھیا۔ وُھوپ کی چش سے اُس کا چبرہ سرخ ہور ہا تھا اور گردن پر پینے کی دھاریں بہدر ہی تھیں۔ میں اُس کا چبرہ سرخ ہور ہا تھا اور گردن پر پینے کی دھاریں بہدر ہی تھیں۔ میں اُسے کی۔ میں اُسے کی۔ میں اُس کی کے فیصلہ کی ۔ میں اُسے کی۔ میں اُس کا یہ فاصلہ طے نہیں کر سکے گی۔

''ایک منٹرُک جاوً!'' میں نے کہا اور زمین پر بیٹھ کر اپنے جوگرز اُ تارنے لگا۔ بیہ چرگرز میں بہت عرصہ سے استعال کررہا تھا۔

''لوتم میرے جوتے پہن لوا جلنے میں آسانی رہے گی۔'' میں نے کہا۔ سیتا نے پہلے تو الکار کیا پھر جوتے پہن لئے۔ جوتے پہنتے ہوئے بھی وہ بے اختیار کراہ اُٹھی تھی۔ میرے یہ جوتے اُس کے پیروں میں اگر چہ خاصے بڑے تھے مگر وہ پیر گھٹ گھٹ کر جلتی رہی۔

اگر میں سیتا کواپے جوتے نہ پہنا تا تو وہ نصف میل کا یہ فاصلہ بھی بھی طے نہیں کرسکتی تھی۔ اب میں نئے پیرتھااور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں پھروں پرنہیں دیکتے ہوئے انگاروں پرچل مہاہوںنو کیلے پھر جیسے تو میں بےاختیار کراہ اُٹھتا۔

OOC

دو اللہ خدا خدا کر کے کسی نہ کسی طرح درختوں کے جینڈ تک پہنچ گئے اور اس کے ساتھ ہی ہم دونوں ہے

کے چیروں پرروئق می آگئی۔۔۔۔۔ اُس جگہ ہے آگے نشیب تھا۔ دُ ور ہے تو چند ہی درخت نظر آ رہے تھے لیکن آگے نشیب میں ایک جنگل پھیلا ہوا تھا۔ درخت اگر چہ چھدرے تھے لیکن دُ وردُ ور تک نظر آ رہے تھے اور اُن میں زیادہ تر انجیر کے درخت تھے اور بعض درخت تو پھل سے لدے ہوئے تھے۔

جنوب کی طرف ہے آنے والا ایک برساتی نالا اُس جنگل میں بل کھا تا ہوا کہیں غائب ہو گیا تھا۔ برسات کےموسم میں تو اس نالے میں بقیناً سلا بی کیفیت رہتی ہو گی مگر ان دنوں وہ صورتحال نہیں تھی۔ بہت کم پانی تھا جو نالے کے عین وسط میں بہدر ہاتھا۔

سیتا نالے میں اُمْر کر گُرس گئی اور کسی جانور کی طرح منہ ڈال کر پانی پینے گئی۔ پھر دونوں ہاتھوں سے منہ پریانی کے چھینٹے مارنے گئی۔

میراطق بھی پیاس کی شدّت سے خنگ ہورہا تھا۔ میں نے بھی سیر ہو کر پانی پیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے پانی سر پرڈالنے لگا۔ گری سے میراد ماغ پگھلا جارہا تھا۔ ابھی دن کا ابتدائی حصہ تھا۔ میرے خیال میں گیارہ ہیجے ہوں گے مگر گری نا قابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔

میں نے اپنے پیروں کو دیکھا، گرم نتبتے ہوئے بپھروں پر چلنے سے تلوے بالکل سرخ ہو رہے تھے۔ میں نے پیریانی میں ڈال دیئے۔ سیتا نے بھی جوتے اُتار کر پھینک دیئے تھے اور دہ بھی مانی میں پیرائ کاربیٹھ گئی۔

ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے وہاں دُھوپ تھی۔ میں نالے کے بہاؤ کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید کوئی ایسی جگہ ہو جہاں یہ نالہ درختوں کے سائے ہے گز رتا ہو۔تقریباً ہیں گز آ گے ایک جگ نظر آگئی۔ میں نے گردن گھما کر میتا کی طرف دیکھا تو میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔

سیتا نے تمیض اُ تار دی تھی اور اُس کا پنڈا دُھوپ میں کندن کی طرح چیک رہا تھا۔۔۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا اور قریب پڑی ہوئی دونوں رائفلیں اُٹھاتے ہوئے بولا۔''دُھوپ بہت تیز ہے۔۔۔۔اُس طرف چلو! وہاں سابیہے۔''

سیتا نے ٹردن گھما کراس طرف ویکھا اور اُٹھ کُرلژ کھڑ اتی نہوئی سائے والی جگہہ کی طر^{ف چل} پڑی۔اُس نے اپنی کمیض اور جوتے بھی وہیں جپیوڑ دیئے جو مجھے اُٹھانے پڑے۔ سائے میں جا کرسیتا بھریانی میں پیرڈال کربیٹھ گئے۔ میں نے رانفلیں اور جوتے ^{ایک}

المرف رکھ دیئے اور خود بھی شرٹ اُ تار دی۔ پسینہ دھاروں کی صورت میں جسم پر بہہ رہا تھا۔ میں نے سیتا کی طرف دیکھا اُس کے کندن جیسے بدن پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح جبک رہے تھے۔

میں اپنا دھیان بٹانے کے لئے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ریش، کیکٹس اور انجیر کے درخت ایک روسرے سے فاصلے پر تھے اور وُور تک کھیلے ہوئے تھے۔ کیکٹس میں تو ظاہر ہے کوئی کھل نہیں الگا۔ ریش بھی ایسا ہی درخت تھا اُس میں کوئی کھل نہیں آتالیکن بیاونچا اور سابید دار درخت ہوتا ہے اور اس کی لکڑی عام طور پر جلانے کے کام ہی آتی ہے۔ انجیز کا درخت زیادہ اُونچا تو نہیں ہوتا لکن یہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا کھل زمین پر کھڑے کھڑے آسانی سے تو ڑا جا سکتا ہے۔

ہم ریش کے درخت کے گھنے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پینے میں بھیکے ہوئے جسم کو چوتی ہوئی ہوا بہت بھلی لگ رہی تھی ۔لیکن میں جانتا تھا کہ وفت گزرنے کے ساتھ ساتھ سے ہوا بھی گرم ہوتی چلی جائے گی۔

میں اُٹھ کر انجیر کے ایک درخت کی طرف آگیا۔ شاخیں پھل سے لدی ہوئی تھیں۔ پھل ہیں ہہت ہاکا سا گلائی بن آگیا تھا جس کا مطلب تھا کہ پھل پک رہا تھا۔ میں نے ایک انجیر تو ڑ ٹی بہت ہاکا سا گلائی بن آگیا تھا جس کا مطلب تھا کہ پھل پک رہا تھا۔ میں نے نیچے والی شاخوں سے خوب کرمنہ میں ڈالی۔ انجیر میں تو ڑلیں اور سیتا کے قریب آگیا۔ انجیر میں پانی میں دھوکر پھروں پر رکھ دیں۔ پکی ہوئی گئی انجیر میں تو ڑلیں اور سیتا کے قریب آگیا۔ انجیر اُٹھا کر اُس کی طرف بڑھا دی۔ ''کھاؤسسہ بہت مزیدار ہیں۔'' میں نے ایک انجیر اُٹھا کر اُس کی طرف بڑھا دی۔

سیتا نے میری طرف دیکھا اور انجیر لے کر کھانے گئی۔ میں بھی ایک انجیر کھاتے ہوئے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے جسم کے بالائی جصے پر مختصر سا انر گارمنٹ تھا جس سے سینے کے گلابی اُبھار قیامت خیز منظر پیش کر رہے تھے۔ میں اُس کی طرف سے نظریں چرانے کی کوشش کرتاں ا

پیٹ بھرنے کے بعد سیتا ندی کے کنار کے چھوٹے چھوٹے بھروں پر لیٹ گئی۔ اُس وقت میری نظریں اُس کے بیروں کی طرف اُٹھ گئیں اور میں کانپ اُٹھا۔ پیروں کے تلوے بالکل ارخ ہور ہے تھے جیسے ابھی خون بہہ نکلے گا۔

رہ برک رہے گئے۔ یہاں تو وہ دہ خوالی دولت مندگھرانے کی فردتھی۔ بڑے ناز وقع میں بلی تھی۔ یہاں تو وہ اپنے ماما کے پاس سر وتفریح کے لئے آئی تھی لیکن اس مصیبت میں گرفتار ہوگئ تھی۔ اُس نے نفر کی میں بھی کوئی مشقت کا کام نہیں کیا ہوگا لیکن یہاں اپنی جان بچانے کے لئے اُسے نظے نفر کی میں بھر ملیا تھا۔ اُس کے بیروں کو دکھر میں کہرسکتا تھا کراگر بچھ دُ وراور نظے بیر پھروں پر چلنا پڑتا تو اُس کے للووں سے خون بہنا شروع ہوجاتا۔ میں نے اپنی اور بیتا کی لیبینے میں بھی ہوئی قمیض دھوکر دُھوپ میں ڈال دی اور سیتا سے بھی اور بیتا کی لیبینے میں بھی اور ہوا میں بھی حدت بیدا ہورہی تھی۔ یہاں اگر چہ فواصلے پر لیٹ گیا۔ دو بہر ہو بھی تھی اور ہوا میں بھی حدت بیدا ہورہی تھی۔ یہاں اگر چہ

پر دکرتے ہیں۔لیکن اگریہ ہندوگھرانہ ہواتو پھنس جائیں گے۔''

''لیکن َ۔۔۔۔تم تو ہندو ہو ۔ تمہیں تو کسی بھی ہندوگھرانے میں پناہ مل سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ہندوعورتیں اس طرح رائفلیں اُٹھائے رات کی تاریکی میں پہاڑوں میں نہیں بھٹلیں۔'' بیتانے جواب دیا۔''ہم کیا بہانہ کریں گے؟''

''ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔'' میں نے کہا۔''تم اپنے بھگوان کو یاد کرواور میں اپنے اللہ کو یاد کرواور میں اپنے اللہ کو یاد کرتا ہوں اور ہم آگے چلتے ہیں۔ اگر ہندو گھر انہ ہوا تو تم بات کوسنجالنے کی کوشش کرنا اور بتانا کہ مسلمان مجاہدین نے ہماری بستی پر حملہ کر دیا تھا اور ہم بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے ہیں اور رات بھر بہاڑوں میں بھٹکنے کے بعد اس طرف آئکلے ہیں۔ اور اگر یہ کئی مسلمان کا گھر ہوا تو میں معاملے کوسنجال لوں گا۔''

''گویا فعنی فعنی فعنی نے بیتا ہوئی۔' فھیک ہے ۔۔۔۔۔۔ایسائی کرتے ہیں۔لیکن ذرا رُک جاؤ۔۔۔۔۔
محکن سے بری حالت ہورہی ہے۔ چندمنٹ یہاں رُک کردم لے لو۔ پھرآ گے بڑھتے ہیں۔''
وہ زمین پر بیٹھ گی اور میں بھی اُس کے قریب بیٹھ کرسامنے دالے مکان کی طرف دیکھنے لگا
جس کی ایک کھڑی سے روشی جھلک رہی تھی۔ اُس کے آس پاس صرف ایک مکان کا ہولہ
دکھائی دے رہا تھا جس کی نشاندہی سیتانے کی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی مکان دکھائی نہیں دے
دکھائی دے رہا تھا جس کی نشاندہی سیتانے کی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی مکان دکھائی نہیں دے
مہم تقریباً وہوار میں درختوں کے ہیولے ہواسے جھومتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔
ایک کھڑی سے روشی جھلک رہی تھی۔ وہ مکان تقریباً دوسوگز کے فاصلے پر تھا۔ ہم مختاط انداز میں
ایک کھڑی سے روشی جھلک رہی تھی۔ وہ مکان تھ کہ ایک کتا بھونکا ہوا ہماری طرف لیکا۔۔۔۔۔
ایک کھڑی سے اپنے آپ سے الگ کیا اور کتے کو بشکار نے لگا جو ہم سے چندگز کے فاصلے پر
انگیل اُجھیل کر بھونگ رہا تھا۔ میں نے زمین پر ٹول کر ایک پھر اُٹھایا اور کتے کی طرف اُجھال
اُجگیل کر بھونگ رہا تھا۔ میں نے زمین پر ٹول کر ایک پھر اُٹھایا اور کتے کی طرف اُجھال

'' گونگی مار دوائے۔''سیتا خوفز 'دہ لہجے میں ہوگی۔ وہ ڈر کر میرے بیچھے ہوگئ تھی۔ '' ذیاغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔۔۔۔'' میں نے کہا۔''اگر اس کتے کو گو کی مار دی گئ تو معاملہ نجڑ جائے گا۔''

''اے ۔۔۔۔۔کون ہے اِدھر۔۔۔۔''مکان کی طرف سے ایک گونجی ہوئی بھاری آ واز سنائی دی۔ ''مسافر ہیں بھائی ۔۔۔۔۔اس کتے کو پیچھے ہٹاؤ!'' میں نے جواب دیا۔ ''ن نے گے۔ مرک سائر سے نگر کی سے بیٹر کا کہ '' میں تین نہ سے سائر پر

''اپنی جگه پرژک جاؤورنه گولی مار دُوں گا۔'' وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ میں نے سیتا کواشارہ کیا۔اس مرتبہ اُس نے چیختے ہوئے کہا۔

''ہم چوریا ڈاکوئبیں ہیں۔مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔راستہ بھٹک کراس طرف آ گئے

درختوں کا سابہ میسر تھا گر چاروں طرف بنجر، خنگ اور تیتے ہوئے پہاڑ تھے جن کی وجہ ہے ہوا بھی گرم ہورہی تھی۔الی صورتحال میں سفرآ کے جاری رکھنا ناممکن نہیں تو انتہائی وُ شوار ضرور تھا۔ اور پھر ننگے پیر ہونے کی وجہ ہے معاملہ کچھاور بھی تنگین ہو گیا تھا۔ بیتا کے لئے تو اب ننگے پیر چلنے کا سوال ہی بیدانہیں ہوتا تھا اس لئے میں نے اپنے جوتے اُسے دے دیے تھے۔ ہم یوری دو پہر ندی کے کنارے درختوں کے سائے میں پڑے دے۔ سہ پہر کے قریب

وُھوپ میں پیش کم ہموئی تو میں نے وہاں ہے روانگی کا فیصلہ کرلیا۔ سیتا کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ہم اس وقت کہاں ہیں؟ اور میں بھی نہیں جانتا تھا کہ ہمیں کس طرف جانا ہے۔کوئی با قاعدہ رات تو تھانہیں۔ہم شتر بے مہار کی طرح منہ اُٹھائے درختوں میں ایک طرف چلتے رہے۔

میں نے کچھانجیریں تو ڈکرر کھ لی تھیں لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ زیادہ انجیریں کھانے ہے پیٹ میں گڑ بڑ ہوسکتی ہے۔

سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ سایہ دار درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور اب کہیں کہیں کیکٹس کے پود نے نظر آ رہے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ ہم زک زک کر چلتے رہے۔ سیتا نڈھال ہو رہی تھی۔ اُس کے پیروں میں تکلف بڑھ گئ تھی جس سے چلنے میں اور بھی وُشواری پیش آ رہی تھی۔

آدھی رات کے قریب ہم ایک جنگل میں پہنچ گئے جوزیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس جنگل سے باہر نکلتے ہی ہم تھ تھک کرزک گئےسامنے ایک جگہ کسی قدر بلندی پر مدھم می روشی نظر آرہی تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر میں اُس ٹمٹماتی ہوئی روشیٰ کی طرف دیکھنے لگا۔

O

وہ غالبًا ایک ہی مکان تھا جس کا ہیولہ تاریکی میں نظر آر ہا تھا۔۔۔۔۔ اور وہ مدھم ہی زرد روثن اُس مکان کی کھڑی ہے جھلک رہی تھی۔اُس کمرے کے اندر لائٹین یالیمپ روش تھا۔ میں نے گردن گھما کرسیتا کی طرف دیکھا۔

''وہ شاید کوئی فارم ہاؤس ہے۔''میں نے مدھم کہجے میں کہا۔

'' مجھے بھی یہی لگتا ہے۔'' سیتا نے جواب دیا۔''اس طرف بھی ایک مکان کا ہیولہ دکھائی دے رہا ہے۔ وہ اُس طرف……'' اُس نے اشارہ کیا۔ پہلے مکان سے تقریباً پچاس کز کے فاصلے پرایک اور مکان کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھالیکن وہاں روشی نہیں تھی۔ وہ مکان گہری تاریکی میں ڈو ابوا تھا

"كياخيال بيس"مين نے كہا۔" آگے بوطا جائے؟"

'' رسک تو ہے'' سیتا ہو لی۔''اگریہ فارم ہاؤس کسی مسلمان کا ہوا تو ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔ پورے جمول کشمیر میں مسلمان مجاہدین کو اپنے گھروں میں پناہ دے دیتے ہیں اور ان کی تجربور

ہں۔اس کتے کو یہاں سے ہٹاؤ!''

میری تو قع کے عین مطابق نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ ایک عورت کی آ وازس کر اُس مخف کو شامہ مچھ اظمینانِ ہو گیا تھا۔ وہ کتے کو ہٹکارنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی قدموں کی ہلکی می آواز بھی سائی دینے لگی۔ اور پھروہ آ دمی تاریکی ہے نکل کرساہنے آ گیا۔ میںِ صرف اُس کا ہیولہ ہی دیکھیے سکتا تھا۔ وہ قریب بہنچا تو اُس کے ہاتھوں میں ایک بندوق بھی نظر آگئی۔

'' کون ہوتم لوگ اوراس وقت.....''

" ہم مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔" سیتانے اُس کی بات کاف دی۔" کیاتم ہمیں آ گے آنے کوئبیں کہو گے؟ ہم طویل فاصلہ طے کر کے آئے ہیں اور تھکن اور بھوک سے ہماری بہت بری حالت ہورہی ہے۔''

وہ تھی چند کمعے خاموش رہا پھر بولا۔''ٹھیک ہے ۔۔۔۔آ جاؤ!''

ہمیں آ گے بڑھتے دیکھ کر کتا غرانے لگا۔اُس محص نے کتے کوڈانٹ دیا۔اُسے ٹھوکر مارنے کے لئے پیر اُٹھاتے دیکھ کر کتا ایک طرف بھاگ گیا۔ اس دوران ایک اور آ دمی لاٹین لئے برآ مدے میں آ گیا۔ لائنین کی روتنی میں اُس شخص کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔ وہ مسلمان تھا۔ سفیدنو کدار جھوٹی داڑھی اور سریر دھاگے کی بنی ہوئی گول ٹو لی اُس کے چیرے اور سفید بالوں کودیکھ کراندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بچاس سال سے اویر ہی کا ہے۔ جو محص لاکٹین لے کر

آیا تھا وہ گلین شیوتھا اور اُس کی عمر کا انداز ہمیں ہیں سال تک کا لگایا جا سکتا تھا۔ ہمارے ہاتھوں میں رانفلیں دیکھ کرسفید داڑھی والے کی ہنگھوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی

عالانکہ اُس کے ہاتھ میں ڈبل ہیرل بندوق تھی لیکن وہ اس بات کو بھی سمجھتا تھا کہ دوسب مثین گنوں کے سامنے اس بندوق کی کوئی حیثت نہیں تھی۔

'' آپ گھبرائے مت…'' میں نے اُس کے چیرے کے تاثرات کود کھتے ہوئے کہا۔''ہم آپ کوکوئی نقصانِ نہیں پہنچائیں گے۔ہم تو خود پناہ کی تلاش میں ہیں۔ آج کی رات گزار کرہم یہاں ہے چلے جائیں گے۔''

''مجاہدین سے مجھے کوئی خوف نہیں آتا۔ان کی خدمت کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔آؤ ۔۔۔۔ اندرآ جاؤ!''بوڑھےنے کہا۔

وہ ہمیں ایک کمرے میں لے آئے۔اور پھرتھوڑی ہی دیر بعد گھر کے دوسرے افراد بھی ا و ہاں جمع ہو گئے ۔ایک بوڑھیعورت تھی ۔ دوسری کی عمر ستائیس اٹھائیس سال رہی ہو گی ۔ ادر ا یک لڑکی تھی سولہ سترہ سال کی جبکہ گیارہ بارہ سال کی عمر کا ایک لڑ کا بھی درواز ہے میں کھڑا

ب ربی ساد. خدا بخش نا می سفید دارهی والاشخص اُس کنبے کا سر براه تھا۔کلین شیو والا اُس کا بیٹا اور دوسرگ عورت اُس کی بہوتھی _نو جوان لڑکی اُس کی بیٹی اورنوعمرلز کا بیٹا تھا۔

" آرام سے بیٹھ جاؤ یہال تم لوگول کوکوئی خطرہ نہیں ہے۔ " بوڑ ھے خدا بخش نے کہا اور پھراینی بہوکو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

' بیہ بہت چھکے ہوئے ہیں اور انہیں بھوک بھی لگ رہی ہو گی۔ ان کے کھانے کا کچھ

بہواور خدا بخش کی بیٹی فورا ہی کمرے ہے چلی گئیں۔خدا بخش کی بیوی سیتا کے پاس بیٹھ گئ اور خدا بخش میرے ساتھ سامنے دوسری حیار پائی پر بیٹھ گیا۔ اُس کا بڑا بیٹا امیر دین دوسرے لڑکے کے ساتھ درواز ہے میں کھڑ اتھا۔

''تنہاری حالت بتارہی ہے کہتم لوگ بہت دُور سے سفر کر کے آ رہے ہو۔'' خدا بخش باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔'' کون ہوتم لوگاور کہاں ہے آئے ہو؟''

''میرا نام شمروز ہے۔۔۔۔۔اور بیسیتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''سیتا.....؟'' خدا بخش چونک گیا۔'' اوہتو تم شمر دز ہو۔اس کا مطلب ہے کہتم لوگ

اتم گرے آئے ہو۔'' اس مرتبہ چونکنے کی باری میری بھی۔اتم گِرسیتا کی بستی کا نام تھا۔ میں نے سیتا کی طرف

دیکھا۔اُس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔

''وادی کےایک سرے پر کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اس کی خبر آنا فانا دوسر ہے سرے تک جبیج جاتی ہے۔'' خدا بحش نے کہا۔''بہارا یہ فارم ہاؤس اگر جد کسی آبادی ہے کم از کم یا بچ کوس ؤور ہے کین کل صبح سویرے اتم نگر میں جو پچھ ہوا اس کی خبر ہم تک پہنچ چک ہے۔شمروز نام کا ایک مجاہدا دربستی کے تھیا کی بھا بھی بستی میں قتل و غارت مجا کر بھا گے ہیں ۔ پہاڑوں میں اور ڈوڈا کی ا طَرِفَ انہیں تلاش کیا جارہا ہے ۔تم لوگ ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہو۔ یہاں فی الحال ممہیں کوئی خطرہ کہیں ہے۔ مجھے تو شمروز جیسے مجاہد کوایئے غریب خانے میں یا گربہت خوتی ہور ہی ہے۔'' اُس نے اپنی جگہ ہے اُٹھ کرمیری بیٹانی پر بوسہ دیا اور دوبارہ اُس جگہ بیٹھ گیا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات کود کھے کرمیں اُس کے دِلی جذبات کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

''اور بہاڑ کی'' وہ سیتا کی طرف و کیھتے ہوئے بولا۔''اس کا کردار قابل تعریف ہے۔ آس نے حق کو بیجان لیا ہے۔اس نے تمہاری مدد کیا پنی زندگی خطرے میں ڈال کرمہمیں وہاں ہے، نکال کر لے آئی ۔خدااہے اس نیکی کا اجرضرور دے گا۔''

خدا بخش کی بیوی کنیز فاطمہ بھی سیتا کے ساتھ بہت محبت ادر ہدردی ہے پیش آئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس کھر میں بڑی یذیرانی ملی عمی ۔ تقریاً آ و ھے تھنے بعد جارے لئے جاول تیار ہو گئے ۔ سالن پہلے ہی ہے موجود تھا۔ ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ دیریک باتیں ، کرتے رہے۔ سیتا تو خواتین کے ساتھ دوسرے کمرے میں چکی گئی اور مجھے خدا بخش اینے کمرے میں لے آیا۔ بیون کمرہ تھا جس کی کھڑ کی ہے روشنی ہم نے دُور ہے دیکھی تھی۔

رات کو اگر چہ ہم دیر تک جاگتے رہے تھے لیکن صبح میری آئھ بھی جلدی ہی کھل گئی۔ دوسرے مکان میں خدا بخش کا چھوٹا بھائی اللہ بخش اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ اُسے رات کو ہمارے آنے کی خبرنبیں ہو سکی تھی لیکن اس وقت وہ بیوی بچوں کے ساتھ یہاں موجہ وقدا

ر در سان کی پشتی زمین تھی جہاں زیادہ تر دھان کی کاشت ہوتی تھی۔ بہ دونوں بھائی اس اراضی کو سنجالے ہوئے تھے۔ رات کو جے ہم جنگل سمجھے تھے دہ دراصل انجر کا بہت بڑا باغ تھا۔ درختوں کی شاخیں بھلوں سے لدی ہوئی تھیں اور پھل کچھ عرصہ میں پکنے ہی والا تھا۔ دھان کی مبک رتی ہوئی تھی۔ خدا بخش نے کی فصل بھی تیار ہونے والی تھی۔ فضا میں ہر طرف دھان کی مبک رتی ہوئی تھی۔ خدا بخش نے مجھے اپنے بیٹے امیر دین کے کیڑے دے دیئے اور میں نہانے کے لئے چشتے پر چلا گیا۔ میں نے نہا کر کپڑے بدلے اور اپنے کپڑے دھوکر دُھوپ میں ڈال دیئے۔

جب میں واپس آیا تو سیتا بھی بدلی ہوئی وکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے امیر دین کی بیوی کے کیڑے بہنے ہوئے تھے۔

. نا شتے کے بعد میں اور خدا بخش گھر کے سامنے درختوں کے ینچے بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئے۔خدا بخش کشمیری حقہ گڑ گڑ اتے ہوئے با تیں بھی کرر ہاتھا۔

یدانکشاف میرے لئے خاصاسنٹی خیز ثابت ہوا کہ خدا بخش کا یہ فارم ہاؤس رام نگر نامی ایک بڑے قصبے سے پانچ چھکوس کے فاصے پر ہے۔رام نگرضلع جموں میں دافع تھا اور جموں شہر وہاں سے تقریباً بچاس میل کے فاصلے پرتھا۔

میرے دماغ میں سنسناہ منسی ہونے گی۔ میں سونا مارگ کے قریب فوجی قافلے کو تباہ کرنے کے بعد انگوری کے ساتھ کی نہ کسی طرح پہلگام کے قریب ایک فارم ہاؤس میں پہنچ گیا تھا جہال بھارتی فوج کے ایک دستے نے چھاپہ مارا۔ اس چھاپہ مار کارروائی میں انگوری شہید ہو گئی اور میں زخمی ہوکررات کی تاریکی میں وہاں سے بھاگ نکلا اور تین دن تک پہاڑوں میں بھٹکتا ہواایک جگہ بے ہوش ہوکر گرگیا۔

سیتا میر کے لئے فرشتہ رحمت ٹابت ہوئی۔ اُس نے جھے اُٹھا کرایک غار میں پنچادیا۔ ہوش میں آنے کے بعد پنہ چلا کہ وہ غار ڈوڈاشہر سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پرتھا۔ ہندو ہونے کے باوجود سیتا نے میری مدد کی اور سبتی میں رہنے والے واحد مسلمان چاچا قربان علی سے بڑی راز داری سے میرا علاج کروایا۔ میں دو مہینوں تک اس غار میں رہا۔ میری موجودگی سے صرف تمین افراد واقف تھے۔ سیتا، چاچا قربان علی اور اُس کی بٹی نیلم لیکن سیتا مجھ میں سب سے زیادہ دلچسی لے رہی تھی۔ اس کی وجہ شاید میتھی کہ وہ اپنوں ہی سے چوٹ کھائے ہوئے تھی۔ وہ میری دکھے بھال کرتی رہی۔ اور پھر دو ہندونو جیوں نے سیتا کو بے آبر وکرنے کی کوشش کی۔ میں نے نہ صرف سیتا کوان سے بچایا بلکہ ایک فوجی بھی میرے ہاتھوں مارا گیا دوسرے کوسیتا نے سینکڑوں

ف گبرے کا میں دھیل دیا۔

بھارتی فوجیوں کی ایک پارٹی اپنے گمشدہ دو فوجیوں کی تلاش میں اس طرف نکل آئی۔
انہوں نے پھروں برخون کے وصے دیکھ لئے اور پھراتفاق سے جاجا قربان علی ان کے ہاتھ لگ
گیا جے انہوں نے گولیوں سے چھانی کر دیا اور بستی میں پہنچ کرنیلم کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ اُن
فوجیوں کوخون آلود پھروں کے قریب سے ایک لاکٹ بھی ملاتھا جس پرسیتا کا نام لکھا ہوا تھا۔
اُنہیں سیتا کی تلاش تھی اور سیتابستی سے بھاگ کر پہاڑی پھاؤں میں میرے پاس آگئ اور ہم
دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

وووں وہاں سے بھا کے ہری خاطر اپنی زندگی خطرے ہوئے۔
میں انگاروں کی طرح متبتے ہوئے بھروں پر دوڑتے ہوئے اُس کے پیرچھنی ہوگئے تھے۔ مجھے
میں انگاروں کی طرح متبتے ہوئے بھروں پر دوڑتے ہوئے اُس کے پیرچھنی ہوگئے تھے۔ مجھے
میتا کی نیت پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ اُس نے مجھے موت کے منہ سے بچایا
تھا۔ اگر وہ مجھے بے ہوثی کی حالت میں اُٹھا کر چاچا قربان علی سے میرا علاج نہ کرواتی تو شاید
میں وہیں پڑے پڑے تم ہو چکا ہوتا۔ یا پیجھی ہوتا کہ وہ بہتی والوں کو میرے بارے میں اطلاع
دے دین اور مجھے پولیس یا فوج کے حوالے کر دیا جاتا اور اس طرح میری کہانی ختم ہو چکی
ہوتی۔ لیکن سیتا نے مجھے سے ہمدردی کی اور مجھے موت کے منہ سے بچا کر یہاں لے آئی۔ سیتا
کی نیت پر شبعے کی کوئی مخجا اُش نہیں تھی لیکن اب میں محسوس کرنے لگا تھا کہ سیتا غیر محسوس انداز
میں مجھے میرے محاذ سے دور لے جا رہی تھی۔ اس میں اُس کی نیت یا ارادے کوکوئی دخل نہیں
میں مجھے میرے محاذ سے دور لے جا رہی تھی۔ اس میں اُس کی نیت یا ارادے کوکوئی دخل نہیں
میں مجھے میرے محاذ سے دور سے جا رہی تھی۔ اس میں اُس کی نیت یا ارادے کوکوئی دخل نہیں
میں مجھے میرے محاذ سے دور سے جا رہی تھی۔ اس میں اُس کی نیت یا ارادے کوکوئی دخل نہیں

جموں اور کشمیرا گرچہ ایک ہی خطہ تھا۔ پیچیلی نصف صدی ہے بھارتی سامراج کے ظلم وسم کا شکار ہور ہا تھا۔ آزادی کی تحریک اس خطے میں بھی شروع ہی ہے چل رہی تھی۔ اس میں اُتار چڑھاؤ آتے رہتے تھے۔ بھی لگتا تھا کہ طاغوتی قوتیں غالب آرہی ہیں اور بھی لگتا مٹی بھر مجاہدین طاقتور بھارتی فوج کونیست و نابود کر دیں گے۔لیکن میرے خیال میں فیصلہ کن مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا۔

ایک ہی خطہ ہونے کے باوجود جموں اور کشمیر موتی ، معاشرتی ، جغرافیائی اور تہذیبی لحاظ ہے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ کشمیر سر سنرتھا۔ وہاں کے پہاڑ جنگلوں سے لدے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ جگہ جھیلئی تھیں۔ دھرتی سنر جملی گھاس ، در رنگ برگئے بھولوں کی چا در سے ذھئی رہتی تھی۔ پہاڑ وں کی چوٹیاں بارہ مہینے سفید برف سے ڈھئی راتی تھیں اور یہی برف بگھل کر گنگاتی ہوئی ندیوں ، جھرنوں اور آبٹاروں کوجنم دیتی تھی۔ کشمیرا گر جنت نظیرتھا تو جموں اس کے برعکس جہنم کانمونہ بیش کرتا تھا۔

سلسلہ کوہ ہمالیہ کے انتہائی جنوب میں واقع جموں خٹک اور بے آب و گیاہ پہاڑوں میں گھرا موا تھاان بے آب و گیارہ پہاڑوں کے درمیان کہیں کہیں جسیع و عریض بنجر وادیاں پھیلی ہوئی

تھیں جہاں کیکٹس کے بود ہے تو بکٹرت نظر آتے ہیں مگر کوئی اور پھل دار یا سایہ دار درخت دکھائی نہیں دیتا۔ تاہم جہاں بانی میسر ہے وہاں انجر اور دھان کی کاشت ہوتی ہے۔ جموں کی آبادی کا زیادہ حصہ ڈوگروں ، سکھوں اور ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ مسلمان بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ مگر ہندوسا مراج نے ان کا جینا حرام کر رکھا ہے اور وہ اپنے حق کے لئے بندوق اُٹھانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اُنیسویں صدی میں شمیراور جموں پر راجہ گلاب سکھی کی حکمر انی تھی۔ اور پھر اُس نے یہ خطہ کوڑیوں کے مول انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس طرح اس وادی کی تاریخ نے ایک نیا موڑلیا۔ 1947ء میں ہندوستان کا ہوارہ ہوا تو جموں اور شمیر کا خطہ ایک تناز عہ بن گیا۔ اُس وقت اس خطے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مگر ہندو اس خطے سے دستبر دار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہندووں کولا کریہاں بسایا جانے لگا تا کہ یہاں ہندوؤں کی اکثریت ثابت کی جا سکے۔

شمیر کی طرح جموں کی آبادی بھی پہاڑوں میں جھری ہوئی ہے۔ یہاں موسم گر ما میں شدید گری پڑتی ہے اوراس میں شبہ نہیں کہ ڈوگروں اور سکھوں کو کھیتی باڑی کے لئے شدید محنت کرنا پڑتی ہے۔ جبکہ ہندواپنی فطری اور روایتی چالا کی سے یہاں کے کاروبار اور معیشت پر قابض ہیں۔

ہمیں خدا بخش کے اس فارم ہاؤس میں چار دن گزر گئے۔ یہ جگہ ہمارے لئے واقعی محفوظ تھی۔ رام مگر قصبہ وہاں سے سات آٹھ کوس دُور تھا اور قصبے کی طرف جانے والی سڑک بھی وہاں سے کم از کم تین میل کے فاصلے پرتھی۔ رام مگر میں ہندوآ بادی کی اکثریت تھی۔ مسلمان کم تعداد میں سے اس لئے دہاں زیادہ ہنگا ہے نہیں ہوتے تھے اور اس لئے یہ فارم ہاؤس بھی محفوظ تھا۔ تاہم اور تھم پور، ریای، اکھنور اور جموں میں پولیس اور فوج کے بچے مسلمان مجاہدین کی جھڑ بیں ہوتی رہتی تھیں۔

عارروز کے آرام اور ایک مخصوص مرہم لگانے سے سیتا کے پیر بھی بالکل ٹھیک ہو گئے تھے اور دہ ایک سنظے سے انکس ٹھیک ہو گئے تھے اور دہ ایک سنظے سنظے کے ایک بناتوں سے انکشاف ہوا کہ دہ جھے جموں لیے جانا چاہتی تھی۔ جہاں بقول اُس کے ایک دُور کے رشتے وارموجود تھے۔ اُس کے کہنے کے مطابق چند روز جموں میں رہنے کے بعد ہم پنجاب اور پھر راجستھان کی طرف چلے جائم ہے گئے۔

سیتا کے پروگرام نے مجھے چونکا دیا۔ وہ مجھے میرے محاذ سے وُور لے جانا چاہتی تھی اور سے مجھے کسی طرح قبول نہیں تھا۔ میں اپنی سرزمین سے دُورنہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں اس مٹی سے بیدا

ہوا تھا، بہیں پر میرے والدین، بزرگوں اور ان لوگوں کی ہڈیاں دفن تھیں جنہوں نے وطن کی آزادی کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے۔ میں نے بھی اس وادی میں رہتے ہوئے مجاہدانہ زندگی کا آغاز کیا تھا اور عرصہ ہے آزادی کی جنگ لڑر ہا تھا۔ لیکن اب سیتا جھے یہاں ہے وور لے جانا چاہتی تھی اور یہ مجھے قبول نہیں تھا۔ میں نے بہر حال یہ طے کرلیا تھا کہ جموں میں کی مجاہد ہے رابطہ کر کے ایک بار پھر تحریک میں شامل ہو جاؤں گا۔ اس سلسلے میں، میں نے خدا بخش ہے بات بھی کر کی تھی۔ اُس نے جھے جموں کے ایک دُکاندار کا پیتہ بتا دیا تھا جس کے ذریعے میں مجاہدین کی ایک تحریک ہے۔ رابطہ کر سکتا تھا۔

سے دریے ہیں جاہدیں نا بیست رہیں ہو ہیں۔ ہم دو دن اور فارم ہاؤس میں رہے اور پھر اُن کی مہمان نوازی کاشکریہ ادا کر کے اُن سے رخصت ہو گئے۔ سیتانے امیر بخش کی بیوی کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ دوپٹہ بھی تھا۔ مجھے صورت سے تو کوئی نہیں بہچانا تھا کہ میں کون ہوں البتہ سیتا کا خطرہ تھا۔ میرے ساتھ اُسے بھی تلاش کیا جار ہا تھا اور اندیشہ تھا کہ اسے کہیں شاخت نہ کرلیا جائے۔ ای لئے اُس نے دوپٹہ بھی لے لیا تھا تا کہ وہ اپنا چیرہ چھیائے رکھے۔

ہمیں بس پرسفر کرنا تھا اور ظاہر ہے ہم! پنی رائفلیں ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ وہ دونوں رائفلیں خدا بخش کے پاس جھوڑ دی گئیں اور اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ یہ رائفلیں ایک دو دن میں جمول کے دُکاندار شہیل کو پہنچا دے گا۔

مین روڈ وہاں ہے تقریباً تین میل دُورتھی۔ہم شج سات بجے فارم ہاؤس ہے روانہ ہوئے تو امیر بخش بھی ہمارے ساتھ تھا۔ خدا بخش نے ہمیں کچھر آم دے دی تھی تا کہ جموں میں ہمیں کسی امیر بخش بھی ہمارے ساتھ تھا۔ خدا بخش نے ہمیں کچھر آم دے دی تھی تا کہ جموں میں ہمیں کسی پرینج گئے۔ سیتا ایک پھر پر بیٹے گئے۔ تقریباً آو ھے گھنے بعد ایک بس آئی تو امیر بخش نے ہاتھ کے اشارے ہے بس رُکوائی لیکن کنٹر نے بتایا کہ یہ بس جمول نہیں کھٹور و جا رہی ہے۔ اور ہم پور سے جموں کی طرف جانے والی بس کے لئے ہمیں مزید آ دھا گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ امیر بخش مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا اور ہم بس پر سوار ہو گئے۔ اتفاق سے ہم دونوں کو ایک ہی سیٹ پر جگہ ملی تھی۔ وہ دراصل تین مسافروں کی سیٹ پر جگہ ملی تھی۔ ایک بوڑھا ہندو پہلے ہی سے وہاں بیٹیا ہوا تھا۔ وہ کنارے پر آگیا۔ سیتا کھڑ کی کی طرف بیٹے گی اور میں اُس کے ساتھ۔

سیتا نے دو پٹے ہے اس طرح گھونگھٹ نکال رکھا تھا کہ اُس کا چیرہ نظر نہ آئے۔ روانہ ہونے ہے پہلے ہی ہم نے طے کرلیا تھا کہ راہتے میں اگر کہیں چیکنگ ہوئی تو ہم اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کریں گے۔اُس کا نام عذر ااور میرانام سلطان ہوگا۔

یں میں موسی ہو تھی۔ اس کی سال میں کا رہا ہے کہ اس کی رفتار بھی بھی تیز اور بھی ہلکی ہور بی تھی۔ حیاروں طرف دُوردُ ور بنجراور خنگ پہاڑتھے۔ کہیں کہیں سبز واور چیوٹی چیوٹی بستیاں بھی تھیں۔ دُ ھوپ جیسے جیسے تیز ہور ہی تھی ہوا میں بھی تیش بڑھ رہی تھی۔ رام نگر سے جمول کا فاصلہ

اگر چہ عالیس میل کے لگ بھگ تھا مگر بس نے یہ فاصلہ تین گھنٹوں میں طے کیا۔ راستے میں اگر چہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے کئی جگہوں پرزی تھی لیکن تھلورہ نامی قصبے میں یہ بس تقریباً آدھا گھنٹہ زکی رہی تھی۔ مہاں سے ایک سڑک رام نگر، گھنٹہ زکی رہی تھی۔ مہاں سے ایک سڑک رام نگر، دوسری جمول، تیسری اودھم پور، چوتھی سمبا اور پانچویں سڑک رام کوٹ سے ہوتی ہوئی کھٹووا کی طرف علی گئتھی۔

جموں ایک بہت بڑا اور پھیلا ہوا شہر تھا۔ کوہ ہمالیہ کا جنوبی سلسلہ یہاں پرختم ہوجاتا تھا۔ اس ے آگے بتدریج ڈھلان تھی جومیدانی علاقے سے ٹل کر پنجاب سے جاملتا تھا۔ اس کے ایک طرف مغربی پنجاب (پاکستان) کے شہر سیالکوٹ، گجرات اور شکر گڑھ تھے تو دوسری طرف مشرتی پنجاب کا پہلا شہر پٹھانکوٹ تھا۔

. جموں میں ایک بہت بڑاریلوے شیش بھی تھا۔ یہاں سے شروع ہونے والی ریلوے لائن پٹھان کوٹ ہے ہوتی ہوئی امرتسر، دبلی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کو ملاتی تھی۔

جب نہم جموں کے لاری اُڈ کے پر بس سے اُتر ہے تو ساڑھے بارہ نج رہے تھے۔ گرم ہوا کے تھیٹر سے چل رہے تھے۔ گرم ہوا کے تھیٹر سے چل رہے تھے۔ سیتا نے دو پٹھاس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ کوئی اُس کا چہرہ نہ دیکھ سے ۔ شدید گری سے پیاس بھی بھڑک اُٹھی تھی اور حلق خٹک ہور ہا تھا۔ ہم لاری اڈ سے نکل کرایک مسلمان کی دُکان پر آگئے جہاں لی اور دیگر مشروبات فروخت ہور ہے تھے۔ دو دوگلاس لی نی نکان پر آگئے جہاں لی اور دیگر مشروبات فروخت ہور ہے تھے۔ دو دوگلاس سے رابط کرنا تھا۔ لیکن سیتا کا خیال تھا کہ پہلے لا ہوری محلے میں سوامی نارائن نامی اُس کے رشتہ دار کا گھر تناش کیا جائے اس کے بعد ہی کہیں اور حائیں گے۔

لا ہوری محلّہ وہاں ہے بہت دُورتھا۔ دُھوپ بہت کڑی تھی۔ میری قمیض پیپنے ہے تر ہور ہی تھی۔ سیتا کی حالت بھی مجھ ہے مختلف نہیں تھی لیکن وہ خاموثی ہے میرے ساتھ چلتی رہی۔ لا ہوری محلّہ سخبان آبادی والا علاقہ تھا۔ تنگ اور پڑنج گلیاں، کھیلتے ہوئے تنگ دھڑنگ بچ۔ سیتا گلیوں کے ایک چوراہے پر رُک گئی اور إدھرا دُھے اُدھر دیکھنے لگی۔

، یون کے پیسی ہوئی ہے۔ ''تم آخری مرتبہ یہاں کب آئی تھیں اور راستہ یاد بھی ہے یانہیں؟'' میں نے پوچھا۔ '' اسارا ساز تھ''' کے میں اور راستہ یاد بھی ہے یانہیں؟'' میں طرف ہے گا کی موڈ

''دوسال پہلے آئی تھی۔'' سیتا نے جواب دیا۔''میرا خیال ہے اس طرف آ گے ایک موڑ گھوم کر دوسری گلی میں ہے۔''

شدید گرئی میں گلی میں کھیلتے ہوئے بچے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر کے ایک گڑکے نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے پچھ کہا تو وہ زورزور سے ہننے لگا۔ ہم دائیں طرف والی گلی میں مُڑ گئے۔ چند گزکا فاصلہ طے کرنے کے بعد سیتا ایک بار پھر رُک کر ادھراُدھر دیکھنے گلی۔

''وہ مکان ای گلی میں ہونا چاہئے ، مگر پہچان میں نہیں آ رہا۔'' وہ بزبروائی اور قریب سے

گزرتے ہوئے ایک بوڑھے آدمی کوروک لیا۔ طلبے سے وہ مسلمان بی لگتا تھا۔ '' ''لالہ جی!'' سیتا اُس کی طرف و کیھتے ہوئے بولی۔''لالہ سوامی نارائن کا مکان کون سا ہے؟'' سوامی نارائن کا نام س کر وہ مخض چونک گیا۔ پہلے اُس نے گھونگھٹ کے اندر سیتا کا چہرہ و کیھنے کی کوشش کی پھرمیری طرف و کیھنے لگا۔

'' ثم لوگ ڈوڈا سے آئے ہو؟'' وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔'' اور سے لڑکی مسلمان نہیں ،سیتا ہے۔ادر''

''لالہ جی آپ ۔۔۔۔'' سیتا نے اُس کی بات کاٹ کر پچھے کہنا چاہا مگر وہ تخص اُسے اپنی بات یوری کرنے کاموقع دیتے بغیر بولا۔

" '' میں مسلمان ہوں اور میرا نام عبدالرؤف ہے۔'' وہ سرگوشیانہ کہج میں کہدر ہا تھا۔'' لالہ سوامی نارائن کو پولیس بکڑ کر لے گئی ہے۔ سادہ لباس میں پولیس اُس کے گھر کی گرانی کر رہی ہے۔ انہیں سیتا اور اُس کے ایک مسلمان ساتھی کا انتظار ہے جوڈوڈوائے قریب ایک بہتی میں قل و غارت کر کے بھا گے ہیں۔'' وہ چند کھوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''لالہ سوامی نارائن کا مکان یہاں نہیں ، ساتھ والی گئی میں ہے۔ میں اُس کا پڑوی ہوں اور مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ دوسادہ لباس پولیس والے اُس کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔تم لوگ جیسے بی وہاں پہنچو گے دھر لئے جاؤگے۔ میرے ساتھ آؤ!''

میں نے اور سیتا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر خاموثی ہے اُس کے ساتھ چل پڑے۔اُس کل میں واپس چلتے ہوئے ہم ایک اور گل میں داخل ہو گئے۔ یہ گل نسبتاً کشادہ تھی اور > یہاں لوگوں کی آمد ورفت تھی۔ بوڑھا عبدالرؤف ہمارے ساتھ چلتے ہوئے اس طرح با تیں کر رہا تھا جیسے ہم اُس کے قریبی عزیز ہوں۔آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ سرسری سی نظروں سے ہماری طرف دکیورہے تھے۔

ایک اور گُلی میں داخل موکر عبدالرؤف ایک مکان کے سامنے رُک گیا۔ دستک کے جواب میں دروازہ فوراً ہی گھل گیا۔عبدالرؤف نے پہلے جمیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا اور بھارے بعد اندر داخل ہوکر دروازہ بند کر دیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک ادھیڑ عمر بھاری بھر کم عورت تھی جو اُلجھی ہوئی نظروں ہے بھی عبدالرؤف اور بھی بھاری طرف دیکھ دبی تھی۔

" بيكون بين جمالي صاحَتِ؟" بالآخروه عورت خاموش نبيس ربي على _

مختصر ساقتحن عبور کر کے ہم ایک کمرے میں آ گئے۔ بید کمرہ گھر کے دوسرے کمروں سے الگ تھلگ تھا اور بیٹھک کے طور پر آ راستہ تھا۔ فرش پر موٹی دری بچھی ہوئی تھی۔ ریگزین کا ایک

صوفہ سیٹ تھااور چند کرسیال سلیقے ہے رکھی ہوئی تھیں۔ان کے پی میں ایک تیائی بھی پڑی ہوئی تھی۔عبدالرؤف نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پکھا کھول دیا تھا اور ہمیں آرام سے بیٹنے کو کہتا ہوا باہرنکل گیا۔ میں اور سیتا ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اُس نے دو پٹہ سر سے اُتارلیا تھااوراُس کے بلوے لینئے ہے ترچرہ یونچھرہی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد عبدالرو قف ایکٹرے اُٹھائے اندرداخل ہوا۔ اُس میں شربت کے تین بڑے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ٹرے میز پر رکھ کراُس نے ایک ایک گلاس ہماری طرف بڑھادیا۔ ''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ہم ڈوڈ اسے آئے ہیں؟ اور آپ نے بیا ندازہ کس طرح لگالیا کہ بیستا ہے اور میں ایک مسلمان مجاہد؟'' میں نے شربت کا گھونٹ بھر کرسوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''یہ میری بہن کا گھر ہے۔ جبکہ میں لالہ سوامی نارائن کے پڑوں میں رہتا ہوں۔' عبدالرؤف نے جواب دیا۔''گئی روز پہلے پولیس نے لالہ سوامی نارائن کے گھر پر چھاپہ مارا تھا۔ اُنہیں سیتا نامی ایک ٹرکی اور ایک مسلمان مجاہد کی تلاش تھی جوڈوڈ اے قریب ایک بستی میں قبل وغارت کر کے بھاگے تھے۔ سیتا لالہ سوامی نارائن کی رشتہ دار ہے اور اس بستی کا کھیا اُس کا مام ہے۔ پولیس کو یقین تھا کہ سیتا پناہ لینے کے لئے یہاں ضرور آئے گی۔ یہاں جموں میں اس کے ایک دواور رشتہ داروں کے گھر بھی ہیں۔ پولیس نے ان گھر وں کے تمام مردوں کو بھی پکڑلیا ہوار مورتوں کی بھی بستی کے ایک آدمی ہے شاخت کرائی گئی تھی۔ پولیس کواب بھی یقین ہے کہوہ مسلمان مجاہد ہیں تو سیتا ان میں ہے کسی ایک کے گھر ضرور آئے گی۔ ہر گھر میں دودوسادہ لباس میں مسلم پولیس والے موجود میں تا کہ سیتا اپنے مسلمان مجاہد ساتھی کے ساتھ جیسے ہی کسی گھر

''اس میں شبہ نہیں کہ نہم ہی اُ س بستی ہے بھا گے ہیں۔لیکن ہم نے وہاں کوئی قتل و غارت نہیں کی۔ہم نے تو ایک گو لی بھی نہیں چلائی بلکہ پکڑے جانے کے خوف سے پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے تھے۔'' میں نے کہا۔

بوں کو دورہ ہندونو جیوں کو ماتھی نے بہتی سے کچھ وُ وردہ ہندونو جیوں کو ماردیا تھا۔ اُن کی لاشیں بھی ایک کھٹر سے ل گئی ہیں اور پھر سیتا اور اس کے ساتھی نے بہتی ہیں ماردیا تھا۔ اُن کی لاشیں بھی ایک کھٹر سے لیک اور فوجی مارا گیا۔ وہ دونوں فرار ہونے ہیں کامیاب ہوگئے۔ بعد ہیں بہتی کی ایک مسلمان لڑکی نے بتایا کہ سیتا کے ساتھ مجاہد لیڈر شمروز تھا جو کئی روز ہے بہتی ہے کچھ وُ ورا کیک غار میں بناہ لئے ہوئے تھا۔''

'' یہ درست ہے کہ میں کئی روز ہے اُس غار میں چھپا ہوا تھا اور سیتا میری مدد کرر ہی تھی۔ یہ بھی درست ہے کہ ویاں دو ہندوفو جی مارے گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے سیتا کوا کیلیے پاکراسے بے آبروکرنے کی کوشش کی تھی۔لین' میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے

ہوئے بولا۔''لین ہم نے فوجی پارٹی پرحمانہیں کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ستی میں آنے والے فوجیوں نے اس بستی میں رہنے والے واحد مسلمان قربان علی کو دو ہندو فوجیوں کے قل کے شب میں گولیوں سے بھون ڈالا اور اُس کی جوان بیٹی کولیتی کے چوک میں بر ہنہ کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہوسکتا ہے بستی کے کسی غیرت مند ہندو ہی نے لڑکی کو بچانے کے لئے فوجیوں پرحملہ کر دا ہواور کوئی فوجی اُس کے ہاتھوں مارا گیا ہو۔

" دوادی کے مسلمان مجبور اور بے بس نہیں ہیں۔ " میں نے جواب دیا۔ "ہم نے تو غلامی کی زنجریں تو ٹرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ ہمارے نوجوان نہ مجبور و بے بس میں اور نہ ہز دل۔ ہم نے عہد کر رکھا ہے کہ وادی میں کہیں بھی ہندونوج کو مکنے نہیں دیں گے۔ جب تک ان غاصبوں کو نکال باہر نہیں کریں گے ہم چین ہے نہیں بیٹے میں گے۔"

''تم نوجوانوں ہی ہے تو اُمیدیں وابسۃ ہیں۔'' عبدالرؤف نے گہرا سائس لیتے ہوئے کہا۔'' ہہر حال اچھا ہوا کہ میں راستے میں تم لوگوں کوئل گیا ور نہ غلاقتی میں مارے جاتے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی اور ٹھکا نہ نہ ہوتو تم لوگ چند روز یہاں رہ سکتے ہو۔ میری بہن شریفال یہاں اپنی بیٹی کے ساتھ اکیلی رہتی ہے۔ پڑوسیوں کوہم کہہ سکتے ہیں کہتم لوگ ہمارے رشتے دار ہواور پیٹھان کوٹ ہے آئے ہو۔ اور تم اسٹ اُس نے میری طرف دیکھا۔'' ہمہیں تو بہت زیادہ مختاط رہنے کی ضرورت ہے۔ جس روز تم لوگ ڈوڈا کی بہتی ہے بھاگے تھے اس سے اگلے روز میاں بھی تمہاری تلاش میں چیکنگ شروع ہوگئی تھی۔ اس طرف ہے آئے والی ہر بس کے مسافر وں کوروک کر بڑی تحق ہے اُن ہے ہو چھ کچھ کی جاتی رہی تھی۔ اب اگر چہ سرگر میاں پچھ ماند پڑگئی ہیں لیکن تم لوگوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ میرا تو مضورہ یہی ہے کہ کہیں اور جانے کی بجائے تم لوگ کی بہتی رہ ہواؤ۔ یہ گھرتم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ محفوظ ہے۔'' میں نے سبتا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چبرے کے تاثر ات سے لگتا تھا جیسے وہ یہاں رہنے میں نے سبتا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چبرے کے تاثر ات سے لگتا تھا جیسے وہ یہاں رہنے میں نے سبتا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چبرے کے تاثر ات سے لگتا تھا جیسے وہ یہاں رہنے میں نے سبتا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چبرے کے تاثر ات سے لگتا تھا جیسے وہ یہاں رہنے میں نے سبتا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چبرے کے تاثر ات سے لگتا تھا جیسے وہ یہاں رہنے

ر پیروری ''مھیک ہے۔۔۔۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔'' ہم چندروزیباں رہ لیتے ہیں۔ لیکن اس دوران آپ کومیراایک کام کرنا ہوگا۔ بلکہ آج بی۔'' ہے۔ خالدہ تیرہ چودہ سال کی ایک بھولی بھالی اور حسین لڑکی تھی۔ وہ ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی اور ابھی سکول ہے واپس آئی تھی۔

ہم دوسرے کمرے میں آگئے جہاں دری پر دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ خالدہ اورشریفاں بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئیں۔ شریفاں بٹی کو بتارہی تھی کہ میں رشتے میں اس کا ماموں لگتا ہوں۔ کھانے کے بعد شریفاں نے ہمیں ایک اور کمرہ دے دیا جہاں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سیتا بچھے دیر بعد خالدہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں چکی گئی اور میں چارپائی پر لیٹ گیا اور کچھ بی دبر بعد میں نیند کی آغوش میں بہنچ چکا تھا۔

اور پھراُس شام عبدالرؤف ہے مِلنے والی خبریں بڑی خوفناک تھیں

پولیس اور فوج کی انٹیلی جنس نے کسی طرح پیتہ لگا گیا تھا کہ مجاہدین کا سب سے خطرناک لیڈرشمروز (بعنی میں) ڈوڈا کے قریب ہندوؤں کی ایک اور چھوٹی می بہتی میں تباہی مجا کر فرار ہونے کے بعد رام نگر کے قریب ایک فارم ہاؤس میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھ سیتنا نام کی وہ ہندولڑ کی بھی تھی جو دوفو جیوں کے قتل میں ملوث تھی۔ مید دونوں تقریباً ایک ہفتہ اُس فارم ہاؤس میں رہنے کے بعد جموں کی طرف فرار ہوگئے تھے۔

فوج کی ایک پارٹی نے اُس فارم ہاؤس پر جھابہ مارا تھا اور اُس خاندان کے سربراہ خدا بخش نے بتایا تھا کہ شمروز جموں کی نہرو مارکیٹ میں شہیل نامی ایک وُ کاندارے رابطہ کرے گا۔
سہیل جابدین کی ایک نظیم کا سرگرم ایجنٹ ہے اور مجابدین کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔
فوج کی ایک پارٹی نے آئ شام ہے ذرا پہلے سہیل کو گرفتار کرلیا اور اُس سے شمروز کے ہارے میں پوچھ کچھ کی جارہی ہے۔ سہیل کی گرفتاری کے ساتھ ہی شہر کی پولیس کو بھی الرٹ کر دیا گیا تھا اور شمروز کی گرفتاری کے سختہ مقامات پر جھابے مارے جا رہے تھے اور ایسے لوگوں کو حراست میں لیا جارہا ہے جو مجابدین سے تعاون اور اُن کی امدادی سرگرمیوں میں ملوث کمجھے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سرگرمیاں بڑھا دی گئی ہیں۔ جموں میں آباد اُس کے دو چار دُور کے رشتہ دارول کے گھروں کے علاوہ اُسے مندروں میں بھی تلاش میں جس کے علاوہ اُسے مندروں میں بھی تلاش میں جس کے علاوہ اُسے مندروں میں بھی تلاش کیا جارہا ہے کیونکہ شبہ ہے کہ وہ کسی مندر میں بھی پناہ لے کئی ہے۔

دوسری طرف اس سے زیادہ خوفنا ک خبر بیھی که تشمیر میں فوج نے ایک بار پھرسو پور پر ہلہ اول دیا تھااور کئی بے گناہوں کوموت کے گھاٹ اُ تار نے کے بعد شہر کے کئی گھروں کو جلا کررا کھ کردیا تھا

000

''ہاں کہو!'' عبد الرؤف نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں چند کھے خاموش رہا پھراُ سے نہرو مارکیٹ میں سہبل نامی ؤ کا ندار کے بارے میں بتانے لگا۔ ''اظمینان رکھو میں آج ہی سہبل سے ملوں گا۔اور ہاں میری واپسی شام کے بعد ہی ہو

''اطمینان رکھو۔۔۔۔ میں آج ہی سہیل ہے ملوں گا۔اور ہاں میری واپسی شام کے بعد ہی ہو گی۔تم لوگ پریشان مت ہونا۔'' عبدالرؤف نے کہا اور آواز دے کر اپنی بہن شریفاں کو بلا لیا۔'' دیکھوشریفاں! یہ ہمارے دُور کے رشتہ دار ہیں اور پٹھان کوٹ سے آئے ہیں۔ یہ میاں بیوی ہیں ان کے نام ۔۔۔۔''

''سلمان اورعذرا۔'' میں چیج میں بول پڑا۔

''ہاں بیسلمان ہے اور بیعذرا۔''عبدالرؤف نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔'' یہ ہم لوگوں سے ملنے آئے ہیں اور چندروز یہاں رہیں گے۔ تہہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟''
''نہیں بھائی صاحب مجھے کیا مسئلہ ہوگا؟ مجھتو مہمانوں کی خدمت کر کے خوشی ہوگ۔
ایسے مہمان روز روز تو نہیں آئے۔'' شریفاں نے جواب دیا۔وہ بھی شاید سجھ گئ تھی کہ ہم کون ہو گئے ہیں۔

'' ٹھیک ہے ۔۔۔۔۔ میں شام کو چکر لگاؤں گا۔'' عبدالرؤف نے کہا اور ہماری طرف ویکھتا ہوا ہر جلا گیا۔

''ارپیا بیک کون میں چلی گئی۔ میں اور سیتا کچھ دیر تک ایک دوسرے کی طرف و کیھتے رہے۔ اور پھر آج کے اس واقعہ پر تبھرہ کرنے لگے۔ یہ واقعی ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم نے گلی میں عبدالرؤف کو روک کر لالہ سوامی نارائن کے مکان کا پہتہ پوچھ لیا تھا اور ہمیں نہ صرف تیجے صورتحال کا پتہ چل گیا تھا بلکہ ہم بال بال بج گئے تھے۔

''اب کیاارادہ ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے سیتا کی طرف دیکھا۔

''دو چار روز تو نہبیں رہنا پڑے گا۔۔۔۔۔اس کے بعد ہی کچھے فیصلہ کریں گے۔'' سیتا نے ۔۔د ا

> : ''ایک تجویز ہے میرے ذہن میں ۔'' میں نے کہا۔

''وہ کیا؟'' اُس نے یو چھا۔

'' دو چار روزیبال رہ کرتم ہے پور چلی جاؤ اور میں اپنے محاذیرِ لوٹ جاتا ہوں۔'' میں زکرا

''شایدتمہارا د ماغ خراب ہوگیا ہے۔'' اُس نے مجھے گھورا۔''کیاتم سمجھتے ہو کہ انہوں نے میری گرفتاری کے لئے ہے پور میں میرے گھر پر چھاپنہیں مارا ہوگا؟ وہ مجھے ہراُس جگہ تلاش کریں گے جہاں میراکوئی تعلق ہوسکتا ہے۔ نہیں ڈیئر ۔۔۔۔ میں تو ابتمہارے ہی کھونے سے بندھ گئی ہوں۔ کہیں اور نہیں جائتی۔ جہاں بھی جاؤں گی مار دی جاؤں گی۔''

بم ابھی باتیں کر بی رہے تھے کہ شریفاں کی بیٹی خالدہ نے آ کر بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا

وہاں ہونے والی تباہی کی خبر نے مجھ برارزہ ساطاری کردیا تھا۔ میں وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔
یہاں جس سے رابطے کی تو قع تھی اُت بھی سرفقار کرلیا گیا تھا۔ میں نے عبدالرؤف سے کسی اور
عجابہ تظیم یا کسی ٹھکانے کے بارے میں پچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی مگروہ اس سلسلے میں زیادہ پچھ
نہیں جانیا تھا۔ مجاہدین کی مختلف تظیموں کی سرگرمیوں کے بارے میں سنتا تو رہتا تھا مگروہ کسی
کے ٹھکانے سے واقف نہیں تھا۔

''ایک آدی ہے جس کے ذریعے مجاہدین کی ایک تنظیم سے راپط کیا جا سکتا ہے۔'' عدالرؤف نے کہا۔

''کون ہے وہکہاں ہے؟'' میں نے جلدی سے یو چھا۔

''وہ امر کل کے علاقے میں رہائش پذیر ہے۔'' عبدالرؤف نے جواب دیا۔''امر کل شہر کے دوسری طرف دریائے قوس کے قریب ہے۔ اور اس وقت وہاں پہنچناممکن نہیں۔ کل مجلے کوشش کی جاسکتی ہے۔''

''کل صبح تک تو پیتے نہیں کیا ہو جائے میں ابھی اُس سے ملنا جا ہتا ہوں۔ مجھے امر محل کا راستہ سمجھا دو! میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

'' 'تم ا کیلے وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔'' عبدالرؤف نے جواب دیا۔''شہر میں ہنگاہے ہو رہے ہیں کل دن میں تہہیں وہاں پہنچانے کی کوشش کروں گا۔''

'''میں گہراسانس لے کررہ گیا۔

عبدالرؤ ف نو بج کے قریب آیا تھا۔ اُس نے کھانا بھارے ساتھ کھایا تھا اور گیارہ بج کے قریب وہ اپنے گھر چلا گیا۔ میں اور سیتا دیر تک بیٹھے اس صور تحال پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ شہر میں ہنگاہے جاری تھے۔ فائزنگ کی آوازوں کے ساتھ بھی بھی ذور دار دھا کے بھی سنائی دی تھیں ۔ آوھی دے جاتے۔ ایک دومر تبہ گلی میں کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں ۔ آوھی رات کے بعد فائزنگ اور دھاکوں کی آوازیں بتدرت کی کم ہوتی چلی گئیں اور پھر پورا شہر، شہر خوشاں کی تصویر بن گیا۔ ہم طرف کمل خاموشی اور گہر انائا تھا۔ کی طرف ہے کوئی آواز سائی نہیں دے رہی تھی۔ لگا تھا جیے اس شہر ہے زندگی کانام دنشان تک مٹ گیا ہو۔

سیتا کے چہرے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس صورتحال سے وہ خاصی پریشان اورخوفزدہ مختی۔ شاید وہ اپنوں کے خلاف میرا ساتھ دے کر پچھتارہی ہو۔ میں نے یہی سوال پوچھاتو وہ ہونوں پر پھیکی ہی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی۔

ر میں بالکل نہیں بچھتار ہیتم مجھے مل گئے مجھے کسی اور بات کی پرواہ نہیں۔ مجھے کوئی کھتاوہ نہیں ہے۔ پچھتاوہ نہیں ہے۔

بی مارہ میں ہے۔ میں اُسے گھور کر رہ گیا۔ اس وقت رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ کمرے کا وروازہ بند تھا۔ سیتا دوسری چار پائی پر کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اُٹھ کرمیری چار پائی پر آ سرینگر کے بعد سوپور ہی تشمیر کا دوسرا بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ تشمیر میں اسلام پہندوں کا مضبوط گڑھ تھا۔۔۔۔۔ آزادی کی تقریباً تمام تحریکوں کی وابستگی بھی ای شہر ہے تھی۔ دوسر فظوں میں اُسے تشمیر میں اسلام کا قلعہ کہا جاتا تھا اور درندہ صفت بھارتی فوجوں نے گویا اُس شہر کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ آئے دن مختلف حیلوں بہانوں سے اس شہر پر حملے اور قل و غارت یہی ثابت کرتے تھے۔ اُن پر گولیاں برسائی عارت یہی ٹابت کرتے تھے۔ آئ پر گولیاں برسائی جاتی تھی، اُن کے گھروں کوجلا کر را کھ کرویا جاتا تھا مگریہ لوگ ہر مرتبہ ایک نئے حوصلے اور جذبے کے تحت ان باطل قو توں کے سامنے سینہ سپر ہوجاتے لوگ ہر مرتبہ ایک نئے در ہے تھیں۔

سوپور پر تازہ ترین حملہ آئج صبح سورے ہوا تھا۔ اس حملے کا بہانہ یہی تھا کہ چند خطرناک چھاپہ مارمجاہدین یہاں پناہ لئے ہوئے ہیں اورلوگوں نے گھروں میں اسلحہ اور گولہ بارود کے انبار لگار کھے ہیں۔

. سوپور پراس وحشانہ کارروائی کی خبر پورے کشمیراور جموں میں بھیل گئی تھی۔ ہر جگہ ہ^{نگا ہے} شروع ہو گئے تھے اورا گلے دن کے لئے ہڑتال کی کال دے دی گئی تھی۔

شام ہوتے ہی جموں میں ہنگاہے شروع ہو گئے۔ یہ علاقہ گنجان آبادی اور ننگ گلیوں پر مشتمل تھا اس لئے یہاں زیادہ گزیز نہیں ہوئی تھی۔لوگ گھروں میں بند ہوکر بیٹھ گئے تھے البتہ شہر کی بڑی سڑکوں اور شاہرا ہوں پرشہر کے نو جوانوں اور پولیس میں پھراؤ ، لاٹھی چارج اور آ کھ مچولی ہورہی تھی۔

ہمری حالت اُس شیر کی سی تھی جسے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ سوپور پرفوج کے حملے اور

سیتا کی سیائی نے مجھے بے حدمتا تر کیا۔

'' ٹھیک ہے۔۔۔۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔'' تمہاری سیائی اور تمہارے فیصلہ سے مجھے خوشی ہوئی۔ بہر حال ایکلا قدم ہم صور تحال کے تحت ہی اُٹھا میں گے۔'

سیتا کے چہرے برطمانیت می آگئی وہ میرے باز و پرسر رکھ کر لیٹ گئی۔ بچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی تو میں نے بڑی آ ہشگی ہےا ہے آپ کو اُس سے الگ کیا اور دوسری چاریائی پرلیٹ گیا۔

ب نہم صنح چھ بچے عبدالرؤف کے ساتھ نکلے تھے۔ میں نے سیتا کومنع کیا تھا کہ وہ نیمیں رہ کر میراانظار کرے مگر وہ کسی طرح نہیں مانی اور میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگئ۔

اُس وقت سڑکوں پر سناٹا تھا۔ اِکا دُکا لوگوں کی پیدل آمد درفت تھی۔موٹر سائیکل یا سائیکل پرکوئی دُودھ والاسڑک پر ہے گزر جاتا یا بھی کوئی گاڑی بھی نظر آ جاتی۔البتہ سڑک کے ہرموڑ پر پولیس والے بڑی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ ہر پولیس پارٹی کے ساتھ ہندوفو جی بھی تھے۔جگہ جگہ پولیس ادرفوج کی گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

۔ کُل آ دھی رات تک شہر میں ہنگا ہے جاری رہے تھے اور تو قع تھی کہ کچھے دیر بعد پھر ہنگا ہے شروع نہو جائیں گے جن سے نمٹنے کے لئے پولیس اور فوج نے پورا بندوبست کر رکھا تھا۔

کر ہمیں رائے میں دو تین جگہ روکا گیا۔ عبدالرؤف کی درویٹانہ شخصیت ہر جگہ ہمارے کام آئی۔اُس نے مجھے اپنا میٹا اور سیتا کواپنی بہوظا ہر کیا اور اس طرح ہم پولیس والوں کی کڑی پوچھ تا حمہ سے بحتے رے۔

دریائے قوس کے قریب امرمحل بہت خوبصورت عمارت تھی۔ اُس کا ڈیزائن ایک راجہ کی فرمائش پرایک فرانسیسی آر کیٹیکٹ نے تیار کیا تھا۔ نہ وہ راجہ رہا تھا نہ آر کیٹیکٹ لیکن سے کل اپنی جگہ پرموجود تھا اور بلاشہا ہے جموں کی خوبصورت ترین ممارت ،و نے کا اعزاز حاصل تھا۔ آج کل یہاں میوزیم قائم ہے جس میں لا بسریری کے علاوہ آرٹ کے بہترین شاہ کار جمع ہیں۔ اس طرف رہائش بنگلے ہی تھے۔ عبدالرؤف ہمیں ایک بنگلے میں لے گیا جہاں ہماری ملاقات پرویز نامی ایک ایسے محص سے ہوئی جو اناج کا بیو پاری تھا۔ میرا اور سیتا کا تعارف ہونے یروہ چونک گیا۔

ہم نے ناشتہ وہیں کیا۔ اس کے ایک گھتے بعد عبدالرؤف واپس چلا گیا۔ اُس روز شہر میں ہنگا ہے تو ہوئے تھے مگر زیادہ زور نہیں پکڑ سکے تھے۔ شام کا اندھرا بھیلنے کے ایک گھنٹے بعد پرویز ہمیں لے کر بنگلے ہے روانہ ہو گیا۔ ہم مختلف راستوں پر ہوتے ہوئے دریا کی طرف نکل گئے۔ چٹانوں میں ایک جگہ دریا کے کنارے دوآ دمی ڈونگہ (کشتی) پر ہمارے منتظر تھے۔ اس معمولی کشتی پر تیز رفتار دریا پار کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا گروہ دونوں آ دمی ماہر ملاح تھے۔ وہ بڑی مہارت سے رات کی تاریکی میں ڈونگہ کو تیز و تندلہروں پر کھنچتے ہوئے دوسرے کنارے

گئی اور جھے اپنی بانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے بولی۔ '' مجھے ڈراس بات کا ہے کہ کوئی تنہیں مجھ سے چھین نہ لے۔''

''ایک بات بتاؤ ۔۔۔۔'' میں نے اُس کے چبرے پرنظریں جماتے ہوئے کہا۔''تم اس لئے مجھے وہاں سے نکال کر لائی ہو کہ کوئی مجھے تم سے چھین نہ لے۔ اور کیا بیہ غلط ہے کہ تم جھے یہاں ہے بھی نکال کرکہیں دُور لے جانا چاہتی ہو۔۔۔۔کی ایس جگہ جہاں کوئی ۔۔۔۔''

''ید درست ہے۔''اُس نے میری بات کاٹ دی۔''میں نے جب تہمہیں ہے ہوش اور زخمی حالت میں بہاڑوں میں پڑے ہوئے دیکھا تھا تو نجانے میرے دل میں یدا حساس کیوں جاگ اُٹھا تھا کہ تم وہی ہوجس کی مجھے تلاش تھی۔ میری جوانی کے سپنوں کی تعبیر سیس تمہیں اُٹھا کر عار میں لے گئی۔تمہاری ٹانگ پر زخم دیکھتے ہوئے مجھے یہ بھی پیتہ چل گیا کہ تم مسلمان مجاہد ہو۔ لیکن پریم دین دھرم اور ذات پات کو کب دیکھتا ہے؟ میں جانی تھی کہ پولیس یا فوج تمہاری تفاظت اور مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اسی وقت یہ بھی فیصلہ تلاش میں ہوگی لیکن میں نے تمہاری حفاظت اور مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اسی وقت یہ بھی فیصلہ کرلیا کہ تم اچھے ہو جاؤگے تو تمہیں کہیں بہت دُور لے جادَں گی۔ اور پھر ا تفاق سے اُن دو ہندونو جیوں نے مجھے گھیرلیا۔ تم نے جس طرح اُن سے میری عزت اور جان بچائی اس سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سی تھی۔

میں یہ جان چکی تھی کہتم وہ خطرناک مجاہد لیڈر ہوجو بھارتی فوج کوسب سے زیادہ مطلوب ہے۔ کسی مسلمان مجاہد کو پناہ دینا تنگین جرم ہے اور تم کوئی عام مجاہد نہیںتم تو وہ تھے جس نے بھارتی فوج کوسب سے زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے۔ تنہمیں پناہ دینے والے کوتو ایس مزادی جاتی جس سے دوسر ہے بھی عبرت حاصل کرتے ۔ لیکن میں اپنے من کے ہاتھوں مجبورتی اور تمہیں ہر قیمت پر بچانے اور وہاں سے نکالنے کا تہید کرلیا تھا۔ اور پھر حالات اس تیزی سے تبدیل ہوئے کہ ہمیں وہاں سے بھا گار پڑا۔ ہاںمیری نیت یہی تھی کہ میں تمہیں یہاں سے نکال کران ہنگاموں سے بہت دُور لے جاؤں گی ۔ لیکن،'

''لیکن کیا؟'' میں نے اُلجھی ہوئی نظروں ہے اُس کی طرف دیکھا۔

''میرے ماما کی بہتی میں جو پچھ ہوا اُس نے مجھے جنجھوڑ کرر کھ دیا ہے۔' سیتا ہولی۔'' اُن درندوں نے چاچا قربان علی کو گولیوں سے چھانی کر دیا نیلم جیسی بے گناہ اور معسوم لڑکی کو برہند کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور کسی غیرت مند نے اُسے بچانے کی کوشش کی تو اُسے بھی مار ڈالا دیا گیا۔ اب عبدالرؤن سے ملنے والی خبروں سے بیتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے نیلم کو بھی مار ڈالا اور پھرسوپور میں آئے جبح بچو بچھ ہوا اور اب یہاں جو پچھ ہور ہا ہے اس کے پیش نظر میں نے اپنا ادادہ بدل دیا ہے۔'' وہ چند کمحوں کو خاموش ہوئی پھر ہول۔'' میں تمہار سے راتے کی رکاوٹ نہیں بنوں گی اور نہ ہی تمہار سے بیروں کی بیڑیاں بن کر رہوں گی بلکہ میں بھی قدم ہوتد م

تک لے گئے۔

توی کے دوسرے کنارے باہو قلع کا ہولہ ہمارے سامنے تھا۔ سنگلاخ چٹانوں کوکاٹ کر بنایا گیا یہ قلعہ جموں کی قدیم ترین یا دگار سمجھا جاتا تھا۔ پرویز ہمیں قلعہ کے دوسری طرف ایک اور کھنڈر نما عمارت میں لے گیا۔ یہاں ہماری ملاقات ایک مقامی مزاحتی تحریک کے لیڈر عبدالرحمٰن سے ہوئی۔ پرویز ہمیں وہاں چھوڑ کرواپس چلاگیا۔

عبدالرحمٰن میرا نام سُ کر ہی متاثر ہو گیا تھا۔البتہ سیتا کے نام پروہ کچھے چیں بہ جبیں ہوا تھا۔ ''اس کی تم فکرمت کرو۔ یہ بھارتی فوجیوں کے لئے دوسری انگوری ثابت ہوگی۔''میں نے رحمٰن کوسیتا کے بارے میں سب کچھ بتا کرمطمئن کرویا۔

عبدالرحمٰن کے ساتھ اس کھنڈر میں چارلڑ کے اور تھے اور وہ کسی خاص چھاپہ مار کارروائی کا منصوبہ بنار ہے تھے اور کل صبح اپنے کچھا در ساتھیوں کا بھی انتظار تھا۔

مجھے اپنے درمیان پا کرعبدالرخمٰن اور اُس کے ساتھی بہت خوش ہور ہے تھے۔عبدالرحمٰن نے وہ منصوبہ میر سے سے عبدالرحمٰن نے وہ منصوبہ میر سے سے رکھ دیا۔ میں چو نکے بغیر نہیں رہ سکا۔منصوبہ اگر چہ بے حدخوفناک تھا مگر اس بیمل کر کے بھارتی فوج پر ایک کاری ضرب لگائی جاسکتی تھی۔

'''اب اس پارٹی کی قیادت تم کرو گے کمانڈ رشمروز!''عبدالرحمٰن نے کہا اور پھر تفصیل ہے اُس جگہ کے پلاے میں بتانے لگا جہاں بیرکارروائی کی جانے والی تھی۔

من کے سے پہلے کے دوسرے ساتھی بھی پہنچ گئے۔اس طرح ہماری کل تعداد چودہ ہوگئی تھی۔ اس طرح ہماری کل تعداد چودہ ہوگئی تھی۔ ایک گھنٹے بعد ہم لوگ کھنڈروں سے نکل کر دریائے قوس کے متوازی پہاڑوں کی طرف چل پڑے۔ سیتا میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور ہم دیلفظوں میں اس منصوبے کے بارے میں تادلہ خیال کرتے جارہے تھے۔

بول میں اور بہاڑیوں میں باز ہوئی ہوئی ہوں ہے گئی میل دُور پہاڑیوں میں گھری عبدالرحمٰن کا منصوبہ واقعی بڑا خوفناک تھا ۔۔۔۔۔ جموں شہرے گئی میل دُور پہاڑیوں میں گھری ہوئی جھیل مانسراس خطے کے لوگوں کے لئے قدرت کا حسین تھندھی۔ اس جھیل کے اطراف کی پہاڑیوں میں نین چارفد محمد مندر تھے جن کی یاتر اکے لئے ہندو دُور دُور ہے آتے تھے۔جھیل کے جنوبی ساحل پرایک خوبصورت ٹورسٹ بگلہ تھا۔

عبدالرحمٰن کے تہنے کے مطابق بھارتی فوج کے پچھاعلیٰ اضران آج، 'تاسٹورسٹ بنگلے میں جشن منانے والے تھے۔ یہ جشن ہر مہینے کی پہلی اتوار کی شب منایا جاتا تھا جس میں راگ رئگ اورعماشی کا ہرسامان موجود ہوتا تھا۔

عبدالرخمٰن نے بہت سوچ سمجھ کر اس منصوبے کی پلاننگ کی تھی اور اس کی قیادت مبر ہے سپر دکر دی تھی۔ اور رخمٰن کی اطلاع کے مطابق آج رات تو جموں کا کور کمانڈ ربھی اس محفل میں شریک ہونے والا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ریمنصوبہ کامیاب ہو گیا تو کم از کم اس خطے میں بھارتی فوج کی کمرٹوٹ جائے گی اور کچھ عرصہ تک ان کی سرگرمیاں محدود ہو جائیں گی۔

ہم دن بھریتیے ہوئے بنجر پہاڑوں میں سفر کرتے رہے۔ دوپبر کو ایک چھوٹی می ندی ۔ کے پاس زک گئے ۔ بیدواحد ندی تھی جو ہمارے راستے میں آئی تھی ۔ کا نیے دار سوکھی ہوئی جھاڑیوں اور کیکٹس کے پودے بکثرت تھے اور کسی قسم کا سبزہ این پہاڑیوں پرنہیں تھا۔

صبح گھنڈروں میں آنے والےعبدالرحمٰنٰ کے ساتھی کچھ کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لے آئے تھے جن میں بھنے ہوئے کا بلی چنے بھی تھے۔ ندی کے کنارے پر بیٹھے تو عبدالرحمٰن نے وہ سب چزیں تمام ساتھیوں میں بانٹ دیں تا کہ اپنی مرضی کے مطابق استعال کرتے رہیں۔

سیست تقریباً ایک گھنٹہ وہاں آرام کرنے نے بعد ہم آگے روانہ ہو گئے اور سورج غروب ہونے سے پہلے جھیل مانسر کے جنوب میں واقع پہاڑی پر پہنچ گئے۔آگے جانا خطرناک تھا۔عبدالرحمٰن مجھے ایک طرف لے گیا اور ایک چٹان کے پاس جھاڑیوں میں لیٹ کر مجھے ایک بار پھر بریف کرنے لگے۔

بہت خوبصورت منظر تھا۔ کشمیرے نکلنے کے بعد میں نے پہلی مرتبدالی حسین جگہ دیکھی تھی۔
وسیع وعریض جھیل کا نیکگوں پانی رخصت ہوتی ہوئی دُھوپ میں پھلے ہوئے سونے کی طرح
چیک رہا تھا۔ جھیل کے اطراف میں گہرا سبزہ تھا سابیہ دار اور پھلدار درختوں کی بھر مارتھی۔
سیاحوں کے لئے لا تعداد پرائیویٹ ہٹ ہے جہوئے تھے۔ غالبًا ایک طرف تین چاراوین ایئر
ریسٹورنٹ اوراشیائے خورد ونوش کے شال بھی تھے۔ اس طرف کچھ کاریں اور دوسری گاڑیاں
بھی کھ کی تھے۔

ا سے مقد س جھیل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے کناروں پرلوگوں کے لئے لا تعداد چھیر بھی بنے ہوئے تھے۔ موٹ جھیل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے کناروں پرلوگوں کے لئے کا تعداد چھیر بھی تیر رہے تھے۔جھیل کے کناروں پر بہت سے لوگ بھی دکھائی دے رہے تھے اور میں جانتا تھا کہ شام کا اندھرا پھیلنے سے پہلے بہت سے لوگ واپس چلے جائیں گے اور صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جہوں نے یہاں بٹس کرائے پر لے رکھے تھے۔

بی تحصیل کے جنوبی کنارے پر وہ رئیٹ ہاؤس تھا جوآج کی شب کے لئے فوجی افسروں کے لئے مخصوص تھا۔ ریسٹ ہاؤس تھا جوآج کی شب کے سامنے اور اطراف میں بیت لئے مخصوص تھا۔ ریس ہاؤس کی عمارت خاصی بردی تھی اور اُس کے سامنے اور اطراف میں بہت لئے چوڑے خوبصورت لان تھے جنہیں دُور دُور تک قناتوں نے گھیررکھا تھا۔ ریس ہاؤس کے دوسری طرف دو برد نے فوجی ٹرک اور دوجیبیں کھڑی تھیں اور کی فوجی و ہاں کا م کرتے ہوئے نظر آرے تھے۔ تمام لانز میں میزیں اور کرسیاں بچھائی جارہی تھیں۔

میں گہری نظروں سے ریس ہاؤس کے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہم سے پچھآ گے پہاڑی کا ایک حسیکی ہوئی ٹانگ کی طرح آ گے کو نکلا ہوا تھا۔

'' کیا خیال ہے کمانڈر؟''عبدالرحمٰن نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ ''وہ آگے کونگلی ہوئی پہاڑی اور یہ جگہ۔'' میں نے اپنے آگے زمین پر ہاتھ مارا۔''یہ دونوں

جگہیں الیی ہیں جہاں ہے ریسٹ ہاؤس اوراس کے لانز کوٹارگٹ بنایا جا سکتا ہے۔اوراگرحملہ بھر پور ہوتو وہاں پرموجود بہت کم لوگوں کے زندہ نیچنے کی اُمید کی جاشتی ہے۔'' میں نے ریسے ہاؤس کی طرف اشارہ کیا۔

'' ہمارے پاس مشین گنوں کے علاوہ دورا کٹ لانچراور دو مارٹر گنیں بھی ہیں۔'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔''اگر واقعی حملہ بھر پور ہوتو اُن میں ہے کوئی نہیں بیچے گا۔''

حجیل کے پرلی طرف پرائیویٹ ہلس میں کیروسین آئل کیمپوں اور لاکٹینوں کی مرهم روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔جھیل کی پرسکون سطح پر دونتین شکارے تیررہے تھے۔ اُن پر بھی لاکٹینوں یا کیروسین کیمپوں کی مرهم روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ مگرسب سے دلفریب منظر تو ریسٹ ہاؤس کا تھا جہاں رنگ برنگی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ ریسٹ ہاؤس میں روشن کے لئے غالبًا جزیٹر کا انتظام کیا گیا تھا۔

ریٹ ہاؤیں کے لان کسی نائٹ کلب کا منظر پیش کرر ہے تھے۔ بیجان خیز موسیقی کی آواز
فضا میں پھیل رہی تھی۔تقریباً ہیں میزیں تھیں اور ہرمیز پر دو دو چار چار مہمان موجود تھے۔اُن
میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی ۔تمام مرد بھارتی سینا کے اعلیٰ فوجی افسر تھے جو سادہ لباس میں
تھے۔ بیسب ہند وسور ماتھے جو شمیر فتح کرنے نکلے ہوئے تھے۔ان درندہ صفت بھارتی فوجیوں
نے جموں اور تشمیر کو شکار گاہ بنا رکھا تھا۔ یہ دن میں مظلوم اور بے گناہ کشمیری مسلمانوں کا شکار
کرتے تھے اور راتوں کو اس طرح رنگ رلباں مناتے تھے۔

اُن کے ساتھ جوعورتیں تھیں وہ جوان تھیں اور حسین بھی۔ یہ فاحشہ عورتیں تھیں جنہیں ان سور ماؤں کا دل بہلانے کے لئے یہاں لایا گیا تھا۔ اُن کے لباس ایسے تھے کہ ان کے بدن ان لباسوں کی قید سے پوری طرح آزاد ہونے کے لئے محلے جارہے تھے۔

برمیز پرچکن اور ہرن کے بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ انواع واقسام کے کھانے پخے ہوئے تھے۔ اس علاقے میں ہرن کے بھٹے ہوئے گوشت سے ساتھ اوران فوبی افسرول کے لئے ہرن بنا مطور پرشکار کر کے لائے گئے تھے۔شراب کی بوتلیں بھی ہرمیز پرموجود تھیں اورشراب پائی کی طرح بہائی جارہی تھی۔ باور دی فوجی، ویٹر اور ارد لی وغیرہ بھاگ بھاگ کراپنے افسرول کے احکامات بجالا رہے تھے۔ یہ

کابات کی خالی لیکٹی انٹرال گئیں _میزوں برصرف شراب کی بوتلیں رہ گئی تھیں - بلکہ ہرمیز کھانے کی خالی لیکٹی انٹرال گئیں _میزوں برصرف شراب کی بوتلیں رہ گئی تھیں - بلکہ ہرمیز

پر بچھاور بوتلیں سروکر دی گئیں۔موسیقی کی دھن بدل گئی۔ایک فوجی آفیسرایک لڑکی کو بازو سے
گیڑ کر کھڑا ہو گیا۔وہ فوجی آفیسرلڑکی کے ساتھ ناچتے ہوئے اس طرح لڑ کھڑا رہا تھا جیسے شراب
چڑھ گئی ہو۔لڑکی نے میز پر سے شراب کا گلاس اُٹھا کر اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔اُس آفیسر
نے شراب کا ایک گھونٹ بھرااور گلاس لڑکی کے ہاتھ سے لے لیا۔اور پھر دوسرے ہی لمحے اُس
نے شراب لڑکی کے گریبان کے بلاؤز میں انڈیل دی۔

دوسروں نے ایک زوردار قبقہہ لگایا۔ وہ لڑ کی بھی قبقیے میں شامل ہو گئی۔ آفیسر نے اپنے ہاتھ اُس کے کندھوں پرر کھے اور بلاؤز ایک جھٹلے سے پنچے تھنچ دیا۔لڑ کی کا بالا کی حصہ برہنہ ہو گیا اور وہ پہلے ہے بھی زیادہ زور ہے قبقے لگانے لگی۔

''' عبدالرخمن مجھ سے تقر ّیباً دس گز کے فاصلے پر بائیں طرف تھااور سیتا میر ہے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی ۔ بے حیاِئی کا بیہ منظراُ س نے بھی دیکھا۔

''انتہا ہوگئی بےغیرتی کی''وہ بڑبڑائی۔

'' یہ تنہارے ہی سور ما ہیں۔'' میں نے کہا۔'' انہوں نے کشمیر کو شکارگاہ بنا رکھا ہے۔ یہ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ اور جب کوئی فوجی اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ اور جب کوئی فوجی اخلاقی طور انسانیت سے اس طرح گر چائے تو وہ بہادری کا کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ شمیر میں جگھ دیکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اب بیلوگ زیادہ عرصہ تک شمیر میں نہیں کی سکیں گے۔ انہیں بہت جلد اینا بوریا بستر سمیٹنا ہوگا۔''

'' بیمیر بےلوگ نہیں ''' ' نیتا ہو گی۔'' بلکہ اب میں ان میں سے نہیں ہوں۔میرا دل جا ہتا ہے کہ ان دحشیوں پر پہلی گو لی میں چلاؤں۔''

''' پہلی گوئی تم بی چلاؤگی ۔۔۔۔۔اظمینان رکھو!'' میں نے کہااورایک بار پھرسامنے دیکھنے لگا۔ منظر کچھ اور کھل گیا تھا۔ بیجان خیز موسیقی میں مختلف جگہوں پر بانچ چھ عورتیں نیم عریاں لباس میں رقص کے نام پر مختلف زاویوں ہے جسموں کی نمائش کر رہی تھیں۔ آفیسر بھی اُٹھ اُٹھ کر اُن کے ساتھ بھونڈی حرکتیں کر رہے تھے۔ پھر دوسرے مرد اور عورتیں بھی اپنی جگہوں سے اُٹھی گئیں۔ رقص کرنے والی عورتوں نے اپنے جسموں کے اُوپر کے لباس اُ تارد یے تھے۔ اُن کے تھاتھلاتے ہوئے بدن مردوں میں مزید بیجان بیدا کررہے تھے۔

ا پنے قریب ہلکی می آ ہٹ من کر میں نے تیزی ہے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ وہ عبدالرحمٰن تھا۔

'' کمانڈر!''اُسِ نے سرگوشی کی۔'' بے جیائی کی بیمحفل عروج پر ہے۔''

''ہاں! تم اپی جگہ پر چلو'' میں نے بھی سر گوشی میں جواب دیا۔''میری طرف سے پہلے فائر کی آ واز کے ساتھ ہی بھر پور خملہ شروع کر دینا۔

عبدالرحمٰن سینے کے بل رینگتا ہوا دوبارہ اپنی جگہ پر جلا گیا۔ میں نے ایک بار پھرر ایٹ

اور کی لوگ قناتوں کی رسیوں سے اُلچھ کر گرے تھے۔

وسیع لان میں کئی لاشیں گری تھیں۔ اُن میں مرد بھی تھے اور بر ہنہ عور تیں بھی ۔ میزیں اور کرسیاں اُلٹ گئی تھیں ۔ بوہکوں کی شراب گھاس کی آبیاری کرر ہی تھی ۔

ا یک زخمی عورت نے اُٹھ کر بھا گنا جا ہا مگر کسی طرف ہے آنے والی گولی نے اُس کی کھو پڑی کے کی پر نجے اُڑ او کے اور وہ ڈھیر ہوگئی۔

ریٹ ہاؤس تی طرف سے محافظ فوجیوں نے بھی پہاڑیوں کی طرف فائرنگ شروع کر دی تھی لیکن ہماری طرف سے فائرنگ زیادہ شدیدتھی۔سب مشین گنوں کے علاوہ ہمارے آ دی اب مارٹر گئیں بھی استعال کررہے تھے۔ گولے إدھراُدھر گر کر پھٹ رہے تھے۔ ایک گولہ ریٹ ہاؤس کی جھت پر گراجس سے جھت کا وہ حصہ اُڑ گیا۔

عبدالرحمٰن نے پر کی طرف بیٹے ہوئے بجاہد نے راکٹ داغ دیا۔ راکٹ ریسٹ ہاؤس کی عبدالرحمٰن نے پر کی طرف بیٹے ہوئے بجاہد نے راکٹ داغ دیا۔ ایک اور راکٹ پھٹا اور اس عمارت ہے ماری اور اس بھٹا اور اس کے ساتھ ہی تاریکی چھا گئی۔۔۔ عالبًا بحلی کا جزیئر بھی زد میں آگیا تھا۔ اندھرا ہونے سے پہلے میں نے عورتوں اور مردوں کی کئی لاشیں گرتی دیکھی تھیں۔ ہماری طرف سے فائرنگ اندھرا ہونے کے بعد بھی کئی منٹ تک جاری رہی۔ فائرنگ کے شور میں چیخوں کی آوازی بھی واضح طور پر سائی دے رہی تھیں۔ اور پھر اندھرے میں چلایا گیا مارٹر کا ایک گولہ کی ٹرک پر گرا۔ فرک کے بر نچے اُڑ گئے اور شعلوں نے قریب کھڑی ہوئی دو جیپوں کو بھی لبیٹ میں لے لیا۔ عبدالرحمٰن سینے کے بل جزی سے ریگتا ہوا میر سے قریب آگیا۔

'' فائر نگ جاری رکھیں کمانڈر؟'' اُس نے یو چھا۔

''اب کوئی فائدہ نہیں ۔۔۔۔اپنے آ دمیوں کو واپنی کا حکم دے دو!'' میں نے کہا۔ عبدالرحمٰن نے بتلون کی جیب ہے ایک پستول نکالا اور اُس کا رُخ او پر کر کے ٹرائیگر دبا

ویا_روشنی کی کیسرآ سان کی طرف انتهی چلی گئی اور پھر تاریکی میں سرخ رنگ روشنی کا ایک جیسوٹا سا گوله نمودار بوا جو پھلچھڑی کی طرح بکھر گیا۔

یہ اپنے ساتھیوں کو واپسی کا اشارہ تھا۔ ہمارے آس پاس موجود مجاہد اپنا اپنا اسلحہ سنجالے پہاڑیوں کے اندر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

''تم دونوں میرے ساتھ آؤ کمانڈر!''عبدالرحمٰن چیخا۔

میں نے سینا کا ہاتھ بکڑ لیا اور ہم دونوں عبدالرحمٰن کے بیچھے دوڑنے گئے۔

ہمیں تعاقب کا خطرہ نہیں تھا۔ رنگ رلیاں منانے واکے فوجی افسروں کے اس ٹولے کی حفاظت کے لئے چند فوجی تھے جن کے پاس صرف سب مشین گئیں تھیں۔ اُنہوں نے اُلرچہ جوابی فائر نگ کی تھی۔ اُن میں سے اُلرکوئی نے بھی جوابی فائر نگ کی زو پر تھے۔ اُن میں سے اُلرکوئی نے بھی گئے ہوں گئے و رات کی تاریکی میں ان پہاڑیوں میں ہمارے بیچھے آنے کی جرائے نہیں کریں

ہاؤس کی طرف دیکھا۔ قناتوں کے باہر تھوڑ ہے تھوڑ ہے فاصلے پر کچھ با وردی فوجی ٹہل رہے تھے۔ وہ یقینا گارڈ ڈیوٹی پر تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے پرلی طرف کئی کاریں اور جیپیں کھڑی تھیں۔ تین ہیوی ٹرک بھی تھے۔

ریٹ ہاؤس کے برآمد ے اور لان میں بے حیائی اور بے غیرتی کا مظاہرہ عروج پر پہنچ چکا تھا اور میر وں اور عورت کی تعداد تھا اور میر ہے خیال میں رنگ رلیال منانے والے ان اعلیٰ ہندونو جی افسروں اور عورتوں کی تعداد ساٹھ اور ستر کے درمیان رہی ہوگی۔ اُن میں تین سکھ آفیسر بھی تھے۔ اُن کے سروں پر بندھی ہوئی گیڑیاں اُن کی تومیت کی نشاند ہی کررہی تھیں۔

'' پہلے بھی رائفل چلائی ہے نا؟'' میں نے سیتا کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوثی گی۔ '' ہاںمیرے ماما کے پاس بھی الیمی ہی سب مشین گن تھی۔'' سیتا نے اپنی رائفل پر

ہاتھ مار نے ہوئے سُرگوثی میں جواب دیا۔'' اُس نے مجھے بیرائفل چلانا سکھائی تھی۔ پہلی مرتبہ فائر کیا تھا تو کندھے پر بڑے زور کا جھٹکا لگا تھا۔''

''تو پھررائفل کومضبوطی ہے تھا مواور چلا دو پہلی گو لی۔''میں نے کہا۔

ہم دونوں سینے کے بل لیٹے پوزیشن گئے ہوئے تھے۔ میں نے سیتا کی طرف ویکھارائفل پراُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''رائفل'کومضوظی نے پکڑ واورٹرائیگر دیا دو!'' میں نے اُس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ سیتا کے جسم میں معمولی سی حرکت پیدا ہوئی اور پھر فضا تڑ تڑا ہٹ کی آ واز ہے گونج اُٹھی ۔۔۔۔۔ سیتا نے ٹرائیگر تو دیا دیا تھا مگر رائفل کا زخ بھی ذراسا اُوپر کواٹھ گیا تھا اور گولیاں ریسٹ ہاؤس کا زُخ کرنے کی بجائے آسان پر ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کونشانہ بنانے کے لئے بلندیوں کی طرف چلی گئے تھیں۔

و میں کا اور ٹھیک اُس کے لان میں بھگدڑی کچے گئی اور ٹھیک اُس وقت دونوں پہاڑ ہوں پر ٹھیلے ہوئے مجاہدین نے بھی فائر کھول دیا۔ اُن کے بتھیار انگارے اُگلئے لگے۔عبدالرحمن بھی سب مثین گن سے ریٹ ہاؤس کی طرف گولیاں برسار ہاتھا۔

سیتا کی رائفل جھڑکا لگنے ہے اُس کے ہاتھ ہے چیوٹ گئی تھی۔ میں نے نیک کررائفل اُس کے ہاتھ میں تھا دی۔

''شاباش'' میں نے اُس کا کندھا تھیتیایا۔''ابتمہیں کوئی خوف نہیں آنا چاہئے۔ دبا د مڑائنگ ''

سیتا کا خون واقعی دُور ہو گیا تھا اور اب وہ ہڑی نی تلی فائرنگ کررہی تھی۔ میں نے بھی اپنی سبمشین گن سنجال کر فائر کھول دیا۔ یہ ب ہو تر کے لان میں عجیب تماشا نظر آرہا تھا۔ پچھ لوگ اپنے آپ کو بچانے کے لئے ریسٹ ہاؤس کی عمارت کی طرف بھاگ رہے تھے پچھ بدحوای میں ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ اُن کے نگرانے سے دونوں طرف کی قنا تیں گر کئیں تھیں ہو جاؤں گی۔''

'' معاف کرناسیتا جی'' عبدالرحمٰن نے ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔'' تمہارے بارے میں، میں پچھ شبہات میں مبتلا تھا۔لیکن اب جھے اپنے آپ پرشر مندگی ہورہی ہے۔ میں معانی چاہتا ہوں۔''

· بنیں نے آپے بھائی کومعاف کردیا۔' سیتااس مرتبہ کھل کرمسکرادی۔

'' دراصل میرا نام من کر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا کہ مجھے حریت پسندوں ہے ہمدرد می ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اب میں اپنے آپ کو انہی میں ہے ایک بھی ہوں۔اور آپ لوگوں کی تحریک میں رہتے ہوئے اپنی جان تک دے ووں گی۔اور اُمید کرتی ہوں کہ اس کے بدلے میں مجھے اس آزاد دھرتی پر فن ہونے کے لئے دوگز جگہتو مل ہی جائے گی۔'

''آپ نے حریت پیندوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیوں کیا؟''عبدالرحمٰن نے پوچھا۔
'' یہ کہانی زیادہ پیچیدہ نہیں۔''سیتا نے جواب دیا اور اپنے ماما کی ستی میں پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔''شمروز کے کر دار اور اس کی باتوں نے بھی مجھے متاثر کیا اور تب مجھے ادراک ہوا کہ میں نے غلط دھرتی پر، غلط گھر میں اور غلط وقت پر جنم لیا تھا۔ مجھے تو سر زمین کشمیر کے کسی مسلمان گھر انے میں جنم لینا جائے تھا جہاں ہوش ہر نے ہی میر ہے ہاتھوں میں بندوق ہوتی اور میں اپنے ہزاروں مجاہد بھائیوں کے ساتھ وحمن سے جانے۔''

''انگوری'' عبدالرحمٰن بولا ہے'' آپ تو اُس عظیم مجاہدہ سے ملی ہوں گی سیتا جی؟'' ''نہیں میں انگوری ہے نہیں ملی لیکن وہ واقعی بہت عظیم مجاہدہ تھی۔'' سیتا نے گہرا

سانس کیتے ہوئے جواب دیا۔ تاریخ کی سند کی ہے الکہ کیا ہے

سیتا نے انگوری کونہیں دیکھا تھالیکن اُس کے بارے میں من مکروہ اُس سے بے حدمتاثر ہوئی تھی اور دو تین روز ہے تو وہ اکثر اُس کا یذ کرہ کرتی رہتی تھی۔

ہمیں وہاں بیٹے ہوئے تقریبا ایک گھنٹہ گزرگیا اور پھرہم اُٹھ کر آگے چل پڑے۔عبدالرحمٰن کا خیال تھا کہ جموں میں بھارتی فوجی ہائی کمان کواس واقعہ کی اطلاع مل گئی ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ فوجی دیتے ہماری تلاش میں بہاڑوں کی طرف روانہ ہو چکے ہوں۔ حالانکہ اس کی توقع کم تھی۔ کیونکہ بھارتی فوجی رات کی تاریکی میں بہاڑوں کی طرف جانے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔ البتہ اس امکان کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بہلی کا پٹروں کے ذریعے ہماری تلاش شروع کر دی جائے۔ جموں شمیر میں بھارتی فوج کے پاس ایسے روی گن شپ بیلی کا پٹر بھی موجود تھے جن میں گئی ہوئے آلات سے رات کی تاریکی میں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ بیلی کا پٹر بھی موجود تھے جن میں گئی ہوئے آلات سے رات کی تاریکی میں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ بیلی کا پٹر بھی مطلق کے جو کے بات کے ہم جلد سے جلد کی محفوظ جگہ پر پہنچ مطلق کا جاتے ہے۔

گے۔لیکن ہم جلد سے جلداس علاقے ہے دُ ورنگل جانا جا ہے تھے۔

ہم دو گھنٹوں تک مسلسل دوڑتے اور تیز رفتاری نے چلتے رہے۔ غیر ہموار راستوں برکیٰ مرتبہ ہمیں ٹھوکریں گئی تھیں۔ سیتا تو دومرتبہ گربھی چکی تھی۔ میں نے ایک بار پھراُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔وہ بری طرح تھک گئی تھی اور بار بارلڑ کھڑا رہی تھی۔

بالآخر ہم ایک جگہ زک گئے۔ سیتا آگے کو جھک کر بیٹھ گئی۔ اُس کا سانس دھوکئی کی طرح چل رہا تھا اور منہ سے کف بہد رہا تھا۔ میری اور عبدالرحمٰن کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ تقریباً پندرہ ہیں منٹ بعد ہم اپنی کیفیت پر قابو پا سکے تھے۔ میں نے إدھر اُدھر دیکھا۔ ہم اس وقت نشیبی علاقے میں تھے۔ ہمارے اردگر دلکشس کے بودے تھلے ہوئے تھے اور دُور دُور تک پہاڑیاں تھیں۔

۔ ہم تیوں ہی تھے۔ گروپ کا کوئی اور لڑکا ہمارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ مختلف ستوں میں نکل گئے تھے۔ میں نے سیتا کی طرف دیکھا اُس نے دونوں ٹائلیں آگے کو بیار کی تھین اور قدرے پیچھے جھک کر دونوں ہتھیا ہیاں زمین پر نکار تھی تھیں۔

'' مجھے پیاس لگ رہی ہے۔'' وہ سیدھی ہُوکر بیٹھ گئی اور اِدھراُ دھرد کیھتے ہوئے بولی۔''لیکن لگتا ہے یہاں کہیں یانی نہیں ملے گا۔''

عبدالرخمان بھی سندھا ہو کر بیٹھ گیا اور کندھے پرلنگی ہوئی پانی کی بوتل اُ تار کرسیتا کی طرف بڑھا دی۔ ہم جب باہوقلعہ کے قریبی کھنڈروں سے مانسر جھیل کی طرف روانہ ہوئے تھے تو چار پانچ مجاہدین کے پاس پانی کی بوتلیں دیکھی گئی تھیں۔اور پھر مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ عبدالرحمٰن کے پاس بھی ایسی کوئی بوتل موجود تھی۔

نیتنانے ایک دو گھونٹ بھرنے کے بعد بوتل میری طرف بڑھا دی۔ بوتل کا وزن بتارہا تھا کہ اس میں پانی کی مقدار زیادہ نہیں تھی۔ میں نے بھی صرف دو گھونٹ بھرنے کے بعد بوتل عبدالرحمٰن کی طرف بڑھا دی۔ اُس نے بھی ایک دو گھونٹ بھرے اور ڈھکنا بند کر کے بوتل دوبارہ کندھے پرلٹکالی۔

'' میں تو سمجھا تھا کہتم وہاں ہے بھاگ نکلوگی یا کہیں دبک کرخوف کے مارے تھرتھر کا پینے لگو گی۔ کیکن تم تو بہت بہا در ثابت ہوئیں۔'' میں نے سیتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

'' پہلا جھٹکا تو میرے لئے واقعی نا قابل برداشت تھا۔'' سیتا نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔'' جب ہرطرف سے فائز نگ شروع ہوئی تو ایک لمحد کومیرا دل چاہا تھا کہ دہاں سے بھاگ نکلوں ۔لیکن تم نے میری ہمت بڑھائی اور میں نے رائفل پر ہاتھ جماد ہے۔

''ایسے موقع پر بھاگنے کی کوششؑ کا نتیجہ خوفناک موت کی صورت ہی میں نکلتا ہے۔'' میں نے کہا۔''پشت برگولی کھانے ہے بہتر ہے کہ آ دمی سینہ سیر ہوکر جان دے دے۔''

'' پیمبرا ٹیبلا تجربیرتھا۔'' سیتا نے جواب دیا۔'' آئندہ ایسا کوئی موقع آیا تو سینہ تان کر کھٹر ک

ہم بنجر اور ویران پہاڑیوں میں تیز تیز چلتے رہے۔ میتائے اپنی رائفل کندھے پر لٹکا رکھی تھی اور میں نے اُس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

اور پھر میرے وہ بدترین خدشات درست ٹابت ہوئے فضا میں ہیلی کا پیڑ کے پروں کی ہلکی سی پھڑ پھڑ اہٹ سنائی دینے گئیعبدالرحمٰن چیغا۔

'' كما نڈر..... بھا گو....اس طرف ـ''

وہ ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے سیتا کا ہاتھ مضبوطی ہے پکڑ کرایک طرف دوڑ لگادی جہاں پچھاُ و نچے ہیو لے نظر آ رہے تھے۔ بیلی کا پٹر کی آ واز واضح ہوتی جار ہی تھی۔ اور پھروہ بیلی کا پٹر نظر آ گیا ۔۔۔۔۔ وہ گن شپ ہیلی کا پٹر نہیں تھا۔ اُس کے پنچے سرچ لائٹ نصب تھی۔ کا پٹر کے پیندے سے پھو شنے والی دھار نیچے آتے ہوئے پھیلتی چلی گئی تھی اور ایک وسیع علاقہ تیز روشنی کی زدمیں تھا۔

عبدالرحمٰن ایک چٹان کی کھوہ میں دبک گیا تھا۔ ہم اس سے کچھ فاصلے پر تھے اور ہمارا رُخ بھی کمی قدر دوسری طرف تھا۔ ہم سے چندگز آ گے کیکٹس کے درختوں کا ایک جھنڈ سا تھا۔ جھنڈ سے چندگز وُورسیتالڑ کھڑ اکر گری۔ بیلی کا پٹر قریب آ رہا تھا میں نے جھک کرسیتا کا ہاتھ پکڑا اور اُسے گھیٹیا ہوا کیکٹس کے جھنڈ میں لے گیا۔

ہروں کے بید کے بودے و نظل کی صورت میں بالکل سید بھے ہوتے ہیں اور اُن پر جھوئی جھوئی اُسیتاں بھی ہوتے ہیں اور اُن پر جھوئی جھوئی اپتیاں بھی برائے نام بی ہوتی ہیں۔اس لئے ان بودوں کا سامید بھی گھنانہیں ہوتا۔ کیکن ہمارے کپڑے گہرے رنگ کے تھے اس لئے یہ اُمید بی کی جاستی تھی کہ ہمیں اُوپر سے نہیں دیکھا جا سے گ

میں نے سیتا کو ساتھ لیتے ہوئے کیکٹس کے پودوں کے جھنڈ میں چھلانگ لگا دی۔ سیتا کے منہ سے ہلکی می چیخ نکل گئی۔ میں بھی بے اختیار کراہ اُٹھا تھا ۔۔۔۔ کانٹوں سے میرے ہاتھ اور بازو چھل گئے تھے۔ چبرے پر بھی ایک خراش آئی تھی۔ اور غالبًا سیتا کو بھی کانٹے ہی چھے تھے اس لئر ، ۔ چنج تھی

سے رہ یں ہے۔

سیتا میر ہے ساتھ لیٹ گئی تھی۔ ہم دونوں بے حس وحرکت پڑے رہے۔ ہیلی کا پٹر بلندی یہ

پرواز کرتا ہوا ہماری طرف ہی آ رہا تھا۔ اور پھر تیز روشیٰ کا وہ وسیج وعریض دائرہ ہم سے تقریباً

پیاس گز کے فاصلے سے گزرگیا ہیلی کا پٹر کے کافی دُ ورنگل جانے کے بعد بھی ہم بے حس و

حرکت پڑے رہے۔ اور پھر پہلے میں نے سراُ ٹھا کر ادھراُ دھر دیکھا اور پھر سیتا کو ہٹا کر آ ہے۔

آ ہے اُ ہُم آ گئے۔ وہ کراہ رہی تھی۔ میر ہے جسم پر بھی خراشیں آئی تھیں جن میں شدید جلس ہورہی

سے باہر آ گئی۔ وہ کراہ رہی تھی۔ میر ہے جسم پر بھی خراشیں آئی تھیں جن میں شدید جلس ہورہی

میں عبدالرحمٰن بھی اپنی کمین گاہ سے نکل آیا تھا۔ ہم چند کھیے وہاں کھڑے اوھراُ دھر دیکھتے

رہے اور پھر تیزی سے ایک طرف جلنے گئے۔

رہے اور پھر تیزی سے ایک طرف جلنے گئے۔

ہم نے ریسٹ ہاؤس پرجس شدت سے فائرنگ، راکٹ اور گولے برسائے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں اچھا خاصا جانی نقصان ہوا تھا۔ کی لاشیں تو میں نے اپنی آنکھوں سے گرتے ہوئے دیکھی تھیں۔ وہ سب فوج کے اعلیٰ افسران تھے۔ اُن میں سے کئی بقین طور پر مارے گئے ہول گے۔ کمانڈ ہیڈکوارٹر میں اطلاع ملتے ہی کہرام مجھ گیا ہوگا۔ جس طرح رات ہی میں بہلی کا پٹرول کے ذریعے ہماری تلاش شروع ہوگئی تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ہر قیمت پرہمیں پکڑنا چاہتے تھے اور مجھے یقین تھا کہ فوج کے کئی دستے بھی ہماری تلاش میں پہاڑیوں میں بہنچ گئے ہوں گے تاکہ ہمیں زیادہ دُور جانے کا موقع نہ مل سکے۔

ہم کہیں رُ کے بغیر تیز تیز چلتے رہے۔اس دوران ایک مرتبہ اور ہمیں بیلی کا پٹر سے بچنا پڑا تھا۔لیکن اس کے بعدالی کوئی صورتحال پیش نہیں آئی تھی۔

سیتا کی بری حالت ہور ہی تھی لیکن میں اُسے ہاتھ سے پکڑ سے تھنچتار ہا۔ شہر کی رہنے والی ناز وقع میں پلی ہوئی لڑی ہوں اُن اور میں مبتلا ہو گئی تھی جس سے نبرد آز ما ہونے کی وہ کوشش کر رہی تھی۔ پوچھوٹے لگی تھی۔ اُس وقت تک ہم جمول شہر سے میلوں وُ ور دریا کے کنار سے پر پہنچ کے سے ۔ اس علاقے میں کچھوڈ ور تک درخت بھی تھے۔ ہم تھوڑی دیر دریا کے کنار سے پر رُ کے اور پھر تازہ دم ہوکر آگے بڑھنے کے اب ہمیں درختوں اور اُو کچی چٹانوں کی آڑ بھی حاصل تھے۔ اُس کو کی چٹانوں کی آڑ بھی حاصل تھی۔ اگر کوئی ہیلی کا پٹر اِس طرف آ بھی جاتا تو ہم آسانی سے کہیں جھپ سکتے تھے۔

دن کی روشیٰ بھیل گئی اور پھر دُھوپ نکل آئی۔ ہم دریا کے ساتھ ساتھ چٹانوں میں چلتے یہ ہے۔ دُھوپ جیسے جیسے تیز ہور ہی تھی چٹا نیں تپ رہی تھیں اور اُر می میں اضافہ ہور ہاتھا۔ میر ی ممین پسینے میں تر ہوگئی۔ میں نے سیتا کی طرف دیکھا اُس کی بھیگی ہوئی قمیض بھی جسم سے چپگی ہوئی تھی بے عبدالرحمٰن کی حالت بھی ہم سے مختلف نہیں تھی۔

''اور کتنی دُور جانا ہے۔۔۔۔۔کوئی ٹھکانہ ہے یا ہم ای طرح ویران پہاڑوں میں بھٹتے رہیں گئے؟'' سیتا نے ایک جگدرُک کر کہا۔ اُس کا سانس پھول گیا تھا اور وہ ہری طرح ہانپ رہی تھی۔ ''اب ہم اپنی منزل کے قریب پہنچنے والے ہیں۔' عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔''زیادہ سے زیادہ آیک ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔' اور پھر واقعی تقریبا ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم ایک غار میں پہنچ گئے۔ وہ غار بھی عجیب طرح کا تھا۔ ایک ندی ہے دوسری طرف سنگلاخ چائوں میں گہرائی کی طرف ایک تنگ می مرتب تھی۔ تقریباً دس فٹ ڈھلان اُر نے کے بعد ہموار جگہ تھی اور وہیں سے غار دائیں طرف مؤر گیا تھا جو کافی کشادہ اور سرتگ کی طرح بہت طویل تھا۔ دوسری طرف تقریباً میں گزائے ہے۔ وہنی نظر آرہی تھی۔ اُس سرتگ میں بھی اُو پر سی طرف سے پانی بہدر ہا تھا جس سے تقریباً میں گزائے دوئی ندی می بن گئی تھی۔

'' یمی جگد مناسب رہے گی۔'' عبدالرحمٰن ایک صاف تی جُلد دیکھ کرڑک گیا۔'' یہاں پائی بھی ہےاور ہوابھی آ رہی ہے۔''

سیتا ایک دم ڈھیر ہوگئی اُس نے جانوروں کی طرح ندی میں مندلگا کر پائی پیا اور پھر پشت کے بل لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے گئی۔ ب بیہ سے تاریخ کے سے میں کر میں کا میں این میں میں اُس کا میں کا می

پندر دہیں من بعد بی ہمارے تواس ٹھکانے آسکے تھے۔ ہمارے کپڑے پینے میں بھیگہ ہوئے تھے۔ ہمارے کپڑے پینے میں بھیگہ ہوئے تھے اور غارکے کھلے جھے ہے آنے والی ہواہے جسم میں ٹھنڈک کا احساس ہور ہا تھا۔
عبدالرحمٰن نے پتلون کی جیب ہے ایک جھوٹی تی پولی نکال کر سامنے رکھ دی۔ اُس میں
سختے ہوئے سفید کا بلی چنے تھے۔ میری پتلون کی جیب میں بھی چنے موجود تھے جو میں نے نکال
کراس کھلی ہوئی پوٹلی میں ڈال دیئے۔ ہم متیوں نے چنے کھائے اور پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔
'' یہ غار کہاں پر ہے ۔۔۔۔ میرا مطلب ہے قرب و جوار میں کوئی آبادی ہے یا۔۔۔۔'' سیتا نے رحمٰن کی طرف و کھے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔۔

''یبال سے پانچ میل ؤورمستواری نام کا ایک قصبہ ہے۔'' عبدالرحمٰن بتارہا تھا۔''جمول سے ترین پرسوار ہوں تو دس بار دمیل کے فاصلے پرمستواری پہلا ریلو سے شیشن ہے۔قصبہ زیادہ برانہیں ہے۔ مندوؤں، تحدول، ڈوگروں اورمسلمانوں کی ملی جلی آبادی ہے۔شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہم اس قصبہ میں پہنچ جائیں گے۔وہاں دو تمین گھر ہمارے محفوظ ٹھکانے میں۔دو

پھینے کے بعد ہم آل کھیے یں بی جایں گے۔ وہاں دوین کفر ، ہارے مرط تھا۔ چارروز وہاں رہ کرصورتحال کا جائزہ لینے کے بعد ہی کوئی ا گلا قدم اُٹھا ئیں گے۔''

'' ٹھیک ہے ۔۔۔۔ فی الحال تو آرام کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' میں نے کہا اور دیوارے ٹیک لگا کرنانگیں پیارلیں۔ بیتا مجھ سے پہلے ہی آئکھیں بند کر چکی تھی۔

'' ٹھیک ہے ۔۔۔۔۔ تم لوگ کچھ آرام کرلو۔ میں جاگ رہا ہوں۔'' رحمٰن نے کہا اور پھر تھوڑی بی دیر بعد میں بھی دیوار ہے ٹیک لگائے او تکھنے لگا۔

ں میں اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ رخمٰن نے مجھے جنجھوڑ کر جگا دیا۔ میرے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ رخمٰن نے مجھے جنجھوڑ کر جگا دیا۔ میرے دیا نہوں۔ دی ہوں۔

''اُٹھ جاؤ کمانڈر۔۔۔ باہر کوئی آ رہاہے۔''رحمٰن نے سِرگوثی کی۔

میں اُنچیل پڑا۔میری نیند کا فور ہوگئی۔ میں نے لیک کررائفل اُٹھا لی اور سیتا کو بھی بھتجھوڑ کر .

جیاری۔ ''اس طرف'' عبدالرحمٰن نے سرگوشی کی۔''اس تاریک گوشہ میں۔'' ہم متیوں بڑی پھرتی ہے غار کے ایک تاریک گوشے میں دبک گئے۔ سیتا کو چھپے کر دیا گیا تھا اور میں اور عبدالرحمٰن رائفلیں سنجالے آنے والے کھات کا انتظار کرنے لگے۔

بنیار کے ندی والے دہانے کی طرف سے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جولمحہ ہلکھ۔ قریب پہنچ رہی تھی۔۔۔! قریب پہنچ رہی تھی۔۔۔!

قدموں کی آواز ہے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کم از کم دوآ دمی تھے جو بڑے محتاط انداز میں آ گے بڑھ پر ہے تھے۔ہم نے اپنی رائفلیں بالکل تیار کر رکھی تھیں۔

ہم تاریکی نیں تھے اور ہماری نظریں غار کے موڑی طرف تگی ہوئی تھیں جہاں سے گزر کر ہم بھی اس طرف آئے تھے۔قدموں کی آہٹ بالکل قریب آئی جار ہی تھی۔ پھر ایک انسانی ہیولہ موڑ گھوم کر سامنے آگیا۔ وہاں بھی روشی زیادہ نہیں تھی لیکن اُس انسانی ہیو لے کا لباس و کچھ کر مجھے کچھ اطمینان ساہوا تھا کہ وہ پولیس یا فوج کی وردی نہیں تھی۔

🥏 '' لَّلْمَا ہے اس طرف کو کی نہیں آیا۔''ایک آواز سائی دی۔

''بوسکتا 'ہے اس طرف کا کسی کو خیال نہ آیا ہواور وہ دوسری طرف گئے ہوں۔ بہر حال ہمیں یہاں تھوڑی دیر آرام کا موقع مل جائے گا۔'' بید دوسری قدرے بھاری کب آ واز تھی۔

'' بیہ اپنے ہی لڑکے ہیں۔'' عبدالرحمٰن نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ان میں ایک تو وقائس ہے۔ تم میمیں رُکوا میں معلوم کرتا ہوں۔'' عبدالرحمٰن کسی قدر آگے بڑھ گیا اور پھراُس نے سرگوشیا نہ انداز میں وقائس کا نام لے کر پکارا۔

ُ ''تکون ہے۔۔۔۔ ادھر کون کے؟ سامنے آ جاؤ۔۔۔۔۔!'' وہی جھاری آواز غار میں گو بتی ہوئی ئی دی

''میں ہوں ۔۔۔۔عبدالرحمٰن ''رحمٰن کہتے ہوئے مزید آگے بڑھ گیا۔ اور پھر وہ دونوں بھی آگے آگئے ۔ اُن میں ایک و قاص تھا اور دوسرا حمید۔ یہ دونوں بھی رات کی چھاپہ مار کارروائی میں ہمارے ساتھ شامل تھے۔ میں اور سیتا بھی تاریکی ہے نکل کرساھے آگئے ۔ہمیں دیکھ کر اُن دونوں کے ہونٹوں پر خفیف می سکراہٹ آگئی۔

۔ وہ دونوں ندی کے کنارے پر ہیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگے اور کھر دیوارے ٹیک لگا کر ہیٹھ گئے ۔ اُن دونوں کے چیروں ہے تھکن نمایاں تھی۔

ک کی مردن کے پر رہی کہ کہ کی جائے گائی۔ ''کس طرف ہے آ رہے ہوتم لوگ۔ '' کیچھ دریہ بعد رخمن نے وقاص کی طرف دیکھتے ہے۔

'' جم لوگ دھتر یال کی طرف نکل گئے تھے۔'' وقاص نے جواب دیا۔'' کیکن اُس طرف خطر دمسوں کر کے جم طویل چکر کا ٹتے ہوئے اس طرف آگئے ۔ کیوئعہ ہمارے خیال میں کبی جگہ سب ہے محفوظ تھی۔ انچھا ہوا تم لوگ ہمی میہاں پُنٹی گئے ہو۔ ہر طرف تو راہتے ہند ہو پچک

000

نگل سکیس گے۔''

وہ سہ پہر کا وقت تھا۔ ہم اوگ پر وگرام بناتے اور رد کرتے رہے اور بالآخریکی طے پایا کہ شام کا اندھیرا پھلتے ہی بیبال ہے نکل کرستواری کا زخ کیا جائے۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ شام کا اندھیرا پھلتے ہی ہم روانہ ہو گئے ۔ تقریباً ایک میل تک ہم سب دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ اکٹھے ہی چلتے رہے۔ اور پھر ہم متیوں نے راستہ بدل لیا اور وقاص اور حمید دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے گئے۔

دوسری خوفناک اطلاع یکی کدرات کو ہمارے دوآ دمی پکڑے گئے تھے۔عباس تو رات ہی کو پکڑا گیا تھا جبکہ دلاور نامی نو جوان سج سویرے ان پہاڑیوں میں نو جیوں کے ہاتھ لگا تھا اور دلا ور نے تشدد کے سامنے جھیار ڈال دیئے تھے اور یہ بتادیا تھا کہ یہ منصوبہ عبدالرحمٰن نے تیار کیا تھا اور چھاپہ مار کارروائی کی قیادت شمروز نے کی تھی۔ اس کے ساتھ سیتا نام کی ایک ہندولڑی بھی تھی دلاور کے ساتھ سیتا نام کی ایک ہندولڑی بھی تھی دلاور نے یہ بھی شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ لوگ باہو قلعہ کے نواحی کھنڈرات میں بیں یا جمول کے مغرب میں واقع وشنود ہو کے غاروں والے مندر میں پناہ لے سکتے ہیں۔ اور بیا تھا آ گھا کہ وشنو دیو کے مندر والے غارشہر کے خالف سمت میں سینتیس میل کے فاصلے پر تھے اور باہو قلعہ بھی شہر کے دوسری طرف تھا۔ جبکہ ہم بہاڑیوں میں طویل چکرکا نتے ہوئے خالف سمت میں قلے بھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ہماری تلاش کے لئے تمام تر توجہ اس طرف ہوگی۔

سکندر کے کہنے کے مطاق آتی صبح جموں سے پٹھا نکوٹ جانے والی ٹرین کو بھی جموں شیشن سے روانگی کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔شہراوراُ س کے نواحی علاقوں کو کممل طور پر بیل کر دیا گیا تھا اور ہماری تلاش میں پورے شہر میں گھر گھر تلاشی لی جا رہی تھی اور ہمارا اُس طرف رُخ کرنا خود کئی کے مترادف تھا۔

سکندر نے ملنے والی اہم ترین خبر پیتھی کہ رات کو ہماری چھاپہ مار کارروائی میں ستر ہ فوجی آفیسر مارے گئے تھے جن میں تین بریگیڈیئر، پانچ کرنل اور میجرا ورکیپٹن وغیرہ تھے۔ کئی آفیسر بیں۔ جمول شہراوراس کے نواحی علاقوں کوفوج نے بوری طرح گھیرے میں لے لیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں ریسٹ ہاؤس پر حملہ کرنے والے اُگر وادی شہراور اُس کے نواح ہی میں سی طرف جھیے ہوئے میں لیکن تمہارے لئے ایک بری خبر بھی ہے۔'

> ''وو کیا …..؟''عبدالرحمٰن نے ہے تالی سے بوجھا۔ دوفر یہ بیش میں تبدید نہیں ہے۔

'' فیروز اور بشیر ہمارے ساتھ نہیں رہے۔'' وقاص نے جواب دیا۔

" كيا مطلب؟ "رحمن نے أے كھورا۔

''ہم پانچ آدمی پہاڑیوں ہے بھاگ کر مانسر جھیل کے دوسری طرف چلے گئے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم نندانی کی طرف نکل جائیں گے۔لیکن پہاڑیوں میں بھٹک کر ایک طویل چکر لگانے کے بعد دوبارہ جھیل کی طرف نکل جائیں گئے۔اُس وقت تک شہر ہے فوج اور پولیس کی ایک بڑی نفری مانسر جھیل پر پہنچ چکی تھی اور فوجی دستے پہاڑیوں میں گھس آئے تھے۔ایک جگہ ہمارا تصادم ہوگیا۔ بشیر اور فیروز گولیوں کا نشانہ بن گئے۔عباس پکڑا گیا۔ میں اور حمید کی طرح ان پہاڑیوں سے نکل کر نندانی کی طرف بھی خطرہ محسوں کر کے اس طرف آگئے۔'' خطرہ محسوں کر کے اس طرف آگئے۔''

''عباس پکڑا گیا ہےتو بہت برا ہوا۔''عبدالرحمٰن بولا۔''ویسے کچھ پیۃ چلا اُن کے کتنے آ دمی رِ گئرِ تھر؟''

'' کچھ پیے نہیں ۔۔۔۔' وقائس نے جواب دیا۔'' اچھے خاصے مارے گئے ہوں گے۔ وہ سب اعلیٰ افسر سے اس لئے تو پوری ہائی کمان پاگل ہور ہی ہے۔ کئی پلاٹون پہاڑوں میں ہمیں تلاش کر رہی ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے یہ جگہ بھی محفوظ نہیں ہے۔ تلاش کا دائر ہ وسیعے کیا جار ہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ یہاں تک پُنیج جائیں آپ لوگوں کو یہاں سے نکل جانا چاہئے ۔'

''ہم شام کا اندھرا پھیلتے ہی یہاں ہے نکل جانیں گے۔تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟'' عبدالرحمٰن نے یوچھا۔

''ہم لوگ بھی ندی کے ساتھ ساتھ سنر کرتے ہوئے نواحی شہر کی طرف نکل جائیں گے اور اگرموقع ملاتو وہاں سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔''وقاص نے جواب دیا۔

وہ لوگ دیرتک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ اُن کی باتوں سے میں نے بیاندازہ لگایا تھا کہ ایسی صورتحال میں ستواری بھی ہمارے لئے محفوظ نہیں تھا۔ وہ ریلوے شیشن جموں ہے دت بارہ میل بی کے فاصلے پرتھا۔ اگر جموں شہر کوسل کر دیا گیا تو ستواری کوبھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اس خدشے کا اظہار کیا تو عبدالرحمٰن بولا۔

'' رسک تولینا پڑے گا کمانڈر! اُس کے علاوہ کوئی جارہ نبیں ہے۔ان بنجر پہاڑوں میں دُور دُور تک کُوئی سِتی نبیس۔اگر تلاش کا سلسلہ یہاں تک پنج شیاتو ہم زندگی بھران پہاڑوں سے نبیس ديکھا جار ہاتھا۔

جمول کی طرف ہے آتے ہوئے ۔ خاب کا پہلا بڑا شہر پٹھان کون ان چند شہروں میں ہے ایک تھا جس کی تغییر میں مغلول نے بھی اہم کردارادا کیا تھا۔ تشمیر کی ٹزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ ہے اس شہر کو وتی ہے کشمیر جانے والے مغل شہنشاہوں اور شنرادوں کے ایک پڑاؤ کی حیثیت حاصل تھی۔ ہمغل شنرادے نے حسب تو فیق یہاں اپنی نشانیاں اور یادگاریں قائم کی تھیں۔ شہر کا سب سے خوبصورت یارک (شاہی باغ) اب بھی شہنشاہ جہانگیر کے عہد کی یاد دلاتا ہے۔ دور تک بھیلا ہوا پیشہر قدیم تہذیب بھی دکھنے کو لکتی ہے اور جدید شافت بھی۔ دکھنے کو لکتی ہے اور جدید شافت بھی۔

اس شہرگ زیادہ آبادی سکھوں، ہندوؤں اورمسلمانوں پرمشمل ہے۔ دوسری قوییں بھی آباد میں۔ گر عبادت گاہوں میں زیادہ تعداد سکھوں کے گردواروں اور ہندوؤں کے مندروں کی ہے۔ جبکہ شہر کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی چندمساجہ بھی ہیں۔

وہ دو پہر کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی۔ لو کے تھیٹر ہے چل رہے تھے۔ ہم ان دونوں بوڑھی عورتوں اور ٹھے۔ ہم ان دونوں بوڑھی عورتوں اور بوڑ ھے عردوں کے ساتھ چلتے رہے۔ سیتا نے مسلمان عورتوں کی طرح دو پٹے ہے گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ یباں اگر چہ اُسے بہجان لئے جانے کا کوئی اندیشہ نبیس تھا لیکن وہ اپنے آپ کو ایک مسلمان عورت بوز کر رہی تھی اور اس خیال ہے اُس نے غیر مردوں سے پردہ ضروری سمجھا تھا۔

تا نگداشینڈ پرکوچوان شہر کے مختلف ماہ توں کی آوازیں اگار ہے تھے اور اوگوں کو پکڑ کر اپنے تا نگوں کی طرف لے جانے کی کوشش کررہے تھے۔ ایک تائے والا محلّد فیروز بورہ کی آوازیں لگارہا تھا۔ ہم اُس کے تائیگر پر بیٹھ گئے۔ میں اُن دو بورشوں کے ساتھ آگے بیٹھ گیا جبکہ سیتا عورتوں کے ساتھ چھچے بیٹھ گئی تھی۔ اُن کا سامان وائی کی بھی سامبا کی کچھ سوغا تیں تھیں۔ اُن کا سامان وائی سامبا کی کچھ سوغا تیں تھیں۔ اُن کا سامان وائی سامبا کی کچھ

شدیدگری کے باوجود شہر کی سڑکول پرٹر لفک کا از دھام تھ۔ بازاروں میں خوب رونق تھی۔ تا گلہ مختلف سڑکول پر ہوتا ہوا تقریباً پون گھٹے میں محلّہ فیروز پور دمیں ایک مسجد کے قریب رُک گیا۔ عمر دین نامی ایک بوڑھے نے کرایہ ادا کیا اور ہم نیچے اُتر آئے۔ میں نے وہ ٹھڑ کی سر پر اُٹھا کی اور اُن کے پیچھے چلنے لگا۔ سیتا ہمی میرے ساتھ مہل رہی تھی۔

فیروز پورد میں ایک مین بازار اور دائیں بائیں لا تعدادگلیاں تھیں۔ بعض گلیاں تو کافی کشادہ تھیں اور بعض گلیاں اس قدر تنگ تھیں کہ تین آ دمی پہلو بہ پہلو بشکل چل سے تھے۔ زیادہ آبادی سکھوں اورمسلمانوں کی تھی۔ ہندو بھی نظر آ رہے تھے۔

تقریباً ایک فرلانگ تک مین بازار میں چانے کے بعد ہم ایک شاد وگل میں داخل ہو گئے۔ سرخ اینوں کے مکان قدیم فن تعمیر کی عکائ کررہے تھے نیس بیشتر مکا نوں میں اپن ضرورت شدیدزخی ہوئے تھے۔ان فوجی آفیسروں کے ساتھ مرنے والی عورتوں کی تعداد سوایتھی۔جَبَائی عورتیں شدید زخمی ہوئی تھیں۔عبدالرحمٰن کے کہنے کے مطابق جموں کے کور کمانڈ رکو بھی اس محفل میں شریک ہونا تھا مگروہ کسی وجہ ہے نہیں آ کا تھا اور اُس کی قسمت ہی اچھی تھی کہوہ وہاں ہے ڈور ہی رہا تھا۔

' سکندر کے کہنے کے مطابق آج صبح ہی ہے دبلی ہے بیلی کا پٹروں کی آمد و رفت گلی ہوئی تھی۔ کنی منتری اوراعلیٰ ترین سرکاری حکام صبح سویرے ہی دِ تی ہے جموں پہنچ گئے تھے۔ ستواری ریلوے ٹیشن پر فوجیوں کی ایک پارٹی صبح ہی ہے موجود تھی۔ وہ ہر شخص پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے اور بعض بے گنا ہوں کو پکڑ کر مارا پیٹا بھی گیا تھا۔

سکندر کے کہنے کے مطابق ان حالات میں ہمارا قصبے میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اُس نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہم و ہاں رُ کنے کی بجائے آ گے روانہ ہو جائیں۔ دس میل آ گے ایک اور گاؤں اور ریلو سے شیشن تھا۔ شاید و ہاں صور تحال بہتر ہو۔

سکندر نے ہمارے لئے خچروں کا بندوبست کر دیا اور ہم آبادی ہے وُورر ہتے ہوئے آگے روانہ ہو گئے ۔لیکن اگلا گاؤں بھی ہمارے لئے محفوظ نہیں تھا۔ اس طرح ہم وہاں بھی ز کے بغیر آگےنکل گئے ۔اس طرح ہم خچروں پر رات بھر سفر کرتے ہوئے سامبا پہنچ گئے ۔

سامبا ایک بڑا قصبہ تھا اور نواج بیس پہاڑی سلسلہ بھی بتدریج ختم ہوتا جا رہا تھا۔ آگے میدانی علاقہ تھا اور سرسبز فصلیں لہراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ سامبا کے نواح میں ایک جگہ ہمیں پناہ مل گئی۔ وہ دن اور رات ہم نے وہیں گزاری اور اُس سے اگلے روز ہم عبدالرحمٰن سے رخصت ہو کر پٹھان کوٹ کی طرف جانے والی بس پر سوار ہو گئے۔ ہمارے ساتھ دو بوڑھی عورتیں اور دوآ دمی بھی تھے۔ سیتا اُن عورتوں کے ساتھ تھی اور میں اُن دو بوڑھے آ دمیوں کے بچھی میں میٹھ گیا تھا۔

جسم گرھ میں بس رُی تو پولیس کی بھاری نفری نے بس کو گھیرے میں لے لیا اور بس سے اُر نے والے ہر مسافر ہے ہو چھ کچھ کی جانے لگی۔ دو پولیس والے بھی بس میں گھس آئے تھے۔ مجھ سے بھی کچھ این باتیں پولیس گئیں جن کے بارے میں مجھے پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا۔ میں کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ میرے رشتے داروں کے نام کیا ہیں اور وہ کیا کام کہاں نے بین داروں کے نام کیا ہیں اور وہ کیا کام کرتے ہیں نفیرہ وغیرہ۔میرے ساتھ ہیشا ہوا بوڑھا نواب دین بھی اس آڑے وقت میں بڑا کام آیا تھا۔ اُس نے سامبا کے ایک پولیس آفیسر کا نام بھی لے دیا کہ ہم اُس کے رشتہ دار ہیں۔ ہمارے بارے میں اُس سے معلومات حاصل کی حاصتی ہیں۔

خدا خدا کرے سہ پہر کے قریب بس پٹھان کوٹ پنچ گئی۔ بس ہے اُتر تے ہوئے بھی ہیں نے محسوس کیا تھا کہ آس پاس کھڑے ہوئے چند پولیس والے اور پکھے سادہ لباس، مسافروں کو کڑی نظروں سے گھور رہے تھے۔ جمول کی طرف ہے آنے والے برخض کومشتبہ نگاہوں ہے

اور عبد حاضر کے مطابق تبدیلیاں کر لی گئی تھیں۔ زیادہ تر مکان دومنزلہ تھے۔اس کشادہ گلی میں تقریباً بچپاس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک اور گلی میں داخل ہو گئے اور دائیں طرف والے چوتھے مکان کے سامنے زک گئے۔

وستک کے جواب میں دروازہ جلد ہی کھل گیا۔ اس مرکزی دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی ایک طرف بیٹھک کا دروازہ تھا اور دوسری طرف اوپر جانے کے لئے سرخ اینٹوں والی سٹر ھیاں۔

بیٹھک کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔اندر پکھا چل رہاتھا مگر کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔عمر دین نے جھ سے گٹھڑی لے لی۔ مجھے اور سیتنا کو بیٹھک میں بٹھا کروہ سب لوگ اندر چلے گئے۔ سیتنا نے چبرے پرے گھونگھٹ بٹا دیا بلکہ دوپنہ اُتار کرا ایک کری پر ڈال دیا اور بیکھے کے پنچے کھڑی ہوگئی۔ پسینے سے اُس کا چیرہ بھی تر ہور ہاتھا۔ میں ایک کری پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

ایک دیوار پرقریب قریب خانه کعبه اورمجد نبوی کی رنتین تصاویر فریم میں آویز ال تھیں۔ دوسری دیوار پرکسی کمپنی کا کیلنڈر آویز ال تھا۔ کمپنی کا نام ہندی میں چھپا ہوا تھا۔ فرش پر ایک پرانا سا قالین بچھا ہوا تھا اور فرنیچر بھی درمیانے در ہے کا تھا جس سے گھر والوں کی مالی حثیت کا انداز ولگایا جاسکیا تھا۔

تقریباً آو ھے گھنٹے بعد ایک ادھیڑ عمر عورت ایک ٹرے اُٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹرے میں دوگلاس اور ایک شیٹے کا جگ تھا جو لیموں کے شربت ہے لبریز تھا۔ اس عورت کے اندر داخل ہوتے ہی سیتائے جلدی ہے دو پٹداُٹھا کر سر پر ڈال لیا اور میں بھی کری ہے اُٹھ کر کھڑ اہو گیا اور اُس عورت کوسلام کیا۔

عُورت نے نرے تپائی پر رکھ کر میرے سر پر شفقت سے ہاتھ چھیرا، سیتا کو گلے سے لگا کر بیشانی پر بوسہ دیا۔'' بیٹھوتم لوگ۔ کھڑے کیوں ہو؟'' وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔'' یانی پیوا دُھوپ ہے آئے ہو۔ پیاس لگ رہی ہوگا۔''

ہم دونوں بیٹھ گئے اور ایک ایک گلاس اُٹھا لیا۔ گلاس خالی ہوئے تو اُس عورت نے جگ اُٹھا کرانہیں دویارہ بھر دیا۔

''میں عبدالزخمٰن کی مات زبیدہ ہوں۔''وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے 'رلی۔'' مجھے عمر 'ین نے تم لوگوں کے بارے میں تھوڑا سابتا دیا ہے۔ بیتو ہماری خوش نصیبی ہے کہ تم دونوں نے ہمارے گھر کورونق بخشی۔''وہ اگر چہ اُردو میں بات کررہی تھی مگر اچہ کشمیری تھا اور پنجالی زبان کے الفاظ بھی بکثر ت استعمال کررہی تھی۔''اس کو اپنا ہی گھر سمجھنا بیٹا! اور کوئی تکلف نہ کرنا۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہو بال تکلف کہددیتا۔''

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ بوڑ ھاعمر دین دروازے میں نمودار ہوا۔ اُس کے پیجھے۔ دونوں غورتیں اور دوسرا بوڑ ھانبھی تھا۔

''اچھا زبیدہ بیٹی۔۔۔۔۔اب ہم جلتے میں۔'' عمر دین نے کبا۔''عبدالرحمٰن نے ایک اماننہ ہمارے سپرد کی تھی۔ اللّٰہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں وہ امانت تم تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔''اُس نے بات کرتے ہوئے میری اور سیتا کی طرف دیکھا تھا۔

''''الیں کیا جلدی ہے ماما جی ۔۔۔۔۔روٹی کھا کے جانا۔انہمی تو بہت تیز ڈھوپ ہور ہی ہے۔'' بعدہ۔ نے کہا۔

'''ساری زندگی دُھوپ میں جلتے ہوئے گزری ہے۔اب یہ ہمارا کیا بگاڑ لے گی؟ روٹی ہم محمر شفیق کے ہاں کھالیں گے۔'' عمر دین نے جواب دیا۔زبیدہ کے اصرار کے باوجود وہ نہیں رُکے۔اُن سب نے ہم دونوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھہ پھیرااور رخصت ہو گئے۔

''عمر دین میراماما ہے۔''زبیدہ نے بتایا۔''اس کا بیٹا ٹیرشفیع یبال سرکاری نوکری کرتا ہے۔ سامبامیں ان کی تھوڑی می زمین ہے۔ یہ ہفتہ دس دن میں یبال آتے رہتے ہیں۔'' وہ چند لمحول کو خاموش ہوئی پھر اُٹھتے ہوئے بولی۔''تم لوگ نہا دھولو۔ میں اپنے میں آٹا گوندھ کرروٹیاں پکا لیتی ہوں۔ آؤ۔۔۔۔۔میر ہے ساتھ آؤ۔''

ہم زبیدہ کے ساتھ بیٹھک ہے باہر آ گئے۔ بڑالمبا چوڑا پختے تھی نتیا جس کے مین وسط میں اُونچا اور گھنیرا نیم کا درخت لگا ہوا تھا۔ اُس کا گہرا سابیہ دُور دُور تک کچسلا ہوا تھا۔ دو کمرے سامنے تھے اور دو دائیں طرف بدونوں طرف برآ مدے تھے۔ ایک طرف باور چی خانہ تھا اور اور پر خانہ تھا اور اور پر خانہ تھا اور اور پر خانہ تھا۔ اور جانے والی سٹر تھی کے ساتھ ایک غسل خانہ تھا۔

''ایک غسل خانہ تو یہ ہے۔'' وہ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔''اور کمرے میں بھی عنسل خانہ ہے۔'' وہ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے اولی بین ہوں۔'' عنسل خانہ ہے۔ آؤ بین بسستم میرے ساتھ آ جاؤ! تشہر و میں تولئے لا دیتی ہوں۔''

زبیدہ ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہے جا رہی تھی۔ وہ بات کرتی ہوئی ایک کمرے میں گھس گئی اور تھوڑی دیر بعدوہ دُ ھلے ہوئے تو لئے لے آئی۔

''لو بیٹا!'' اُس نے ایک تولیہ میری طرف بڑھا دیا۔''تم یباں نہالو! اور بٹی تم اس کرے میں جلی جاؤ۔ میں جلدی ہے روٹیان ایکالوں ۔تم لوگوں کو بھوک لگ رہی ہوگ ۔''

میں تولیہ لے کرسٹر ھیوں کے ساتھ والے عسل خانے میں گھس گیا۔ تقریباً آو ھے گھٹے تک پانی ک ڈونگے بھر کراپنے اوپر ذالتار ہااور جب نہا کر باہر نکالا تو زبیدہ کھانا تیار کر چکی تھی۔ اُس نے نیم کے سائے میں تیا کی اور چار کرسیاں بچھا دی تھیں اور پھر کھانا بھی و میں لگا دیا تھا۔ و وخود بھی بھارے ساتھ کھانے میں شامل تھی۔ اور اس وقت پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ وہ گھر میں اکملی تھی۔

''' 'نیچے کہاں میں ماں جی؟'' میں نے پوچھا۔اور پھر مجھے نگا جیسے میں نے اُس کے زخم پر اُنگی رکھ دی ہو۔

ز بیدہ کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ چبرے پر نا قابل بیان کرب کے تاثر اے بکھر گے ۔ '

'' بچے؟' وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔''اللہ نے سب پچھ دیا مگر اس نعمت سے محر دم رکھا۔ عبدالرحمن میری بہن کا بیٹا ہے۔ مگر اُسے میں نے بی اولا دکی طرح پالا ہے۔' اُس کے دکھ ومحسوں کر کے میں نے موضوع بدل دیا اور پھر ہاتوں کا ایک نیا سلساء شرون ہوگیا۔ زبیدہ جموں کی رہنے والی تھی۔ اُس کا پورا خاندان وہاں تھا۔ پچھر شتے دارسامہا،ا ھنور. کھور اور پنھان کوٹ کے ملاوہ پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی آباد تھے۔ اُس کا شوہر الطاف اُس کا فرست کزن تھا۔ زبیدہ شادی کے بعد پٹھان کوٹ آگی اور پچھ عرصے بعد وہ عبدالرحمٰن کو بھی اپنے یاس لے آئی۔ وہ خود باولاد تھی۔ اُس نے عبدالرحمٰن کواولاد بی کی طرح بایا اور گرجی پشن تک تعلیم دلائی۔

عبدالرحمٰن اپنے والدین سے ملنے کے لئے جمول جاتا رہتا تھا۔ وہ جموں اور تشمیر میں بھارتی عاصبوں کے خلاف مجاہدین کی سرگرمیوں سے بڑا متاثر تھا۔ جموں اور تشمیر کے ہر باشندے کی طرح وہ بھی اپنے وطن کی آزادی کے خواب دیکھنے لگا اور بالآخر مجاہدین کی ایک تحریک میں شامل ہو گیا اور کئی کئی روز تک گھر سے غائب رہنے لگا۔ پولیس اُس کی گرفتاری کے لئے جمول میں اُس کے والدین اور دوسرے رشتے داروں کے گھروں پر چھاپے مارتی رہتی تھی۔ایک موقع پر پولیس اُس کے والدین اُس کے بعد عبدالرحمٰن کے لئے اور اُسے تشدوکر کے ہلاک کر ڈالا۔اس کے بعد عبدالرحمٰن نے گھر آن چھوڑ دیا گر بھارتی سامراج کے خلاف اُس کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔

ر ہی ہے کہ میرہ وہ پوٹ پر سے ساتے بیچا ہوا ہے۔ زبیدہ کی بات نے مجھے چونکا دیا تھا۔عبدالرحمٰن کو اُس نے پالا تھا، اُس نے اس شہر سے گریچویشن کیا تھا۔ یہاں کے بہت سے لوگ اُسے جانتے تھے۔اوراب جموں میں فوجی افسروں کے قبل عام میں بھی اُس کا نام لیا جارہا تھا جس کا مبطلب تھا کہ پیچگہ بھارے لئے محفوظ نہیں تھی۔ پولیس اُس کی علاش میں کسی وقت بھی ادھر کا زُخ کر سکتی تھی۔ میں نے زبیدہ سے بہی

سوال کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

ہمارے ساتھ سمبا آنے والے بوڑھے تمردین نے زبیدہ کو ہمارے بارے میں بہت مختصر سا ہتا دیا تھا۔ وہ صرف اتنا جاتی تھی کہ میرے ساتھ بیلڑ کی سیتنا ہے اور اپنوں سے بغاوت کر کے میرے ساتھ مل گئی ہے۔ اور میں شمروز ہوں۔ اور اب میں نے اُسے اپنا اور سیتنا کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا اور یہ بھی درخواست کی کہ ہمیں عذرا اور سلطان کے نام سے پکارا جائے تا کہ ہمارے اصل ناموں سے کمی کوشہ نہ ہوسکے۔

شام چھ بجے کے قریب زبیدہ کا شوہرعبدالعزیز بھی آگیا۔اُس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔سر کے بال اگر چہ سفید ہو چھے تھے مگرصحت قابل رشک تھی۔ ہمارے بارے میں جان کر اُس نے بڑی گر مجوثی کا اظہار کیا۔عبدالعزیز ایک ملٹی بیشنل فار ماسیوٹیکل کمپنی میں ملازم تھا جس کا ایک دفتر پٹھان کوٹ میں بھی تھا۔ اس جمپنی کے جموں اور کشمیر کے معاملات کو اس دفتر ہے ہنڈل کیا جاتا تھا۔

اس متمام پڑوں کی کچھ عورتوں اور رشتہ داروں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی۔ میں تو عبدالعزیز کے ساتھ بیٹھک میں بیٹھار ہا جبکہ سیتا زبیدہ کے پاس تھی جہاں خواتین کی آمد ورفت تھی۔ گھر میں آنے والےمہمانوں کو یہی بتایا جارہا تھا کہ ہم جالندھرے آئے ہیں اور چندروز یہاں رہ کر چلے جائیں گے۔

مکان کے نچلے حصہ میں اگر چہ چار پانچ کمرے تھے گر ہمارے لئے اُوپر والے حصے میں انتظام کر دیا گیا تھا۔ اوپر بھی وسیع وعریض صحن تھا اور صرف تین کمرے تھے۔ ایک کمرہ تو سیڑھیوں کے بالکل ساتھ تھا جس کی ایک بڑی کھڑ کی گل کی طرف کھتی تھی۔ کھڑ کی میں کھڑا ہوکر سامنے والے مکان کی اُوپر کی منزل کے مکینوں سے بڑی آسانی سے بات کی جا سکتی تھی۔ دو کمرے حتی کے دوسری طرف تھے۔ ہماریت لئے انہی میں سے ایک کمرے میں انتظام کیا گیا تھا۔ اوپروالے حق کی اُدھر حصہ کھلا ہوا تھا تھی ہوں کا رہے کا رہے کی منزل سے کا دوسری کا آدھ حصہ کھلا ہوا تھا بھی کے کارے پر ریلنگ گئی ہوئی تھی۔ نیلے حتی میں

بی کیا....

صبح نو بجے میری آگھ کھلی تو سیتا بستر پرنہیں تھی۔ باتھ زوم کا دروازہ پوری طرح کھا ہوا تھا اور ظاہر ہے دہ و بال بھی نہیں تھی۔ میں کچھ دیر کروٹیس بدلتا رہا اور پھراُٹھ کر باتھ رُوم میں گھس گیا۔
کھنڈے پانی سے نہانے کے باوجود دماغ کی تپش کم نہیں ہوئی تھی۔ میں باتھ روم سے نکا بی تھا کہ سیتا کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں میں چائے کے کپ اُٹھا رر کھے تھے۔
''اوہ ۔۔۔۔ تم اُٹھ گئے؟'' وہ چائے کے کپ چھوٹی میز پررکھتے ہوئے بولی۔'' میں تو سجی تھی کے کہ بیٹ جو گھی

ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے اور جائے پینے لگے۔عبدالعزیز آٹھ بجے اپنی ڈیوٹی پر جاچکا اور زبیدہ اپنے کم ہے میں کسی مڑوین ہے یا تیں کررہی تھی۔

تھا۔اورزبیدہ اپنے کمرے میں کی پڑوئن ہے باتیں کررہی تھی۔ اور پھروں نجے کے قریب ہم بھی نیچہ گئے۔اُس وقت زبیدہ اکیلی تھی۔اُس نے ہمارے لئے ناشتہ تیار کر دیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں اور سیتا شہر کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے گھر ہے رخصت ہو گئے۔زبیدہ نے زبردی سیتا کو دو ہزار روپے دے دیئے تھے تا کہ ہم ضرورت کی چزیں خریدلیں۔

گرمی کے باوجود بازاروں میں رونق تھی۔شہر کی زندگی معمول کے مطابق تھی۔ البتہ وہ علاقہ جہاں اعلیٰ حکام کے سرکاری دفاتر سے اُس طرف ہندسرکار کے خلاف مظاہرے ہور ہے سخے۔ایک مخصوص طبقہ تھا جو جوں میں مانسر جبیل پراعلیٰ فوتی افسروں کے قل عام پر حکومت کے خلاف مظاہرے کرر ہاتھا جبکہ عام شہر یوں کواس ہے کوئی ولچین نہیں تھی، تاہم ہر جگہ موضوع یہی تھا۔لوگوں کے پاس صرف اخباری معلومات تھیں اور وہ انہی پر تبصرے کررہے تھے۔

ہم دو بجے تک بازاروں میں گھومتے رہے۔ سیتا نے ضرورت کی پچھ چنے یں خریدیں۔ میں نے جموں سے شائع ہونے والا ایک انگریز کی اخبار بھی خرید لیا۔ ہمیں بڑے زور کی ہوک لگ رہی تھی لیکن ہم نے ایک جگہ جائے گئے ملاوہ کچھ نمیں کھایا کیونکہ زبیدہ نے کہا تھا کہ دو پہر کا کھانا ہم گھریز کھائیں گے۔ اور پھرتین بجے کے قریب ہم گھر پڑنچ گئے۔

کھانے نے بعد میں اخبار لے کر نیم کے درخت کے پنچے بیٹھ گیا۔ چو تھے دن کے باوجود اخبار انہی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ کی زخمی فوجی افسران اور ان عورتوں کی تصویری تسمیں جن کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے وہ گھائل ہوئے تھے۔ اس واقعہ کی تحقیقات کے گئ اُس روز اعلی سطح کی ایک کمیٹل قائم کر دی گئی تھی اور ترجمان کے بیان کے مطابق تحقیقات میں پجھ بیش رفت ہوگی تھی۔

ایک اورخبر نے مجھے چونکا دیا۔ اُس رات کی جھاپہ مار کارروائی میں حصہ لینے والا بلال نام کا ایک لڑکا جموں ہے کئی میل دُ وراودهم پورشبرے بکڑا گیا تھا اور اُس نے انتہائی تشدد اُنٹی نے کے بعد انتیش افسروں کو بتایا تھا کہ شمروز سرینگر کی طرف جا چکا ہے جہاں وہ کی فوجی کیمپ پر آیک نیم کے درخت کی شاخیں اُو پر والے حن ہے بہت اُو پر تک چلی گئی تھیں۔ ہم رات گیارہ بچے کے قریب او پر آئے تھے۔ اس کمرے میں ڈبل بیڈ کے علاوہ دو تین کر بیاں بھی رکھی ہوئی تھیں ۔اٹیج باتھ رُوم تھا۔ زبیدہ اور عبدالعزیز جانتے تھے کہ ہم میاں بیوی نہیں میں ۔لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم بہت عرصے ہے اسکیارہ رہے ہیں۔انہیں ہمارے کر دار پر کوئی شبہ نہیں تھا اور اس لئے ہمارے لئے ایک ہی کمرے میں انتظام کیا گیا تھا۔

مانسر بھیل والے ریسٹ ہاؤس پر جھاپہ مار کارروانی کے بعد آج تیسرا دن تھا اور یہ سارا وقت بھاگ دوڑ کرتے ہوئے بی گزرا تھا۔ کہیں آ رام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ تھکن نے ہم دونوں کونڈ ھال کررکھا تھا۔ سیتا تو موقع ملتے ہی آ رام دہ بستر پر لیٹتے ہی سوگنی تھی لیکن مجھے تھکن کے باوجود نیزنہیں آ رہی تھی۔

سین کے آردار پراگر چہ مجھے کوئی شبنہیں تھا گیکن میں اپنے محاذ ہے اس قدر دُورنکل آیا تھا کے لئی الحال فوری طور پروائیں کا کوئی امکان نظرنہیں آرہا تھا۔ میری تلاش میں چیپہ چپہ چپانا جا رہا تھا اور ان حالات میں جمول یا شمیر کی طرف والیسی کا رُخ اختیار کرناممکن نہیں تھا۔ مشہری کسی ممارت پر نگے ہوئے گئریال نے تین بجے کا اعلان کیا۔ میں نے گردن تھم کر سینا کی طرف دیکھا یہ وہ گئری نیند میں تھی۔ چبر سینا کی طرف دیکھا یہ وہ گئری نیند میں تھی۔ اُس کے بال چبر ہے پر بھر یے ہوئے تھے۔ چبر سینا کی طرف دیکھا یہ وہ تھے۔ چبر سینا کی طرف دیکھا یہ وہ کے تھے۔ چبر سینا کی طرف دیکھا یہ وہ کے تھے۔ چبر سینا کی طرف دیکھا یہ وہ کے تھے۔ چبر سینا کی طرف دیکھا ہے دو گئری نیند میں تھی۔

ین ان حرف دیکھا کے دو ہمری میزین ان کے بان کا برائے پر کہا ہے۔ پر بے پناہ معصومیت تھی نیند میں وہ پہلے ہے کہیں زیادہ حسین لگ ربی تھی۔ میں چند کھے اُس کی طرف دیکھتار ہااور پھر کروٹ بدل کرسونے کی کوشش کرنے لگا اور بالآخر نیند کو مجھ پر ترس آ

اہ کارروائی کرنے کا اراد ہ رکھتا ہے۔

۔ میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ کپڑے جانے والے مجاہدین نے میرے

ساتھیوں کے بارے میں بھارتی افسروں کو گمراہ بی کیا تھا۔ ہم تقرِیبا ایک جفتہ زبیدہ اورعبدالعزیز کے مہمان رہے۔کشمیر کی طرف واپسی کا حیانس نہیں تھا۔ بیتائے بالآخر مجھےایے ساتھ راجستھان چکنے پرمجور کر دیا۔اور پھراس سے اگلے روز ہم ا ہے مہر بانوں سے رخصت ہو گئے۔ زبیدہ اورغبدالعزیز نے بماری ضروریات کے لئے ایک معقول آقم بهی جمیں دے دی تھی۔

پنھان کوٹ سے رخصت ہو کرٹرینول اور بسول میں مفرکرتے ہوئے ہم تیسرے روز شام کو پنجا کی سرحد ہے نکل کر راجستھان کے شہر ہنو مان ً ٹر دہ پہنچ گئے۔

به میری زندگی کا ایک نیا موڑ تھا اور مجھے کچھا ندازہ نہیں تھا کہ میرے لئے کیا تھا ۔۔۔ ؟

سرفروش مجامدوں کی داستان ''انگارے''ابھی جاری ہے، بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کریں